مآثرِ حکیم الامتؒ

ارشادات و افادات

ڈاکٹر محمد عبد الحی مدظلہٗ

[illegible] کمپنی [illegible]

وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط

مآثرِ حکیم الامت رحمۃ اللہ

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

حکیم الامت مجدد ملت حضرت شاہ محمد اشرف علی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی سوانح حیات اور خانقاہ اشرفیہ کا تفصیلی خاکہ، آپکی خصوصیات زندگانی، تصوف و سلوک کے ضوابط، اجتہادی و تجدیدی انفرادیت اندازِ تعلیم و تربیت، دیگر مفید مضامین و ملفوظات کا انتخاب اور اُن کی تشریحات کو خاص ترتیب کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔

ارشادات وافادات

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفی دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز

مرتب:۔ مسعود احسن علوی مرحوم

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل

پاکستان چوک کراچی

بار ششم صفر المظفر ۱۴۰۶ھ (مطبوعہ ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی) قیمت روپے

ہدیۂ اخلاص

کریں نہ اہل نظر اعتراض کم بینی
مجھے عزیز ہے اپنا مذاقِ گُل چینی
ہزار لالہ و گل، صد ہزار نکہت و رنگ
کمال حسن نظر ہے شعور گُل چینی
انھیں کو نذر کروں تحفتہً یہ گلدستہ
یہ میں نے جن کے گلستاں سے کی ہے گُل چینی

عارفی

فہرست مضامین مآثر حکیم الامتؒ

ختم شد

عرض ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دورِ حاضر میں اللہ تعالیٰ نے قوم میں ایک مجددِ طریق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا جنہوں نے برسہابرس کے غبار آلودہ آئینہ تصوف کو جلا بخشی، خانقاہی نظام کے طلسم کو توڑا۔ اور تصوف و طریقت کے تمام اسرار و رموز علی الاعلان ظاہر کر کے علمِ سینہ کو علمِ سفینہ بنا دیا جس کی وجہ سے نہ صرف تصوف کی اصل حقیقت آشکارا ہوگئی بلکہ اس پر لگائے ہوئے تمام مختلف النوع الزامات و اعتراضات سے بھی تصوف کا دامن پاک و صاف ہوگیا۔ حضرت حکیم الامت کے اذکار کا خلاصہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ "اپنی ذات سے کسی کو ادنیٰ اذیت بھی نہ ہو۔ یہی تصوف ہے (یعنی خوش اخلاقی ایمان و اسلام کا جوہر ہے) طریقت عین شریعت اور سنّت ہے اس کے خلاف جو کچھ ہے زندقہ ہے" اور بقول حکیم الامت حاصل تصوف یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو، سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے۔ اور یہی اس کی محافظ ہے اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے اس کے علاوہ انہوں نے تصوف کے مختلف سلسلوں میں جو مغائرت پیدا ہوگئی تھی اس کا بھی یہ کہکر سدِّباب کر دیا کہ "حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ دونوں ایک ہیں، مقصود دونوں کا ایک ہے، صرف طریقِ تربیت کا فرق ہے ان کو دو سمجھنا ایسا ہے جیسے بھینگا آدمی ایک چیز کو دو دیکھتا ہے۔"

زیرِ نظر کتاب مآثرِ حکیم الامت بالکل نئے انداز سے اسی مجددِ وقت کے حالات و اندازِ زندگانی، مزاج و مذاق، طرزِ تعلیمات اور شانِ تربیت و اصلاح پر ایک

بے مثال تالیف ہے جو انشاء اللہ ان حضرات کے لئے جن کو تصوف و سلوک کی حقیقت سے آشنا ہونا ہے اور جو اپنی اصلاح باطن کے لئے دین کے اس اہم شعبہ سے مستفیض ہونا چاہتے ہیں نشان راہ ثابت ہوگی۔ اس کتاب کو اگر حکیم الامتؒ کی تصوف کے موضوع پر لکھی ہوئی بے شمار کتابوں کا خلاصہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ معرکۃ الآرا کتاب ایک منفرد ہستی کی سوانح حیات ہے جسے ایک منفرد ہستی نے اپنے ذوق وجدانہ سے ایک منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔

حضرت حکیم الامت کے مایۂ ناز خلیفہ ارشد، بقیۃ السلف عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی دامت برکاتہم جن کو نہ صرف حلقۂ صوفیا میں ایک مقتدر مقام حاصل ہے بلکہ حلقۂ علمی میں بھی وہ اپنی تالیفات خصوصًا اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، بصائر حکیم الامتؒ اور معارفِ حکیم الامتؒ کی وجہ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں عرصۂ دراز سے اپنی مبارک مجلسوں میں حکیم الامت کی تعلیمات پر مبنی نہایت مؤثر انداز میں وعظ و تلقین فرمایا کرتے ہیں جن سے بحمد اللہ ہزاروں طالبانِ حق فیضیاب ہوئے ہیں۔ ان مبارک مجلسوں میں جناب مسعود احسن (مرحوم) ایم اے (علیگ) لیکچرار اسلامیہ کالج کراچی بھی پابندی سے شریک ہوتے تھے اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے مواعظ و ارشادات کو قلم بند کرلیا کرتے تھے، اس طرح حکیم الامت کے افکار، ان کی تعلیمات اور نجی زندگی کے حالات و معمولات پر مبنی گرانقدر مضامین جمع ہوگئے جو کتابی شکل میں ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ بحمد اللہ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۶ء میں شائع کرنے کی سعادت ہمارے ادارے کو حاصل ہوئی اور اس کے بعد تین مزید ایڈیشن شائع ہوئے اور اب اس چھٹے ایڈیشن میں حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے بڑی کاوش فرمائی ہے، نئے سرے سے کتاب کو مرتب فرمایا ہے اور مزید بعض اہم اضافے فرمائے ہیں جو انشاء اللہ ناظرین کیلئے نہایت

بصیرت افروز ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخشے۔

بحمد اللہ یہ بڑی مبارک کتاب ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے ایک مخلص نے مدینہ منورہ سے تحریر فرمایا تھا" دورانِ ادائیگی فریضۂ حج خواب میں بشارت ہوئی کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ" ڈاکٹر عبد الحیٔ میرے مقبولین میں ہیں" پھر ڈاکٹر صاحب ایک کاغذ پیش کر کے کہتے ہیں" میں نے یہ یہ عنوانات قائم کئے ہیں، بعض عنوانات پر (ـــ) نشانات بھی اپنے ہاتھ سے لگاتے ہیں، ایک فل اسکیپ کاغذ نیم تہہ کیا ہوا ہے، اس پر ڈاکٹر صاحب نے یاد داشتیں (نوٹ) تحریر کی ہوئی ہیں، ڈاکٹر صاحب کی تحریر کو میں پہچان رہا ہوں، میں دل میں خیال کرتا ہوں کہ حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا انتخاب ہے"۔ حضرت مولانا محمد اطہر علی صاحبؒ خلیفۂ اجل حضرت تھانویؒ نے بھی بنگلہ دیش سے اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا" حضرت ملفوظات تو زندگی بھر دیکھے لیکن سوء استعداد سے وہ فوائد حاصل نہ ہوئے جو مآثر حکیم الامتؒ سے عطا ہوئے۔ سفر میں، حضر میں ساتھ رکھتا ہوں مجلس میں احباب کو پڑھ کر سناتا ہوں"۔ — حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم کی تالیفات کی اشاعت کا شرف ہمارے لئے بڑی سعادت ہے اور ان خصوصی عنایات کیلئے ہم صمیم قلب سے حضرت موصوف کے ممنون و شکر گذار ہیں، ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب ملفوظات ناقل ملفوظات و جامع ملفوظات کو اجر عظیم عطا فرمائے اور حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم کو درجات عالیہ سے نوازے۔ اور حضرت محترم کا سایہ عاطفت مدت مدید تک صحت و تندرستی کے ساتھ رشد و ہدایت کیلئے قائم و دائم رکھے اور ان کے فیوض و برکات سے ہم سب کو زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے اور ان کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ادب منزل پاکستان چوک کراچی
صفر المظفر ۱۴۰۶ھ

طالب دعا
محمد شاہد زکی عفی عنہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خصوصیات تالیف

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین

ورحمۃ للعٰلمین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد۔ پیش نظر کتاب "مآثر حکیم الامت" مولائی ومرشدی وسیدی حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کے سوانح حیات پر مشتمل ہے، جس کو احقر نے اپنے ذوق کے مطابق بالکل جدید اور منفرد اسلوب نگارش کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

اس میں حضرتؒ کی خانقاہ شریف کا ایک مفصل خاکہ ہے۔ مختصر ابتدائی حالات ہیں، حضرتؒ کے ذاتی ونجی حالات ومتاہل زندگی اور معمولات یومیہ کی تفصیل ہے، مزاجی کیفیت اور انداز زندگانی کی تفصیل ہے۔ تعلقات ومعاملاتِ زندگی کے ضابطے ہیں، علوم ظاہری کے مراتب وکمالات ہیں، معارف وحقائق باطنی کے کیفیات ومدارج کی وضاحت و تشریحات ہیں، طالبان حق وسالکین طریق کے لیے تعلیم وتربیت کے مجددانہ انداز ہیں، اشاعت وتبلیغ دین مبین کے لیے مواعظ وملفوظات وتالیفات وتصنیفات کا مختصر تعارف ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام زندگی اور سانحہ ارتحال کے واقعات بھی ہیں۔

امور متذکرہ بالا کی وضاحت کے لیے جو مضامین جمع کئے گئے ہیں وہ زیادہ تر حضرتؒ کی ہی مطبوعہ تالیفات ومواعظ وملفوظات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کے مضامین کی ایک خصوصیت بدرجہ انفرادیت یہ بھی ہے کہ زیادہ تر عنوانات کے تحت خود حضرتؒ ہی کے ملفوظات درج کیے گئے ہیں جن کی اہمیت اور خصوصیت یہ ہے کہ مجالس نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

متابعت میں حضرتؒ نے بھی ایسا ہی انداز اختیار کیا تھا جس سے امت مسلمہ کی اصلاح اور دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کی شان نمایاں تھی۔

الحمدللہ۔ احقر کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ احسان عظیم اور انعام غیر مترقبہ ہے کہ احقر کو حضرتؒ کے قدوم مبارکہ سے شرف وابستگی عطا فرمایا ہے، تقریباً تیس سال تک حضرتؒ سے خصوصی تعلق رہا ہے۔ حضرتؒ کے ساتھ سفر بھی کیا ہے اور چند بار مہمان خصوصی کی حیثیت سے دولتکدہ پر قیام کی بھی سعادت نصیب ہوئی ہے، بارہا حضرتؒ کے وعظوں میں شرکت ہوئی ہے اور کثرت سے حضرتؒ کی مجالس میں باریاب اور فیضیاب ہونے کی سعادت بھی حاصل ہوئی ہے اور خدام سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد تقریباً سترہ سال تک مسلسل اصلاحی مکاتبت سے دولت باطنی کے حصول کی توفیق بھی میسر ہوئی ہے۔ ایک بار ہماری درخواست پر حضرتؒ نے نہایت شفقت محبت سے پندنامہ عطارؒ کی ایک نظم پڑھوا کر اور اسکے معانی و مطالب سمجھا کر اپنے تلامذہ میں شریک ہو جانے کا شرف بھی عطا فرمایا۔ اللهم لك الحمد ولك الشكر حمداً كثيراً کثیراً

حضرتؒ سے تعلق ہوتے کے بعد سے نہ تو پھر کسی بزرگ کی طرف نگاہ اٹھی اور نہ کسی کی کوئی تصنیف پڑھنے کو جی چاہا ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم یک بیں نہ کند بکس نگاہے

حضرتؒ سے قلبی تعلق ہی کا کرشمہ ہے کہ احقر اپنے احباب سے نہایت ذوق شوق کے ساتھ حضرتؒ ہی کا کسی نہ کسی عنوان سے تذکرہ کرتا رہتا ہے۔ یہ بھی ایک کرشمہ رحمت الٰہی ہے کہ میری ان باتوں کو میرے ایک عزیز دوست مسعود احسن علوی مرحوم اپنی طلب صادق سے نہایت والہانہ انداز میں قلمبند کر لیا کرتے تھے اور روایات کی نسبت احقر کے نام کے ساتھ کر دیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس کا کافی ذخیرہ ہو گیا۔ پھر انھوں نے اس کو شائع کرنے کی نیت سے مدون بھی کر لیا مگر افسوس ان کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ عین عالم شباب میں ایک موذی مرض

میں مبتلا ہو کر جاں بر نہ ہو سکے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کی وفات کے بعد یہ رسالہ "افاداتِ عارفیہ" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے بعد مزید اضافوں کے ساتھ یہ رسالہ "مآثرِ حکیم الامت" کے نام سے ۱۹۷۶ء میں ایچ ایم سعید کمپنی کراچی سے شائع ہوا۔

"مآثرِ حکیم الامت" کا جو دوسرا اڈیشن ایچ ایم سعید کمپنی سے شائع ہوا اور اس کے بعد جو اڈیشن اس ادارہ سے شائع ہوئے، ان میں ہر دفعہ کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہا۔ اس بار اس چھٹے اڈیشن میں کافی ردّ و بدل اور کاوش ہوئی ہے اور مزید مفید اضافہ کے ساتھ کتاب کو ازسرِنو مرتب کیا گیا ہے۔

سابقہ اڈیشن کے مضامین بعنوان "افاداتِ عارفیہ" اس اڈیشن میں حذف کر دیے گئے ہیں، وہ انشاء اللہ اب مستقل کتاب کی صورت میں مطبوع و شائع ہوں گے۔

اس ترتیب و تنظیم میں برادرم سید حامد رضا سلمہ نے نہایت دلچسپی و توجہ کے ساتھ میری اعانت کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ناظرین جن کو تصوف و سلوک سے کچھ دلچسپی ہے اور دین کے اس اہم شعبہ سے مستفیض ہونا چاہتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ اُن کی تشنگی کے لیے یہ رسالہ آبِ حیات ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے اس رسالہ کو شرفِ نافعیت و قبولیت عطا فرمادیں اور سیدی و مرشدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز کو ان کی دینی خدمات (اور مسلمانوں کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لیے انھوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے جو شریعت و طریقت کے معارف و حقائق کا دفتر پیش کیا ہے) کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار رحمتوں کے ساتھ اپنے مقامِ قرب و رضا میں مقاماتِ عالیہ اور ترقی درجات کے ساتھ سرفراز فرمادیں۔ آمین بحق سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم آمین۔

۶۵۔ای۔ بلاک الیف
شمالی ناظم آباد۔ کراچی

محتاجِ دعاہائے خیر
احقر محمد عبد الحیٔ صدیقی عفی عنہ

محرم الحرام ۱۴۰۶ھ۔ ستمبر ۱۹۸۵ء

ٮر ٮر ٮر ٮر

کلماتِ طیّبات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ

باسمہٖ سبحانہ

مکرم و محترم عالی جناب الحاج ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب زادت معالیکم بعد سلام مسنون جناب کا مبارک عطیہ مآثر حکیم الامت چند روز ہوئے پہنچا تھا اس کی رسید تو میں نے اسی دن ان صاحب کے نام لکھوا دی تھی جن کے واسطہ سے آیا تھا، اس ناکارہ کا معمول تقریباً ۲۰-۲۵ سال سے یہ ہے کہ عصر کے بعد کی مجلس میں اپنے اکابر کی کوئی کتاب سنوایا کرتا ہوں جسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مہمانوں کا اور مقامی احباب کا بہت بڑا مجمع جمع ہو جاتا ہے، مجلس میں باتیں کرنی تو مجھے نہیں آتیں ہمیشہ طالب علمانہ طبیعت رہی کہ کسی نے کوئی سوال کیا تو اپنی حیثیت کے موافق اس کا مختصر جواب دے دیا، اس کے بعد پھر سکوت، اور چپ بیٹھے ہیں. بجائے اسکے کہ وہ میرا منہ دیکھتے رہیں اور میں ان کا یہی مناسب سمجھا کہ اپنے اکابر کے ارشادات لوگوں تک پہنچ جائیں تو ان کے لئے میرے سکوت یا فضول باتوں کے مقابلہ میں نافع ہوں۔

اس سلسلے میں انفاس عیسیٰ اور دوسری کتاب تربیت السالک تو کئی دفعہ مختلف سالوں میں سنوانے کی نوبت آئی یہاں بھی پہلے سے ایک رسالہ سنایا جا رہا تھا وہ ختم ہو گیا تو آج سے جناب کا مبارک رسالہ مآثر حکیم الامت سنوانا شروع کیا، کتاب کے متعلق کچھ لکھوانا "مادح خورشید مداح خود است" کا مصداق ہے اس لئے بجز دعا کے اور کیا کر سکتا ہوں. جناب والا کیلئے جو منبع رسالہ ہیں اور اس سے پہلے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مراتبہٗ اور ان دونوں کے بعد جامع اور ناشر اور جملہ مدد کرنیوالوں کیلئے دل سے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جملہ حضرات کو انکی مساعی کے بقدر اپنی شایانِ شان بہترین جزاء خیر عطا فرمائے، لوگوں کو اس مبارک رسالہ سے اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی دوسری تالیفات سے زیادہ سے زیادہ متمتع فرمائے۔

فقط والسلام

بقلم حبیب اللہ۔ مدینہ منورہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدّ فیوضہٗ

۲۰ر جنوری ۱۳۹۱ھ

تقریظ از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت و بانی دار العلوم کراچی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کہیے یا ایک دوکانِ معرفت، اس کے دورِ اوّل کا تذکرہ ہی بزرگوں سے سنا ہے، البتہ دوسرے دور میں سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی مجلس کو بحمد اللہ آنکھوں سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ع نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است

اس مجلس کے خوشہ چیں ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور بحمد اللہ اب تک بھی بہت سے موجود ہیں۔ کراچی میں ہمارے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب دامت برکاتہٗ کو حق تعالیٰ نے حضرت سے بچند وجوہ خصوصی تعلق عطا فرمایا تھا، خلیفۂ مجاز تو بحمد اللہ اور بھی بہت ہیں مگر شیخ کا رنگ جن میں جھلکتا ہو وہ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے محترم خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے فرمایا تھا ؎

مجھے دیکھ آئینۂ یار ہوں جلا کردۂ دستِ دلدار ہوں

اللہ تعالیٰ مبالغہ اور تزکیہ من غیر حق سے محفوظ رکھیں، ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر مجھے مجذوب صاحبؒ کا یہ شعر یاد آیا کرتا ہے اور جب ان کو دیکھتا ہوں تو عموماً اصغر گونڈوی کا یہ مصرع زبان پر بھی آجاتا ہے ع

ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

اب اس زمانہ میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے فیوض و برکات کو مسلمانوں میں عام کرنے کیلئے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو چن لیا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو آپکے فیوض و برکات سے نفع عطا فرمائیں ــــ محترم مسعود احسن صاحبؒ نے ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ملفوظات و حِکَم کو مع اپنی ذوقی شرح و وضاحت کے جمع کر کے اس مقدس مجلس کا گویا ایک خاکہ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے اور حضرتؒ کے علوم و حِکَم کو ماشاء اللہ بڑے سلیقے سے پیش فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ صاحب ملفوظات و جامع ملفوظات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور قبول فرمائے اور اس ناکارہ کو بھی اپنے عباد صالحین کے ساتھ ملحق فرمائے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی
۲۷ صفر المظفر ۱۳۸۶ھ

نوشتۂ قلم حضرت سید علی سجاد صاحبؒ

مجاز صحبت حضرت قبلہ مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حکیم الامت مجدد الملت حاجی حافظ قاری مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز اپنی ایک نادر تصنیف "بوادر النوادر" کی نمرہ خامس میں تحریر فرماتے ہیں کہ آدمی دنیا میں ذخیرۂ آخرت جمع کرنے کے لئے آیا ہے پس اصل کام اس کا شغل دین ہے لیکن بضرورت اسی شغل دینی کی اعانت اور تقویت کے لئے دنیوی مشاغل کی بھی اجازت عطا فرمائی گئی لیکن یہ اجازت دی گئی ہے بشرط اعتدال۔

پس اس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر جو چیز اس دائرے سے باہر ہو اس سے مجتنب رہے اور اسی قاعدے کی معرفت کے لئے کتب و رسائل دینیہ کا پڑھنا سننا اور علمائے کرام کی صحبت لازم سمجھے۔ ایک موقع پر حضرت مجدد الملت نے ارشاد فرمایا "میں نہایت مسرور ہوں کہ حاجی صاحب (امام العرب والعجم شاہ امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ) کے علوم میرے ملفوظات کے ذریعہ سے محفوظ اور قلم بند ہوتے جاتے ہیں۔ یہ علوم وہ ہیں جو کتابوں میں نہیں مل سکتے ان کی قدر کچھ دنوں کے بعد ہوگی ان کی نظیر کتب تصوف میں کم ملے گی۔ اور یہ ایسے وقت کام دینے والے ہیں جب کہ بہت سے رہبر بھی کام نہ دے سکیں گے۔ یہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت کا اثر ہے کہ لوگ ان کو شوق سے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں کسی کو کوئی نوع ان میں سے پسند ہے اور کسی کو کوئی نوع۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے۔

۱۔ صدقۂ جاریہ ۲۔ وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے

۳۔ صالح اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعاگو رہے یہ تین چیزیں باقیات صالحات ہی سے ہیں

حوالہ جات مذکورہ صدر کے بغور مطالعہ سے اور نظر غائر کے بعد مرتب و مؤلف افاداتِ عارفیہ محترم مسعود احسن صاحبؒ کی مقبولیت اور مقام عبودیت کا اندازہ فرمائیے ۔

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی رحمت کاملہ سے ان کو حضرت مجدد العصر رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلیفہ مجاز ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی سلمہٗ کی خدمت میں ابھی کار خاص کی انجام دہی کے لئے توفیق عطا فرمائی ۔ چنانچہ مرحوم نے موصوف عارفی سلمہٗ کی صحبت میں رہ کر خود بھی درجات عالیہ حاصل کئے اور دوسروں کے لئے بھی نجات اخروی اور ترقی درجات کے اسباب مہیا کر دیئے ۔

موصوف مسعود احسن مرحوم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود راہِ طریقت و شریعت میں سرگرداں رہے اور دربار و سرچشمۂ فیوض و برکات امدادیہ اشرفیہ عارفیہ سے مستفیض ہو کر طالبین طریقت کے لئے مثالی نمونہ بنے اور پھر اپنی مساعی سے ملفوظات کا وہ نادر مجموعہ مرتب فرما گئے کہ جس کے مطالعہ سے سالکین حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ اور حضرت حکیم الامتؒ کے فرمودات سے مستفید ہو سکیں گے ۔ موصوف مرضِ سرطان میں مبتلا ہونے کے باوجود علوم حقانی اور معارف کے اس گنجِ گراں مایہ کو ایک کوزہ میں بند فرما گئے ہیں بقول حکیم الامتؒ اس خزانہ کی قدر بعد کو معلوم ہو گی ۔

حضرت مسعود احسن مرحوم کی اس دینی خدمت کو اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت عطا فرما دیں ۔

احقر بارگاہ ایزدی میں دست بہ دعا ہے کہ اللہ رب العزت جملہ صاحبانِ ملفوظات اور مرتبین و ناشرین کو اپنی رضا نصیب فرمائے اور افراد امت کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے اور خصوصاً مرتب کتاب ہذا کو شہادت عظمیٰ اور درجاتِ علیا عطا فرمائے ۔ آمین

احقر سید علی سجاد عفی عنہ

از رباطِ تن چو بگذشتی دگر معمورہ نیست
زاد راہے بر نمے داری ازیں منزل چرا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

نوائے غم

جذباتِ محبت از حضرت بابا نجم احسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ

زیرِ نظر کتاب "مآثرِ حکیم الامتؒ" کے مرتب مسعود احسن مرحوم نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور پاکستان آکر اسلامیہ کالج کراچی میں فارسی کے استاد (لکچرار) کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ادبی ذوق اور مذاق سلیم کا اندازہ خود ان کی تحریر سے ہوتا ہے۔ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ساتھ خندہ روئی، خوش مزاجی، انکسار ہر دلعزیزی کی خوبیاں ان کے اخلاق حمیدہ اور اوصافِ جمیلہ کی آئینہ دار تھیں باطنی نسبت وارادت ان کو حضرت مولانا مسیح اللہ خاں شیروانی مدظلہٗ العالی خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامت، مجدد ملت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہٗ سے حاصل تھی۔

مولانا مسیح اللہ صاحب مدت فیوضہٗ کی نظرِ مسیحائی نے ان میں عجیب مسعود و احسن انداز کی شانِ عشق وطلب اور حسن شناسی اور تشنگیٔ جمال پیدا کردی تھی۔ اسی کیفیت طلب میں انھوں نے کراچی میں ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی خلیفۂ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز کی مجالس خلوت وجلوت میں شوق حصول اور ذوق عرفان کے ساتھ حاضری کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ مسعود احسن مرحوم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی باتیں قلمبند کرتے رہتے تھے اور پھر انھیں اپنے اسلوب بیان میں ڈھال کر مضمون مرتب کرتے تھے۔ اس میں خود ان کا کیف وذوق قلبی شامل ہوتا تھا اسی لئے ان کی ہر سطر گویا ان کے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت فیوضہٗ کے ملفوظات کو ایک اعتبار سے بالواسطہ شیخ تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ارشادات کا درجہ حاصل ہے مگر مسعود مرحوم کا معاملہ یہ تھا کہ وہ ڈوبے ہوئے تھے اس کیف میں کہ ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں (سعدی)

وہ جناب حکیم الامتؒ کے بلا واسطہ افادات سے قریب سے قریب درجے میں اور لذیذ سے لذیذ کیفیت کے ساتھ خود بھی لطف اندوز ہونا چاہتے تھے اور اس ذخیرۂ آبِ حیات کو دوسروں تک پہنچانے کی بھی حرص رکھتے تھے۔ بارہ سال کی مسلسل دماغ سوزی، کاوش اور کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک اور بھی یہ کام لیا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے مختلف مواعظ اور ملفوظات سے مختلف عنوانات کے تحت مضامین جمع کئے ہیں اور حضرت عارفی دامت فیوضہٗ کی مجلسوں سے خوب خوب خوشہ چینی کی ہے۔

مثلاً تصوف کی حقیقت، اخلاق باطنی، معاملات، معاشرت، عبادات سیاسیات وغیرہ وغیرہ ان کی افادیت تو ان مضامین کے مطالعہ ہی سے واضح ہوگی، اور اگر ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور حالات اور ضروریات کی نبض صحیح طور سے پہچانیں تو یہ ظاہر ہوجائیگا کہ ان اکسیری نسخوں کی ہم کو بے انتہا حاجت ہے اللہ تعالیٰ ہماری دین سے ناواقفیت اور عاصیانہ بے تعلقی اور غفلت دُور فرمائے کارنامۂ مسعود سے استفادہ کرنے کے بعد انشاء اللہ ہمیں یہ محسوس ہوگا کہ ہماری رگوں میں حیات کا خون دوڑنے لگا۔ یہ مجموعہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے

ناظرین اس کتاب سے استفادہ کریں اور جس مسعود احسن مرحوم کی کوشش اور محنت سے یہ جواہر گراں مایہ ان تک پہنچے ہیں اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

احقر العباد محمد نجم احسن نگرامی
(مجاز صحبت حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

تأثرات

دین در اصل حفاظتِ حدود کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حدود مقرر فرمائی ہیں ان کی نظری اور قانونی تعریفات کا علم تو کتابوں سے ہو جاتا ہے۔ لیکن عملی زندگی میں ان کا اطلاق اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک کوئی عملی نمونہ عرصۂ دراز تک آنکھوں کے سامنے نہ رہا ہو اور یہی وجہ ہے کہ ہر آسمانی کتاب کے ساتھ رسول کی شکل میں اس کا ایک عملی پیکر ضرور مبعوث کیا گیا ہے۔ مثلاً کتابوں سے یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ تکبّر کی تعریف کیا ہے؟ تواضع کسے کہتے ہیں؟ مداہنت کا کیا مفہوم ہے؟ اور مدارات کیا چیز ہوتی ہے؟ لیکن عملی زندگی میں یہ پہچاننا کہ عزتِ نفس اور خودداری، کس جگہ تکبّر کی حدود میں داخل ہو گئی ہے؟ تواضع نے کہاں اذلالِ نفس کی شکل اختیار کر لی ہے؟ مدارات نے کس مقام پر مداہنت کی حدود کو چھو لیا ہے؟ دینی تصلّب کس جگہ غلو فی الدّین بن گیا ہے؟ زہد کس موقع پر رہبانیت کی حد تک پہنچ گیا ہے؟ حقوقِ نفس کی ادائیگی کب نفس پرستی بن گئی ہے؟ عام لوگوں کے ساتھ کتنا اختلاط ضروری ہے اور کتنا مضر ہے؟ مخالفین کے ساتھ کس حد تک نرمی کا سلوک مفید ہے؟ اور کس موقع پر سختی ناگزیر ہے؟ اس قسم کے مسائل اتنے نازک اور اتنے باریک ہوتے ہیں کہ محض کتابیں انھیں حل نہیں کر سکتیں۔ یہ مسائل صرف اور صرف ایسے مرشدِ کامل کی صحبت اٹھانے اس سے ہر معاملۂ زندگی میں رہنمائی لینے اور اس کے اندازِ زندگی کا بغور مشاہدہ کرنے سے حل ہوتے ہیں جس نے ان مسائل میں پیغمبرانہ مزاج و مذاق اپنے اکابر سے ورثہ میں پایا ہو۔

آخری دَور کے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ تعلیم و تربیت کی یہ خصوصیت تھی کہ انھوں نے ہمیشہ اپنے متعلقین کو وظائف و اوراد کی

تعلیم سے زیادہ مذکورہ مسائل کی طرف توجہ دینے کی تاکید فرمائی اور عباداتِ نافلہ سے زیادہ مذکورہ معاملات معاشرت اور اخلاق کے شعبوں میں عملی تربیت پر زور دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے منتسبین میں ایک بڑی جماعت ایسی تیار ہو گئی جس کے رگ و پے میں اپنے اپنے ظرف و بساط کے مطابق اپنے شیخ کا مزاج و مذاق رچا ہوا تھا۔

انہی مقدس ہستیوں میں احقر کے شیخ و مربی سیدی و سندی حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی مدظلہ العالی کی ذات گرامی ہے، جن کی پوری زندگی اپنے شیخ کا مجسم تذکرہ ہے اور اسی تذکرے کی مہک آپ کی مجلسوں میں اس طرح رچی بسی ہوئی ہے کہ ہم جیسے تشنہ کام حاضرین کا مشامِ جان بھی معطر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ آپ کی مجلسیں اپنے شیخ کے حالات، کمالات اور مقالات سے اس دل کشی کے ساتھ معمور ہیں کہ ہر مجلس زبانِ حال سے یوں کہتی محسوس ہوتی ہے کہ ؂

وہ تو وہ ہیں، تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اِک نظر تم مرا محبوبِ نظر تو دیکھو

بارہا خواہش ہوئی کہ ان مجلسوں میں حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کے ارشادات کو قلم بند کر کے شائع کیا جائے، لیکن حاضریِ مجلس کی محویت نے ہر بار قلم کو کند کر دیا۔ اللہ تعالیٰ جناب مسعود احسن علوی صاحب مرحوم کو مقامِ علیین کی سرمدی راحتوں سے نوازے مرحوم نے اس طرح ارشادات کو قلمبند کیا کہ بڑی حد تک مجلس کی جھلک الفاظ میں دکھا دی۔

بہر کیف! اب یہ مجموعہ آپ کے سامنے ہے، اس میں آپ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی ان دل آویز مجلسوں کی ایک جھلک دیکھ سکیں گے جو یادِ شیخ سے سدا بہار رہتی ہیں۔ اس مجموعہ کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ یہ دوسری سوانح کی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخی حالات پر نہیں بلکہ آپ کے مزاج و مذاق کی جھلکیوں پر مشتمل ہے اس میں آپ کے اندازِ زندگی، آپ کی نشست و برخاست، آپ کے طرزِ تربیت، آپ کے عارفانہ افادات اور آپ کے ان معاملاتِ زلیست کا تذکرہ ہے جو ہر ہر قدم پر انسان کی

رہنمائی کرتے ہیں، جن کے سننے سے دین کا راستہ آسان اور دلکش نظر آنے لگتا ہے اور جن کے ذریعے دل میں نیکی کی امنگ، طاعات کا شوق اور اتباع سنت کا ولولہ بیدار ہوتا ہے۔

یہ ایک تذکرہ ہے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے مزاج و مذاق، شان تربیت اور اندازِ زندگانی کا اور بیان ہے ان کے عاشق صادق عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی مدظلہ العالی کا۔ اس کے بعد یہ ناکارہ قارئین سے اس کے سوا اور کیا عرض کر سکتا ہے کہ ؎

داستانِ عہدِ گل را از نظیری می شنو

عندلیب آشفتہ تر می گوید ایں افسانہ را

آج اس احساس سے دل مغموم ہے کہ مرحوم کی یہ ایمان افروز تالیف ان کی زندگی میں اشاعت پذیر نہ ہو سکی اب بطور ان کی یادگار کے اس کو شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی اس مخلصانہ سعی جمیل کو مشکور و مقبول فرماویں اور اس کے صلہ میں ان کی روح طیبہ کو اپنے مقامات قرب و رضا میں مراتب عالیہ عطا فرمائیں آمین اور اس کتاب سے طالبانِ حق کو زیادہ سے زیادہ مستفیض فرماویں اور اس کی اشاعت کے معین اور ناشر کو جنھوں نے بڑی فراخدلی، اور نیک نیتی سے اعانت فرمائی ہے اجر دارین نصیب فرماویں۔ آمین

احقر محمد تقی عثمانی مدیر رسالہ البلاغ
یکے از خدام حضرت عارفی مدظلہٗ

دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۹ر شعبان ۱۳۹۲ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احوالِ واقعی

الحمد للہ! حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر عبد الحی صاحب مدظلہ العالی کی زبان مبارک سے سنتے ہوئے ارشادات کو "مآثر حکیم الامت" کے نام سے ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں۔ میں نے ابتداءً ان مضامین کو صرف اپنی یادداشت و استحضار کے واسطے قلم بند کرنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ عرفان و حقائق کا کافی سرمایہ ہو گیا۔ یوں تو میں نے اس مجموعے کے اکثر مضامین خود ڈاکٹر صاحب مدظلہ کو اور اپنے دوسرے بزرگوں کو سنائے اور سب نے اظہار پسندیدگی فرمایا۔ جب ڈاکٹر صاحب مدظلہ سے میں نے اس کی اشاعت کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ پہلے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم (صدر دار العلوم کراچی) سے استمزاج کر لو وہ اگر اجازت دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ الحمد للہ مخدومی و مکرمی حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے نہ صرف یہ کہ اس کو بہ نظر استحسان دیکھا بلکہ خوش ہو کر چند سطور بھی بطور اظہار پسندیدگی تحریر فرمادیں۔ جو ہم سب کے واسطے بڑی طمانیت اور تقویت کا باعث ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مراتب بلند فرمادیں آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ محترم حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحی صاحب دامت برکاتہم اپنی مجلس میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کی اس انداز سے تشریح فرماتے ہیں کہ ملفوظات کا مفہوم نہایت جاذبیت کے ساتھ دل نشین ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ خود فرماتے ہیں کہ چونکہ میں حضرت والا قدس سرہٗ کی تعلیم و تربیت و توجہات و دعا کی برکت سے اور حضرتؒ کے مواعظ و ملفوظات کو بالمشافہ سُننے اور کثرتِ مجالست و مکاتبت سے ایک عرصۂ دراز تک بہرہ اندوز اور شرف یاب رہا ہوں۔ حضرتؒ کے ساتھ مختلف تقریبات اور دعوتوں میں بھی شرکت کی ہے اور الحمد للہ چند بار حضرتؒ کے دولت خانہ پر بطور مہمان خصوصی رہنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ اس لئے جی چاہتا ہے کہ جن لوگوں کو حضرتؒ کے ساتھ عقیدت و محبت ہے اور ان کو حضرتؒ کی زیارت کا موقع نہیں ملا۔ ان کے سامنے حضرتؒ کے مختلف حالات و خصوصیات اور تعلیم و تربیت کے انداز، اپنی استعداد و فہم کے مطابق پیش کروں اور حضرت کی تصانیف، مواعظ اور ملفوظات میں جو شان افادیت ہے اور حضرتؒ کو حکیم الامت ہونے کا جو خصوصی درجہ حاصل ہے اس کی اپنے الفاظ میں حتی الامکان تشریح و وضاحت کرتا رہوں، کیا عجب اس طرح اہلِ طلب میں حضرتؒ کی تصنیفات اور مواعظ و ملفوظات کی طرف توجہ ہو اور ان میں سمجھنے کی استعداد اور فہم سلیم پیدا ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ تشنہ کامانِ رضائے الٰہی اپنی سیرابی اور کامرانی حضرتؒ والا کی تصانیف وغیرہ سے حاصل کر سکیں۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کو تا مدتِ مدید صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھ کر ان کے فیضانِ روحانی، تعلق مع اللہ اور نسبت مع اللہ کی برکت سے طالبانِ حق کو ہر شعبۂ زندگی میں فرائض و واجبات کی ادائیگی میں مصروف رہنے کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائیں اور مجھے ہمیشہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ وابستہ فرمائے رکھیں اور میں اسی میں اپنی سعادت سمجھتا رہوں آمین ثم آمین۔

الحمد للہ اس مجموعے کے تمام مضامین میں مفہوم تو من وعن حضرت ڈاکٹر صاحب

عارفی مدظلہ العالی کا ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ الفاظ و اندازِ بیان حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کا باقی رکھنے میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے اس کا فیصلہ ان حضرات کے ذمہ ہے جو حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کی مجلسوں میں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ان چند منتخب خلفاء میں سے ہیں جن کی ذات بابرکات سے اس دورِ فتن میں عامۃ المسلمین خصوصًا جدید مغربی علم و فن کے جاننے والے اور دین کا علم رکھنے والے حضرات کو بیحد نفع پہنچ رہا ہے جیسا کہ حاضرینِ مجلس میں مختلف حیثیت کی شخصیتوں پر اور ان کے انداز اثر پذیری پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کی یہ خصوصیت ہے کہ حاضرینِ مجلس کو ایسے مؤثر طریقے سے روزمرہ کی زندگی میں خلوص کے ساتھ عمل کرنے کی تدابیر بیان فرماتے ہیں اور اس سے ایسی ترغیب حاصل ہوتی ہے کہ عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ بھی مشاہدہ اور تجربہ میں آجاتا ہے کہ اگر کوئی شخص انسانوں کی سی زندگی جو صحیح معنی میں شرافت کی زندگی ہے گذارنا چاہتا ہے تو بغیر دینِ فطرت اسلام پر عمل کئے ممکن نہیں۔ یہ تو عام مسلمانوں کے لئے حضرت ڈاکٹر صاحب کی مجلسوں کی افادیت کا تذکرہ ہے مگر ساتھ ہی ساتھ فنِ تصوف میں بھی حضرت موصوف کو ماشاء اللہ اتنی مہارت ہے کہ نہایت ہی سہل طریقے پر عام فہم الفاظ میں سالکوں کے پیچیدہ مسائل و رذائل کی گتھیوں کو حل کر کے سمجھا دیتے ہیں اور عمل آسان ہو جاتا ہے اور سالکِ طریق کی یاس کو آس سے بفضلہٖ تعالیٰ بدل دیتے ہیں۔ عمل کرتے ہی تنگی و دشواری دور ہوتی جاتی ہے، اور فائدہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کو حضرت مجدد وقت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ملفوظات و مواعظ کے ان حصّوں کو بھی جو ایک حد تک عالمانہ ہوتے ہیں

عام فہم اور سادے الفاظ میں بیان فرما کر عقدہ کشائی فرمانے میں بھی ید طولیٰ حاصل ہے جو صرف سُننے ہی سے اور تجربے ہی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق تصوف کو صوفیوں نے معمّہ بنا رکھا تھا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نئے سرے سے اس کی تجدید کی اور عامۃ المسلمین کے لئے کھلے الفاظ میں شریعت و طریقت کو ظاہر فرما دیا۔

اگر کوئی طالب حق اہل دل اس مجموعہ افادات کو دیکھ کر طریقت کی حقیقت اور اخلاق کی پاکیزگی کا پتہ لگالے، باطنی بدعات اور گمراہیوں سے بچ جائے اور درویشی کی راہ کی آسانی اُس پر عیاں ہو جائے تو یہ بڑی رہنمائی ہے اور پھر بے تکلف اور سادہ زندگی بسر کرنا اور اپنے کو کچھ نہ سمجھنا اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر میں لگے رہنا، اگر ایسے اوصاف پیدا ہو جائیں تو مقصود حاصل ہے۔

یہاں میں یہ بھی ذکر کر دوں کہ میرے لئے وہ کیا محرک تھا جس نے ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کے ملفوظات قلمبند کرا دیئے۔

جس وقت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو میرا بالکل بچپن تھا پانچویں یا چھٹی کلاس میں پڑھتا تھا۔ بزرگوں سے ملنے کا اس وقت خود سے شعور بھی کیا ہو سکتا ہے، خاص طور سے ایسی حالت میں جب کہ ماحول بھی بزرگانِ دین سے کچھ غیر معتقد لنہ اور بیگانہ وار ہو۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جب کچھ ہوش آیا اور ان کی تصانیف و مواعظ وغیرہ پڑھے اس وقت بڑی حسرت دل میں پیدا ہوئی کہ کاش چاہے بے خیالی ہی سے دیکھتا ایک نظر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ تو لیتا۔ آج تخیل اور تصور یاد تو رکھتے کہ کسی جمال جہاں آرا کو دیکھا تھا۔ باوجود اتنے قریب ہونے کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو نہ دیکھ سکا کیسی محرومی کی بات ہوئی اِس جذبے نے مجھ کو آمادہ کیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دیکھنے والوں ہی سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کی بات سنوں اور اُسے ضبطِ تحریر کروں اور پھر اس حسرت پر ڈاکٹر صاحب کی بشارت سنی ؎

رہروِ عشق نا امید نہ ہو
داغ حسرت نشانِ منزل ہے

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھ کر بڑا سکون ملتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اُنس کی کیفیت اور ان کی تعلیمات سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اسی حسرت پر ایک دفعہ فرمایا کہ جب ان سے تعلق ہے تو پھر کاہے کی حسرت اور کہاں کا حرمان، ڈاکٹر صاحب ہی کے شعر ہیں ؎

کیسی بہاریں کیسا گلشن	ہاتھ میں ہے جب ان کا دامن
حسرت دید اس برق نظر کی	ہوش میں آئے ہوش کے دشمن

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو تا مدت مدید صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے ایک مرتبہ کیسے مزے کی بات فرمائی کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو طبیعت اگر قبول کرلے تو یہ بات خود اپنے ہی سلامتیِ ضمیر کی دلیل ہے۔ جو بات دل نشیں ہوجاتی ہے اس سے زندگی میں غیر شعوری طور پر بہتر تغیر پیدا ہوتا رہتا ہے، قبول حق سے قلب کی صلاحیتیں درست ہوجاتی ہیں اور یہ حالت ہوجاتی ہے ؎

کچھ یہی محسوس ہوتا ہے وفورِ شوق میں
ہر ادائے دوست جیسے میرے دل کا راز ہے

میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ سے وقتاً فوقتاً اپنے تکمیل اشتیاق کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے بہت خصوصی اور نجی حالات دریافت کرتے رہنے سے معلومات کا ایک معتدبہ ذخیرہ جمع کرلیا ہے مثلاً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا حلیۂ مبارک، لباس و پوشاک۔ نشست و برخاست کے انداز، معمولاتِ

شب و روز، مزاجی و ذوقی خصوصیت، مجالست و مکاتبت کے طریقے وغیرہ۔

چنانچہ اس موجودہ اشاعت میں یہ سب باتیں بھی ایک مناسب ترتیب کے ساتھ مرتب کرکے ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں۔

اللہ تبارک و تعالےٰ مجھے اللہ والوں سے وابستگی اور ان کی محبت کے ثمرات سے مالا مال فرمائیں اور اسے میں ہمیشہ ہمیشہ اپنی سعادت سمجھتا رہوں۔ حضرتؒ کی تالیفات اور مواعظ و ملفوظات سمجھنے کی فہم سلیم پیدا ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ تشنہ کامان رضائے الٰہی اپنی سیرابی اور کامرانی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے حاصل کرسکیں۔

ناظرین کو اپنے ممدوح حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کے مختصر حالات زندگی سے متعارف کرانے کے معاملہ میں ابھی کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتہً خیال آیا اور اس خیال سے بڑی تقویت و مسرّت محسوس ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب عارفی مدظلہٗ کے محب یگانہ محترمی جناب مولوی نجم احسن صاحب نگرامی مدظلہٗ نے ان کے مطبوعہ کلام صہبائے سخن میں زیرعنوان تعارف جو کچھ ان کی ذات گرامی کے متعلق تحریر فرمایا ہے وہ اس قدر بصیرت افروز ہے کہ اس کے علاوہ کچھ اور لکھنے کی گنجائش ہے نہ ضرورت۔ چنانچہ حصول سعادت کے لئے اسی مضمون کو بعینہٖ ذیل میں درج کر رہا ہوں الحمد للہ اس سے میرا مقصود بھی خاطرخواہ حاصل ہے۔ وہو ہذا:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا

غالب مرحوم نے اپنی طرزِ نگارش کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ "میں نے وہ طرز ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے" غالب کا یہ منشور شاہکار اردوئے معلّٰی۔ عودِ ہندی، اور رقعات غالب کے نام سے مزین بہ طباعت ہوا۔

ان رقعات کو آپ دیکھیں تو ان کے ایک مکتوب الیہ منشی نادر حسین صاحب ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ بھی ملیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منشی نادر حسین صاحب ہاشمیؒ علم و ادب میں ایک خاص حیثیت

دو قار رکھتے تھے ان کے خاندان میں ایک روایت یہ بھی چلی آتی ہے کہ غالب نے منشی نادر حسین صاحب سے یہ فرمائش کی تھی کہ ان کے کلام میں سے منشی صاحبؒ اپنی پسند کے اشعار اشاعت کے لئے منتخب کر دیں۔

منشی نادر حسین صاحبؒ ضلع اٹاوہ صوبہ یوپی کے رہنے والے تھے اور نواب محسن الملک مرحوم (ناظم اعلیٰ ایم اے او کالج علیگڑھ) کے عزیز بلکہ اعمام میں سے تھے۔ علاوہ وجاہت دُنیوی و علمی کے اللہ تعالیٰ نے انھیں نعمت دینی و باطنی سے بھی نوازا تھا وہ مشہور بزرگ حضرت شاہ غلام رسول صاحب رسول نما کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص اور مجازین میں سے تھے ان محترم منشی نادر حسین صاحبؒ کی صاحبزادی ہمارے حضرت عارفی صاحب مدظلہٗ کی دادی تھیں حضرت عارفی صاحب مدظلہٗ کے جد امجد مولوی کاظم حسین صاحبؒ بڑے صاحب علم صاحب دل صاحب باطن اور صاحب تاثیر و تاثر بزرگ تھے۔ مولوی کاظم حسین صاحبؒ مولانا شاہ ابوالخیر صاحب مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، تربیت کردہ اور مجازین میں سے تھے۔

مولوی کاظم حسین صاحبؒ منشی نادر حسین صاحبؒ کے عزیز اور داماد ہی نہ تھے بلکہ علوم مروجہ میں منشی صاحبؒ موصوف کے نظر کردۂ خاص اور مستفیدین میں تھے۔ مولوی کاظم حسین صاحبؒ کی ایک نایاب اور نادرِ روزگار تصنیف موسوم بہ اسم تاریخی "نشید کاظم" ہے یہ کتاب شعر و سخن کے علاوہ تاریخ گوئی کا عجیب و غریب اور عدیم النظیر خزانہ ہے اور ایسا خزانہ کہ اب اس کے بعض حصص شاید آسانی سے سمجھ میں بھی نہ آسکیں۔

مولوی کاظم حسین صاحبؒ کے ایک صاحبزادے علی عباس صاحب مرحوم تھے جو حضرت عارفی صاحب مدظلہٗ کے والد ماجد تھے۔

عارفی صاحب کی ولادت بمقام ریاست کدورہ باؤنی۔ جھانسی۔ یوپی محرم ۱۳۱۶ھ مطابق جون ۱۸۹۸ء میں ہوئی۔ دادا نے پوتے کا نام "عبدالحی" رکھا اور ابتدا ہی سے اپنے آغوش شفقت و تعلیم و تربیت میں لے لیا۔ دادا کی چشم باطن نے پوتے کے امکانات ظاہری

دیاطنی کو پہلے ہی سے پرکھ لیا۔ اور اس طرح پوتا دادا کی توجہات خاص کا مرکز و مہبط بن گیا
ابتدائی تعلیم کے بعد عربی کی ابتدائی صرف نحو اور فارسی درسیات کی تکمیل مولوی کاظم حسین صاحب
کی نگرانی اور براہِ راست تعلیم و تدریس سے ہوئی۔ پوتے نے دادا سے علم بھی حاصل کیا اور علم
کی چاشنی بھی پائی اور کاظمی صفائے باطن نے درد اور سوز و گداز کی کیفیات بھی پوتے کی رگ رگ
میں پیوست کر دیں۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی۔ اسکول کی ابتدائی تعلیم کانپور میں پائی
پھر ایم اے او کالج علیگڑھ سے بی اے پاس کیا۔ قانون کی سند لکھنؤ یونیورسٹی سے ۱۹۲۶ء میں حاصل
کی دس سال تک ضلع ہردوئی میں وکالت کی اور ۱۹۳۵ء میں وکالت ترک کر کے ذریعۂ معاش کیلئے
ہومیوپیتھک طریقِ علاج اختیار کر لیا اور بحیثیت ہومیوپیتھک ڈاکٹر جونپور میں قیام پذیر ہو گئے۔
عارفی صاحب مدظلہٗ کے جد امجد جناب مولوی کاظم حسین صاحب علیہ الرحمۃ کی محبت اور توجہات
باطنیہ کی بدولت ذوقِ صحیح کے ساتھ سوز و گداز کی جو چنگاریاں غیر شعوری طور پر عارفی صاحب
مدظلہٗ کے دل میں پیدا ہو کر دبی ہوئی تھیں ان کے بھڑکنے اور سلگنے کی صورت یوں رونما ہوئی کہ
اگست ۱۹۲۷ء میں جناب خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ کی وساطت سے حضرت مجدد تھانوی
نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت بابرکت میں حاضری اور شرف انتساب کی دولت حاصل کی۔

حضرت مجدد تھانویؒ کی توجہاتِ خاص نے عارفی صاحب مدظلہ کو اضطراراً باطنی
طور پر جمال ہی جمال بلکہ پوست جمال بنا دیا۔ عارفی صاحب مدظلہٗ کی یہ آن اور پیر و مرشد سے
تعلقِ خاص کا تاثر و انفعال ان کے کلام سے بے حجاب ظاہر ہوتا ہے۔

۱۹۳۶ء میں ترکِ وکالت کے فوراً بعد مجدد تھانویؒ نے ان کو خلعتِ خلافت اور اجازت
بیعت سے سرفراز فرمایا۔ تیرہ چودہ سال سے عارفی صاحب مدظلہٗ کا قیام کراچی میں ہے
اور ان کے جسمانی و روحانی مطب دونوں اپنے اپنے دائرے میں خدمتِ خلق میں سرگرم
ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات کو تا دیر جاری و ساری رکھیں۔ آمین۔

(ماخوذ از صہبائے سخن)

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ اپنے فضل وکرم سے ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کو مدت مدید صحت وعافیت کے ساتھ سلامت رکھ کر ان کے فیضان روحانی سے تعلق مع اللہ کی کیفیت اور طالبان حق میں ذوق عبدیت اور بے طلبوں میں سچی طلب پیدا فرمائیں اور میں تو اپنے لئے اسی کو بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اہل اللہ کی صحبت کی سعادت و توفیقِ دائم عطا فرمائیں ؎

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

یہ مجموعہ اپنے بزرگوں کو اگر پسند آجائے تو اپنے لئے دعاؤں کا متمنی ہوں اور یہی آرزوئے بیقرار اس مجموعے کو شائع کرنے کے لئے محرک ہوئی فقط والسلام

کراچی (یکم جنوری ۱۹۶۷ء)

مرتب
مسعود احسن عفی عنہ



جذبۂ بے اختیار

محفلِ سوز و گدازِ غم کو گرمائے گا کون
اہلِ دل کو اپنے دردِ دل سے تڑپائے گا کون
موجزن ہے کس کے دل میں آتشِ سیّالِ غم
مستیٔ خونِ جگر آنکھوں سے برسائے گا کون
کس پہ طاری ہے جنونِ شوق کی وارفتگی
یوں زباں پر والہانہ رازِ دل لائے گا کون
عارفیؔ میرا ہی دل ہے محرمِ ناز و نیاز
بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا کون

*****

بار یابِ مجلسِ اشرف رہا ہوں عارفیؔ
یہ شرف میرے لئے سرمایۂ صد ناز ہے

*****

دیکھتے ہیں مجھ کو عزّت کی نظر سے اہلِ دل
اللہ اللہ ان کی نسبت میں بھی کیا اعجاز ہے

(عارفیؔ)

*****

انوارِ خانقاہی

عجب فرحت گہے ایں خانقاہ است
عجب نزہت گہے ایں خانقاہ است
یکے ساقی و مے خوراں ہزار اند
دو چشم مست او مشغول کار اند
دل اینجا میکند اللہ اللہ
کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ
چہ صحت بخش ہست اینجا فضائے
دل اینجا بے دوا یابد شفائے

تعالی اللہ چہ عالی بارگاہے
کہ اینجا ہر گدائے بادشاہے

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب

عارفی مجھ سے پوچھئے راز حیات میکدہ
پیر مغاں کے در پہ ہوں عمر بسر کئے ہوئے

(عارفی)

(باب اوّل)

خانقاہِ اشرفیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:-

جی چاہتا ہے کہ حضرتؒ کی خانقاہ کی کچھ تفصیلات بیان کی جائیں۔ یہ باتیں بھی اس وقت مجھ سے سن لیجیے ورنہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پھر کوئی دوسرا اس کو بیان بھی نہ کر سکے۔

چونکہ محبوب سے ایک خاص تعلقِ قلبی ہوتا ہے اس لئے اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز میں محبوبیت اور جاذبیت محسوس ہوتی ہے۔ تذکرہ میں بھی لطف آتا ہے اس کے سننے میں بھی انبساط و کیف ہوتا ہے ؎

کچھ بھی محسوس ہوتا ہے وفورِ شوق میں
ہر ادائے دوست جیسے میرے دل کا راز ہے

یہ ایک عجیب بات ہے اور شاید یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ اب سے تقریباً چالیس سال قبل میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور خانقاہ میں مقیم تھا ایک دن خیال آیا کہ اس خانقاہ کے متعلق اور حضرت کے معمولات کے متعلق اور اہلِ خانقاہ کے متعلق کچھ یادداشت لکھوں، چنانچہ جہاں تک نظر گئی ایک ایک بات تحریر کرتا رہا۔ کافی مضمون ہو گیا مگر پھر اس کے بعد کبھی اس یادداشت کی یاد بھی نہ آئی۔ اب اس وقت جبکہ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت کے متعلق کچھ عرض کیا کرتا ہوں اس تحریری یادداشت کا خیال ذہن میں آیا، تلاش کرنے پر الحمدللہ مل گئی۔ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس وقت جو کچھ لکھ لیا تھا اب تو حافظہ ہزار یادیں تازہ کرے ان معمولی معمولی جزئیات پر ہرگز نظر نہ جائے گی۔

اب آپ مطالعہ کریں خود اندازہ ہوگا ۔ اور آپ کے سامنے حضرت کی سادہ زندگی بے تکلف معمولات، ضابطہ اور نظم و نسق کی تصویر انشاء اللہ سامنے آجائے گی ۔ میرا اپنا گمان ہے کہ یہ مضمون اپنے اندر بہت سی افادیت لئے ہوئے ہے ۔ اس کے مطالعہ سے آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اس مجدد العصر کی جائے قیام، نشست و برخاست کا نقشہ و خاکہ انشاء اللہ بہت سبق آموز ہوگا وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔

محل وقوع

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ یہ خانقاہ کہاں واقع ہے ۔ قصبہ تھانہ بھون ایک پرانا قصبہ ہے (ضلع مظفر نگر ۔ یوپی ۔ ہندوستان) جو سہارنپور اور دہلی شاہدرہ کے درمیان واقع ہے اس زمانہ میں یہاں کے اسٹیشن کا نام تھانہ بھون ٹاؤن تھا اسٹیشن اور قصبہ کے درمیان چند کھیت کا فاصلہ ہے جہاں سے آبادی شروع ہوتی ہے وہاں آگے چل کر داہنی طرف خانقاہ اشرفیہ کا پھاٹک ہے جو کافی بلند ہے اور اس میں کواڑ لگے ہیں ۔ اس خانقاہ میں مسجد بھی ہے مدرسہ بھی ۔ کتب خانہ بھی ہے اور مہمان خانہ بھی ۔ یہ خانقاہ پختہ لکھوری اینٹ سے بنی ہوئی ہے کسی زمانے میں یہ خانقاہ دوکانِ معرفت کہلاتی تھی اس میں تین بزرگ رہا کرتے تھے ۔

حضرت حاجی محمد امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید قدس سرہ العزیز

حضرت مولٰنا شیخ محمد صاحب قدس سرہ العزیز

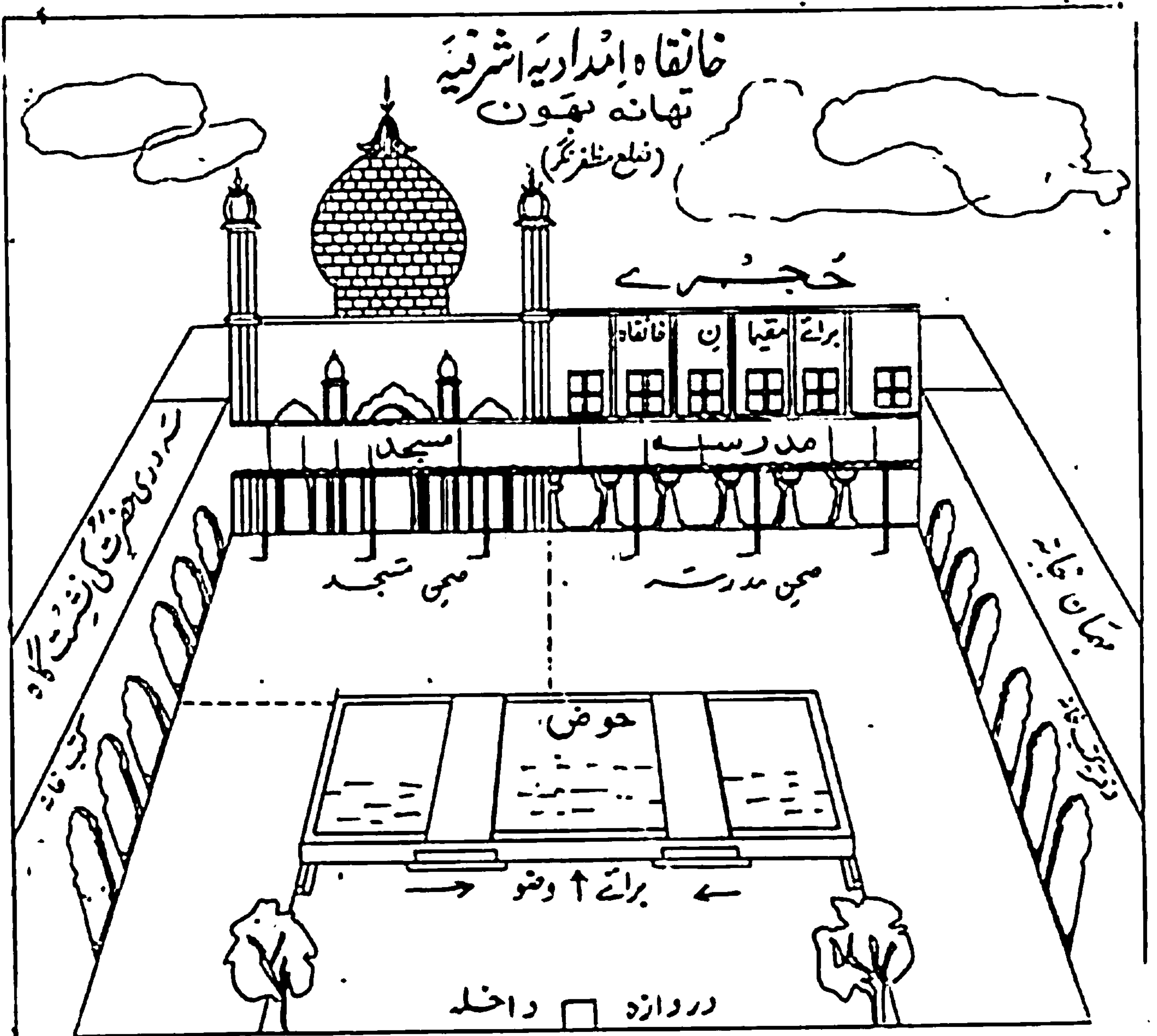
یہ تینوں بزرگ حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس سرہ العزیز کے خلفاء تھے ۔

غدر کے زمانے میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز مکہ معظمہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے ۔ حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ شہید ہوگئے اور حضرت مولوی شیخ محمد صاحبؒ وفات پاگئے ۔ خانقاہ کچھ عرصہ کے لئے خالی ہوگئی ۔ پھر کچھ طویل مدت کے بعد حضرت حاجی شاہ محمد امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (جو ہمارے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد تھے) کے ایماء اور حکم سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس خانقاہ میں سکونت اختیار کی اور آخر عمر تک تقریباً ساٹھ سال یہاں قیام رہا۔ رفتہ رفتہ یہ خانقاہ مرجع خلائق بن گئی۔ ملک کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں طالبانِ حق اور تشنگانِ طریق مسلسل آتے جاتے رہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت سے مستفیض ہوتے رہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بحرِ ذخارِ علوم و معارف اور حقائق سے سیراب ہوتے رہے اور حضرت کے مواعظ و ملفوظات سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔ اسی عرصۂ قیام و عرصۂ حیات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دین کے تمام شعبوں میں تقریباً ایک ہزار تصانیف کا ذخیرہ صدیوں تک کے لئے آئندہ نسلوں کے واسطے بہم پہنچایا ہے۔

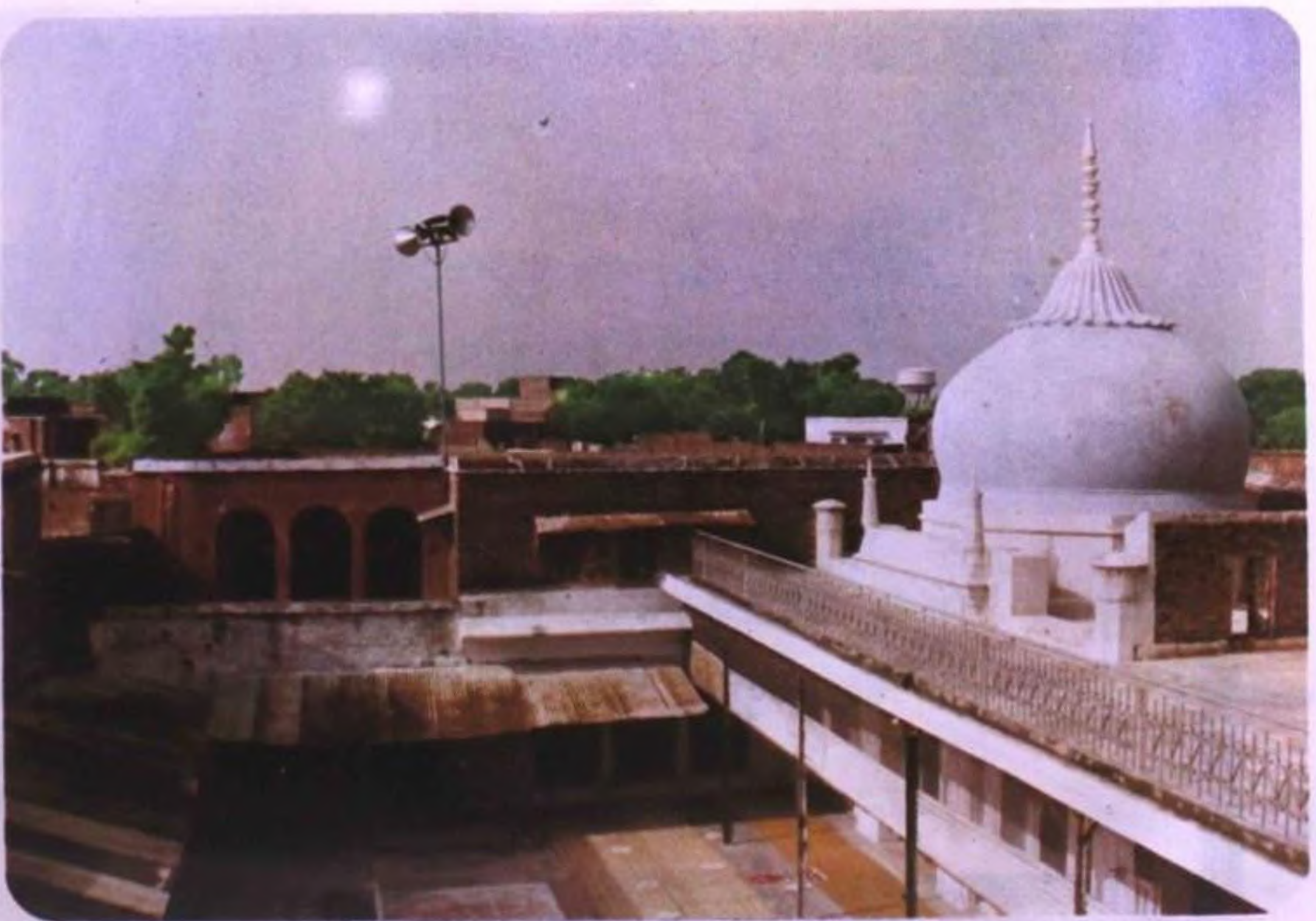
ذلك فضل اللہ یوتیہ من یشاء وما توفیقی الا باللہ العظیم

اور ملک کے ہر گوشہ میں حضرتؒ کے فیض یافتہ حضرت کی حیات ہی میں کثیر تعداد میں خلفائے مجازین کی صورت میں موجود تھے جن سے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہوا۔



عمارتِ خانقاہ

اس خانقاہِ مقدس میں جب داخل ہوتے ہیں تو پہلے اس کا پھاٹک ملتا ہے جو کافی بلند ہے۔ اس پھاٹک میں داخل ہوتے ہی اس کے ہر دو جانب دو مختصر غسل خانے ہیں اور ہر غسل خانے کے آخر میں گرم پانی کا حمام ہے جس میں اندر کی طرف کنوئیں کے قریب دو نل لگے ہوئے ہیں جن سے گرم پانی نکلتا ہے۔ پھاٹک کے آگے بڑھ کر سامنے سیڑھی پر ہو کر اندر صحن میں داخل ہوتے ہیں۔ زینہ کے متصل بائیں جانب کنواں ہے جس میں چرخی لگی تھی اور رسی و چمڑے کا ڈول پڑا رہتا تھا۔ زینہ کے بعد سیدھی طرف دیوار سے ملا ہوا چیڑ کا ایک لمبا سا بکس رکھا ہوا تھا۔ اس میں جوتے رکھے جاتے تھے۔ سیدھی طرف ایک حجرہ ہے۔ اس کے سامنے بھی سردیوں میں وضو کرنے کے لئے اونچی سطح پر نالی بنی ہوئی ہے اس کے بعد زینہ کا دروازہ ہے۔ اوپر کے بالا خانے میں ایک حجرہ ہے۔ اس میں ایک صاحب مستقل مقیمِ خانقاہ رہتے تھے۔ نیچے شمال کی طرف سہ دری ہے اس کے آغاز میں سیدھی طرف ایک الماری ہے۔ اس میں خانقاہ میں روشنی کے لئے چھوٹے لیمپ ولالٹین وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ سہ دری کے باہر دیوار سے ملے ہوئے اِدھر اُدھر چیڑ کے دو بکس رکھے ہوئے تھے جس میں طالب علم وغیرہ اپنے جوتے رکھا کرتے تھے۔ سہ دری کے اندر چٹائی کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اس میں مدرس صاحبان مع اپنے طلباء کے درس و تدریس میں مشغول رہا کرتے تھے، تفسیر و حدیث وغیرہ کا درس ہوتا تھا۔ اس سہ دری کے اندر سامنے ایک کمرہ ہے، جس کے اندر ایک دروازہ مشرق کی طرف باہر سڑک کی طرف بھی کھلتا تھا۔ اس کمرے میں حضرت رح کے بھتیجے مولوی شبیر علی صاحب مرحوم کا دفتر تھا جو مہتمم خانقاہ تھے اور اسی کمرے میں رسالہ "التبلیغ والنور" کا دفتر بھی تھا جو مولوی صاحب موصوف کے زیر اہتمام اور ایڈیٹری میں شائع ہوتے تھے۔ اس کمرہ



نظری نقشہ اندرون خانقاہ


مدرسہ امداد العلوم
خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون
MADARSA IMDADUL ULOOM

صدر دروازہ



مغربی حصہ اندرون خانقاہ و خانقاہ کا کنواں



کتب خانہ تالیفات اشرفیہ

کے اندر ایک اور لمبا سا کمرہ تھا اس میں حضرتؒ کی شائع شدہ تصانیف کا ذخیرہ تھا جس کے مالک مولوی شبیر علی صاحب مرحوم تھے۔ وہی اپنے ذاتی مصارف سے ان کی طباعت واشاعت کے ذمہ دار تھے اس معاملہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کسی تصنیف کا کسی صورت سے بھی کبھی شمہ برابر بھی مالی معاوضہ نہیں لیا اور نہ ہی حق تصنیف محفوظ فرمایا۔ بلکہ تمام تصانیف فی سبیل اللہ وقف فرمادی تھیں جس کا جی چاہے شائع کرے۔ مولوی شبیر علی صاحب مرحوم سے امور متعلقہ خانقاہ وابستہ تھے اور ہر دریافت طلب امر انہیں سے متعلق تھا۔

کمرے سے باہر کی سہ دری سے ملی ہوئی ایک اور سہ دری ہے۔ بیچ میں ان دونوں کے ایک محرابی دروازہ ہے۔ گویا دونوں مل کر ایک دالان ہے۔ اس سہ دری میں بھی طالب علم پڑھتے تھے۔ اس آخری سہ دری کے اندر تین دروازوں کا ایک وسیع کمرہ ہے جس میں چٹائی کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اور اس کمرہ کے اندر ایک اور کمرہ مختصر سا تین در کا ہے اس میں چارپائیاں بھی رہتی تھیں۔ یہ دونوں کمرے مہمان خانے کے نام سے موسوم ہیں، اس میں تازہ وارد مہمان مقیم ہوتے تھے اور اپنا اسباب وغیرہ رکھتے تھے، پھر صحن کے غرب کی طرف ایک بڑا سا دالان ہے یہ دالان بھی طلباء کے درس و تدریس کے لئے تھا اس میں چھوٹے بچے قرآن شریف حفظ و ناظرہ پڑھتے تھے اس میں بھی چٹائی کا فرش تھا۔ اس دالان کے اندر متعدد مختصر حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں بعض طالب علم رہتے تھے۔ اس دالان کے سیدھی طرف ایک پتلا سا گلیارہ ہے اس میں بھی دونوں طرف حجرے بنے ہوئے ہیں اور دالان کے اور اس گلیارہ کے اتصال پر غرب کی طرف ایک زینہ ہے جس سے اوپر جاتے ہیں اور اس دالان کے چھت پر حجرے بنے ہوئے ہیں ان میں جو لوگ عرصہ تک مہمان رہتے تھے وہ مقیم ہوتے تھے گلیارے میں نیچے جو حجرے ہیں ان کی چھت پر بھی مختصر حجرے بنے ہوئے ہیں

نیچے باہر والے دالان سے ملی ہوئی جنوب کی طرف مسجد ہے اس مسجد میں تین دَر ہیں مسجد میں اندر تین صفیں ہوجاتی تھیں جس میں تقریباً چالیس آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ مسجد کے باہر رنگین (ٹین کا) سائبان ہے۔ اس میں بھی تقریباً تین صفیں ہوتی تھیں پھر اس کے آگے مسجد کا صحن ہے مسجد کے اندر مغربی جانب میں تین، چار گوشہ نما درجے ہیں۔ ان کے اندر داخل ہونے سے سیدھی طرف دیوار میں دو خوبصورت تختے جڑے ہوئے ہیں، جن پر کلام پاک کی کئی جلدیں رکھی رہتی تھیں۔ سامنے والی الماری میں بھی کلام پاک اور مناجات مقبول کی کئی جلدیں رکھی رہتی تھیں۔ ان ملحقات مسجد میں رمضان شریف کے زمانہ میں لوگ معتکف رہتے تھے مسجد کے فرش پر کھجور کی موٹی چٹائی بچھی ہوئی تھی باہر مسجد کے سائبان سے متصل جنوب کی طرف حضرتؒ کی نشست کی سہ دری ہے، جس کا مفصل نقشہ آگے مذکور ہے صحن مسجد کے آخر میں مشرق کی طرف دیوار میں ایک مختصر سی الماری ہے جس میں حضرت کی دوائیں وغیرہ مقفل رہتی تھیں اس کے نیچے ایک لمبی سی منڈیر بنی ہوئی ہے جس کے آگے نالی بنی ہوئی ہے یہ جگہ وضو کرنے کے لئے ہے، اس کے اوپر ایک بالاخانہ ہے جس میں مہمان مقیم ہوتے تھے اس میں چار، چار پائیاں بچھی رہتی تھیں۔ اس کمرے کے شمال کی طرف ایک دروازہ ہے جس کے آگے تھوڑا سا چھت کا کھلا ہوا صحن ہے اس حجرے میں کئی کھڑکیاں ہیں، کمرہ کشادہ اور آرام دہ ہے فرشِ مسجد کے اختتام پر مشرق کی طرف سائبان کے نیچے اور کنوئیں کے درمیان ایک دروازہ ہے جس کے اندر ایک گلیارہ سا ہے۔ اس گلیارہ میں بائیں طرف دو غسل خانے ہیں جن میں کواڑ لگے ہوئے ہیں۔ اس گلیارہ کے آخر میں ایک دروازہ ہے جس میں ایک کواڑ لگا ہوا ہے، اس کو کھولنے کے بعد سیدھی طرف پھر ایک لمبا سا گلیارہ ہے اس میں استنجا خانہ اور پاخانے بنے ہوئے ہیں۔ اندر داخل ہونے پر سب سے پہلے بائیں ہاتھ کی طرف ایک درجے میں استنجے کے لئے مٹی کے ڈھیلے بھرے رہتے تھے اس کے بعد دوسرے درجے میں پیشاب کے لئے جگہ بنی ہوئی تھی۔ استنجا کرنے کے بعد



اندرون خانقاہ کا جنوبی حصہ شش دری۔ حضرت کی نشست گاہ



ششش دری (داہنی جانب کتب خانہ مولوی شبیر علیؒ - بائیں جانب مدرسہ)





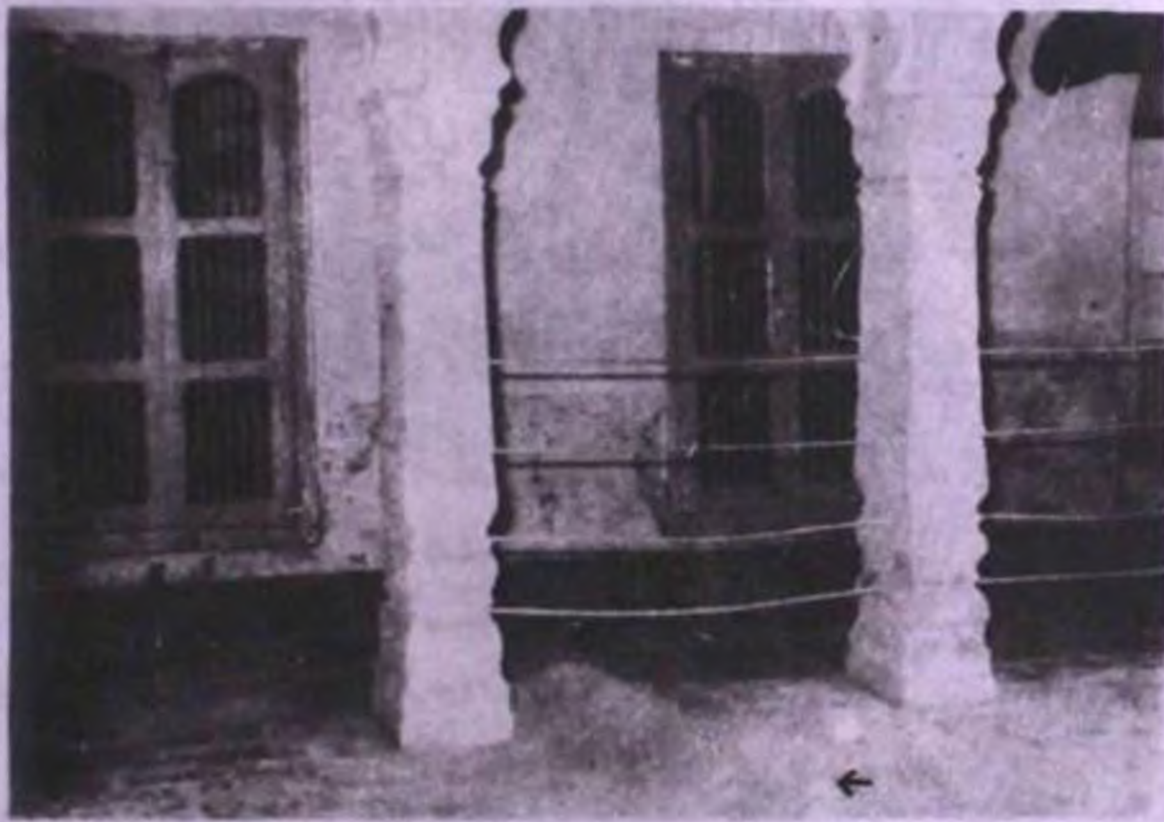
مسجد خانقاہ۔ باہر کا سائبان



مسجد و سہ دری و وضو کا حوض

ڈھیلے وہیں قریب ایک گوشہ میں ڈال دیئے جاتے تھے پیشاب خانہ کے درجے کے بعد کئی ایک پاخانے کے درجے ہیں ان پاخانوں میں جاکر طاقوں میں استنجے کے ڈھیلے رکھ دیئے جاتے ہیں اور فراغت کے بعد ڈھیلوں سے استنجا کرکے ڈھیلے وہیں کونڈے میں ڈالدیئے جاتے تھے (پانی کا لوٹا وغیرہ وہاں نہیں لے جاتے نہ آبدست لیتے ہیں) اس گلیارہ کے باہر جو مختصر گلیارہ میں غسل خانے ہیں ان میں پانی کا بدھنا پہلے سے بھر کر رکھ لیتے ہیں۔ وہاں جاکر پانی سے استنجا کرتے ہیں اسی طرح پیشاب کا استنجا بھی وہیں پانی سے پاک کرتے ہیں۔ پھر پانی کا بدھنا لاکر باہر حدود مسجد میں جو منڈیر بنی ہوئی ہے وہاں رکھ دیا جاتا ہے۔ غسل خانے میں نہیں چھوڑا جاتا۔ خانقاہ کے وسطی صحن میں چاروں طرف ٹین کا سائبان پڑا ہوا ہے مسجد میں داخلہ کے پھاٹک کے سامنے سائبان کے بعد صحن میں حوض ہے جو تمام تر پٹا ہوا ہے۔ حوض لمبائی میں چوڑائی سے زیادہ ہے لیکن صرف شرقی جانب ڈیڑھ فٹ کے قریب چوڑائی میں کھلا ہوا ہے اور کافی لمبا ہے۔ وضو کے لئے بیٹھنے کی جو پٹڑی ہے اس کے آگے نالی بنی ہوئی ہے۔ اس کے بعد حوض کا کھلا ہوا حصّہ ہے جب وضو کے لئے بیٹھتے ہیں تو رُخ مغرب کی طرف ہوتا ہے، اس حوض کے کھلے ہوئے حصے کے اوپر پٹاؤ کے حاشیہ پر لوہے کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔ حوض کے داہنی طرف مدرسہ کی سہ دری کا صحن ہے اور بائیں جانب مسجد کا مختصر سا صحن ہے دونوں صحن ایک ہی سطح پر ہیں درمیان میں معمولی نشان حد فاصل ہے جمعہ کی جماعت زیادہ ہوتی ہے تو نماز حوض کے پٹاؤ پر اور مدرسہ کے دالان و سائبان و صحن میں سب جگہ ہوتی ہے اور مسجد کی صفوں کا سلسلہ قائم رہتا ہے حوض کے شمال کی طرف تھوڑی سی کھلی ہوئی جگہ ہے اسی طرح جنوب کی طرف تھوڑی کشادہ جگہ ہے جہاں ٹین کے سائبان میں بیٹھ کر حضرت قبلہ وضو کرتے تھے اسی جگہ نالیاں بنی ہوئی ہیں جس کا پانی حوض کی پٹڑی کے نیچے نیچے ہوکر باہر نکل جاتا ہے جہاں حضرتؒ وضو فرماتے تھے۔ اسی سائبان کے نیچے حضرت کا مصلیٰ بچھا رہتا تھا جہاں

سنن و نوافل بھی حضرت اکثر پڑھا کرتے تھے۔ اسی سائبان کے نیچے سہ دری کی دیوار پر ایک اعلان ضوابطِ اوقات اورحضرت کے معمولات کے متعلق نوواردوں کی اطلاع کے لئے لگا ہوا ہے اس کا دوسری جگہ ذکر ہے۔ غسل کرنے کے واسطے باہر جانے والے پھاٹک کے اندر جو غسل خانے ہیں ان میں غسل کرنے کے لئے لوہے کے اور مٹی کے گھڑے رکھے رہتے تھے جاڑوں میں گرم پانی کے لئے حمام (سقاوہ) تیار کیا جاتا تھا۔ خانقاہ کے جنوب میں جس سہ دری میں حضرتؒ تشریف رکھتے تھے وہ چھ در کا ایک ہی دالان ہے۔ جس کے درمیان میں ایک محراب ہے گویا ایک لمبی شش دری ہے تخمیناً دس گز لمبی اور ساڑھے تین گز چوڑی پہلی



کتب خانہ و مزار حضرت قاضی محمد اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف مصطلحات الفنون۔

سہ دری میں پرانی جاجم کا فرش بچھا ہوا تھا۔ بیچ کے در میں کچھ اندر کی طرف اور کچھ حصہ باہر کی طرف ایک کچی قبر ہے۔ برائے نام کچھ تھوڑی سی اونچی ہے۔ دالان کے فرش کے نیچے پوشیدہ رہتی ہے۔ اس خام قبر کے قریب ایک مٹی کا کونڈا پانی سے بھرا ہوا رکھا رہتا تھا۔ شاید چڑیوں کے پینے کے واسطے، یہ قبر سنا جاتا ہے کسی بزرگؒ کی ہے جو بہت عرصہ پہلے اسی مسجد میں رہا کرتے تھے یعنی حضرت حاجی صاحبؒ کے زمانے سے بہت پہلے شاید

ان کی دعا تھی کہ ان کی قبر پر ذکر اللہ ہوتا رہے چنانچہ دن رات ذکر اللہ ہی ہوتا رہتا ہے مشہور ہے کہ جن طالب علموں کو کلام پاک یا دوسری کتب کے پڑھنے میں دقت ہوتی ہے وہ اس سہ دری میں قبر کے قریب بیٹھ کر مطالعہ کرتے ہیں اور بہت جلد ان کا مطالعہ رواں ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی پہلی سہ دری کے دروازوں کے سامنے جنوبی دیوار میں دو در کا ایک کمرہ ہے۔ جس میں کتب خانہ ہے اس میں ایک عالم صاحب بیٹھتے تھے اور استفتاء وغیرہ کے جوابات لکھا کرتے تھے۔ سہ دری کے اندر ایک گوشہ میں ایک لیٹر بکس آویزاں تھا اس میں مقیمانِ خانقاہ یا تازہ واردانِ خانقاہ اپنا حال لکھ کر حضرتؒ کے ملاحظہ کے لئے ڈال دیا کرتے تھے اور صبح کی نماز کے بعد حضرت ان کو نکال کر جواب تحریر فرماتے تھے۔ اس پہلی سہ دری کی شرقی دیوار میں ایک مختصر سی کوٹھڑی ہے اس میں چیڑ کے دو صندوق رکھے رہتے تھے جس میں ردّی کاغذ اور استعمال شدہ لفافہ و پوسٹ کارڈ وغیرہ ڈالے جاتے تھے۔ اس صندوق پر المونیم کا ایک لوٹا رکھا رہتا تھا جس سے حضرت وضو فرماتے تھے۔ حضرت کی چھڑی اور نعلین مبارک یہیں ایک کونے میں رکھے رہتے تھے۔ جو حضرت خود ہی رکھتے تھے اور خود ہی اٹھاتے تھے، یا کوئی خاص خادم اٹھا کر ساتھ لے جاتا تھا۔ کسی اور کو اس کی اجازت نہ تھی۔ اس کوٹھڑی کے دائیں طرف دیوار سے ملی ہوئی ایک آرام کرسی جس میں کپڑا لگا ہوا تھا رکھی رہتی تھی اور بائیں جانب لکڑی کے اسٹینڈ پر لوہے کا ایک ترازو کا کانٹا وزن کرنے کا رکھا ہوا تھا۔ اس میں خطوط یا پارسل وغیرہ کا وزن کیا جاتا تھا۔ حضرت جس سہ دری میں تشریف رکھتے تھے اس میں جانے کے لئے اس پہلی سہ دری سے ہو کر جاتے تھے کیونکہ حضرت کی نشست کے سامنے کی سہ دری کے دروازے مسجد کے اندر کھلتے تھے اور وہ نیچے سے ایک فٹ تک بند بھی تھے اور لوہے کی دو دو سلاخیں بھی ان میں لگی ہوئی تھیں، اس لئے اس طرف سے آمد و رفت نہ تھی۔

اعلان انضباط اوقات

سہ دری کے دروازے پر حضرت کی طرف سے حسب ذیل اعلان آویزاں تھا:۔

نظم الاوقات تاکہ نہ اہل حاجت کا حرج ہو نہ احقر کا

۱۔ صبح سے بارہ بجے تک مجھ کو متفرق ایسے کام رہتے ہیں جو تنہائی میں ہو سکتے ہیں اس وقت کسی سے ملنے میں یا بات چیت کرنے میں تکلیف بھی ہے حرج بھی ہے۔

۲۔ البتہ اوپر کے نمبر سے تین اشخاص مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ شخص جو تازہ آیا ہو اور صرف ملاقات کا مصافحہ کرنا چاہتا ہو، دوسرا وہ جو جا رہا ہو اور صرف رخصت کا مصافحہ کرنا چاہتا ہو۔ تیسرا وہ شخص جس کو ایسی حاجت ہو کہ اس میں مہلت نہیں ہو سکتی مثلاً دردزہ وغیرہ کا تعویذ لینا ہو یا فوری ضرورت کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو جس میں تاخیر نہ ہو سکے۔ مگر تینوں اشخاص کو چاہیئے کہ آتے ہی کہہ دیں کہ ہمارے اس وقت آنے کی یہ وجہ ہے تاکہ معلوم نہ ہونے سے پریشانی نہ ہو۔

۳۔ پھر بارہ بجے سے نماز ظہر سے فارغ ہو کر اپنی مجلس میں بیٹھنے تک میرے قیلولہ و نماز کا وقت ہے اس میں ملاقات سے اور نیز سب خدمات سے معافی چاہتا ہوں۔

۴۔ پھر جب ظہر پڑھ کر اپنی مجلس میں حاضر ہو جاؤں اس وقت سے عصر کی اذان ہونے تک عام اجازت ہے بیٹھنے کی، ہر قسم کی بات چیت کی تعویذ وغیرہ مانگنے کی البتہ جمعہ کا دن تعویذ دینے سے مستثنیٰ ہے۔

۵۔ پھر اذان عصر سے نماز سے فارغ ہونے تک کے لئے وہی قاعدہ ہے جو صبح سے ۱۲ بجے تک کے وقت کا ہے جو ۱ میں مذکور ہے اور وہی لوگ یہاں بھی مستثنیٰ ہیں جو ۲ میں مذکور رہیں۔

۶۔ عشاء کے بعد علی الاطلاق معذوری ظاہر ہے باستثناء ضرورت شدید۔

کتبہ احقر اشرف علی



مقام مسند (حضرتؒ کی خاص نشست گاہ) حضرت حاجی صاحبؒ کا حجرہ



حضرت حاجی صاحبؒ کا حجرہ

مقام مسند

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

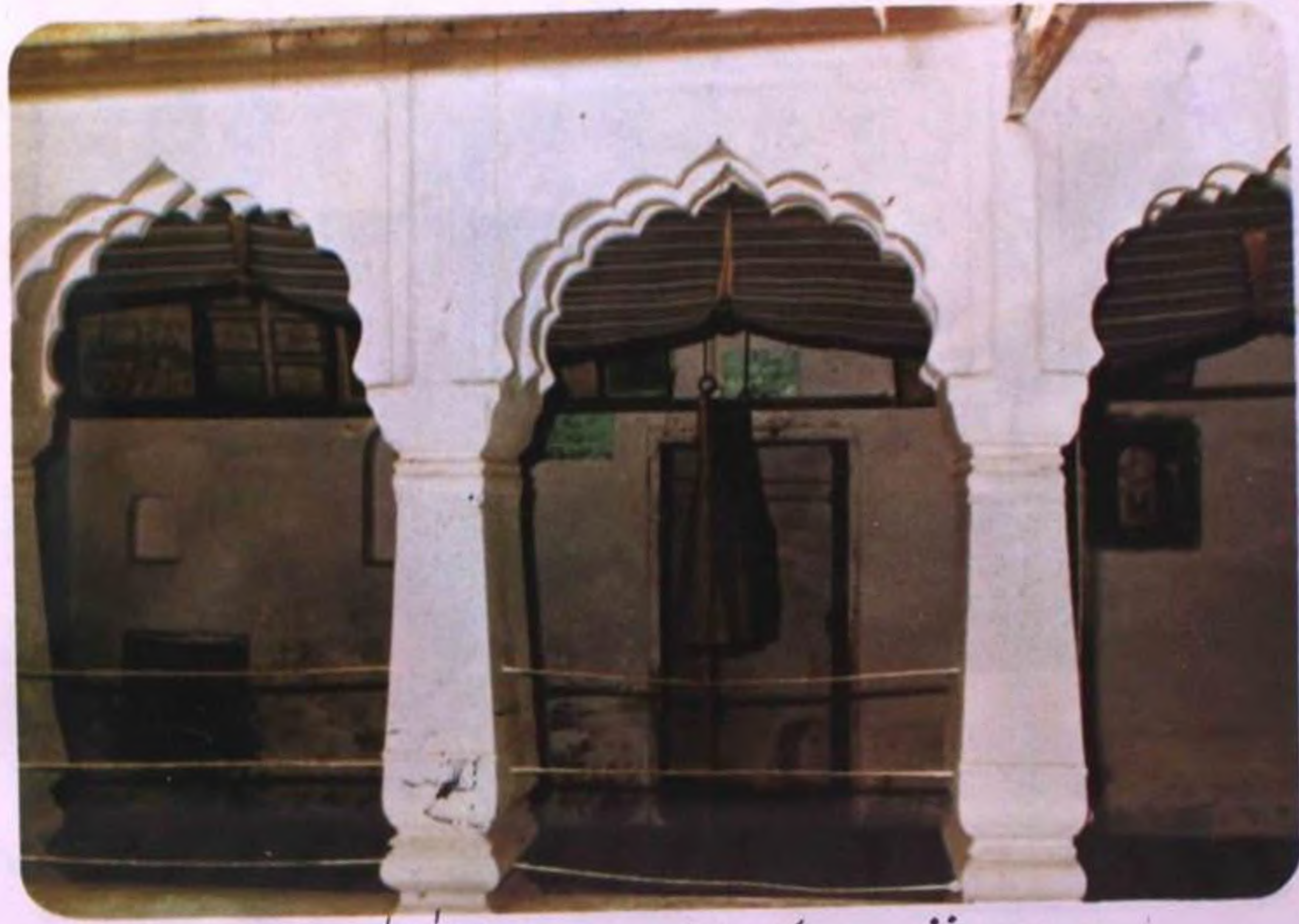
جنوبی دالان کی دوسری سہ دری جہاں حضرتؒ کی نشست تھی وہ مسجد کے سائبان کے جنوب میں ہے۔ اس میں مسجد کی طرف تین دروازے ہیں۔ سہ دری کے اندر جنوبی دیوار میں ایک مثلث نما بہت ہی مختصر سا حجرہ ہے۔ اس حجرے کے دروازے سے ملی ہوئی جگہ پر حضرت تشریف فرما ہوتے تھے۔

اسی سہ دری میں مغرب کی طرف ایک دوسرا حجرہ ہے۔ یہ بھی مختصر و تنگ اور مثلث ہے۔ یہ دونوں حجرے حاجی امداد اللہ صاحب مکی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت کے ہیں اور حضرت حاجی صاحبؒ بھی اسی سہ دری میں قیام فرماتے تھے اس سہ دری میں دھاری دار دری کا فرش بچھا رہتا تھا۔ جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے اس جگہ فرش پر ہرن کی کھال بچھی ہوئی تھی جس کے حاشیہ پر سیاہ کپڑے کی گوٹ لگی تھی۔ اس پر دری کی جا نماز بھی رہتی تھی اور سردیوں میں اس پر روئی کا گدا بچھا دیا جاتا تھا۔ اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہوتے تھے۔ بائیں طرف گاؤ تکیہ رکھا رہتا تھا حضرت کی نشست کے سامنے ایک چھوٹی سی چوکھونٹی چوکی نما میز رکھی رہتی تھی اس پر ایک لمبی سی الماری رکھی رہتی تھی جس کی اونچائی فٹ بھر ہو گی نیچے والی میز پر مختلف کتابیں رکھی رہتی تھیں۔ بیچ میں ایک جیبی گھڑی سفید چمڑے کے غلاف میں رکھی رہتی تھی، جس میں زنجیر بھی لگی ہوئی تھی۔ ایک ٹائم پیس ٹین کے بکس میں بند رکھی رہتی تھی۔ اس نیچے والی میز میں دو دراز یں تھیں جس میں قفل لگا ہوا تھا۔ اس کے اندر حضرت کے مختلف مدوں کی رقوم محفوظ رہتی تھیں۔

اوپر والی الماری میں سامنے کا تختہ نیچے سے اوپر کی طرف کھلتا تھا۔ اس میں بھی قفل لگا ہوا تھا۔ اس کے اندر بھی چند کتابیں اور بیاضیں وغیرہ محفوظ رہتی تھیں۔ اس الماری کے اوپر بھی چند کتابیں رکھی رہتی تھیں۔ ایک مجلد کاپی تھی جس میں دھوبی کے کپڑے لکھے جاتے تھے کچھ یادداشتوں کی کاپیاں اور ایک بلاٹنگ کا چپٹا سا رولر رکھا رہتا تھا۔ ایک شیشہ کا پیپر ویٹ بھی تھا۔ نشست کے سامنے والی میز کے نیچے ایک لکڑی کا قلمدان رکھا رہتا تھا جس کے اندر کپڑے میں تر کی ہوئی سیاہ روشنائی کی دوات تھی ایک جالی دار ڈبیا جس میں روشنائی خشک کرنے کے لئے ریت بھری تھی۔ ایک چاقو۔ ایک چھوٹی قینچی دو کلک کے قلم دو ہولڈر تھے، ایک سفید ہڈی کا اور ایک سبز لکڑی کا۔ اکثر حضرت باریک تحریر سفید ہولڈر سے لکھتے تھے۔ لفافوں پر پانی لگانے کا سرخ رنگ کا آلہ بھی تھا اس کے نیچے کی طرف تر اسپنج لگی ہوئی تھی۔ اس قلمدان کے نیچے کی کشتی میں تعویذ وغیرہ لکھنے کے لئے کاغذ کے ٹکڑے رکھے رہتے تھے۔ یہ ٹکڑے عموماً استعمال شدہ کاغذوں سے کاٹ کر رکھ لیتے تھے میز کے ایک جانب ٹین کے پونگے رکھے رہتے تھے۔ حضرت کے سیدھے ہاتھ کی طرف سامنے الماری سے ملا ہوا جو پونگا رکھا ہوتا تھا اس میں ڈاک خانہ کے خطوط لائے جاتے تھے اور بھیجے جاتے تھے، ان پونگوں میں قفل لگا ہوتا تھا جس کی ایک کنجی حضرت کے پاس رہتی تھی اور ایک پوسٹ ماسٹر کے پاس رہتی تھی حضرت مولانا جس وقت خطوط آتے تھے ان کو چاک کر کے اندر کے جوابی لفافوں کے اندر خطوط رکھ دیتے تھے جو چھوٹی میز پر بائیں ہاتھ کی طرف کنارے پر رکھے رہتے تھے۔ بعد ظہر جب تشریف رکھتے تھے اور مجلس عام ہوتی تھی اس وقت ان خطوط کے جوابات تحریر کئے جاتے تھے اور کبھی کبھی درمیان میں حاضرین سے کچھ گفتگو فرماتے جاتے تھے نشست کی بائیں طرف دیوار میں ایک طاق ہے اس میں ایک کلاک نہایت خوبصورت رکھی ہوئی تھی اور اس طاق میں شیشہ دار فریم لگا تھا اس گھڑی میں آفتاب کے طلوع و غروب کے حساب سے وقت رہتا تھا۔ ایک دھوپ گھڑی خانقاہ کی شمالی چھت کے



اگر فردوس بر روئے زمین است　　ہمیں ست، ہمیں ست، ہمیں ست



خاص نشست گاہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کونے پر نصب تھی جس کے وقت کے مطابق نمازیں ہوتی تھیں۔ دالان کے غربی حجرے کے دونوں طرف ایک ایک طاق تھا۔ دائیں طاق میں کچھ متفرق کاغذات رکھے رہتے تھے اور بائیں طاق میں کچھ ادویات کی شیشیاں وغیرہ اور ڈبے اور سر میں ڈالنے کا تیل رکھا رہتا تھا۔ اسی طاق میں ایک تھیلی میں سنگِ لرزاں بھی رکھا ہوا تھا یہ عجیب وغریب چیز ہے نو انچ لمبا اور چھ انچ چوڑا پتھر ہے۔ انگلی سے دبانے سے سخت اور ویسے ہاتھ سے ہلانے سے ہلتا تھا بلکہ ایک ایک کونہ ہلتا تھا، جہاں سے ہلاؤ وہیں سے ہلتا تھا۔ کسی نے حضرت کی خدمت میں ہدیتاً پیش کیا ہوگا واللہ اعلم۔ جہاں حضرت والا کی نشست تھی وہاں اوپر چھت پر ہاتھ سے کھینچنے والا ایک پنکھا لوہے کے تاروں میں آویزاں رہتا تھا جس میں پنج رنگی پیوند لگے ہوئے تھے۔ سامنے والے تین دروازوں میں ٹاٹ کے پردے بندھے ہوئے تھے، جو اکثر لپٹے رہتے تھے اور ضرورت کے وقت کھولے جاتے تھے۔ حضرتؒ کی نشست کے سامنے والی دیوار میں ایک الماری ہے مختصر سی جس میں پٹ لگے ہوئے ہیں وہ مقفل رہتی تھی اس میں شاید رقوم محفوظ رہتی تھیں واللہ اعلم۔

نشست کے سامنے سہ دری کے تینوں دروازوں میں نیچے کے حصے میں لوہے کی دو سلاخیں لگی ہوئی تھیں نشست گاہ کی بائیں طرف گاؤ تکیہ پر دو اور چھوٹے نرم تکیے رکھے رہتے تھے ایک سُرخ رنگ کا تھا۔ سیدھی طرف الماری سے ملا ہوا پیتل کا اگالدان رکھا رہتا تھا۔

دوسری جانب کاغذ رکھنے کا پتلا ساخانہ دار اسٹینڈ تھا۔ سہ دری کی غربی دیوار میں ایک طاق ہے اس میں مسواک رکھی رہتی تھی۔ اس کے نیچے ایک مطبوعہ نقشہ اوقاتِ نماز و سحر افطار کا ٹنگا رہتا تھا اور کھونٹی پر ایک چارخانہ دار رومال پڑا رہتا تھا جو سر کا تیل پونچھنے کے لئے تھا۔

یہ میں نے آپ کے تصورات کے سامنے اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نشست گاہ کا ایک نقشہ پیش کیا ہے تاکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہوجائے کہ اس شہرۂ آفاق مجدد عصر کی خانقاہ کا کیا انداز تھا۔

معمولاتِ اہلِ خانقاہ

نمازِ فجر کے بعد کچھ لوگ مسجد میں وظیفہ پڑھتے رہتے تھے اور کچھ اہلِ خانقاہ اور طالبِ علم کلامِ پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور کچھ لوگ ذکرِ جہری میں محو ہوتے تھے۔ پھر سورج نکلنے پر مدرسہ شروع ہوتا تھا۔ خانقاہ کے شمالی و غربی دالانوں میں جگہ جگہ مختلف جماعتوں کے طلباء اپنے اپنے اسباق میں مصروف رہتے تھے۔ چھوٹی جماعتوں کے لڑکے کلامِ پاک بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ساڑھے دس بجے کے بعد مدرسہ ختم ہو جاتا تھا اور ظہر کی اذان تک خانقاہ میں خاموشی رہتی تھی۔ ظہر کی اذان کے بعد لوگ وضو کر کے مسجد میں جمع ہوتے جاتے تھے۔ نماز کے بعد مدرسہ پھر شروع ہو جاتا تھا اور پھر طلباء کے پڑھنے سے خانقاہ گونجنے لگتی تھی۔ اذانِ عصر کے بعد مدرسہ ختم ہو جاتا تھا۔ نماز کی عملی تعلیم دینے کے لئے چھوٹی جماعتوں کے چھوٹے چھوٹے لڑکے وضو کر کے صف در صف نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور ایک لڑکا امام بنتا تھا اور قرارت کے ساتھ ساری نماز ادا کرتا تھا نماز ختم کر کے یہ لڑکے چھٹی پاکر اپنے مکان چلے جاتے تھے۔ عصر کی جماعت کے بعد چند اہلِ خانقاہ حوض کے پٹاؤ پر حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے تھے اور ختم خواجگان دانوں پر پڑھتے تھے (یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے)۔

اس کے بعد ایک صاحب بآوازِ بلند ایک تختی پر لکھی ہوئی دعائیں پڑھتے تھے اور سب لوگ آہستہ آہستہ آمین کہتے جاتے تھے ان دعاؤں میں جمیع مسلمانوں کی فلاحِ دارین کے لئے دعا ہوتی تھی۔ پھر خاص خاص دعائیں یعنی جو شخص اپنے مقاصد کے لئے دعا کرانا چاہے وہ بھی اس کے بعد کی جاتی تھیں۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ جو لوگ اس ختم خواجگان میں دعا کرانا چاہتے وہ اپنے مقاصد کے لئے دُعا کا مضمون لکھ کر دیتے تھے۔ اس ختم کی دعائیں ہمیشہ تیر بہدف ثابت ہوتی ہیں۔

اس کے بعد مغرب کے وقت تک پھر مسجد و خانقاہ میں خاموشی رہتی تھی۔ مغرب کی نماز کے بعد مسجد کے صحن میں اور مسجد کے دالان میں اور بیت الخلاء اور غسل خانوں میں اور مہمان خانوں

میں روشنی کر دی جاتی تھی۔ لوگ اپنے کھانوں میں مشغول ہو جاتے تھے کہیں کہیں کوئی طالب علم اپنے سبق کے مطالعہ میں منہمک نظر آتا تھا اور کوئی ذکر و تسبیحات میں محو ہوتا تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد ہر شخص اپنی اپنی جائے قیام پر چلا جاتا تھا۔ پھر کسی کو آپس میں باتیں کرنے کی اجازت نہ تھی اور خانقاہ کا پھاٹک بند کر دیا جاتا تھا۔ پھاٹک ایک خاص مقررہ وقت پر شب کو بند ہوتا اور فجر کی اذان کے بعد کھلتا تھا۔ پھاٹک بند کرنے سے پہلے آواز دے دی جاتی تھی کہ جس کو باہر جانا ہو وہ چلا جائے۔

جو شخص وہاں مہمان ہوتا تھا اس کے لئے ہر طرح کی راحت و ضرورت کا سامان مہیا رہتا تھا ہر نووارد اپنے آنے کی اطلاع مہتمم خانقاہ کو کر دیتا اور مہمان خانہ میں مقیم ہو جاتا تھا۔ اگر مہمان کی پہلے سے کوئی خصوصیت نہیں تو اس کے لئے یہ ضابطہ تھا کہ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی سہ دری میں تشریف رکھتے ہوں، اور کسی خاص کام میں منہمک نہ ہوں تو جا کر مصافحہ کرے اور اپنا تعارف کرا کے واپس چلا جائے، وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہرے۔ پھر جب بعد ظہر مجلس عام ہو اس وقت وہاں حاضر ہو اور اگر اپنا کچھ حال وغیرہ عرض کرنا ہو تو جاتے ہی اول مرتبہ نہایت مختصر و مفصل طریقے سے صاف صاف عرض کر دے۔ حضرت رح والا کو زیادہ استفسار یا انتظار کی زحمت نہ دے۔ پہلی ملاقات میں ہرگز کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش نہ کرے۔ کوئی بات نامکمل یا گول مول الفاظ میں نہ کرے۔ بلکہ جس مقصد سے آیا ہو فوراً صاف صاف عرض کر دے جو بات حضرت دریافت کریں اس کا جواب بلا تاخیر فوراً اور صحیح اور صاف لفظوں میں عرض کر دے۔ حضرت کے سامنے جب حضرت دوسری طرف متوجہ ہوں کھڑا نہ ہو بلکہ فاصلہ پر بیٹھ جائے اور نہایت بے تکلف ہو کر بیٹھے۔ بہت مؤدبانہ ہیئت نہ بنائے اس کو حضرت رح پسند نہ فرماتے تھے مگر حد و ادب سے بھی متجاوز نہ ہو جو ہدایت کہ حضرت فرما دیں اس پر پورا پورا عمل کرے اور کسی غلطی یا فرو گذاشت کی دلیل و توجیہہ نہ بیان کرے بلکہ اپنی غلطی کا صاف لفظوں میں اعتراف کر کے معافی چاہے اور آئندہ کے لئے اس غلطی سے اجتناب

کا وعدہ کرے۔ مہمان نووارد کے کھانے کا انتظام بھی آسان تھا۔ ایک ملاجی صبح و شام آتے رہتے تھے وہ کھانے کا انتظام بہت ہی قلیل معاوضہ پر کر دیتے تھے، اور دونوں وقت کھانا مسجد میں پہنچا دیتے تھے۔ خانقاہ کے باہر ٹیلے پر بھی ایک دوکان تھی اس میں بھی آسانی سے انتظام ہو سکتا تھا اور وہاں دودھ چائے وغیرہ بھی دستیاب ہو جاتی تھی۔ اگر کسی مہمان کے پاس موسم سرما میں بستر اوڑھنے کا سامان کم ہوتا۔ تو خانقاہ کے مہتمم مولوی شبیر علی صاحب مرحوم سے دستیاب ہو سکتا تھا اور بعد استعمال بوقت واپسی انھیں کو واپس کر دیا جاتا تھا غسل خانے اور بیت الخلاء کے متعلق انتظام اوپر درج ہو چکا ہے۔ اسٹیشن پر اسباب لیجانے کے لئے بھی آسانی سے انتظام ہو جاتا تھا اور بہت کم مزدوری ہوتی تھی۔ دھوبی چوتھے پانچویں روز شام کے وقت خانقاہ میں آتا تھا اور حسبِ ضرورت وقت پر کپڑے دھو کر دے جاتا تھا حجام بھی اکثر آتا رہتا تھا اگر کسی نووارد کو کوئی بات دریافت کرنا ہو تو مقیمانِ خانقاہ سے معلوم ہو سکتی تھی۔ نووارد و اجنبی کو اوقات مقررہ کے علاوہ کسی وقت از خود حضرت کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی کیونکہ حضرت کے معمولات کے خلاف تھا۔

مقیمانِ خانقاہ کو مجلس کے علاوہ دوسرے اوقات میں اپنے حجروں ہی میں رہنے کی ہدایت تھی آپس میں جمع ہو کر ملاقات و گفتگو کی اجازت نہ تھی اور نہ قصبہ میں کسی کے یہاں آنے جانے کی اجازت تھی اگر اس کی ضرورت ہوتی تو پہلے حضرتؒ کو اطلاع کرنا ضروری تھا۔

*****

مشکِ ختن میں تھی نہ گل نسترن میں تھی
خوشبو جو تیری زلف شکن در شکن میں تھی
اس سے نکل کے پھر نہوئی ایکدن نصیب
آسودگی روح جو تھانہ بھون میں تھی

(حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

باب ۲

مختصر سوانح حیات

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ فی ما اعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث فی امتی علی راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے شخص (کو پیدا فرمائیگا جو اس (امت) کے لیے اس کے دین کو نیا کرے گا۔

حالات و مصروفیاتِ زندگی

حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن مالوف و مقام پیدائش تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی ہندوستان تھا۔ آپ کا یوم ولادتِ باسعادت چہارشنبہ ۵ ربیع الاول ۱۲۸۰؁ھ ہے۔ قصبہ میں آپ کے آبا و اجداد کا خاندان نہایت معزز و ممتاز تھا۔ آپ کے والد ماجد منشی عبد الحق صاحبؒ بڑے صاحبِ وجاہت، صاحب منصب اور صاحب جائداد رئیس تھے اور بڑے اہل دل بزرگ تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نسبًا فاروقی مذہبًا حنفی تھے اور مسلکًا سلسلہ امدادیہ صابریہ چشتیہ سے وابستہ ہو کر منصب خلافت و رشد و ہدایت پر فائز ہوئے۔ حضرتؒ کا بچپن وطن ہی میں گذرا اور وہیں ناظرہ و حفظ قرآن اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر علوم دینیہ کی تکمیل کے لئے ۱۲۹۵؁ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور جید علماء اور مدرسین سے فیضانِ علوم حاصل کر کے ۱۳۰۱؁ھ میں فارغ التحصیل ہوئے گویا ادھر چودھویں صدی کا آغاز ہو رہا تھا اور ادھر احیاء و تجدید دین مبین کے لئے یہ مجددِ عصر تیار ہو رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فضلِ عظیم تھا کہ حضرتؒ کو مدرسہ دار العلوم دیوبند ایسی شہرہ آفاق اور مستند درس گاہ میں تحصیل علوم اور تکمیل درسیات کا موقع نصیب ہوا جہاں خوبی قسمت سے اس وقت بڑے منتخب اور یگانۂ عصر وجامع کمالات وصفات اہل اللہ اور اساتذہ کا مجمع تھا جن کے فیوض وبرکات علمی وایمانی کا آج بھی عالم اسلام معترف ہے۔ ان میں اکثر حضرات جناب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کے سلسلہ سے وابستہ اور بعض ان کے خلفائے راشدین میں تھے، ایسے نورانی ماحول میں اور ان حضرات کے فیضان صحبت سے بعونہ تعالیٰ حضرتؒ کی باطنی صلاحیت واستعداد بھی تربیت پذیر ہوتی رہی۔

یوں تو تمام بزرگوں اور اساتذہ کی توجہات خصوصی کی سعادت حضرتؒ کو حاصل تھی۔ مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز کو خاص طور پر حضرتؒ کے ساتھ محبت وشفقت کا تعلق تھا اور حضرتؒ کو بھی ان بزرگوں کے ساتھ نہایت والہانہ عقیدت ومحبت تھی چنانچہ اکثر وبیشتر ان حضرات کا ذکر بڑے کیف وسرور کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔

حضرتؒ کو مدرسہ دیوبند میں داخل ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز سے حصول سعادت کا زیادہ موقع نہیں ملا کیونکہ سال بھر کے بعد ہی حضرت ممدوح کا وصال ہوگیا تھا۔ البتہ اول الذکر دونوں بزرگوں سے رابطہ قلبی بہت بڑھتا رہا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "مجھکو حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز سے اس درجہ عقیدت تھی کہ سوائے حضرت حاجی صاحبؒ کے اور کسی سے ایسی نہ تھی۔ میں نے ایسا جامع ظاہر وباطن بزرگ کوئی اور نہیں دیکھا، اور لوگوں کے ساتھ تو میری عقیدت استدلالی تھی مگر مولانا رحمہ کے ساتھ غیر استدلالی تھی۔ میں نے اپنی طالب علمی

کے زمانے میں اول مولانا رحمہ ہی سے مدرسہ دیوبند میں بیعت کی درخواست کی تھی لیکن مولانا نے طالب علمی کے زمانے میں بیعت کرنے کو خلاف مصلحت اور حارج تحصیل علوم دینیہ خیال فرما کر عذر کر دیا لیکن میں نے ہمیشہ ان کو اپنا شیخ ہی سمجھا اور ہمیشہ اہم امور میں ان سے مشورہ لے کر عمل کرتا تھا۔ حضرت مولانا کی مجھ پر خاص عنایت تھی اور میرا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔ میں جب حاضر خدمت ہوتا تھا تو فرماتے تھے "بھائی جب تم آجاتے ہو تو زندہ ہو جاتا ہوں" حضرت حاجی صاحبؒ کا تذکرہ بہت ذوق و شوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ "بھائی تم نے تو حضرت حاجی صاحبؒ کے پکے پھل کھائے ہیں اور ہم نے کچے پھل کھائے ہیں (یعنی حضرت حاجی صاحبؒ کے اخیر زمانے کے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں) ایک بار حضرتؒ کا گنگوہ میں وعظ ہو رہا تھا تو جو کوئی حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس سے فرماتے کہ ایک عالم حقانی کا وعظ ہو رہا ہے وہاں جاؤ، سنو۔ میرے پاس کیا بیٹھے ہو۔ حضرت مولانا اکثر اپنے بعض طالبین و سالکین کو بھی بغرض تربیت حضرت رح کے پاس بھیجدیا کرتے تھے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز مدرسہ عالیہ دیوبند میں مدرس اول تھے۔ فن درس و تدریس اور علوم ظاہرہ میں یگانہ روزگار تھے اور بڑے صاحب باطن اور صاحب کشف و کرامات اولیائے کاملین میں سے تھے حضرتؒ کو ان سے بڑی عقیدت و محبت و گرویدگی تھی۔ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اس ہونہار طالب علم کے ساتھ بڑی مربیانہ شفقت اور توجہ فرماتے تھے انہوں نے اپنی روحانی فراست سے سمجھ لیا تھا کہ اس طالب علم کے طالع بیدار سے اس کے مستقبل کے روشن آثار نمایاں ہیں

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

چنانچہ ان کی موجودگی میں خصوصیت کے ساتھ خاص خاص حقائق و معارف و نکات و دقائق علمیہ بیان فرمایا کرتے۔ حضرتؒ اپنی مجلس میں حضرت مولانا کے ایسے ملفوظات کا بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ذکر فرمایا کرتے اور فرماتے تھے کہ "ان کا حلقہ درس کیا ہوتا تھا ایک حلقہ توجہ الی اللہ ہوتا تھا۔ قرآن مجید کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔"

حضرتؒ کی دستار بندی ۱۳۰۱ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز کے متبرک و مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ اس سال مدرسۂ دیوبند میں بڑا شاندار جلسہ منعقد ہوا اس موقع پر حضرتؒ اپنے چند رفقاء کے ساتھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم میں ایسی استعداد نہیں کہ ہمیں دستار فضیلت عطا کی جائے اس سے مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی۔ یہ سنکر مولانا رح کو جوش آگیا اور فرمایا "تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے، یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ خدا کی قسم جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے باقی سارا میدان صاف ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت رح کے باطنی علوم و اعمال کی تکمیل و تہذیب کے لئے بھی ایک یگانۂ عصر شیخ المشائخ حضرت حاجی شاہ محمد امداد اللہ صاحب تھانوی ثم مہاجر مکی قدس سرہ العزیز سے شرف تعلق عطا فرمایا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے فضائل و خصوصیات سے

متصف فرمایا تھا۔ اس زمانے میں عرب وعجم کے کثیر التعداد علمائے عظام اور صوفیائے کرام ان کے حلقہ بگوش عقیدت تھے اور ان کے فیوض و برکات سے شرقاً وغرباً ہر طبقہ کے طالبان طریقت فیضیاب وسیراب ہو رہے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو دیگر اوصاف کمالات کے ساتھ خاص طور پر فن تصوف وسلوک میں ایک مجددانہ ومجتہدانہ ذوق ومسلک سے بہرہ اندوز فرمایا تھا۔

چونکہ اللہ تعالےٰ کو حضرت حکیم الامت سے مستقبل میں اہم خدمات دین خصوصاً تصوف و سلوک میں ایک اصلاحی وانقلابی کام لینا منظور تھا اس لئے اس کام کی استعداد وقابلیت پیدا کرنے کے لئے بھی۔ ایک ایسے ہی جامع شریعت وطریقت اور صاحب فراست شیخ کی ضرورت تھی۔ واقعات پر نظر کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ منجانب اللہ حضرت حاجی صاحبؒ کی توجہ خود بخود ابتدا ہی سے غائبانہ طور پر حضرتؒ کی طرف مبذول ہونے لگی تھی چنانچہ ایک بار بغیر کسی خاص ذکر ومذکور کے حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے ہم وطن منشی عبدالحق صاحب حضرتؒ کے والد ماجد سے از خود کہلا بھیجا کہ آپ جب حج کو آئیں تو اپنے ساتھ اپنے لڑکے کو ضرور لیتے آئیں۔ حالانکہ حضرت رحؒ کی ولادت حضرت حاجی صاحبؒ کی ہجرت کے بعد ہوئی تھی اور انہوں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔

سنہ ۱۲۹۹ھ میں جب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ہاتھ ایک عریضہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں روانہ کیا جس میں استدعا کی کہ حضرت مولانا سے بیعت فرما لینے کے لئے سفارش فرما دیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا سے اس کا تذکرہ فرمایا اور پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ "اچھا میں خود ہی ان کو بیعت کئے لیتا ہوں اور حضرت رحؒ کو بھی تحریر فرمایا کہ "میں نے خود آپ کو بیعت کر لیا ہے مطمئن رہیں"

۱۳۰۱ھ میں جب حضرتؒ علوم درسیہ سے فارغ ہوئے تھے اسی زمانے میں کانپور کے مدرسہ "فیض عام" میں ایک مدرس کی ضرورت تھی۔ حضرتؒ کو وہاں تدریس کے لئے بلایا گیا حضرتؒ کئی سال تک اس مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ کے نظم و نسق سے غیر مطمئن ہو کر تعلق منقطع کر لیا پھر کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ کانپور کی جامع مسجد میں درس دینے لگے اور وہاں ایک مدرسہ قائم ہو گیا۔ اس مدرسہ کا نام حضرت نے مسجد کی مناسبت سے "مدرسہ جامع العلوم" موسوم فرمایا یہ مدرسہ یوماً فیوماً ترقی کرتا رہا اور کچھ مدت کے بعد بہت مشہور و معروف ہو گیا۔ (اور اب تک بفضلہ تعالےٰ قائم ہے)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کانپور کے قیام کے متعلق منجملہ دیگر مصالح کے یہ مصلحت بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ شہر کانپور اس زمانہ میں کئی اعتبار سے ایک مرکزی شہر تھا بیرونی ممالک کی طرف سے یہاں تجارتی اور صنعت کاری کے بڑے بڑے ادارے قائم تھے اور ملک کے تمام بڑے شہروں سے اس کا رابطہ تھا ہر مذہب، ہر طبقہ اور ہر طرف کے لوگ یہاں آباد تھے۔ اس کے علاوہ خود کانپور میں اور اس کے قرب و جوار کے بڑے شہروں، علیگڑھ، الہ آباد، لکھنو وغیرہ میں انگریزی طریقہ تعلیم کے اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم تھیں جن کے اثرات سے ہر شعبہ زندگی میں مغربی ذہنیت، تہذیب و تمدن کا غلبہ ہوتا جا رہا تھا، ایسے ماحول میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کانپور میں قیام پذیر ہونے سے منجانب اللہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی مذہبی و اسلامی زندگی کے ہمہ گیر حالات و تغیرات کا مکمل جائزہ لینے کے لیے وسیع معلومات کا موقع ملتا رہا اور دین متین کی اشاعت و تبلیغ کے لیے اور مسلمانوں کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لیے ذرائع و وسائل آسانی سے حاصل ہوتے رہے۔

دوران قیام کانپور شوال ۱۳۱۰ھ میں ایسے اسباب و وسائل رونما ہوئے کہ حضرتؒ اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ

سے ملاقات ہوئی اور دست بدست بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کو کچھ دنوں کے لئے اپنے پاس رہنے کے لئے روکنا چاہا مگر حضرت کے والد صاحب نے اس وقت حضرتؒ کی مفارقت کو گوارا نہ فرمایا اور اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت والا سے فرمایا کہ اب کی بار حج کو آؤ تو کم از کم چھ ماہ کے قیام کے ارادے سے آنا۔ حضرتؒ ۱۳۰۱ھ میں دوسری بار حج کے لئے تشریف لے گئے اور اپنی طلب صادق اور حضرت شیخ کے منشاء اور ان کی خواہش کے مطابق وہاں چھ ماہ تک قیام کا ارادہ کرلیا۔

حضرتؒ کو اپنے پیر و مرشد کی صحبت بابرکت میں فراغت قلب کے ساتھ رہنے اور باطنی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لئے یہ بہت مغتنم موقع نصیب ہوا اس کی قدر کرتے ہوئے حضرتؒ اپنا سارا وقت حضرت شیخ ہی کی خدمت اور معیت میں گذارنے لگے اور ہمہ وقت ان کے علوم عارفانہ اور مقالات حکمت سے بہرہ اندوز ہونے لگے۔ اس کے علاوہ عبادات نافلہ اور حسب ہدایت شیخ ریاضات و اوراد معمولہ حضرات صوفیائے کرام میں بھی مشغول رہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ اسی موقع کے منتظر تھے چنانچہ نہایت شفقت و محبت کے ساتھ اپنے مرید صادق کی تربیت باطنی کی طرف متوجہ ہوگئے اور اپنے نوخیز طالب و سالک طریق کی فطری صلاحیت و استعداد اور جوہر قابل کا اندازہ کرتے رہے اور وہ تمام علوم باطنی اور اسرار و رموز روحانی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب مبارک پر وارد اور القا فرمائے تھے حضرت کے قلب مصفیٰ میں منتقل فرماتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس قلیل عرصہ میں حضرت شیخ کی توجہات خاص سے حضرتؒ کا سینہ مبارک دولت معارف و حقائق باطنی کا خزینہ اور انوار و تجلیات روحانی کا آئینہ بن گیا اور محبت حق سبحانہ تعالیٰ اور محبت نبی الرحمۃ صلے اللہ علیہ وسلم کا سوز و گداز رگ و پے میں سرایت کرگیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ اپنے مرید سعید کی ترقی باطنی کا اندازہ فرماکر بہت مطمئن و مسرور تھے۔ بعض وقت جوش محبت میں آکر فرماتے کہ اللہ

تعالیٰ نے جو الہامی علوم مجھ کو عطا فرمائے ہیں وہ ان کی زبان پر جاری فرما دیے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ ہونہار رہروِ طریق ایک دن رہبرِ طریق بنے گا اور امتِ مسلمہ کے لئے رشد و ہدایت کا علمبردار ہوگا۔

بالآخر ہر صورت سے مطمئن ہو کر اور اپنے ذوق و مسلک سے تمام تر ہم آہنگی کے آثار نمایاں دیکھ کر اپنا جانشین بنا لیا اور باذن اللہ تعالیٰ خلعتِ خلافت اور منصب ارشاد و ہدایت سے سرفراز فرمایا اور خلق اللہ کی رہنمائی کے لئے تعلیم و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب حضرتؒ کا وہاں سے واپسی کا وقت آیا تو بکمالِ محبت و شفقت گلے لگا کر فرمایا: میاں اشرف علی میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام معاصرین پر خاص فضیلت عطا فرمائی ہے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ پھر ان دو وصیتوں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

دیکھو وطن پہنچکر تم کو باطنی کیفیات میں ایک حالت شدید پیش آنے گی گھبرانا نہیں مجھکو مطلع کرتے رہنا۔ دوسرے یہ کہ جب مدرسہ کی ملازمت سے دل برداشتہ ہو تو پھر وطن پہنچکر ہماری خانقاہ اور مدرسہ میں توکلاً علی اللہ مقیم ہو جانا تم سے انشاء اللہ تعالیٰ خلق کثیر کو نفع پہنچے گا۔

۱۳۱۱ھ میں حج سے واپسی پر کانپور پہنچکر حضرتؒ پھر درس و تدریس کے کام میں لگ گئے اس طرح ایک طرف تو درس و تدریس کی مداومت اور تبحر و تفکر سے علوم میں پختگی اور ترقی ہوتی رہی۔ دوسری طرف عبادات و ریاضات میں مشغولی سے باطنی کیفیات و حالات میں عروج و ارتقا ہوتا رہا۔ اسی زمانے میں اکثر و بیشتر مواقع پر حضرتؒ کے تبلیغی و اصلاحی وعظ بھی ہوتے رہے جو قلم بند ہو کر دعوت عبدیت کے نام سے شائع بھی ہوتے رہے۔ اور اسی زمانے میں حضرتؒ کی مجالست میں ایک حلقہ ذکر اللہ بھی قائم ہو گیا جس میں طالبین حق و سالکین طریق جمع ہو کر حضرتؒ کی تعلیم و تربیتِ باطنی سے مستفیض ہوتے لگے، اہلِ ذوق

حضرتؒ کے ارشادات و ملفوظات کو قلمبند کرتے اور 'مقالات حکمت' و 'مقالات عبرت' کے نام سے شائع کرتے رہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ حضرتؒ کے عالمانہ و عارفانہ کمالات کا شہرہ اطراف میں ہونے لگا اور خواص و عوام میں حضرتؒ کی ذات کو ایک ہر دلعزیزی کی شان حاصل ہو گئی۔

مگر حضرت شیخ کی خدمت سے واپسی پر مزاج اور انداز زندگی میں ایک گونہ ربودگی اور وارفتگی سی طاری رہنے لگی۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ "انقباض باطنی وکیفیات روحانی کی شدت سے میں اس قدر بے قابو ہو گیا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ اپنی جان دیدوں۔ (شاید یہ وہی حالت رفیعہ تھی جس کا اشارہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ معظمہ سے واپسی کے وقت فرمایا تھا) حضرتؒ نے اپنی اس مضطربانہ حالت کی اطلاع اپنے شیخ مربی باطن کو کی کہ حضرت، "آپ تو اتنی دور ہیں اور میری یہاں یہ حالت ہو رہی ہے، کیا کروں، حضرت حاجی صاحبؒ اس اطلاع سے بہت متاثر ہوئے اور جواب تحریر فرمایا کہ "جب تک فقیر زندہ ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں برابر تمہاری طرف متوجہ ہوں تم اطمینان رکھو" ان محبت بھرے الفاظ میں ایسی جاں نواز تاثیر تھی کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ "خط پڑھتے ہی مجھے سکون محسوس ہونے لگا اور تمام معمولات و مشاغل رفتہ رفتہ بحال ہو گئے"۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اشرف السوانح حصہ اول)

حضرتؒ نے دوران قیام کانپور درس و تدریس کے سلسلہ میں چودہ سال بسر کئے یہی زمانہ منجانب اللہ ان کے ذہنی و روحانی صلاحیت و استعداد کے نشو و نما کا اور علوم ظاہری و باطنی کے بار آور ہونے کا تھا اور اسی زمانے میں تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر عام مسلمانوں کے اصلاح عقاید و اعمال کے لئے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کا ایک بے اختیار جذبہ اور شدید تقاضا دل میں پیدا ہو رہا تھا جس سے حضرتؒ ہمہ وقت متاثر رہنے لگے اور موجودہ انہماک و اشتغال کی زندگی سے طبیعت گھبرانے لگی۔ مستقبل میں پیش نظر مقاصد کے حصول

کے لئے فراغت قلب و یکسوئی درکار تھی چنانچہ مدرسہ کی ملازمت ترک کرنے کا ارادہ کرلیا اور
چند وجوہات و معذورات پیش کرکے آخر کار ۱۳۱۵ھ میں سبکدوشی حاصل کرلی اور اپنے وطن
تھانہ بھون تشریف لے گئے اور اس کی اطلاع اپنے پیر و مرشد کو کردی وہاں سے جواب آیا۔

"بہتر ہوا آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ
ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ اور خانقاہ کو از سر نو آباد کریں ہیں
ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور آپ کا مجھے خیال رہتا ہے"

قصبہ تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) بڑے شہروں (دہلی سہارنپور) سے دُور اور ذرائع آمد و رفت
کے اعتبار سے اس زمانے میں بالکل الگ تھلگ پرانے زمانے کے رئیسوں کی ایک بستی تھی
اس بستی سے بالکل باہر خانقاہ امدادیہ واقع تھی، یہ وہی خانقاہ تھی جہاں کچھ زمانہ پہلے
اللہ تعالٰی کے تین برگزیدہ خلوت گزین بندے درویشانہ زندگی بسر کر رہے تھے، یعنی
حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ۔ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ اور حضرت حاجی
امداد اللہ صاحبؒ۔

یہ حضرات میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کے خلفائے راشدین تھے، اور
اپنے علوم ظاہری و باطنی کے فیوض و برکات سے خواص و عوام کو فیض رسانی میں
مشغول تھے۔ پھر جب انقلاب آیا تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حضرت حافظ محمد ضامن
صاحبؒ شہید ہوگئے اور کچھ عرصہ کے بعد مولانا شیخ محمد صاحبؒ کا انتقال ہوگیا اور حضرت
حاجی صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما کر چلے گئے۔ کچھ مدت کے لئے یہ خانقاہ غیر آباد ہوگئی
لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو اپنے ان مقبول بندوں کی یادگار کو قائم رکھنا اور
مستقبل میں اس خانقاہ کو ایک عالمگیر رشد و ہدایت و علوم ظاہری و باطنی کی نشر و اشاعت
کا جلیل القدر مرکز بنانا منظور تھا اور اس اہم و عظیم کام کو سرانجام دینے کے لئے حضرت

حکیم الامت مجدد ملت محی السنت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ارشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو ازل ہی سے منتخب فرمالیا تھا۔ حضرتؒ نے وطن پہنچکر اپنے پیر و مرشد کی تمنا اور ہدایت کے مطابق خانقاہ امدادیہ میں سکونت اختیار کرنے کا انتظام کیا اور توکل علی اللہ بظاہر ایک گونہ عارضی بے سروسامانی مگر حقیقتاً مستقبل کے غیر فانی سازوسامان کے ساتھ اپنے بزرگوں کی مقدس مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہو گئے اس طرح پیر و مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کی تمنا اور پیش گوئی پوری ہو گئی۔

حضرتؒ نے خانقاہ میں مقیم ہو کر شروع ہی سے اپنی آیندہ زندگی کے انضباط اور اہم خدمات دین کے انصرام کے لئے اپنے مذاق فطری اور نصب العین کے موافق ایک لائحہ عمل مقرر فرمایا اور اسی کے مطابق اپنے پیش نظر کام کے سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے اس وقت حضرتؒ کی عمر تخمیناً ۳۵ سال تھی۔

اس کے بعد یہ مجددِ وقت اپنی مسندِ رشد و ہدایت پر ایک نسخۂ اکسیر اصلاحِ اُمت لے کر بیٹھا اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سینۂ پُر گنجینہ کی شرح فرمائی پھر آسمان کے نیچے ایک مہتم بالشان مجلس لگی۔ رنگ ڈھنگ بدل گئے پھر وضوحِ حق ہوا حقیقت منکشف ہوئی۔ طریق زندہ ہوا۔ اصلاح کا باب کھلا انسانیت تقسیم ہوئی اور گمراہی کے دروازے بند ہو گئے۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے طالبین مخلصین سمٹ آئے۔ سالکین و ذاکرین کی آمد و رفت ہوئی۔ علماء اور طلباء کے اجتماع ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں علوم و معارف و حقائق کے دریا بہاتے اہلِ ذوق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنتے اور لکھتے۔ عارفین جھومتے اور اہل دل وجد کرتے اور تعلق مع اللہ کا وجدان حاصل کرتے۔ بڑے بڑے علماء و عقلاء اور فلسفی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھ جاتے وہ حقائق و معارف جو عربی و فارسی زبان میں تصوف و سلوک کی بڑی بڑی کتابوں میں راز کی صورت میں مدون تھے اس دور آخر

کے مجدد نے علی الاعلان بڑی سہل اردو، زبان میں سب کے سامنے ظاہر کر دیئے اور فن تصوف کے ایک ایک جزو کو ایسا بے غبار کر دیا کہ صدیوں تک تجدید کی ضرورت باقی نہ رہی اور اس شاہراہ پر دور دور تک کسی رہزن طریق کی مجال نہیں کہ دھوکا دے سکے۔

خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون میں توکلاً علی اللہ قیام پذیر ہونے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی تقریباً نصف صدی سے زائد تک تصنیف و تالیف میں اور مواعظ و ملفوظات ہی میں بسر ہوئی۔ ملک اور بیرون ملک ہزاروں طالبینِ حق و سالکین طریق، تعلیم و تربیتِ باطنی اور تزکیۂ نفس سے فیضیاب اور بہرہ اندوز ہو کر بحمد اللہ امتِ مسلمہ کے رہبر اور مرشدین گئے، جن کا فیضان روحانی اب تک جاری و ساری ہے۔

ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشآء

وقت گذرتا گیا اور حضرتؒ کے نصب العین کے مطابق اس خانقاہ کی اہمیت اور خصوصیات میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب یہ خانقاہ ایک ایسا شہرہ آفاق ہمہ گیر ادارہ بن گئی جو ایک ہی وقت میں علوم و فنون دینیہ کی ایک معیاری جامعہ بھی تھی جہاں سے دین متین کے اہم اور دقیق مسائل کی تنقیح و تحقیق کا زبردست کام ہوا۔ یہی خانقاہ ایک مثالی دینی مدرسہ بھی تھی جہاں علوم قرآن و حدیث کا درس بھی دیا جاتا تھا اور تہذیب اخلاق کی علمی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہ خانقاہ برصغیر کی ایک مستند و معتبر دارالافتاء بھی تھی۔ جہاں سے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فقہی مسائل میں رہنمائی بھی ہوتی اور یہی خانقاہ تعلیم و تربیت روحانی اور تزکیۂ نفس و تہذیب اخلاق باطنی کی ایک ممتاز و منفرد تربیت گاہ تھی جہاں بڑے بڑے جید علماء سے لے کر عوام کے ہر طبقہ کے لوگ ایک قلیل عرصہ میں تربیت باطن و تہذیب اخلاق سے آراستہ ہو کر اور حقیقت تصوف و سلوک کا عرفان حاصل کر کے مشائخ طریق بنے اور منصب رشد و ہدایت پر فائز ہو کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔

اسی زمانے میں تقریباً چالیس سال تک حضرتؒ کا ملک کے طول وعرض میں بڑی کثرت سے تبلیغی دوروں کا سلسلہ جاری رہا۔ بڑے بڑے شہروں میں مشہور دینی درس گاہوں انگریزی تعلیم گاہوں اور اسلامی انجمنوں کے شاندار جلسوں میں بار بار حضرتؒ کے کثرت سے بڑے انقلاب انگیز اصلاحی وعظ ہوئے بعض وقت وعظ کا یہ سلسلہ چار چار گھنٹہ تک جاری رہتا تھا ہزاروں کی تعداد میں لوگ والہانہ انداز میں جمع ہوتے تھے۔ اور دینی و دُنیوی تقاضوں سے آگاہ ہو کر ایمانی تقویت حاصل کرتے۔

حضرتؒ کے مواعظ کا موضوع خاص طور پر عقاید کی اصلاح۔ اعمال کی درستی، معاملات کی اہمیت اور اخلاق کی پاکیزگی کے لئے ہوا کرتا تھا۔ حضرتؒ کی مساعی وجدّوجہد کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے مسلمانوں کے ضمیر میں اسلامی شعور وشعائر کا جذبہ بیدار ہونے لگا اور حق وباطل کا صحیح معیار واضح ہو گیا۔ اکثر و بیشتر مواعظ قلم بند ہوئے اور طبع ہو کر شائع ہوئے اور بہت سے وعظ صرف قلم بند ہو کر محفوظ رہے اور شائع نہ ہو سکے۔ تاہم شائع شدہ مواعظ کی تعداد تقریباً چار سو سے زاید ہے جو اب بھی وقتاً فوقتاً تجدیداً اشاعت ہو رہے ہیں اور ان سے مسلمان اب بھی مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ

حضرت کی سوانح حیات پر نظر کرنے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو اس زمانے میں چونکہ احیائے سنت، اعلاء کلمۃ الحق اور اصلاح امت کا ایک عظیم الشان اور غیر فانی کام لینا منظور تھا اس لئے ابتدائے عمر ہی میں حضرتؒ کے دل میں تبلیغ واشاعت دین کا ایک مجددانہ ومصلحانہ ذوق اور تقاضا ودیعت فرما دیا تھا ابھی درس وتدریس ہی کا زمانہ تھا کہ حضرتؒ نے اپنی خداداد فراست اور عام معلومات وتجربے کی بنا پر محسوس کیا کہ اس وقت عام طور پر مسلمان تعلیمات دین سے ناآشنا اور غافل ہوتے جا رہے ہیں اور اس وجہ سے طرح طرح کی گمراہیوں، غلط فہمیوں اور کوتاہیوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

اُس زمانے میں مسلمانوں میں دو بڑے خطرناک رجحانات شدت پکڑ رہے تھے۔ ایک طرف تو انگریز کے برسرِ اقتدار ہونے کی وجہ سے مغربی فلسفہ اور تہذیب و معاشرے کا اثر پھیل رہا تھا جس سے عام طور پر تعلیم گاہیں۔ تجارتی ادارے اور سرکاری محکمے اور عوام متاثر ہو رہے تھے جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دینی تعلیمات کی کمی کی وجہ سے بلا قید و بند ایک آزادانہ زندگی کی رَو پیدا ہو گئی تھی۔ عام طور پر دینِ اسلام کی عظمت و وقعت دلوں سے کم ہونے لگی تھی اور دُنیوی ترقی اور مغربی تہذیب و تمدن کی ظاہری دلکشی و جاذبیت سے عام مسلمان متاثر ہو کر اپنے مذہب سے بیگانہ اور نا آشنا ہونے لگا بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے اس کو شعائرِ اسلام سدِ راہ معلوم ہونے لگے، یہاں تک کہ مغرب زدہ آزاد دماغ میں یہ بات آنے لگی تھی کہ اس ترقی یافتہ زمانے میں احکاماتِ شرعیہ پر عمل کرنا ممکن نہیں، خصوصاً معاملات معاشرت و اخلاقیات ایسے امورِ زندگی ہیں جن کو تقاضائے وقت کے لحاظ سے حسبِ ضرورت اپنے موافق بنایا جا سکتا ہے۔ مذہب سے ان کا کوئی واسطہ نہ ہونا چاہیئے۔ دینِ مبین کے ان تین اہم اور بنیادی ارکان سے اس قسم کا انحراف در اصل ایک درجہ میں ایمان ہی سے برگشتہ ہونے کے مترادف ہے۔ یہ فتنہ مسلمانوں کی عاقبت خراب کرنے کے لئے اس دور میں نہایت شدید و عبرت ناک تھا۔

حضرتؒ نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے بڑی شد و مد کے ساتھ تبلیغ شروع فرمائی۔ اس موضوع پر سیکڑوں وعظ مختلف عنوانات کے ساتھ بیان فرمائے اور متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جو کثرت سے طبع ہو کر شائع ہوئیں۔ مثلاً انتباہات مفیدہ۔ بہشتی زیور فروع الایمان۔ اصلاح الخیال۔ حیوٰۃ المسلمین۔ آداب المعاشرت۔ اصلاح انقلاب امت (وعظ اسلام حقیقی۔ محاسن اسلام۔ دعوۃ الحق وغیرہ بعونہٖ تعالیٰ شرق سے غرب تک تمام ملک میں ہر طبقہ کے مسلمانوں کو ان سے خاطر خواہ نفع اور رہنمائی حاصل ہوئی۔ فلسفہ جدید کی

ظلماتی اثرات سے اور دین کے متعلق مختلف اوہام وشکوک سے ذہن پاک وصاف ہو گئے۔ حضرت نے کتاب وسنت کی روشنی میں دین کے ہر شعبہ میں اسلام کی فطری تعلیمات کو بڑے دلکش اور دل نشین اور قابل قبول اور قابلِ عمل انداز میں صلائے عام کے ساتھ تمام اہلِ فکر ونظر کے سامنے پیش کیا اور ہر عنوان سے ثابت کر دیا کہ دنیا میں صرف اسلام ہی ایسا واحد مذہب ہے جس کا تعلق انسان کی زندگی میں ہر ضرورت وہر تقاضۂ بشری سے ہے اور ہر حالت اور ہر دَور میں ہر فرد اور ہر جماعت کے لئے نہ صرف قابلِ عمل بلکہ شرافت نفس اور تہذیب وتمدن میں ترقی کے لئے ضروری اور لازمی ہے۔

اس ہمہ گیر مصلحانہ تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دینی شعور اور اسلامی شعائر کی طرف رجحان پیدا ہونے لگا۔ ہر طبقہ کے اکثر وبیشتر انگریزی تعلیم یافتہ لوگ خصوصاً سرکاری محکموں کے بڑے بڑے عہدہ دار وکیل۔ بیرسٹر جج۔ منصف مجسٹریٹ کثرت سے حضرت کی تعلیمات سے متاثر ہوئے اور بعض تو حلقہ بگوش عقیدت ہو گئے اور بعض کی باطنی تعلیم وتربیت سے دینی حالت میں ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی کہ حضرت نے ان کو اپنے خلفائے مجازین صحبت " میں شامل فرما لیا تھا۔ اس طرح حضرت نے اس دورِ حاضر میں ایک ایسی زندہ مثال قائم فرما دی کہ مسلمان خواہ کسی مشغلۂ زندگی میں ہو اگر چاہے تو پکا دیندار بن سکتا ہے یہ حضرت کی ایسی کرامت اور ایسا کارنامہ تبلیغ دین ہے جو ہر اعتبار سے انفرادیت کا درجہ رکھتا ہے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

ایسا کام نہ اس وقت اس طرح کہیں باضابطہ ہو رہا تھا اور نہ بعد میں کہیں اس کی مثال ملتی ہے،

دوسری اہم چیز جو حضرت رحمہ کے دل ودماغ میں کاوش واضطراب پیدا کر رہی تھی وہ دورِ حاضر کی خانقاہی فقیری ودرویشی کی ہیئت کذائی تھی جہاں کتاب وسنت سے بالکل

بیگانہ اور بے نیاز ہو کر چند جوگیانہ رسم اور طریقہ نفس کشی ہی کو ذاصل حق ہونے کا ذریعہ اور چند ملحدانہ عقاید کو حاصل تصوف وسلوک سمجھ لیا گیا تھا یہ ایک عالمگیر فتنہ تھا جس میں اکثر دینی رجحان رکھنے والے نادان عوام مبتلا ہو رہے تھے، الا ماشاء اللہ حضرت رحمتہ اپنی تمام مصلحانہ توجہ اور مجددانہ تبلیغ کی جدوجہد اسی طبقہ کے لئے بھی خاص طور پر مبذول فرمائی اور اس موضوع پر عقاید و اعمال کی اصلاح کے لئے متعدد کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں سیکڑوں وعظ و ملفوظات قلم بند کرا کے شائع فرمائے اور قرآن و حدیث کی غیر متزلزل سند کے ساتھ تمام باطل عقائد کا رد اور تمام غیر اسلامی رسم و روایات اور غیر معقول اور ملحدانہ رموز و اسرار باطنی اور گمراہ کن اصطلاحات کی تردید فرمائی اور نہایت نمایاں طور پر واضح کر دیا کہ طریقت یعنی تصوف وسلوک یا دوسرے الفاظ میں تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس دین مبین ہی کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے اور اس پر شریعت وسنت کے مطابق عمل کرنا ایک درجہ میں ہر مسلمان پر فرض و واجب ہے (چنانچہ کتاب ہذا تمامتر اسی موضوع کی تشریح و وضاحت پر مشتمل ہے)

اس کے علاوہ دین کے پانچوں شعبوں میں یعنی عقاید کے معاملہ میں فساد والحاد کی سمّیت عبادات میں رسومات و بدعات کی شمولیت، معاملات میں حق تلفیاں اور ظلم معاشرے میں فواحشات و منکرات کی ترویج اور اخلاقیات میں نفسانیت و شہوانیت کا غلبہ اور آمیزش ان سب سے اس زمانے میں عام طور پر ذہن ماؤف ہو رہے تھے اور الا ماشاء اللہ خواص و عوام سب ہی اس میں مبتلا ہو رہے تھے۔

حضرت رحمۃ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سب مفاسد و منکرات کی اصلاح فرمائی اور تصحیح عقائد و اعمال کے لئے تصانیف مواعظ و ملفوظات کے ذریعہ ایک ہمہ گیر تبلیغ فرمائی اور اس سے بحمد للہ خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

اسی طرح علوم دینیہ سے متعلق۔ قرآن مجید کی تفاسیر میں۔ احادیث سے استنباط میں۔ فقہ کی توجیہات میں۔ تصوف کی غایات میں جہاں جہاں خواص و عوام غلط فہمیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہو گئے تھے وہاں اس مجدد عصر کی نظر اصلاح کارفرما نظر آتی ہے اور ان علوم کے ہر باب میں مفصل تصانیف موجود ہیں۔

یوں تو علوم دینیہ کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سب ہی تصانیف و تالیفات اپنے مضامین کی جامعیت و نافعیت و انفرادیت کے اعتبار سے بے نظیر و بے مثال ہیں۔ لیکن حضرت رحؒ کے مطبوعہ مواعظ و ملفوظات اور تربیت السالک علوم ظاہری و باطنی کے ایک بحر بیکراں ہیں۔ ان مواعظ و ملفوظات میں اکثر و بیشتر آیات قرآنیہ۔ احادیث نبویہ۔ فقہ اور طریقت کے متعلق بہت ہی نادر اور نازک و لطیف تفاسیر۔ تشریحات۔ تنقید و تدقیق بیان کی گئی ہیں۔

ان کے علاوہ دنیا و آخرت کے متعلق مسلمانوں کے لئے ہزاروں قسم کے علوم اور معلومات کا بڑا گراں مایہ ذخیرہ ہیں۔ اسی طرح کتاب تربیت السالک بھی اہل باطن و اہل سلوک کے ہزاروں طرح کے احوال و کیفیات روحانی اور لذات و محرکات نفسانی اور اوہام و شکوک کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملہمانہ تحقیق و تدقیق کا عجیب و غریب مجموعہ اور علوم موہوبہ کا بے نظیر خزینہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رحؒ کی مصلحانہ و مجددانہ انفرادیت اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ حضرت رحؒ کی تمام تصانیف و تالیفات۔ تمام مواعظ و ملفوظات یعنی تمام تحریری و تقریری کارنامہ ملاحظہ کیا جائے تو یہ بات نمایاں اور آشکارا نظر آئے گی کہ دین مبین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو اس حکیم الامت مصلح شریعت و طریقت کے اصلاحی و تجدیدی جد و جہد کے احاطہ کے اندر نہ آ گیا ہو۔

اللہ تعالٰے کی کھلی ہوئی عطا کردہ توفیق و نصرت و اعانت سے کثیر التعداد کثیر الاشاعت و کثیر المنفعت ایک بے نظیر و غیر فانی معتبر و مستند سرمایہ علوم دینیہ و حکم ایمانیہ یہ مجدد عصر امت مسلمہ کی رشد و ہدایت کے لئے اپنی مختصر حیات کے بعد آئندہ نسلوں کے واسطے چھوڑ گیا ہے جو مسلمانوں کے حق میں ایک عظیم انعام و احسان ہے اللہ تعالٰے اپنے اس مقبول بندے کو اپنے ابدی و سرمدی مقام قرب و رضا میں پیہم ترقی درجات عطا فرمادیں آمین بحق سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

باب ۳
خصوصیاتِ اندازِ زندگانی

اُسوۂ حسنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

تعلیماتِ نبوّت کی تجدید فرمانے والے اور ایک مجدد ملت کا منصب رکھنے والے کی یہی شان ہونا چاہیئے کہ اس کی زندگی کا ہر انداز "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کا پورا مصداق ہو کیونکہ جب وہ مسلمانوں کو احیاء سنت کی تعلیم و تبلیغ کر رہا ہو، تو خود بھی اس کی ساری زندگی اسی تعلیم کا عملی نمونہ ہونا چاہیئے، اس کے تمام عادات و معاملات اور اخلاقیات معاشرت قدم بقدم اتباع سنت ہی کی صراط مستقیم پر ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت، مجدد ملت شاہ محمد اشرف علی صاحب کی فطرت سلیمہ ہی میں متابعت سنت کی صلاحیت ودیعت فرمائی تھی حضرتؒ والا کا تمام ضابطہ حیات و انداز زندگانی اسی سے مرتب نظر آتا ہے، اور یہ چیز آپ کے تمام کارناموں، اشاعت و تبلیغ دین اور انداز تعلیم و تربیت باطن میں ہر طرح ظاہر و نمایاں نظر آتی ہے۔

اس موضوع کی وضاحت کے لیے خود حضرتؒ کے ملفوظات جو وقتاً فوقتاً ارشاد ہوئے اور قلمبند ہو کر شائع ہوئے ہیں ان کے بعض اجمالی خلاصے اشرف السوانح سے نقل کر کے درج کیے جا رہے ہیں تاکہ حضرتؒ کی ذاتی و صفاتی زندگی کی ایک ہلکی سی جھلک ناظرین کے لیے بصیرت افروز ہو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام ظاہری و باطنی اعمال کو اسوۂ حسنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح ڈھال لیا تھا کہ ایک شانِ محبوبیت پیدا ہو گئی تھی ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اہتمام اتباعِ سُنّت

ایک دفعہ فرماتے تھے کہ مجھے ایک دن خیال آیا کہ ہم لوگ اتباعِ سنت کا بہت ذکر کرتے ہیں مگر اس کا کچھ حصہ ہمارے اعمال میں ہے بھی کہ نہیں۔ چنانچہ میں نے تین دن تک صبح سے رات تک کے اپنے تمام اعمال کا بغور جائزہ لیا، دیکھنا یہ تھا کہ کتنی اتباعِ سنت ہم لوگ عادتاً کرتے ہیں اور کتنی اتباع کی توفیق علم حاصل ہونے کے بعد ہوئی اور کتنی باتوں میں اب تک محرومی ہے۔ چنانچہ تین دن تک تمام امورِ زندگی کا جائزہ لینے کے بعد لائحہ عمل صاف ہو گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اسی جائزہ کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ فرمایا جس کا نام "الغالب للطالب" ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن اعمال اور ارشادات کا ذکر ہے جن کی اتباع کے لیے ہم کو حکم دیا گیا ہے یا جن کا تعلق ادائے حقِ محبت سے ہے اس میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حیات المسلمین کی روح ہشتم کی طرف توجہ دلائی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ذکر ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مطالعہ میں رکھنے کی بہت تاکید کی ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ اس کے مطالعہ سے ضرور نفع ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ ضرور نفع ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اتباعِ سنت ہی میں ہمارے لیے حیاتِ طیبہ ہے اور دین و دنیا کی فلاح ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے کلام پاک میں اس کا اعلان فرمایا ہے کہ جو بھی میرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اپنے امورِ زندگی میں کرے گا اللہ تعالیٰ خود اس سے محبت فرمائیں گے، ایک بندۂ عاجز کے لیے اس سے بڑا احسان و انعامِ الٰہی اور کیا ہو سکتا ہے ؎

جب ان کو اعترافِ محبت ہے عارفی
کیا اس سے بڑھ کے اور تمنّا کرے کوئی

حلیۂ مبارک

کھلتا ہوا گندمی رنگ، وجیہ چہرہ، سر پر برابر کے بال، داڑھی گول بھری ہوئی، سر کے بال اور داڑھی میں سفیدی غالب، دونوں بھویں قریب قریب ملی ہوئی، دُہرا بدن، میانہ دراز قد، چہرہ گول رعب دار با وقار سنجیدہ اور متین، بادشاہوں کی سی شبیہ، رفتار نہایت آہستہ، گردن تھوڑی سی خم کرنے کی عادت، جسم کے قویٰ مضبوط اور پُر گوشت، آواز صاف و نرم، پیشانی پر ہلکا سا نشانِ سجدہ، آنکھیں با رونق پُر کیف ہمیشہ نیچے کی جانب جُھکی ہوئی جن میں ایک خاص اثر و رُعب۔

ملبوسات وغیرہ

چکن ڈوریہ یا تن زیب کی پنج کلی ٹوپی، کُرتہ زیادہ تر چکن یا سفید نینون کا زیبِ تن فرماتے تھے۔ اندر ایک بنڈی بند دار کرتے کا گِلا اوپر کا ہمیشہ کھلا ہوا۔ شرعی پاجامہ۔ ازار بند کپڑے کا جس میں کنجیوں کا گچھا بندھا ہوا، کپڑے نفیس اور عمدہ وضع دار۔ رومال بڑا چار خانہ کا۔ جمعہ کے دن دھاری دار عمامہ زیب فرق مبارک، کپڑے ہفتہ میں دو بار ضرور تبدیل فرماتے تھے۔ جمعہ کے روز عطر لگاتے تھے۔ سردیوں میں اُونی عبا زیب تن فرماتے تھے۔ سردیوں میں عام طور پر سر پر رومال باندھ لیتے تھے، اور اونی گرم چادر اوڑھے رہتے تھے، صبح و شام گرم موزہ پہنتے تھے۔ بعد میں اونی موزے وغیرہ پہننا چھوڑ دیا تھا۔

پُر تکلف اور قیمتی لباس پہننا کبھی پسند نہیں رہا ہمیشہ سادہ لباس پہنا مگر صاف ستھرا رہنے کا ہمیشہ طبعًا اہتمام رہا۔

بستر وغیرہ میں کوئی خاص اہتمام پسند نہ تھا بجز اس کے کہ بستر صاف ستھرا ہو۔ شب میں تہ بند باندھ کر آرام فرماتے تھے، سردیوں میں روئی کی مرزئی اور روئی کا چغہ استعمال فرماتے تھے اور صافہ باندھتے تھے پلنگ یا کوئی چیز ٹیڑھی یا بے ترتیب بچھی ہو تو ناگوار گذرتی تھی۔

جمعرات کے دن حجامت بنواتے تھے۔ سر کے بال پیچھے کچھ پٹھوں کی طرح تھے لبیں بہت

باریک قینچی سے ترشواتے تھے، چہرہ پر کہیں بال درست کرنے کے لیے استرہ کا استعمال نہ کیا جاتا تھا۔ ہفتہ میں دھوبی ایک بار کپڑے لاتا، کاپی میں تاریخ وار اندراج رہتا تھا، یادداشت تحریری سے دھوبی جو کپڑے لاتا تھا اس کی مطابقت فرماتے اور جو اجرت ہوتی فوراً ادا کر دیتے۔ پھر اترے ہوئے کپڑے دھوبی کو دے کر اس کی یادداشت تفصیل کے ساتھ کاپی میں درج فرما لیتے۔

عاداتِ طیبہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے ابتدائے عمر ہی سے پاک و صاف رہنے کا اور ہر کام وقت پر اور سلیقہ کے ساتھ کرنے کا اہتمام رہا اور ہمیشہ اس کا خیال رہا کہ میری وجہ سے کبھی کسی کو کوئی ناگواری یا میری بات ناگوارِ خاطر نہ ہو۔ اکثر و بیشتر شروع ہی سے اپنے حالات و اعمال کا جائزہ لیتے رہنے کی عادت تھی۔

فرماتے تھے کہ اہلِ تعلقات سے ان کے فرقِ مراتب کے ساتھ میں نے جو بھی معاملہ رکھا الحمد للہ عمر بھر اس کو اسی طرح نباہا۔

فرماتے تھے کہ میں روپیہ کو کبھی بائیں ہاتھ سے نہیں لیتا اور کبھی جوتا وغیرہ داہنے ہاتھ میں نہیں لیتا۔

دستی رومال کے ایک کونہ میں گرہ لگا لیتے تھے تاکہ صرف اسی طرف سے ناک وغیرہ صاف کی جائے۔ ایک وقت میں کوئی کھانے پینے کی چیز اگر زیادہ مقدار میں سامنے آتی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر بار ہوتا تھا۔ فرماتے تھے کہ تھوڑی مقدار میں اگر چیز ہو تو کھانے پینے میں انشراح رہتا ہے ضرورت ہوتی ہے تو اور طلب کر لیتا ہوں۔

فرماتے تھے کہ جب راستہ پر چلتا ہوں تو اچھا راستہ دوسروں کے لیے چھوڑ دیتا ہوں اس معاملہ میں مویشیوں تک کی رعایت رکھتا ہوں۔

کسی کا راستہ میں معتقدانہ انداز میں پیچھے چلنا پسند نہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ چلنا ہو تو

برابر رہ کر چلو ورنہ فاصلہ سے چلو۔

فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی چھوٹی چھوٹی نعمتوں کی بھی میرے دل میں بڑی قدر رہتی ہے، کاغذ کے ٹکڑے، فیتہ، تاگا اور کوئی ایسی حقیر چیز جو کسی کام میں آسکتی ہو۔ اس کو بھی اٹھا کر محفوظ کر لیتا ہوں وقت پر اس کا کام میں آجانا بڑی راحت کا سبب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جس نعمت کے اجزائے کثیرہ سے اپنی ضرورت اور لذت پوری ہوتی ہو، اس کے اجزائے قلیلہ کو تلف کرتے ہوئے میرا دل لرزتا ہے۔

فرمایا کہ میری عادت یہ ہے کہ اول تو حتی الوسع کسی کی چیز عاریتاً نہیں لیتا اور اگر کبھی کسی مجبوری سے کوئی چیز لینی پڑی تو فراغت کے بعد اس کو فوراً ہی پہنچا دیتا ہوں تاکہ قلب مطمئن ہو جائے اکثر لوگ اس سے غافل ہیں، حالانکہ احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اخلاق کا خلاصہ یہی ہے کہ کسی کو دوسرے سے تکلیف نہ پہنچے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ ؂

طبعی و مزاجی کیفیت

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مذکورہ کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مزاجی کیفیت کا کچھ بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج مبارک میں اس قدر سادگی اور بے تکلفی تھی کہ عام نظر میں کوئی بھی خصوصی بات مابہ الامتیاز معلوم نہ ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امور شرعیہ اور اعمال سنت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے امور عادیہ بن گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہایت لطیف مزاج اور نازک طبع تھے کوئی بات بھی حد اعتدال سے ہٹی ہوئی نہ خود اپنے لیے اور نہ دوسرے کے لیے پسند تھی۔

اپنی مزاجی حالت کے متعلق فرماتے تھے کہ ہجوم سے طبیعت پر بہت بوجھ ہوتا ہے، ہاں یہ تو مجھے مرض ہے کہ دو چار اپنے ہم خیال احباب پاس رہیں بالکل تنہائی کو بھی جی نہیں چاہتا اور یہ تو بارہا فرمایا کرتے تھے کہ بس کام کے سامنے آتے ہی اس کی فکر سوار ہو جاتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس سے جلد فراغت ہو جائے۔

فرماتے تھے اگر کسی وقت کوئی ضروری کام یا خاص بات یاد آجاتی ہے تو فوراً کاغذ پر اس کی یادداشت لکھ کر رکھ لیتا ہوں تاکہ دماغ اس میں الجھا نہ رہے۔ پھر وقت پر فراغت کے ساتھ وہ کام کر لیتا ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں کسی شخص کو جس کا کوئی کام مجھ سے متعلق ہو کبھی دیر تک منتظر نہیں رکھتا۔ اوّلین وقت پر اس کو اس طرف سے فارغ کر دیتا ہوں، اسی طرح خود بھی کسی کام کے لیے منتظر رہنا برداشت نہیں ہوتا۔ چاہتا ہوں کہ جس کے ذمہ جو کام کیا ہے، وہ اس کو انجام دے کر فوراً مطلع کر دے۔

چھوٹے بچوں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بہت دلچسپی تھی کبھی کبھی بچوں کے ساتھ بڑی خوش طبعی اور مزاح فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اطباء نے مقویات و مفرحات کی بڑی فہرست لکھی ہے لیکن دو چیزیں چھوڑ دیں ایک تو روپیہ جو مقویات میں بڑا درجہ رکھتا ہے اور دوسرے چھوٹے بچے جو مفرحات میں بڑا اثر رکھتے ہیں۔

فرمایا کہ میں کھانے پر اصرار کرنے کو پسند نہیں کرتا کسی کو بے بھوک کھلانا زہر دینا ہے لوگوں میں یہ عرفی مرض ہے کہ خواہ مخواہ وقت نا وقت مہمان کو اصرار کر کے کھانا کھلانا چاہتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ کوئی کیسا ہی محبوب مہمان ہو اور اس کے ٹھہرانے کو کتنا ہی جی چاہتا ہو کبھی اس کی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کرتا اور جب جانے کو کہتا ہے تو نہایت فراخ دلی سے کہہ دیتا ہوں کہ جیسی مرضی ہو اور جس میں راحت ہو۔

حضرتؒ کے مزاج میں غیرت بھی بہت زیادہ تھی اگر کوئی زیادہ کثیر رقم یا کوئی بہت زیادہ

قیمتی ہدیہ استعمالی اشیاء کا پیش کرتا تو نہایت متواضعانہ انداز سے معذرت فرما لیتے ۔

تبرکات حاصل کرنے کے معاملہ میں بھی حضرت خاص احباب سے بھی غلو کرنے میں منع فرماتے تھے ۔ اپنے احباب اور اعزّہ سے حضرت بہت کم کسی چیز کی فرمائش کرتے تھے اور اگر کسی ضرورت کی چیز کی فرمائش کرتے تو شرط کر لیتے تھے کہ اس کی قیمت ان کو قبول کرنا پڑے گی متعلقین اور احباب کی معمولی غلطیوں اور فروگذاشتوں سے اکثر چشم پوشی فرما لیتے تھے۔

فضولیات سے انقباض

حضرت رحمۃ اللہ علیہ قیمتی سامان اپنے استعمال میں رکھنا پسند نہ فرماتے تھے ۔ بہت سادہ اور مختصر سامان اپنی ضروریات کے لیے استعمال فرماتے تھے ۔

ضرورت سے زیادہ اپنے پاس کوئی چیز نہ رکھتے تھے اگر کسی نے ایسا ہدیہ دیا جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ضرورت کا نہ ہو خواہ استعمال کی چیز ہو خواہ کھانے پینے کی ہو تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ احباب سے اس کا ہدیہ تو قبول فرما لیتے تھے لیکن اس چیز کو اپنے خاص متعلقین کے ہاتھ بہت ہی معمولی قیمت پر فروخت فرما دیتے تھے یا یوں ہی دے دیتے تھے اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شان تربیت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ہدیہ دینے والے کو سبق ہو جائے ۔ فرماتے تھے کہ سب سے آسان بات یہ ہے کہ جو ہدیہ دینا چاہے وہ پہلے سے استمزاج کرلے تاکہ فریقین کو انبساط خاطر و مسرت حاصل رہے ۔ فرماتے تھے کہ سب سے ہلکا پھلکا اور راحت و فراغتِ قلب کا ہدیہ تو نقد رقم کا ہدیہ ہے یہ ہر ضرورت مطلوبہ میں کام آسکتا ہے ۔

فرمایا مجھے تو اس تصور ہی سے وحشت ہوتی ہے کہ میری ملک میں ضرورت سے زیادہ چیزیں ہوں چاہے ان چیزوں سے خود مجھے سابقہ کبھی نہ پڑتا ہو ۔ لیکن خیال ہوتا ہے کہ میری ملک ہی میں ایسی فضول چیزیں کیوں ہوں ۔ آخر ان کا ہوگا کیا ۔ بہت ہی الجھتی ہے طبیعت ، کہ جو چیز کام میں نہ آوے وہ گھر میں کیوں رہے مفت میں پہرہ چوکی دینا ۔ حمال ہونا ، مزدور بننا ، فضول کا دردِ سر، خوب کہا ہے صائب نے ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش
آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

مجھے سفر کے وقت اکثر یہ خیال آیا کرتا ہے کہ اے نفس! ضرورت کی چیزیں تو بس اتنی ہی ہیں جتنی اس وقت سفر میں ساتھ ہیں کہ دو چار کپڑوں کے جوڑے ہیں، بستر اور لوٹا ہاتھ میں ہے۔ اب مجھے سفر کیے ہوئے دو ماہ ہوئے ہیں ان چیزوں کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوئی جو گھر میں بھری ہوئی ہیں۔ بلکہ سفر میں بھی بعض چیزیں جب غیر ضروری معلوم ہوئیں تو گھر بھیج دی گئیں، اور مجھ کو تو اس پر بھی شرم آتی ہے کہ الہ آباد سے بعض زائد چیزیں وطن واپس کر دی گئیں، لیکن میں کیا کروں۔ میں تو بہت بچنا چاہتا ہوں کہ زیادہ بکھیڑا جمع نہ ہو، مگر حق تعالیٰ میرے پاس بہت کچھ بھیجتے ہیں۔ میرے دوست احباب کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں، وہ بہت سی چیزیں بھیج دیتے ہیں، جن کو واپس کرتا ہوں تو ان کا دل برا ہوتا ہے لیکن میں اکثر اپنی مملوک چیزوں کا جائزہ لیتا رہتا ہوں اور غیر ضروری سامان کو نکالتا رہتا ہوں (الاسراف ص ۴۴)

ایک نفیس قالین سہ دری میں بچھانے کے لیے حضرت خواجہ صاحب نے پیش کیا تو ان کی خوشی کے لیے بچھا لیا۔ خطوط تحریر فرما رہے تھے، فرمایا کہ دیکھیے جب قلم کو دوات میں ڈال کر اٹھاتا ہوں خیال ہوتا ہے کہ کہیں سیاہی گر کر دھبہ نہ پڑ جائے، الجھن ہونے لگی، یکسوئی جاتی رہی۔ مضامین کی آمد میں فرق آگیا، اگر معمولی گدا ہوتا تو دھبہ پڑنے کا خیال بھی نہ ہوتا۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ اس کو معمولی ہی سمجھیں۔ دھبہ پڑنے کا کچھ خیال نہ فرمائیں فرمایا کہ طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی، کیونکہ ہر چیز کے ساتھ اس کی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنا چاہتا ہوں پھر دوسرے دن وہ اٹھا دیا اور فرمایا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ ایسی چیز پر بیٹھنے سے مجلس خواہ مخواہ بارعب ہو جاتی ہے۔ پاس بیٹھنے والوں پر رعب پڑتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ کسی کے قلب پر میری ذرا ہیبت نہ ہو۔ لوگ مجھ سے بالکل بے تکلف رہیں تاکہ

جو کچھ جس کے جی میں آوے پوچھ سکے۔ ف اس ملفوظ سے حضرت والا کے یہ صفات صاف ظاہر ہیں۔ ہر چیز کے ساتھ اس کی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنا جو عین اتباع سنت ہے حدیث میں آیا ہے کلموا الناس علیٰ عقو لهم یعنی لوگوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنے کا حکم ہے تو چیزوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق برتاؤ کرنا تو مزید کمال ہوا۔ دوسرے اپنے مجلس والوں کے ساتھ بے تکلف رہنے کو چاہنا جو دوسرا شعبہ اتباع سنت کا ہے۔ تیسرے اپنے احباب کی دلجوئی، جو تیسرا شعبہ اتباع سنت کا ہے۔

فرمایا کہ مجھے خدا جانتا ہے۔ ذراسی بات بھی فضول ہو تو اس سے نہایت انقباض ہوتا ہے بلکہ ہنسی مذاق یہاں تک کہ فحش تک سے بھی چاہے وہ عقلاً منکر ہو لیکن اس سے انقباض نہیں ہوتا، اور پھر سب فضول باتوں میں بھی اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ان فضولیات میں جن کو کہنے والا خود بھی سمجھے کہ یہ فضولیات ہیں۔

فرمایا کہ جب کسی کام کو شروع کرتا ہوں تو اس سے قلب کو فارغ کرنے کا اس درجہ تقاضا طبیعت میں پیدا ہوتا ہے کہ جب تک ختم نہیں کر لیتا چین ہی نہیں آتا یہاں تک کہ بعض تصانیف کے ختم کے قریب رات رات بھر بیٹھا لکھتا رہتا ہوں اور ایک منٹ کو بھی آرام نہیں کرتا، اور فرمایا کہ چاہے توفیق یاد خدا کی نہ ہو لیکن میں اپنی طرف سے تو قلب کو فارغ رکھنے کی کوشش ہی کرتا رہتا ہوں تاکہ اگر کبھی توفیق ہو تو آسانی سے حق تعالیٰ کی طرف قلب کو رجوع تو کر سکوں۔ اور اس وقت کوئی مانع توجہ الی اللہ سے نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ الجھی ہوئی باتوں سے میری طبیعت پریشان ہو کر متغیر ہو جاتی ہے کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ بات ختم ہو کر جلد یکسوئی حاصل ہو اور طبیعت اٹکی نہ رہے اور لوگ تو الجھی ہوئی باتیں کر کے طبیعت کو دیر تک خواہ مخواہ اٹکائے اور الجھائے رکھتے ہیں (اشرف السوانح)

بچپن ہی سے میرا دماغ اس بات کا عادی ہے کہ اگر کوئی معمولی سے معمولی بات بھی ہو مگر ترتیب کے ساتھ نہ ہو تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ نہ خود الجھی ہوئی تقریر کروں اور نہ دوسرے کی الجھی ہوئی تقریر

سمجھوں۔ فطرتاً میرا دماغ کچھ ایسا ہی ہے۔

میری عادت ہے کہ میں کسی مضمون کے سمجھنے میں زیادہ تعب نہیں اٹھاتا بس جو سرسری توجہ سے سمجھ میں آگیا وہ آگیا ورنہ چھوڑ دیتا ہوں زیادہ کاوش نہیں کرتا بس اس پر عمل ہے اِذَا لَمْ تَسْتَطِعْ شَیْئاً فَدَعْہُ۔ نیز دشوار طریق کو چھوڑ کر سہل طریق اختیار کرنے میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں۔

ما خیّر صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین الا اختار ایسرھما

حضرت کسی کام میں اگر کسی شخص کی بے پرواہی اور بے خیالی دیکھتے تو سخت ناگواری ہوتی اور اس کو تنبیہ فرماتے۔

فرماتے تھے کہ کوئی شخص اگر اپنی کسی غلطی پر خواہ مخواہ کی تاویلات کرتا ہے اور صریحاً اعتراف سے گریز کرتا ہے تو ایسی حالت میں طبیعت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح فرماتے تھے کہ بہت طویل خطوط سے خصوصاً جب غیر ضروری باتیں تحریر ہوں بہت کلفت ہوتی ہے اور ایک خط میں دو مختلف مضمون سے زیادہ اگر ہوں تب بھی گرانی ہوتی ہے۔ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص ایک خط میں کوئی فقہی مسئلہ دریافت کرے اور اس کے ساتھ کوئی باطنی حال یا تصوف کے متعلق کچھ دریافت کرے تو اس وقت بھی ناگواری ہوتی ہے اور جواب میں تحریر فرما دیتے تھے کہ ایک خط میں صرف ایک ہی مضمون ہونا چاہیئے، اگر پوچھنا ہی ہے تو الگ الگ خطوں میں مضمون مذکورہ لکھا جائے۔

✽✽✽✽✽✽

باب ۴

حضرتؒ کے خانگی حالات

ازواج محترمات

حضرتؒ والا کی ازواج محترمات دو تھیں اور بفضلہٖ تعالیٰ دونوں نہایت شفیق، غربا پرور متوکل، قانع، مہماں نواز اور حضرتؒ والا کی نہایت مزاج شناس اور خدمت گذار تھیں۔

حضرتؒ والا کے دوسرے عقد کا مفصل حال خود حضرتؒ والا کے قلم مبارک کا لکھا ہوا رسالہ "اصلاح انقلاب امت" میں موجود ہے (الخطوب المدیبۃ للقلوب المنیبۃ)۔

حضرتؒ والا کو عدل کا اس درجہ اہتمام تھا کہ شاید و باید۔ شروع شروع میں عدل کی جزئیات دقیقہ کی رعایت میں بڑی دشواری پیش آئی لیکن چونکہ حضرتؒ والا حقوق العباد کے متعلق خاص طور سے بہت ہی زیادہ محتاط تھے اس لیے برابر فکر و اہتمام بلیغ میں مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ومن یؤمن باللہ یھد قلبہ سب دشواریوں کو آسان فرما دیا اور رفتہ رفتہ ساری جزئیات عدل کے متعلق طریق عمل سمجھ میں آگیا جو علماً اور عملاً ہر لحاظ سے سہل تھا۔

اسی رعایت جزئیات عدل کی بنا پر حضرتؒ والا نے بعض کے اس کہنے پر کہ آپ نے تو عقد ثانی کا دروازہ کھول دیا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ نہیں میں نے دروازہ کھولا نہیں ہے بلکہ بند کر دیا ہے کیونکہ جب لوگ یہ دیکھیں گے کہ عدل کی اتنی رعایت کرنی پڑے گی تو اس کو دشوار سمجھ کر عقد ثانی کی ہمت ہی نہ کر سکیں گے اھ

چنانچہ حضرتؒ والا نے عدل کی دشواریوں ہی کا ذاتی تجربہ فرما کر اس مضمون میں جو اپنے عقد ثانی کے متعلق اصلاح انقلاب امت میں تحریر فرمایا ہے، دوسروں کو یہ نصیحت فرمائی

ہے کہ ع

من نکردم شما حذر بکنید

حضرت والاؒ کے اہتمام جزئیات عدل کے متعلق اس زمانہ کا ایک ملفوظ یاد آیا جبکہ نیا نیا عقد ثانی کیا تھا۔ فرمایا کہ میں تو ایک کی باری میں دوسری کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتا ہوں، کیونکہ اس سے اس کی طرف توجہ میں کمی ہوگی جس کی باری ہے اور یہ اُس کی حق تلفی ہے۔ اسی طرح اب میں اپنے کپڑے خانقاہ ہی میں رکھتا ہوں کیونکہ اگر میں ایک گھر میں کپڑے رکھتا تو دوسرے گھر والوں کو شکایت پیدا ہوتی کہ ہمارے ساتھ اتنی خصوصیت نہیں جتنی دوسری کے ساتھ ہے۔ اھ

اسی سے اندازہ لگا لیا جائے کہ حضرتؒ والا کو عدل کا کس درجہ اہتمام رہا ہے۔

حضرت والاؒ نقد یا غیر نقد جو کچھ دیتے تھے دونوں کو برابر دیتے تھے۔ اور اس کا یہاں تک اہتمام تھا کہ ایسی چیزوں کی تقسیم کے لیے جو وزن کی جاتی ہیں ایک نہایت صحیح کانٹا اپنی نشست گاہ کے سامنے لٹکا رکھا تھا جس کو مزاحاً آپ میزان عدل فرمایا کرتے تھے۔ کھانا بھی ایک دن ایک گھر میں تناول فرماتے تھے اور ایک دن دوسرے گھر میں، اور رمضان المبارک میں افطار کے وقت بڑے گھر اور سحر کے وقت چھوٹے گھر۔

گو برادری میں ادائے مہر کا عام دستور نہیں تھا، لیکن حضرت والاؒ نے دونوں گھروں میں کا مہر ادا فرما دیا، بلکہ حضرت والاؒ تو فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورت مہر معاف بھی کر دے تب بھی مرد کی غیرت کا مقتضا یہی ہونا چاہیے کہ وہ پھر بھی مہر ادا کر دے۔ اور حضرت والاؒ کے نزدیک وَاِنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی کی راجح تفسیر یہی ہے۔

حضرت والاؒ کو تو اس امر میں اتنی غیرت تھی کہ گھر والوں کے ایک پیسہ کے احسان کے بھی روادار نہیں تھے، لیکن خشکی اور دل شکنی کا معاملہ کسی حال میں نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت والاؒ دونوں گھروں میں خاص اپنے کھانے کا خرچ الگ دیا کرتے تھے جب دونوں نے

بہت اصرار کیا کہ بس اب تو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس کو موقوف کیجئے تو حضرت والا نے موقوف فرما دیا لیکن پھر یکمشت غالباً ایک ایک ہزار یا کچھ کم یا زیادہ دونوں کو ان کے حصہ موظفہ سے زائد اپنے حصہ میں سے دے دیا کیونکہ حضرت والا اپنی فتوحات کے تین حصے فرما کر ایک ایک حصہ دونوں گھروں میں دے دیتے تھے اور ایک حصہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ رقم مذکور دیتے وقت تو کچھ نہیں فرمایا لیکن بعد کو مزاح کے لہجہ میں ظاہر فرما دیا کہ یہ میں نے کرایہ مکان اور اپنی خوراک کا حساب لگا کر ۱۳۲۰ھ تک کا روپیہ یکمشت دے دیا ہے۔ کرایہ مکان اس لیے ادا فرماتے کہ دونوں مکانوں کو دونوں کی ملک فرما چکے تھے اور چونکہ حضرت والا بھی دونوں مکانوں سے متمتع ہوتے رہتے تھے اس لیے اس تمتع کا معاوضہ ادا فرماتے رہتے تھے۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ دونوں گھروں میں ہر طرح کے معاملات و ضروریات زندگی اور ادائے حقوق میں چھوٹی چھوٹی باتوں تک میں مساوات کا بہت خیال رکھتا ہوں۔ الحمدللہ ان میں سے کسی کو بھی آج تک مجھ سے اس معاملہ میں کوئی شکایت نہیں ہوئی جس قسم کے بھی ہدیے آتے ہیں ان کے تین مساوی حصے کر لیتا ہوں ایک حصہ اپنے لیے اور دو حصے دونوں گھروں کے لیے، ان کے روزمرہ کے اخراجات اور لوازمات و ضروریات خانگی کے لیے اندازہ و حساب کر کے ایک رقم ماہانہ دونوں کو دے دیتا ہوں جس سے وہ راضی و قانع رہتی ہیں۔ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی قسم کی فرمائش کریں۔ اپنے کھانے وغیرہ کا بھی حساب کر کے ان کی ماہانہ رقم میں شامل کر دیتا ہوں۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ جب گھر جاتا ہوں تو پہلے دروازے پر کنڈی کھٹکھٹا کر سلام کرتا ہوں جواب آنے پر اندر جاتا ہوں۔ اس کا خیال رکھتا ہوں کہ اگر کوئی عورت مہمان ہو تو اس کو پردے کا موقع مل جائے، گھر والوں سے ہمیشہ خوش مزاجی اور نرمی کرتا ہوں اور ان کی باتیں دلچسپی سے سنتا ہوں، اگر وہ کسی ایسے کام میں مشغول ہوں جس میں میں کچھ شرکت کر سکتا ہوں تو شریک ہو جاتا ہوں۔ ان کے اصلاح خیال و اصلاح اعمال پر ہمیشہ نظر رکھتا ہوں۔ گھر میں اپنی ضروریات کی چیزیں علیحدہ رکھتا ہوں۔ اور جو چیز جہاں سے اٹھاتا ہوں پھر اسی جگہ رکھتا ہوں اوروں کو بھی اس کی تاکید

کرتا ہوں۔ اس میں بڑی راحت و مصلحت ہے کہ ضرورت کے وقت اِدھر اُدھر تلاش کرنے میں پریشانی نہیں ہوتی۔ گھروالوں کے استعمال کی چیز اگر ضرورتاً استعمال کرتا ہوں تو جس حالت میں جس جگہ سے اٹھاتا ہوں اسی حالت میں اسی جگہ واپس رکھ دیتا ہوں اگر کوئی کھانا وغیرہ کسی برتن میں کسی کے یہاں سے آتا ہے تو تاکیداً برتن کو اسی وقت واپس کرادیتا ہوں تاکہ بھیجنے والے کو اس کے جلد واپس نہ ہونے سے تکلیف وحرج نہ ہو۔

اسی طرح سہواً چاہے کبھی خلاف ہوگیا ہو تو ہوگیا ہو مگر مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی گھر میں کھانا کھاکر یہ کہا ہو کہ برتن اٹھالو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ برتن اٹھوالو۔ گو وہ محکوم ہیں لیکن ان کی حاکمیت کا جو ان کو گھر میں اپنے محکومین پر حاصل ہے لحاظ رکھتا ہوں کیونکہ محکومین کا بھی احترام چاہیے پھر چاہے وہ خود اٹھالیں یا کسی اور سے اٹھوالیں بیں نوکرانی سے بھی خود کسی کام کے لیے نہیں کہتا بلکہ میں تو گھر میں کہتا ہوں اور وہ نوکرانی سے کہتی ہیں کیونکہ نوکرانی براہِ راست انھیں کی محکوم ہے اس میں بھی ان کی حاکمیت کو ملحوظ رکھتا ہوں۔ نیز اجنبی عورت سے بلا ضرورت خطاب بھی ایک درجہ میں خلافِ حیا ہے۔

دونوں ازواج کے اعزہ واقربا سے بھی ان کے مراتب کے لحاظ سے ہمیشہ حسن سلوک اور مراعات کا معاملہ کرتا ہوں۔ دونوں گھروں میں ایک ایک روز باری باری قیام کرنے کا معمول ہے لیکن بعد عصر روزانہ تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے دونوں گھروں میں ہو آتا ہوں جس قدر وقت ایک جگہ صرف کرتا ہوں، گھڑی دیکھ کر اتنا ہی وقت دوسری جگہ صرف کرتا ہوں کبھی ایک گھر کا ذکر دوسرے گھر میں نہیں کرتا اور نہ ہونے دیتا ہوں۔ الحمدللہ ان دونوں میں آپس میں محبت اور یگانگت بھی ہے۔ الحمدللہ طبیعت پر اس قدر قابو ہے اور عادت ہوگئی ہے کہ ایک گھر کے تاثرات کو دوسرے گھر تک جانے میں بالکل بھول جاتا ہوں اور قلب کو بالکل فارغ پاتا ہوں۔

غرض حضرتؒ والا جب تک گھروں میں رہتے، بہت بے تکلف اور ہشاش بشاش رہتے

مخدومیت کی شان سے نہیں رہتے اور گھر والوں کی طرف ایسے ملتفت رہتے جیسے اُن کے ساتھ بہت زیادہ تعلق ہو اور اُس وقت ہوتا بھی یہی حال ہے لیکن جب تھوڑی دیر بعد پھر خانقاہ میں تشریف لاکر مشغول مشاغل دینیہ ہو جاتے تو پھر ایسا معلوم ہوتا کہ گویا کسی سے کچھ تعلق ہی نہیں۔

حضرتؒ والا بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی عام طور سے بہت تاکید فرماتے رہتے اور جب کسی کے تشدد کا حال سُنتے تو حضرت والا کا دل بہت ہی کڑھتا، اور فرماتے کہ عورتیں بیچاریاں ہر طرح بس شوہر ہی کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں سوائے شوہر کے اور اُن کا کون ہوتا ہے؟ لہٰذا بہرحال رحم ہی کا برتاؤ کرنا چاہیئے اور ہندوستان کی عورتیں تو عموماً اپنے شوہر کی فدائی ہوتی ہیں اُن کے اوپر تشدد تو اور بھی بے رحمی ہے اور عموماً عفیف بھی ایسی ہوتی ہیں جیسے حوریں، جن کی صفت قرآن مجید میں قاصرات الطرف فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ مردوں میں تو نامحرم کے وسوسوں سے شاید ہی کوئی بچا ہوا ہو اور شریف عورتیں قریب قریب سب ہی ایسی ہیں کہ اُن کو کبھی عمر بھر بھی کسی غیر مرد کا وسوسہ تک نہ آیا ہوگا۔

حضرتؒ کی دونوں بیویوں میں سے کسی سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اولاد کا ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور نہ ہونا بھی بڑی رحمت ہے۔ اگر میں صاحب اولاد ہوتا تو شاید یکسوئی کے ساتھ اس قدر کام نہ ہو سکتا جتنا کہ میں نے اس حالت میں کر لیا ہے۔

حضرتؒ والا نے اس بناء پر (کہ اپنے بعد بھی بیویوں کی آسائش کی فکر سنت ہے چنانچہ ترمذی کی ایک حدیث مرفوع میں اس کی تصریح بھی ہے اور نیز امر طبعی بھی ہے) اپنے بعد اپنی دونوں ازواج محترمات کی کفالت کے لیے اپنے بہت ہی خاص مخصوصین کو بعنوان عام وصیت بھی فرمائی جس کا ذکر باب وصایا میں ملاحظہ سے گذرے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

(اشرف السوانح)

ملازموں کے ساتھ معاملہ

فرماتے تھے کہ ملازموں کو بھی تنخواہ توقیر کے ساتھ دیتا ہوں۔ ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں، پھینک کر نہیں دیتا جیسا کہ متکبرین کا شعار ہے۔

جب گھر کے لوگ نہیں ہوتے اور صبح کو ملازم کے ساتھ گھر سے باہر جانا ضروری ہوتا ہے تو ملازم کے بیدار ہونے کے بعد میں قصداً کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہوں تاکہ وہ باطمینان اپنی ضروریات سے فارغ ہو لے اور میرا ارادہ اور انتظار دیکھ کر اس کو عجلت نہ ہو۔

(اشرف المعمولات)

ملازموں سے کوئی ایسا کام نہیں لیتا جو ان پر بار ہو یا طبعاً ناگوار ہو، جو کام اطمینان کے اور سمجھ کر کرنے کے ہوتے ہیں پہلے ملازم کو اچھی طرح سمجھا دیتا ہوں اور پھر اطمینان بھی کر لیتا ہوں کہ وہ میرا مطلب اور کام کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں، اپنی روزمرہ کی ضروریات اور راحت کے لیے بہت مختصر اور سادہ سامان رکھتا ہوں مجھے تکلفات سے بالطبع وحشت ہوتی ہے۔

اپنے ضروری کام خود کر لیتا ہوں، اس کے لیے نہ گھر والوں کو اور نہ ملازم کو کسی طرح مکلف نہیں کرتا اور نہ اپنا ایسا کام کسی پر منحصر کرتا ہوں کہ اس کے پورا ہونے کے لیے مجھے انتظار کرنا پڑے۔ مجبوری اور معذوری کی اور بات ہے، مجھے خود اپنی اور دوسروں کی فراغتِ قلب بہت عزیز ہے۔

آج کل لوگوں کو دوسرے کی راحت و تکلیف کا ذرا خیال نہیں۔ اب اگر کوئی انتظام کرنے لگے تو اسے قانون ساز کہتے ہیں چنانچہ میرے یہاں اس قسم کی باتوں پر روک ٹوک اور انتظام بہت ہے، جس پر عنایت فرماؤں نے مجھے بہت کچھ خطاب دے رکھے ہیں۔ ایک صاحب نے تو میرے منہ پر کہا، کہ ہم کو یہ طریقہ پسند نہیں۔ انگریزوں کا سا قانون ہر بات میں انتظام، ہر بات میں انتظام۔ افسوس گویا اسلام میں انتظام ہی نہیں بس اسلام تو ان کے نزدیک بے انتظامی کا نام ہے (العبرۃ بذبح البقرۃ ص ۵۳)

مصارفِ خیر

حضرتؒ کے وصال کے بعد یادداشتوں سے یہ پتہ چلا کہ جو کچھ آمدنی ہوتی تھی اس کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے۔ دو حصے دونوں گھروں میں دیدیتے۔ ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیتے مگر فرماتے کہ میرے پاس زیادہ روپیہ جمع ہوجاتا ہے تو مجھے وحشت ہونے لگتی ہے اس لئے جب معتد بہ رقم جمع ہوجاتی ہے تو اس کو بھی دونوں گھروں میں تقسیم کردیتا ہوں۔ آخر میں اپنا حصہ کچھ نہ رکھتے بلکہ جو رقمیں آتی رہتیں اپنے پاس رکھتے جاتے اور جو ذاتی ضرورت ہوتی اس میں سے پوری کرتے رہتے۔ باقی مہینہ کے آخر میں دونوں گھروں میں تقسیم فرمادیتے یا اہل حاجت کو دیدیا کرتے تھے۔

علاوہ ان کے صدقات مالیہ جاریہ بھی حضرت اقدسؒ نے بہت سے کئے۔ چنانچہ بعض کمپنیوں میں حصص خرید کر وقف فرمادیئے اور ایک قطعہ زمین خرید کر وقف فرمادی اور بعض باغات بھی خرید کر وقف فرمادیئے اور اسی طرح ایک مکان بھی، ان سب کے متعلق مفصل اور واضح طور پر سب شرائط وصایا میں لکھ کر شائع فرمادیئے، وقف کرنے کا تو اتنا شوق تھا کہ فرمایا ایک بار دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر میرے پاس کہیں سے ایک لاکھ روپیہ آجائے تو کیا کروں، چونکہ طبع مبارک نہایت ہی حساس تھی محض اس خیال کے آنے سے بھی الجھن پیدا ہوگئی اور جب اس کا مصرف ذہن نے تجویز کرلیا اس وقت سکون ہوا چنانچہ وہ مصرف یہ سوچا کہ سارے تھانہ بھون کی زمین خرید کر وقف کردوں تاکہ ایک مقام تو خالص دارالسلام ہوجائے۔

سبحان اللہ کیا جذبات تھے، کیا خیالات تھے، کیا حالات تھے علاوہ اوقاف مذکورہ بالا کے اپنا ایک بڑا کتب خانہ بھی جس میں زیادہ تر خود اپنی ہی تصانیف تھیں۔ مدرسہ سہارنپور میں بھیج دیا اور وقف فرمادیا۔ اسی طرح بعض اور متفرق کتابیں مدرسہ دیوبند اور مدرسہ سہارنپور اور دیگر مدارس میں موقع بہ موقع بھیجتے رہتے تھے نیز بڑی بڑی رقمیں صرف فرماکر بڑی بڑی اور مفید کتابیں تصنیف کراکے شائع فرماتے رہے۔ مثلاً اعلاء السنن، بوادر النوادر، حیلۂ ناجزہ گو ان میں سے اکثر دوسروں کی بھیجی ہوئی رقوم سے شائع ہوئیں لیکن بوقت ضرورت خود بھی مالی شرکت فرماتے

اور خرید فرما کر بھی تقسیم فرما دیتے۔

صدقات مالیہ کا تو یہ حال تھا کہ شروع ہی سے برابر اپنے فتوحات مالیہ سے چوتھائی حصہ علاوہ زکوٰۃ کے صدقات نافلہ میں صرف فرماتے رہے اور اس سے زائد بھی چنانچہ اس مد کی کاپی الگ تھی۔ بعض خاص ضرورت کے مواقع پر بڑی بڑی رقوم اس مد میں پیشگی خرچ فرما دیتے تھے پھر مجرا ہوتا رہتا۔ اس طرح رُبع آمدنی کے حساب سے اپنی عمر میں ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ صدقات میں صرف کر ڈالنے بلکہ ترکہ کا ربع حصہ کار ہائے خیر میں صرف کئے جانے کی وصیت فرما گئے جن کی تفصیل مندرجہ وصیت ہے اور جس کے صرف کا انتظام اب بھی جاری ہے۔

اس کے علاوہ ہزارہا روپیہ لوگ حضرت اقدسؒ کو اعلیٰ درجہ کا امین اور مصارف خیر کا بہترین جاننے والا اور موقع شناس سمجھ کر اپنی طرف سے امور خیر میں صرف کرنے کے لئے بھیجتے رہتے تھے۔ ان کا ثواب حضرت اقدس کو الگ ملتا تھا۔ کوئی سائل خالی نہ جاتا حسب گنجائش و مصلحت ضرور کچھ نہ کچھ خدمت فرماتے بشرطیکہ خود کوئی گڑبڑ نہ کرے اور اصول صحیحہ جو بتائے جائیں ان پر عمل کرے۔ اہلِ خانقاہ، اہلِ قصبہ، متعلقین غیر متعلقین مقامی اور بیرونی سب حاجتمندوں کی ضروریات پر جہاں تک علم ہو سکتا نظر رکھتے اور حسب مواقع اعانت فرماتے رہتے بعض خاص خاص مواقع پر بالخصوص اہلِ علم اور شرفاء کے اہل حاجت متعلقین کو بڑی بڑی رقمیں بھی عطا فرمائی گئیں۔ اور متعدد اہلِ حاجت کو ماہوار رقمیں بھی دی جاتیں۔ مگر بمصالح سب سے شرط یہ تھی کہ بذریعہ پرچہ یا کارڈ ماہوار یاددہانی کی جایا کرے اگر کسی کو اصلاح کے سلسلہ میں کوئی ایسا مشورہ دیا جاتا جس میں خرچ کی ضرورت ہوتی تو سب سے پہلے مالی اعانت میں شریک ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے۔ مواقع خیر کے ہمیشہ متلاشی رہتے۔ بڑے بڑے چندے بھی کار خیر میں دیتے رہتے تھے۔ اکثر دیکھا کہ کبھی کپڑے مساکین کو تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ کبھی نقد کبھی طعام۔ خیرات بھی بڑے انتظام سے اور اصول سے کرتے جیسا کہ ہر چھوٹے بڑے کام میں معمول تھا۔

* * * * *

باب ۵

نظم الاوقات

وقت کی قدر

حضرتؒ کو فطرتاً حسنِ انتظام اور نظم الاوقات کا بڑا اہتمام تھا چنانچہ اپنی نجی ضروریات کے لیے تصنیف و تالیف کے لیے اور مجلس احباب میں تعلیم و تربیت کے لیے ایسے فراغت کے اوقات مقرر فرمائے کہ ہر کام آسانی و اطمینان سے سرانجام ہوتا رہے۔ اس نظم الاوقات میں اس قدر انضباط و جامعیت تھی کہ آخر ایام تک اس میں سر مو فرق نہیں آیا۔

حضرت رحمہ اللہ کا منجملہ دیگر خصوصیات کے نظم الاوقات کا استحکام بھی اپنے مقام پر منفرد ہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے زندگی کے نصب العین کے تعین کے ساتھ اپنا لائحہ عمل اس طرح مرتب فرمایا تھا کہ اس کے متعلق شب و روز کے تمام امور زندگی اپنے اپنے وقت پر بفراغتِ قلب اور انشراح کے ساتھ سرانجام ہوتے رہتے تھے۔ حضرت والاؒ نے ساری عمر اسی طرح بسر فرمائی اور اس کی برکت سے اپنی خدماتِ دین کا ایسا نادر المثال سرمایہ مسلمانوں کے رشد و ہدایت کے لیے بہم پہنچایا جو ایک باقاعدہ ادارہ بھی سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔

حضرت والا رحمہ اللہ اپنے منتسبین سے ہمیشہ نظم الاوقات کی پابندی کی تاکید فرمایا کرتے تھے کیونکہ فراغتِ قلب کی دولت اسی کی بدولت حاصل ہوتی ہے جو زندگی کے لیے ایک بے بہا نعمت ہے اور اسی نظم الاوقات کی بدولت تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد اور حقوق النفس کما حقہٗ سرانجام ہوتے رہنے کی نعمت میسر ہوتی ہے۔

فرماتے تھے کہ مجھے انضباطِ اوقات کا بچپن ہی سے بہت اہتمام ہے جو اس وقت سے لے کر اب تک بدستور موجود ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر دینی کام مجھ سے لے لیا ہے۔ میں کبھی ایک لمحہ بھی بیکار رہنا برداشت نہیں کرتا۔ میرے استاد حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ ایک بار تھانہ بھون تشریف لائے۔ میں نے ان کے قیام اور راحت رسانی کے تمام ضروری انتظامات کیے۔ جب تصنیف کا وقت آیا تو بہ ادب عرض کیا کہ حضرت میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر پھر حاضر ہو جاؤں۔ فرمایا ضرور لکھو، میری وجہ سے اپنا حرج ہرگز نہ کرنا، گو میرا دل اس روز کچھ لکھنے میں لگا نہیں لیکن ناغہ نہ ہونے دیا کہ بے برکتی نہ ہو۔ تھوڑا سا لکھ کر پھر جلد ہی حاضرِ خدمت ہو گیا۔ حضرت کو تعجب ہوا کہ اس قدر جلد آ گئے، عرض کیا حضرت صرف چند سطریں لکھ لی ہیں، معمول پورا ہو گیا۔

فرمایا کہ مجھے بھی گو میں کچھ نہیں ہوں، صبح کی نماز کے بعد باتیں کرنے والے پر غصہ آتا ہے کہ یہ کیسا بے قدر ہے کہ ایسے نورانی وقت کو ضائع کرتا ہے۔ صبح کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک، یہ وقت ذکر اللہ کے لیے عجیب ہے اس کو ضائع نہ کرنا چاہیئے۔

فرمایا کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے تمام کاموں کو انتظام کے ساتھ کرے اس سے اپنے کو بھی راحت ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے انضباط الاوقات پر نظر کی جائے تو یہ بات واضح ہو گی کہ ابتداءِ عمر سے آخر عمر تک تقریباً نہ از ساٹھ سال حضرتؒ کے مواعظ و ملفوظات کا سلسلہ جاری رہا، سینکڑوں وعظ فرمائے اور ہزاروں کی تعداد میں ملفوظات قلم بند کیے گئے اور برابر شائع ہوتے رہے لیکن اس اہتمام کے ساتھ کہ کس موقع پر وعظ ہوا یا ملفوظات ہوئے، کس مقام پر ہوئے، کس وقت ہوئے، کس دن اور کس تاریخ میں ہوئے۔ یہ سب ایسا منفرد اہتمام ہے کہ جس کی نظیر یا مثال کہیں نظر نہیں آتی۔ یہ بھی حضرتؒ ہی کی شان انفرادیت کا ایک نمایاں

طرۂ امتیاز ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

معمولات یومیہ

صبح بعد اذان فجر آپ باوضو مکان سے خانقاہ تشریف لاتے تھے۔ آنے کے بعد اول سہ دری میں خط ڈالنے کا جو صندوق دیوار پر آویزاں تھا اس میں سے جو خطوط شب کو مقیمانِ خانقاہ اپنا حال لکھ کر ڈالتے تھے، ان کو نکالتے اس کے بعد اپنی جائے نشست پر پہنچ کر گھڑی ملاحظہ فرماتے پھر اسی جگہ سنتیں پڑھتے اس کے بعد مسجد میں آکر فرض نماز پڑھاتے (بعد میں ایک قاری صاحب کو امامت کے لیے مقرر فرما دیا تھا) نماز فجر میں لمبی سورتیں تلاوت فرماتے، سلام پھیرنے کے بعد شمال رُخ ہو کر بیٹھ جاتے اور کچھ دیر تک کچھ وظیفہ پڑھتے، اس کے بعد طویل دعا فرماتے، دعا خاموشی سے مانگتے تھے۔ فارغ ہو کر سہ دری میں تشریف لے جاتے اس وقت تک خادم سہ دری سے باہر ٹین کے چھپر کے نیچے ایک مصلّیٰ بچھا دیتا تھا، حضرت وہاں بیٹھ کر ان خطوط کے جواب تحریر فرماتے۔ اس کے بعد ملازم نیاز کو آواز دیتے جو ان خطوط کو مکتوب الیہ تک پہنچا دیتا یا منبر مسجد پر رکھ دیتا وہاں سے مکتوب الیہ اپنا اپنا خط اٹھا لیتے۔ اس کے بعد حضرت سہ دری میں تشریف لے جاتے اور غربی حجرے میں سے ایک چھوٹا سا بکس نکال کر لاتے تھے جس میں کچھ ادویات، مقویات وغیرہ ہوتے تھے، پھر ان میں سے جو چیز استعمال کرنا چاہتے اس کو ایک برتن میں نکال کر استعمال فرماتے اور پھر حوض کے قریب اپنے ہی ہاتھ سے برتن صاف کرتے، اس کے بعد چہل قدمی کے لیے باہر میدان میں تشریف لے جاتے۔ مشی کے وقت روزانہ ایک منزل قرآن شریف پڑھ لیا کرتے تھے پھر وہاں سے واپسی پر اپنی سہ دری میں نماز اشراق پڑھتے۔ اس کے بعد پھر مکان پر تشریف لے جاتے۔ حضرتؒ کے دو گھر تھے ایک بڑی پیرانی صاحبہ کا دوسرا چھوٹی پیرانی صاحبہ کا۔ ایک دن ایک گھر میں صبح و شام کا کھانا کھاتے اور روز و شب کا قیام فرماتے، دوسرے دن دوسرے گھر میں قیام فرماتے۔ مکان سے خانقاہ واپس تشریف لاتے اور کچھ دیر تلاوت کلام پاک فرماتے اور مناجات مقبول پڑھتے، پھر تصنیف وغیرہ کے

کام میں مشغول ہو جاتے۔ یہ حضرتؒ کی تصنیفات کا خاص معین و مقرر وقت تھا جو ہمیشہ سفر و حضر میں قائم رہتا۔ تقریباً دو گھنٹہ تک اس طرح مشغول رہتے۔ اس کے بعد اگر کوئی باہر کے مہمان مقیم ہوتے تو حضرت فرصت ہونے پر ان کو مطلع کر دیتے کہ اب مجھے فرصت ہے جو صاحب آنا چاہیں آ جائیں۔ اس وقت سوائے مہمانوں کے اور کسی کو اجازت نہ ہوتی تھی۔ اس وقت اہلِ مجلس سے حضرتؒ متفرق باتیں کرتے تھے، ان کے حالات وغیرہ دریافت فرماتے ورنہ خطوط کے جوابات وغیرہ تحریر کرتے رہتے اور کبھی کبھی کسی سے مخاطب ہو کر کسی خاص مضمون پر تقریر بھی فرماتے جاتے۔ سہارنپور سے جو گاڑی دس بجے کے بعد آتی تھی، اس کے وقت کے بعد خادم آ کر دریافت کرتا کہ کوئی مہمان تو نہیں ہے۔ اگر کوئی صاحب تشریف لائے ہوتے تو حضرتؒ فرما دیتے کہ اس قدر مہمان ہیں جس گھر میں اس روز حضرتؒ کا کھانا ہوتا وہیں مہمان کا بھی ہوتا اگر کوئی خاص قسم کا مہمان ہوتا تو مکان پر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے ورنہ مہمان کا کھانا جہاں مہمان کا قیام ہوتا وہاں بھیج دیا جاتا۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب حضرت اٹھ جاتے اور مکان پر تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے اور اگر جی چاہا تو وہیں آرام فرماتے ورنہ اکثر خانقاہ میں واپس تشریف لے آتے اور اپنی جائے نشست پر قیلولہ فرماتے اور سرسری طور پر اخبار وغیرہ اٹھا کر ملاحظہ فرماتے رہتے یا کچھ دیر کے لیے سو جاتے کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی خاص خادم پاؤں دبانے لگتا لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ ظہر کی اذان کے بعد سہ دری کے سامنے ٹین کے سائبان کے نیچے بیٹھ کر وضو فرماتے، پہلے مسواک کرتے، منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے بعد رومال سے پونچھ لیتے، پھر پاؤں دھوتے اور کپڑے سے خشک کر لیتے، ظہر کی سنتیں سہ دری میں فرش پر کہیں پڑھ لیتے۔ پھر مسجد میں آ کر نماز فرض پڑھاتے، سلام کے فوراً بعد دعا مانگتے جو بہت ہی مختصر ہوتی، کبھی تو سنتیں اور نفل وہیں مصلے پر مسجد میں پڑھ لیتے، ورنہ سہ دری کے اندر یا سہ دری کے باہر ٹین کے سائبان کے نیچے پڑھتے، اس کے بعد پھر اپنی نشست کی جگہ پر متمکن ہوتے۔ اس وقت مجلس عام ہوتی۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ آ کر بیٹھ سکتا تھا، اس میں

مقیمانِ خانقاہ، باہر کے مہمان اور قصبہ کے لوگ شریک ہوتے جس کے ساتھ کچھ خصوصیت ہوتی اس کو اپنی بائیں طرف جدھر تکیہ رکھا رہتا تھا غربی حجرے کے پاس بیٹھنے کی اجازت دیتے، اس وقت باہر سے آئے ہوئے خطوط جو کم سے کم اوسطاً پچیس تیس روزانہ ہوتے، سامنے چھوٹی ڈیسک پر رکھے رہتے تھے، حضرت کی تاکید تھی کہ خطوط ہمیشہ جوابی آنا چاہئیں تاکہ جواب میں آسانی ہو پہلے جوابی کارڈ اوپر رکھ لیتے، ان کے نیچے لفافے، پہلے کارڈوں کا جواب تحریر فرماتے پھر لفافوں کا، اس کے دوران لوگوں سے گفتگو بھی فرماتے جاتے۔ اگر کسی خاص خط میں کوئی خاص بات ہوتی تو اس کا مضمون اہلِ مجلس کو سنا کر اپنا جواب تبلاتے جاتے۔ اس دوران میں اکثر قصبہ کے مسلمان یا ہندو تعویذ مانگنے آتے رہتے۔ خط کا جواب لکھنا روک کر یا گفتگو ختم کرکے فوراً تعویذ تحریر فرما دیتے۔ اگر مسلمان ہوا تو تعویذ ورنہ ہندو کو کچے دھاگے کا گنڈہ پڑھ کر اور گرہ لگا کر دے دیا کرتے، اکثر اس وقت لوگوں کے نامکمل جواب سے اُلجھ جاتے مثلاً جو لوگ صرف یہ کہتے کہ مولوی جی تعویذ چاہیے یا اور کوئی ادھوری بات کہتے تو جب تک پوری بات خود اس کے منہ سے ادا نہ کرا لیتے اس وقت تک تعویذ وغیرہ مرحمت نہ فرماتے تھے جب سائل کی بے ڈھنگی بات سے طبیعت زیادہ الجھ جاتی تو فرماتے کہ تھوڑی دیر کے لیے باہر چلا جائے پھر وہاں سے آکر پوری بات کہہ دے اس وقت تعویذ لکھ دوں گا۔ اس وقت طبیعت مکدر ہو گئی ہے تعویذ لکھنا مفید نہ ہوگا۔ فرماتے تھے کہ حاجی صاحبؒ کا حکم ہے کہ جو تعویذ وغیرہ طلب کرے تو دے دیا کرنا۔ میرا جی خود اس سے گھبراتا ہے اور تعویذ وغیرہ دینا پسند نہیں ہے مگر حاجی صاحبؒ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص دو سے زیادہ تعویذ بیک وقت مانگے تو طبیعت پر گرانی ہوتی ہے۔ برعکس اس کے کہ اگر ایک وقت میں پانچ چھ آدمی الگ الگ تعویذ لکھوائیں تو گرانی نہیں ہوتی۔ حضرتؒ کا معمول تھا کہ جمعہ کے دن کسی کو تعویذ نہ دیتے انھیں اوقات میں کوئی خادم جس کو اجازت ہوتی حضرتؒ کے سر میں تیل لگاتا مگر روز نہیں کبھی دوسرے روز کبھی تیسرے روز اس کا اتفاق ہوتا تھا۔ حضرتؒ یا تو خطوط کا جواب لکھتے رہتے یا باتیں

کرتے رہتے یا فارغ ہوتے تو انگوری دانوں کی تسبیح پڑھتے رہتے۔ تین بجے دہلی سے آنے والی ریل کے وقت کے بعد خادم آکر دریافت کرتا کہ کوئی نیا مہمان تو نہیں ہے۔ یہ نشست عصر کی اذان تک رہتی۔ اس کے بعد لوگ اُٹھ جاتے اور کچھ بیٹھے رہتے۔ مکتب سے فارغ ہو کر طلباء بھی اکثر آکے بیٹھ جاتے پھر حضرتؒ نماز عصر مسجد میں جا کر پڑھاتے۔ نماز کے بعد شمال رُخ ہو کر بیٹھ جاتے اور کچھ وظیفہ پڑھتے رہتے، اس کے بعد دعا خاموشی کے ساتھ مانگتے رہتے۔ وظیفہ پڑھنے کی حالت میں موسم گرما میں کوئی خاص خادم حضرتؒ پر پنکھا جھلنے لگتا، دعا کے وقت بند کر دیتا۔ نماز عصر سے فارغ ہو کر حضرت اپنی سہ دری میں تشریف لے جاتے اگر باہر سے آئے ہوئے خطوط جواب کے لیے باقی ہوتے تو جواب تحریر فرماتے اور کوئی کتاب وغیرہ دیکھنے لگتے یا کسی سے کوئی خاص گفتگو کسی خاص معاملہ کے متعلق ہوتی تو اس میں مشغول ہو جاتے لیکن اس کے لیے بہت مختصر وقت دیتے۔ اس کے بعد مکان پر تشریف لے جاتے، کچھ دیر بڑے گھر میں، کچھ دیر چھوٹے گھر میں قیام فرماتے، دونوں گھروں میں آنے جانے میں جس قدر وقت صرف ہوتا اس کا اندازہ گھڑی سے مقرر کر لیا تھا، پھر ہر گھر میں ٹھہرنے کا برابر برابر وقت مقرر کر لیا تھا جس میں ساری عمر کبھی کوئی فرق نہ آیا۔ ایک منٹ بھی اِدھر اُدھر نہ ہوتا۔ شام کا کھانا عام طور پر عصر کے بعد اور کبھی مغرب کے بعد نوش فرماتے۔

اس کے بعد مغرب کی اذان سے کچھ پہلے مسجد میں تشریف لے آتے نماز سے فارغ ہو کر مختصر دعا کرتے پھر یا تو ٹین کے سائبان کے نیچے یا اپنی سہ دری میں دیر تک نوافل پڑھا کرتے، اگر کوئی کام ہوا تو سہ دری میں رُکتے ورنہ مکان تشریف لے جاتے کھانا نوش فرماتے عشاء کی اذان کے بعد نماز کے قریب مسجد تشریف لاتے اور سہ دری میں جا کر گھڑی ملاحظہ فرماتے پھر نماز فرض پڑھاتے اس وقت دعا فوراً اور مختصر کرتے پھر یا تو مسجد میں ورنہ عموماً اپنی سہ دری میں تشریف لے جا کر سنت و نفل پڑھتے (وتر پڑھتے نہیں دیکھا شاید تہجد کے بعد پڑھتے ہوں) اس کے بعد لالٹین رکھ کر کبھی کوئی اخبار ملاحظہ فرماتے یا اگر کچھ لکھنے کا کام ہوتا تو وہ

کرتے جو ڈاک باہر سے آتی تھی اس کا جواب روزانہ تحریر فرمادیتے۔ ظہر کے بعد اگر کوئی پوری نہ ہوتی تو عصر کے بعد یا عشاء کے بعد تک تحریر فرماکر فارغ ہوجاتے۔ عشاء کے بعد جلد سوجانے کا معمول تھا۔ درمیان شب میں جب آنکھ کھل جاتی تو نوافل و تہجد میں مشغول ہوجاتے بعض اوقات تہجد کے وقت تک ڈاک کا جواب لکھنے کا اتفاق ہوجاتا مگر روز کی ڈاک روزانہ لکھنا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص ضابطہ تھا۔ یہ معمولات تھے جن میں ذرہ برابر فرق نہ آتا خواہ سفر ہی میں کیوں نہ ہوں۔ جب بھی جائیے خواہ کتنے ہی طویل عرصہ کے بعد جائیے حضرتؒ کو اسی ضابطۂ زندگی میں مشغول پائیے گا۔ ہر بات اپنے وقت پر ہوگی، ہر چیز اپنے مقام پر ہوگی، یہاں کے معمولات و انتظامات مستقلاً گرمی و سردی، شام و سحر کی گردشوں کے ساتھ ہم آہنگ نظر آئیں گے۔ دو چار سال نہیں بلکہ اپنی عمر کے ساٹھ سال حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ضابطہ کے ساتھ گذارے اور اپنی زندگی کے کارنامے اور دینی خدمات سے آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لیے شمع رشد و ہدایت روشن فرماگئے۔

ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ فجر کے بعد اپنی جگہ تلاوت میں مشغول رہنا اور اشراق کی نفلیں پڑھ کر اٹھنا حسب روایت حدیث حج و عمرہ کا ثواب رکھتا ہے، ہوسکتا ہے کہ بعض اعمال اس سے بھی فوق ہوں، میرے ذوق میں نماز فجر کے بعد چہل قدمی اور تلاوت بہ نیت اعدوا لھم الخ اس سے افضل ہے۔ چنانچہ حضرت کا خود یہ معمول تھا کہ بعد نماز فجر تقریباً دو میل مشی فرماتے اور اس مشی میں کلام مجید کی ایک منزل کی تلاوت مناجات مقبول کی ایک منزل بھی پوری فرمالیتے۔ پھر اشراق کی نفلیں پڑھتے۔ یہ تلاوت چونکہ تدبر کے ساتھ ہوتی تھی اسلئے عموماً بہت سے آئے ہوئے فقہی فتاویٰ اور تصوف کے سلسلے کے سوالات کے جوابات بھی تلاوت کے ضمن میں آیات سے حل ہوجاتے جن کو حالت مشی ہی میں ذہول کے خطرے کی بناء پر پنسل کاغذ سے نوٹ فرمالیتے اور جائے قیام پر پہنچکر اپنے موقع پر نقل فرمالیتے۔ بظاہر تو یہ صرف مشی ہوتی تھی جس کو عرفاً اوراد و وظائف سے متعلق نہیں سمجھا

جاتا اور حقیقت کے اعتبار سے یہ عرفی وظائف سے بدرجہا بڑھی ہوئی علمی اور اصلاحی خدمت تھی، خانقاہ سے مکان تک جانے میں راستہ میں ملنے والے بچوں سے تفریح اور خوش طبعی فرماتے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے جاتے ان کے جوابات سے نتائج اخذ فرماتے، دولت خانہ میں پہنچکر گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کیلئے تفریحی گفتگو فرماتے مہمان عورتوں کی حاجات سنتے اور ان کے لئے اصلاحی باتیں فرماتے گویا زندگی کا ہر لمحہ بظاہر دنیا کے مشاغل میں مصروف نظر آتا اور حقیقت میں وہ سب اصلاحی درس تھا اس لئے عرفی اوراد و وظائف سے کہیں بالاتر تھا، وہ عوام جو اس گہرائی سے ناواقف ہیں حقیقت تک نہ پہونچیں تو یہ ان کی علمی کوتاہی ہے۔

چوبیس گھنٹوں میں یہ ایسے سیدھے سادے بے تکلف معمولات تھے کہ برسوں تک گردشِ ایام سے ان میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور یہی کمال استقامت فوق الکرامت ہے جس وقت بھی جس حال میں حضرتؒ ہوتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بالکل اطمینان کی حالت میں فراغتِ قلب کے ساتھ ہیں لیکن جب ان کے مختلف مشاغل زندگی اور ہمہ گیر مختلف النوع تصانیف و تالیفات پر نظر کی جاتی ہے اس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ صرف اپنی ذات سے تن تنہا حضرتؒ نے جو علمی و تحقیقی اور اصلاحی و تبلیغی خدمات انجام دی ہیں وہ بڑے بڑے اداروں سے بھی ممکن نہ تھیں ۔ یہ سب ایک مضبوط و مستقل نظم الاوقات ہی کی برکت تھی کہ تجدید دین اور تبلیغ دین کا عظیم الشان اور فقید المثال تحریری و تقریری ذخیرہ امتِ مسلمہ کے لیے حضرتؒ نے اپنی حیات ہی میں فراہم کرکے صدیوں تک کے لیے شائع فرمادیا۔ تصانیف و تالیفات کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے ؂

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

***

معمولات رمضان المبارک

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار رمضان شریف کے معمولات کے ذیل میں ارشاد فرمایا کہ مجھ سے رمضان شریف میں اور عبادتیں نہیں ہوتیں اوقات میں گڑبڑ ہوجاتی ہے بس آج کل روزہ اور تراویح کے سامنے ساری عبادتیں ماند ہوجاتی ہیں جیسے آفتاب کے سامنے سارے تارے ماند ہوجاتے ہیں۔ اپنی کم ہمتی کی میں نے یہ تاویل کر رکھی ہے کہ اور سب عبادتیں ماند ہوجاتی ہیں گویا رمضان شریف کا پورا نور مجھے حاصل ہوتا ہے۔

ایک صاحب کے سوال پر کہ رمضان میں عبادات کی زیادتی دوام کے خلاف تو نہیں تو فرمایا اگر کوئی رمضان کے لئے اپنے معمولات بڑھالے تو دوام کے خلاف نہیں کیونکہ اول ہی سے دوام کا قصد نہیں، حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال رمضان میں زیادہ ہوجاتے تھے (انفاس عیسیٰ)

حضرت والا رمضان میں روزہ عموماً مدرسہ میں مہمانوں کے ساتھ افطار فرماتے، اور اذان اول وقت بہت ٹھیک وقت پر ہوتی تھی اور اطمینان کے ساتھ افطار کرکے ہاتھ دھوکر کلی کرکے بطمانیت وسکون نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ اذان اور جماعت کے درمیان اتنا وقت بخوبی ہوتا کہ کوئی چاہے تو اطمینان سے وضو کرلے اور تکبیر اولیٰ نہ جائے۔ اہل محلہ اپنے گھروں میں افطار کرکے بخوبی تکبیر اولیٰ میں شریک ہوتے۔ نماز مغرب سے حسب معمول مع اوراد فارغ ہوکر کھانا نوش فرماتے۔ رمضان شریف میں حضرت کے یہاں عشاء کی اذان کا وقت غروب سے ایک گھنٹہ چالیس منٹ بعد تھا اور پون گھنٹے بعد جماعت ہوتی تھی۔ فرضوں میں طویل قراءت نہیں ہوتی تھی الکثر، والتین، الم ترکیف، وغیرہ پڑھتے تھے، تراویح میں بہ نسبت فرضوں کے ذرا رواں قرأت ہوتی تھی مگر ہر حرف سمجھ میں آتا تھا، اظہار واخفار کی بھی رعایت ہوتی تھی، اول اول سوا پارہ پڑھتے پھر کم کردیتے اور ستائیسویں شب میں ختم کردیتے۔ کل وقت فرض اور تراویح اور وتر میں ڈیڑھ گھنٹہ یا کبھی اس

سے کچھ کم خرچ ہوتا تھا۔ ہر ترویحہ میں پچیس مرتبہ درود شریف پڑھتے تھے جس میں خفیف سا جہر بھی ہوتا۔ حضرت سے دریافت کرنے سے فرمایا کہ ترویحہ میں کوئی ذکر شرعًا معین تو ہے نہیں میں درود شریف پڑھتا ہوں کہ مجھے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے اور پچیس کی مقدار اس واسطے کہ اس عرصہ میں کسی کو پانی پینے یا کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ فارغ ہو سکتا ہے تراویح میں جب مجمع بہت زیادہ ہوتا تو حالتِ رکوع ہی میں سجدہ تلاوت ادا کر لیتے حضرت والا اقرأ سے پہلے بسم اللہ جہر سے پڑھتے، قل ہو اللہ صرف ایک مرتبہ پڑھتے ایک شخص نے اسکے متعلق سوال جہر سے پڑھتے۔ قل ہو اللہ صرف ایک مرتبہ پڑھتے۔ ایک شخص نے اس کے متعلق سوال کیا تو مایا کہ قل ہو اللہ کے تین مرتبہ پڑھنے کی رسم بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک مباح، اس لئے مستحب سمجھنا تو سخت غلطی ہے اور تراویح میں تکرار یہ محض رسم سی رہ گئی ہے۔

حضرت اکثر نصف شب کے بعد تہجد کیلئے اٹھتے تھے کبھی سدس لیل میں کبھی اس سے مقدم موخر، اکثری عادت آٹھ رکعت کی تھی کبھی کم یا زیادہ بھی، ماہ مبارک میں تہجد کی نماز میں ایک پارہ روزانہ پڑھتے بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ۔

تہجد کے وقت بھی قرأت اکثر سری اور کبھی جہری کرتے تھے۔ اگر مسجد میں بوجہ معتکف ہونے کے ہوتے تو بسا اوقات حضرت کے پیچھے تہجد میں دو چار آدمی مقتدی بن جاتے تھے اور حضرت ان کو منع نہیں کرتے تھے۔ بعد تہجد آرام فرما کر فجر کے لئے حسب معمول اٹھ بیٹھتے اور دن اور رات کے تمام معمولات جاری رہتے کبھی اعتکاف بھی کرتے تو پورے عشرۂ اخیرہ یا تین روز اعتکاف میں رہتے۔ اس وقت انوار و برکات کا گویا مینھ برستا۔۔۔۔۔ اعتکاف میں تصنیف کا سلسلہ برابر جاری رہتا (قصد السبیل) رمضان المبارک میں حضرت والا اکثر خود قرآن شریف سناتے اور بلا مانع کبھی قرآن

سنانا نہ چھوڑتے۔ نصف قرآن تک سوا پارہ پھر ایک پارہ روز پڑھتے تھے، ستائیسویں شب کو اکثر ختم کرتے تھے۔ اس کے بعد باقی تراویح والضحیٰ سے یا الم ترکیف سے پڑھتے تھے۔ ختم قرآن کے دن بھی بعد نماز معمول کے مطابق دعا کرتے تھے، کوئی اضافہ نہیں تھا، اس روز نہ تو مسجد میں زیادہ ہجوم ہوتا تھا نہ معمولی روشنی کے علاوہ کوئی اضافہ ہوتا تھا، نہ مٹھائی تقسیم ہوتی تھی۔ نہ ختم ہونے پر شکر یا اجوائن پر دم کرنے کا کوئی دستور تھا۔

جب حضرت والا نے خود تراویح پڑھانا ترک کر دیا تو ایک قاری صاحب کو اس کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ تراویح میں قاری صاحب کا کلام مجید سن کر مکان پر تشریف لے جاتے پھر مستورات میں جاکر چار رکعت میں اپنا کلام مجید سناتے، اس میں لیٹتے لیٹتے بارہ بج جاتے پھر ڈھائی بجے سحری کے لئے اٹھ بیٹھتے۔ پھر اکثر صبح تک نہیں سوتے تھے۔ پھر نیند بھی حضرت کو بمشکل تمام بہت دیر کے بعد آتی تھی اور وہ بھی کبھی آتی کبھی نہیں، کمی نیند کی ہمیشہ سے سخت شکایت ہے۔ اس زمانہ میں برائے نام دو گھنٹے سونے کو ملتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ اس صورت میں تو خواہ مخواہ ہی سونے کا نام کرتا ہوں، ورنہ ہمت کروں تو ساری رات بیدار رہوں، دو گھنٹے بیٹھ کر کچھ پڑھتا ہوں، لیکن شاید اس لئے توفیق ہمت کی نہیں ہوتی کہ نفس کو یہ فخر کرنے کا موقع نہ ملے کہ ہم ساری رات جاگتے ہیں (حسن العزیز)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کے زمانہ میں تقریباً چھ سات حافظ اور دس بارہ عالم مقیم خانقاہ تھے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اپنے ضعف و اضمحلال کی وجہ سے گھر ہی پر تراویح پڑھا کرتے تھے، ایک حافظ صاحب کو مسجد میں تراویح کے لئے مقرر فرمادیا تھا۔ ان کو غیر معمولی اور بالکل غیر متوقع طور پر یہ تاکید فرمائی کہ: تراویح تمام مہینہ صرف سورہ الم ترکیف سے پڑھائی جائے۔ ایک دن حافظ صاحب

نے دوسری سورتیں پڑھیں حضرت کو جب علم ہوا تو حافظ صاحب کو فہمائش کی کہ انھوں نے ہدایت کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا۔ ایک دن مجلس یومیہ کے وقت حضرات علماء نے ادباً حضرت والا سے عرض کیا کہ آخر کیا وجہ اور کیا مصلحت ہے کہ تراویح میں بجائے قرآن شریف ختم کئے جانے کے حضرت نے خصوصی طور پر صرف الم ترکیف سے پڑھے جانے کی اس طرح تاکید فرمائی۔

حضرت والا نے جو جواب ارشاد فرمایا اس کا ماحصل یہ ہے کہ میں ایک مدت سے دیکھ رہا ہوں اور سُن بھی رہا ہوں کہ اکثر مقامات میں خصوصاً بڑے شہروں میں یہ رواج عام طور پر ہو گیا ہے، الا ماشاء اللہ کہ لوگوں نے تراویح کو ختم قرآن شریف ہی پر موقوف کر لیا ہے اور اسی کو خاص اہمیت دے رکھی ہے جہاں قرآن شریف ختم ہوا سمجھے کہ تراویح بھی ختم ہو گئی خواہ قرآن مجید چند دنوں ہی میں ختم کر لیا جائے اس کے بعد مسجد میں نماز عشاء کی جماعت بھی مختصر رہ جاتی ہے حالانکہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اور قرآن مجید کا پڑھا جانا محض سنت ہے مگر خاص اور بڑی فضیلت کا درجہ رکھتا ہے لیکن واجب نہیں ہے اور تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے عمداً جس کا ترک کرنا سخت گناہ ہے، اس لئے اس کوتاہی کی اور غلط عقیدہ کی اصلاح واجب ہے۔ میں نے اس مسئلہ کو تحریراً و تقریراً واضح بھی کر دیا اور عملاً اور تمثیلاً اپنی مسجد میں رائج بھی کر دیا ہے۔ وما علینا الا البلاغ المبین وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ط

برکاتِ سفر

حضرت والا کی طبع مبارک فطری طور پر خلوت پسند واقع ہوئی تھی۔ لہٰذا ہجوم سے بہت گھبراتے تھے اور سفر میں علاوہ خللِ معمولات ہر جگہ ہجوم مشتاقانِ زیارت مخل یکسوئی ہوتا تھا اس لیے طبع والا ہمیشہ حضر کی طرف مائل اور سفر سے نفور رہی لیکن شرعی ضروریات مثلاً حج بیت اللہ، تبلیغ احکام

دین، اصلاح امت، عیادت مرضیٰ وغیرہ کی غرض سے اپنے اوپر تعب جسمانی اور روحانی برداشت فرما کر اور ہر قسم کی زحمتیں اٹھا کر نزدیک و دور کے بہت سے سفر فرمائے جس سے بفضلہٖ تعالیٰ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو نفع عظیم پہنچا۔ اور مختلف ممالک کے مسلمان جو بوجہ دوری و معذوری آستانۂ مبارک تک نہ پہنچ سکتے تھے وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک سچے وارث اور سلف صالحین کے ایک صحیح نمونے کی زیارت سے مشرف، ملفوظات و مواعظ نافعہ سے مستفیض فیض صحبت سے مستفید اور اسوۂ حسنہ سے بہرہ اندوز ہوئے۔ علاوہ بریں حضرتؒ والا کا ہر سفر ہمراہیوں کے لیے (جو ہر مقام پر کثرت سے ساتھ ہو لیتے تھے) خصوصاً اور دیگر اشخاص کے لیے عموماً سبق آموز احکام و آداب سفر ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرتؒ والا نے خالی الذہن ہو کر کبھی سفر نہیں فرمایا، جیسا کہ عام دستور ہے بلکہ ہر موقع پر شریعت مقدسہ کے احکام اور حسن معاشرت کے اصول پر نہ صرف خود نہایت سختی کے ساتھ کاربند رہے بلکہ اپنے سب ہمراہیوں اور ملاقات کرنے والوں کو بھی بڑے اہتمام سے پابند رکھا اور یہ ایک حکیم امت اور مجدد ملت ہی کی امتیازی شان ہو سکتی تھی ورنہ اس دور آزادی اور ابتلا میں ایسے امور اور ایسے دقائق تقویٰ کی طرف کون توجہ کرتا ہے۔ بالخصوص جبکہ ان سے سفر کی صعوبتوں میں بھی اضافہ ہو جائے۔

سفر کے صدہا سبق آموز واقعات اور اُن کے متعلق اصلاحات کی تفصیل لکھنے کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں۔ اس غرض کے لیے حضرت والا کے مطبوعہ **سفرنامجات** اور **ملفوظات حُسن العزیز** وغیرہ ملاحظہ ہوں جو ایسے مضامین سے لبریز ہیں۔

گو حضرتؒ والا کو سفر سے طبعی اعراض رہتا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ والا کو حجۃ اللہ فی الارض بنا کر دنیا میں بھیجا تھا جس کا خود حضرتؒ والا کو بھی علم ضروری کے درجہ میں احساس تھا اس لیے جب مشتاق وعظ و زیارت کے تقاضے حد سے گذر جاتے تو مجبور ہو کر منظور فرما لیتے اور لمبے لمبے سفر اختیار فرماتے اور جب ایک مرتبہ سفر میں نکلنا ہوتا تو پھر مسلسل درخواستوں کی وجہ سے جگہ جگہ جانا ہوتا اور مہینوں سفر ہی میں گذر جاتے غرض مشیت خداوندی یہی تھی کہ

حضرت والا سے دور دراز کے سفر کرائے جائیں اور تبلیغ احکام دینیہ کرا کر اپنے بندوں پر اتمام حجت کیا جائے۔

اس درمیان میں بفضلہ تعالیٰ و بعونہ ہندوستان کا کوئی ایسا خطہ باقی نہیں رہا جو حضرت والا کے اقدام میمنت التزام سے مشرف نہ ہو گیا ہو اور جہاں حضرت والا بہ حیثیت حجۃ اللہ فی الارض ہونے کے تبلیغ احکام الٰہیہ فرما کر اتمام حجت نہ فرما چکے ہوں۔ کیا کراچی کیا بمبئی کیا کلکتہ کیا رنگون کیا ڈھاکہ کیا شملہ کیا گجرات کیا مارواڑ کیا لاہور کیا بہاولپور کیا حیدر آباد دکن، کیا سندھ کیا گورکھپور کیا اعظم گڑھ کیا غازی پور کیا بنارس وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد حضرت والا کا اصل رنگ طبیعت جس کو بربناء ضرورت بہ جبر دبا رکھا تھا ظہور پذیر ہوا اور حضرت والا نے سفر بالکلیہ ترک فرما دیا۔ عرصہ سے اس کی تمنا اور فکر تھی کہ سفر منقطع کر دیا جائے، چنانچہ اپنے سات عذر بھی ایک ورق پر چھپوا کر شائع کر دیئے تھے لیکن پھر بھی مشتاقوں پر اس کا بھی معتد بہ اثر نہ ہوا کیونکہ وہ ایسے مسکت نہ تھے کہ مشتاقوں کے اشتیاق پر غالب آسکیں۔ یہ تو ضرور ہوا کہ سفر کم ہو گئے لیکن بالکل منقطع نہ کیے جا سکے اور حضرت والا برابر اس فکر میں رہے کہ کوئی عذر ایسا سمجھ میں آجائے جو سب کے لیے مسکت ہو مگر کوئی ایسا عذر سمجھ میں نہ آتا تھا جو ان پر حجت ہو سکے۔

بالآخر جب حق تعالیٰ ہی کو حضرت والا کا ایک مدت تک ایک جگہ بٹھانا منظور ہوا جیسا کہ اکثر بزرگوں کے ساتھ اخیر میں یہی معاملہ ہوتا ہے بالخصوص اقطاب وقت کے ساتھ تو غیب سے حضرت والا کو ایک ایسا عذر لاحق ہو گیا جس میں بفضلہ تعالیٰ کوئی تکلیف بھی نہیں اور دوسروں پر حجت قائم کرنے کے درجہ میں نہایت معقول اور قابل قبول ہو۔ وہ یہ کہ حضرت والا کی اُتری ہوئی آنت میں جو سالہا سال سے بلا کسی قسم کی تکلیف کے اتری ہوئی حالت میں رہتی تھی یکایک سخت تکلیف پیدا ہوئی، جب کسی تدبیر سے تکلیف رفع نہ ہوئی تو خود بخود حضرت والا کے دل میں یہ آیا کہ اس کو چڑھانا چاہیے۔ چنانچہ اُس کو چڑھایا تو وہ باوجود اتنے عرصہ تک

اُتری ہوئی حالت میں رہنے کے بسہولت چڑھ گئی اور تکلیف فوراً رفع ہوگئی بس اس کے بعد سے ہمیشہ چڑھی ہوئی حالت میں رکھنے سے تو راحت رہتی اور اتر جانے کی حالت میں وہی تکلیف پھر عود کر آتی لہذا کمانی کا استعمال ضروری ہوا، لیکن چھینک لینے یا کھانسنے سے یا سخت حرکت سے کمانی بھی ہٹ جاتی اور اس کی فوری ضرورت واقع ہوتی کہ لیٹ کر اس کو چڑھا جائے۔ بس یہ عذر خوب حضرت والاؒ کے ہاتھ آگیا، فرمایا کرتے کہ اب میں سفر کیسے کر سکتا ہوں کیونکہ اگر سفر میں ایسا اتفاق پیش آیا تو اسی وقت مجمع کے سامنے لیٹ کر درست کرنا پڑے گا جس کو حیا ہرگز گوارا نہیں کرتی۔ حضرت والاؒ نے یہ عذر بھی چھپوا کر شائع فرمادیا۔ (اشرف السوانح جلد اول)

معمولاتِ سفر

سفر کی تیاری حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے:

"میری عادت ہے کہ جو کام کرنا ہے۔ جلد اُس سے قلب کو فارغ کر لیتا ہوں"

چنانچہ اس اصول کی بناء پر آپ روانگی سے قبل تمام گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لیتے۔ سفر کی غرض۔ مقدار اور مدت کا تعین فرمانے کے بعد ان تمام ضروری کاموں کو شب و روز مشغول رہ کر پہلے سے نپٹا لیتے جن کا سفر کی وجہ سے حرج ہونا لازمی ہوتا، تاکہ عین عجلت میں کوئی کام بقایا رہ نہ جائے۔ سواری کا انتظام روانگی سے بہت پہلے فرماتے، اگر سواری میں توقف ہوتا تو مصلحتاً پیدل چل پڑتے۔

سفر کا سامان روانگی سے ایک روز قبل ضروری سامانِ سفر درست فرما لیتے، تاکہ عین وقت پر دقت نہ ہو یا کوئی چیز بھول نہ جائے۔ حضرتؒ کا سامان اور ملبوسات وغیرہ موسم کے لحاظ سے نہایت ضروری اور مختصر اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا۔

بیگ میں دو تین جوڑے کپڑے۔ مناجات مقبول اور چند دیگر کاغذات ہوتے، اور ایک دستہ والی ٹوکری ساتھ ہوتی، جس میں متفرق اشیاء مثلاً مسواک، گھڑی دوا بشرط

ضرورت، لوٹا، سرمہ دانی، خطوط کی تھیلی، دو کٹورے ایک پانی پینے کے لیے، دوسرا دوائی پینے کے لیے اور بشرط ضرورت کھانا بھی ہوتا۔ گھڑی جیب میں رکھنے کی عادت نہ تھی اس لیے اسے پانوں والی گلٹ کی ڈبیا میں بند کرکے ٹوکری میں رکھتے اور رات کو سرہانے رکھ لیتے

سامان کا انتظام | سامان کا بڑا انتظام رکھتے۔ اسٹیشن پر اترتے ہی سب سے پہلے سامان کا جائزہ لے لیتے، اور جب تک ایک معین شخص کے سپرد نہ کر دیتے بے فکر نہ ہوتے۔ ایک یا دو افراد کو اس سامان کا ذمہ دار قرار دے کر پھر مصافحہ وغیرہ کرتے۔ جائے قیام پر پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے سامان کا جائزہ لیتے اور اس کو ٹھکانے لگوا کر بیت الخلاء کا معلوم کرتے، تاکہ عین وقت پر بالخصوص رات کو دقت نہ ہو۔

رفیق سفر ہمراہ رکھنا | حضرت کا ارشاد ہے کہ

"میری عادت ہے جب میں سفر کرتا ہوں تو اپنے ساتھ صرف ایک آدمی کو لیتا ہوں اور داعی کو پہلے سے اطلاع کر دیتا ہوں، تاکہ وہ آزاد رہے۔ داعی پر صرف میرا اور اس آدمی کا بار ہوتا ہے۔ پھر بعض دفعہ راستہ میں اگر بعض لوگ محبت کی وجہ سے ساتھ ہو لیتے ہیں تو میں ان سے صاف کہہ دیتا ہوں کہ آپ اپنا انتظام خود کریں۔

میزبان پر بار نہ ڈالنا | جہاں میرا قیام ہوگا وہاں، آپ قیام بھی نہ کریں بلکہ سرائے وغیرہ میں جہاں آسانی ہو، وہاں ٹھہریں اور بازار سے اپنے کھانے کا انتظام کریں اور ملاقات کے لیے صبح و شام میرے پاس آجایا کریں، جس سے میزبان کو یہ معلوم نہ ہو کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔

لباس سفر کی سادگی | حضرت تھانویؒ سفر میں کوئی خاص لباس پہننے کے عادی نہ تھے عبا، نہ قبا، نہ عمامہ، صرف کرتا، پائجامہ اور ٹوپی جو حضر میں استعمال کرتے وہی سفر میں بھی ساتھ لے لیتے

نماز سفر کی باقاعدگی | سفر میں ہمیشہ نماز پابندی وقت کے ساتھ ادا فرماتے اور اس میں بفضلہ تعالیٰ کبھی دقت واقع نہ ہوئی بلکہ اکثر ریل کے ڈبہ کے اندر بھی بڑی بڑی لمبی جماعتوں کے ساتھ نمازیں برابر ہوتی رہتیں، کیونکہ مسافروں کے ہجوم کے باوجود حضرتؒ کے ڈبہ میں اکثر و بیشتر

جگہ فارغ ہی رہتی جس سے سفر بہ اطمینان کٹتا۔ سفر میں نماز قصر ضرور فرماتے، بسا اوقات جلدی کی وجہ سے سنتیں چھوڑ دیتے، کیونکہ فرمایا کرتے کہ:

"سفر میں سنت کا درجہ نفل کا ہو جاتا ہے، ضرورت کی حالت میں بالکل حذف کر دینا بھی جائز ہے اور ضرورت کے موقع پر شرعی رخصتوں پر عمل نہ کرنا اپنے اوپر بلاضرورت تعب ڈالنا ہے جو ایک درجہ میں حق تعالیٰ کی ناشکری ہے۔"

سفر کے اشغال | جتنے دن سفر کے لیے تجویز فرماتے۔ اتنے دن کے لیے ڈاک منگانے کا انتظام پہلے فرما لیتے۔ ہر جگہ سے گھر برابر خطوط جاتے رہتے کہ کسی کو تشویش نہ ہو، نیز ان مہمانوں کو اطلاع ملتی رہے، جو حضرت کی عدم موجودگی میں تشریف لائے ہوں، اس لیے بدوران سفر ریل میں زیادہ تر وقت خطوط کے جواب دینے اور بشرط فرصت تصنیف کے کام میں مشغول رہتے میں گزارتے کیونکہ تصنیف کا کام اکثر سفر میں بھی جاری رہتا تھا جس کے لیے بسا اوقات خادم اور کاتب خصوصیت کے ساتھ ہمراہ لے لیتے تھے۔

راحت کی تلاش | غرضیکہ سفر میں بھی آپ راحت کے بہت متلاشی رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ: "میں تو راحت کا عاشق ہوں، اور دوسروں کے واسطے بھی یہی اختیار کرتا ہوں"۔ اس لیے جس درجہ میں آپ کو زیادہ راحت نظر آتی، اس میں سفر کر لیتے۔ دُنیوی تو کیا، اُخروی درجوں پر بھی آپ کی نظر نہیں تھی۔ فرماتے تھے:۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں، مجھے کبھی درجوں کی ہوس نہیں ہوئی، کہ مجھے جنت میں بڑا درجہ ملے، میں اس بات پر بالکل خوش اور راضی ہوں کہ عذاب سے نجات ہو جائے خواہ جنت میں جوتیوں کی جگہ مل جائے، اگر سزا نہ ہو تو بہت ہے۔" (الخضوع ص ۱۹)

نصرت الٰہی | چونکہ آپ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ خلق خدا کی خدمت اور بہتری کے لیے سفر کیا کرتے تھے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے بھی حضرت کو ایسی ہمت اور قوت عطا فرمائی تھی کہ لمبے لمبے سفروں میں بھی ایسا تکان نہیں ہوا کہ جس سے ضروری کاموں میں خلل پڑے

اکثر دیکھا گیا کہ ساری ساری رات سفر کیا، جس میں نیند تقریباً آئی ہی نہیں لیکن صبح کو گھنٹوں کھڑے ہو کر نہایت جوش کے ساتھ وعظ فرمایا، پھر جمع شدہ ڈاک کو بھی ختم کیا۔ حالانکہ رفقائے سفر کے حواس قلتِ نوم کی وجہ سے مختل ہو جاتے تھے لیکن بفضلہ تعالیٰ حضرت پر اس کا کوئی معتد بہ اثر نہ ہوتا تھا اور برابر وعظ ملفوظات و تحریر خطوط میں مشغول رہتے تھے۔

سفر میں ہدیہ نہ لینا سفر میں آپ کسی سے ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے اور اپنے اس معمول کو غیر معمولی حالات میں بھی نہ توڑتے تھے اور مناسب موقعہ حسن تدبیر سے انکار فرما دیتے یا واپس فرما دیتے، جسے دوسرا بھی محسوس نہ کرتا۔ بلکہ آپ کی شان استغناء کا گرویدہ ہو جاتا۔

سفر سے عبرت پکڑنا سفر سے آپ خود بھی عبرت پکڑتے تھے اور اس کی مثال دے کر دوسروں کو درس عبرت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ،

"مجھے سفر کے وقت اکثر یہ خیال آیا کرتا ہے کہ اے نفس! ضرورت کی چیزیں تو بس اتنی ہی ہیں جتنی اس وقت سفر میں ساتھ ہیں کہ دو چار کپڑوں کے جوڑے ہیں، بستر اور لوٹا ہاتھ میں ہے۔ اب مجھے سفر کئے ہوئے دو ماہ ہوئے ہیں، ان چیزوں کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوتی، جو گھر میں بھری ہوتی ہیں، بلکہ سفر میں بھی بعض چیزیں جب غیر ضروری معلوم ہوئیں تو گھر بھیج دی گئیں لیکن میں کیا کروں، میں تو بہت بچنا چاہتا ہوں، کہ زیادہ بکھیڑا جمع نہ ہو، مگر حق تعالیٰ میرے پاس بہت کچھ بھیجتے ہیں۔ میرے دوست احباب کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں، وہ بھی بہت سی چیزیں بھیج دیتے ہیں، جن کو واپس کرتا ہوں تو ان کا دل برا ہوتا ہے اور واپس نہ کروں تو خود بوجھ محسوس کرتا ہوں، اس لیے میں اپنی مملوکہ چیزوں کا جائزہ لیتا رہتا ہوں، اور غیر ضروری اسباب کو نکالتا رہتا ہوں۔"

(الاسراف ص۴۳، اشرف السوانح جلد اوّل)

٭٭٭٭٭٭٭

باب ۶

بعض اُصولی ضابطے

فرماتے تھے کہ ہدیہ لینے کا بھی میرے یہاں ایک ضابطہ ہے اجنبی شخص سے پہلی ملاقات میں کبھی ہدیہ نہیں لیتا کہہ دیتا ہوں کہ ہدیہ تو محبت کی چیز ہے جب فریقین میں آپس میں محبت اور بے تکلفی ہو اس وقت تو ہدیہ باعث مسرت اور باعث ازدیاد محبت ہے اس کے بغیر ہدیہ لینا طبیعت میں حرص اور بے غیرتی کی بات ہے مخلص احباب کو بھی اس کی تاکید کرتا ہوں کہ جلد جلد اور زیادہ مقدار میں ہدیہ نہ دیا کریں اور کوئی ایسی چیز نہ دیں جو میری ضرورت کی نہ ہو مجھے فضول اور بے مصرف چیزوں کے جمع کرنے سے طبعاً وحشت ہوتی ہے۔

میں کسی سے فرمائش نہیں کرتا اگر ضرورتاً کسی چیز کی فرمائش کرنا پڑتی ہے تو اس کی قیمت ضرور ادا کرتا ہوں، فرمائش سے چیز منگا کر قیمت ادا نہ کرنا بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔

کسی سے سفارش کرتا ہوں تو اس بات کا لحاظ رکھتا ہوں کہ میری وجہ سے اس کو کوئی گرانی نہ ہو صاف صاف لکھ دیتا ہوں کہ اگر کسی ضابطہ یا مصلحت یا وقتی لحاظ سے مناسب نہ ہو تو ہرگز ایسا کام نہ کریں۔

جب کسی کو قرض دیتا ہوں تو صرف اس قدر رقم دیتا ہوں کہ اپنی خود کوئی ضرورت مستقبل قریب میں اس کی وجہ سے نہ رکے یا واپسی قرض میں دیر ہونے سے طبیعت پر گرانی نہ ہو۔

کسی کی امانت جب رکھتا ہوں تو اس کی پوری تفصیل، تعداد، یا مقدار، رقم، تاریخ اور امانت رکھوانے والے کا پورا نام اور مفصل پتہ، یادداشت کے طور پر لکھ کر امانت کی تھیلی میں رکھ دیتا ہوں۔

فرمایا کہ میں تو یہاں تک احتیاط کرتا ہوں کہ ایسے شخص سے بھی قرض نہیں لیتا جس کی امانت

میرے پاس ہو یا مجھے علم ہو کہ اس کے پاس روپیہ آنے والا ہے اور اسے بھی علم ہو کہ اسے علم ہے ہمیشہ ایسے شخص سے لیتا ہوں جو انکار کر سکے اور کسی قسم کا اس پر اثر یا دباؤ نہ ہو، ان امور کا ضرور خیال کرنا چاہیے۔

اگر اہلِ خصوصیت کو بھی اپنے کسی کام کے لیے کچھ لکھتا ہوں تو جوابی خط بھیجتا ہوں خطوط کے جواب التزاماً روز کے روز تحریر کر دیتا ہوں تاکہ مکتوب الیہ کو زحمت انتظار نہ ہو اگر کوئی دینی یا دنیوی معاملہ میں مشورہ لیتا ہے اور اس کو اس معاملہ میں تذبذب ہوتا ہے تو بقدر اپنے علم و تجربہ کے جو صحیح بات سمجھ میں آتی ہے عرض کر دیتا ہوں، اگر اس کے مطابق عمل نہ کیا جائے تو مجھے ناگوار نہیں ہوتا۔

فرمایا کہ مجھے اس شخص سے کوئی چیز لینے میں نہایت ذلت معلوم ہوتی ہے جس کو خود کوئی نفع نہ پہنچا سکوں، ہاں جو دینی نفع حاصل کرتا رہے وہ محبت سے کبھی کچھ دے تو کس کو انکار ہے کیونکہ آخر میری گذر ہی اس پر ہے لیکن یہ شرط ہے کہ دینے میں بجز محبت کے اور کوئی نیت نہ ہو، یہاں تک کہ ثواب کی بھی نیت نہ ہونی چاہیے گو جب حق تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے دیا تو ثواب تو اس کو مل ہی گیا۔ دیکھئے اگر کوئی اپنے باپ یا لڑکے کو کچھ دے تو نیت ثواب کی نہیں ہوتی لیکن ثواب ملتا ہے، جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے تو اس کو ثواب ملتا ہے حالانکہ بیوی کو کوئی ثواب کی نیت سے نہیں دیتا بلکہ اگر اس کو ثواب کی نیت کی خبر ہو جاوے تو اس کو ناگوار ہو اور وہ انکار کر دے۔

کیا میں خیرات خوری ہوں۔

فرماتے تھے میں جب بیمار پڑتا ہوں تو ایسا کرتا ہوں کہ کوئی طبیب اپنے علاج کے لیے تجویز کر لیتا ہوں (اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتا ہوں) اور سپرد کرنے کے بعد اس طرح عمل کرتا ہوں کہ اگر اور کوئی بھی کچھ بتلاتا ہے (کیونکہ قاعدے کی بات ہے کہ جب محبت ہوتی ہے تو نفع کی چیز بتانے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہے) تو میں کسی کی دل شکنی نہیں کرتا، کہہ دیتا ہوں کہ بھائی فلاں حکیم

میرے معالج ہیں تم ان سے کہہ دو انھیں سمجھا دو اگر وہ مناسب سمجھیں گے تو مجھے بھی کوئی عذر اس کے استعمال میں نہ ہوگا۔ اگر ایسا نہ کروں تو میں کس کس کا علاج اختیار کروں کیونکہ محبت میں ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ ضرور بتانے لگتا ہے۔

جب کسی سے کوئی خاص کام ہوتا تھا تو خود اس کے پاس تشریف لے جاتے تھے، فرماتے تھے کہ مجھے اس کا خیال رہتا ہے کہ ممکن ہے وہ شخص اپنے کسی کام میں مشغول ہو اور میرے خیال یا لحاظ سے اس کو ملتوی کرنا پڑے۔

حضرتؒ اپنے مضامین کا کبھی اخبار میں شائع کیا جانا پسند نہ فرماتے تھے، حضرتؒ کے جو بھی ملفوظات یا مضامین عام مسلمانوں کی ہدایت یا وضاحت حق کے متعلق ہوتے تھے وہ سب ماہوار رسالہ "النور" میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ یہ رسالہ خانقاہِ اشرفیہ سے مولوی شبیر علی صاحب مرحوم کے زیرِ اہتمام شائع ہوتا تھا۔

فرمایا الحمد للہ میری یہ عادت نہیں ہے کہ مسلمانوں کی حالت کا تجسس کروں، نہ فرمائشی مضمون کبھی بیان ہو سکے۔ بلکہ توکلاً علی اللہ بیان شروع کر دیتا ہوں اور جو باتیں اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتے ہیں، بیان کر دیتا ہوں۔ اور وہ اکثر سامعین کی ضرورت و حالت کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس سے لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ کسی نے ہماری حالت اس سے کہہ دی ہے ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کو کشف سمجھیں مگر مجھے تو عمر بھر بھی کشف نہیں ہوا، اور اس میں کشف کی کیا بات ہے۔ بس حق تعالیٰ جس سے کام لینا چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ اتنی بات تو ہے کہ بحمد اللہ بیان کے وقت یہ نیت ضرور ہوتی ہے کہ اے اللہ! ایسا مضمون بیان ہو جو ان لوگوں کی ضرورت کا ہو جس سے ان کی اصلاح ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کو تو علم غیب ہے وہ سب کی حالت جانتے ہیں۔ وہ اس نیت کے بعد ضرورت و حالت کے مطابق مضمون دل میں ڈال دیتے ہیں، کہ آج یہ بیان کرو۔ (ذم النسیان ص ۱۵)

فرمایا کہ کیسا افسوس ہے کہ امورِ دنیا میں تو ہر شخص کے ہاں انتظام اور اہتمام ہے اور

امورِ دین میں اس قدر بے اہتمامی اور بے انتظامی شائع ہوئی ہے کہ کچھ بھی انتظام نہیں رہا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دین میں انتظام نہیں ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ترمذی شریف میں شمائل میں مروی ہے کہ کان لہ عتاد فی کل شی عربیتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر امر میں ایک ضابطہ مقرر تھا، حتیٰ کہ ایک روز ازواج مطہرات رضی نے بستر مبارک کو دو تہ کر کے بچھا دیا تھا اس روز حضور دیر میں بیدار ہوئے، فرمایا کہ آج ضرور کوئی جدید بات ہوئی ہے آخر بستر کو ایک تہہ کرایا اور فرمانے لگے کہ حجرے میں نوافل پڑھ لینا تو بغیر انتظام بھی ممکن ہے لیکن عظیم الشان سلطنت کا کام بغیر انتظام کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو اگر دین میں انتظام بالکل نہیں تھا تو حضرات صحابہ کرام کو یہ عظیم الشان سلطنت کیا بے انتظامی ہی سے مل گئی تھی۔ حاشا وکلا دین میں تو یہاں تک انتظام ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی نے اذان کہی اور دوسرے صحابی رضی نے تکبیر شروع کی تو آپ نے منع فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ تکبیر اس کا حق ہے جو اذان کہے، اور یہ انتظام ہی ہے۔ کہ ارشاد فرماتے ہیں، کہ قاضی انصار میں سے ہونا چاہیئے اور مؤذن اہل حبشہ میں سے کیونکہ اہل حبشہ قوی ہوتے ہیں اور اس لیے ان کی آواز بھی بلند ہوتی ہے (ملفوظ ۱۹)

فرمایا کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے تمام کاموں کو انتظام کے ساتھ کرے اس سے اپنے کو بھی راحت ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی (ملفوظ ۲۰)

دیکھنے میں یہ سب باتیں ہیں تو بہت معمولی اور نا قابل توجہ مگر تجربہ شاہد ہے کہ تمام حسن معاملت اور حسنِ معاشرت اور عافیت اور راحت کی روح رواں ہیں، میرے نزدیک اپنی ذات سے کسی کو ادنیٰ ناگواری نہ ہو، یہی حاصل کل تصوف وسلوک ہے۔

میں نے جب دیکھا کہ غفلت حد سے بڑھ گئی ہے اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی ان امور کا خیال نہیں تو اس کے متعلق بھی ایک رسالہ لکھنا پڑا۔ آداب المعاشرت اس کا نام ہے مجھے ایسے جزئیات کا بہت اہتمام ہے۔ بزرگوں کے یہاں بڑی بڑی باتوں کی تعلیم ہوتی ہے اور میں چھوٹا ہوں، اس لیے میرے یہاں چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ کیا معاشرت دین کے

شعبوں میں ایک اہم شعبہ نہیں ہے، کیا اس کے متعلق قرآن وحدیث میں ضوابط و اصول اور ان پر کاربند ہونے کی تاکید اور عدم عمل پر وعید وارد نہیں ہے، ضرور ہے۔

مگر افسوس اس دور حاضر میں ہم سب کو اس طرف بالکل توجہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہماری زندگی وبالِ جان بن کر رہ گئی ہے اور محسوس ہوتا ہے جیسے عافیت ہم سے سلب کرلی گئی ہو۔

حقوق و معاملات

فرمایا کہ میری عادت نہیں کہ خود کسی کے معاملہ میں دخل دوں، میرے اوپر غیرت کا غلبہ زیادہ ہے اس لیے خود کسی معاملہ میں دخل دینے کو دل نہیں چاہتا یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ میرا تو کام نہیں میں کیوں دخل دوں کسی کو لاکھ دفعہ غرض پڑے اپنی اصلاح کا طریقہ دریافت کرے، ورنہ مجھے کیا غرض پڑی ہے۔ اپنے آپ تو کسی کو اپنی اصلاح کا قصد نہ ہو اور میں اس کے پیچھے پڑتا پھروں۔ البتہ اگر کسی وقت شفقت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں خود ہی نرمی سے کہہ دیتا ہوں۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ بعض وقت کسی کی تعزیت یا تقریب نکاح میں شرکت کا موقع ملتا ہے تو تعزیت کے وقت اہل تعلق کی دل دہی کرنے اور مصائب و رنج وغم پر صبر و تحمل اور اس کے اجر و ثواب کا بیان کرنے کے لیے اگر موقع ہوا تو کچھ نصیحت و وعظ کہہ دیتا ہوں اسی طرح تقریب نکاح کے موقع پر اگر انشراح ہوا تو نکاح کے برکات اور اس میں رسومات و بدعات کے منکرات پر نصائح کے طور پر وعظ کہہ دیتا ہوں جس سے بہت نفع ہوتا ہے۔

مریضوں کی عیادت کے وقت ان کی تسلی اور شفا کے لیے کچھ آیاتِ قرآنیہ پڑھ کر دم کر دیتا ہوں اور دعائے صحت کر دیتا ہوں۔

شادی وغم کی تقریبات یا دعوت ولیمہ میں اگر کسی منکر شرعی کا احتمال ہوتا ہے تو شرکت نہیں کرتا اور اگر شریک ہونے پر اس کا علم ہوتا ہے تو خود اپنے کو اس سے بچانے کا اہتمام کرلیتا ہوں مگر صاحبِ خانہ کی دل شکنی یا توہین کے خیال سے اس وقت کچھ نہیں کہتا اور ایسے موقع پر تبلیغ جائز بھی نہیں۔ بعد میں کسی موقع پر یا مجلس عام میں ضرور ایسے امور پر متنبہ کر دیتا ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ قصبہ میں اور اگر کہیں سفر میں اتفاق ہوا تو خاص اعزہ و احباب کی تقریبات میں بھی شرکت فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی حضرتؒ کی دعوتِ طعام کرتا تو بہت خوشی سے قبول فرما لیا کرتے تھے۔

فرماتے تھے کہ مجھے اگر کسی سے ایذا یا تکلیف پہنچتی ہے تو ناگواری تو بہت ہوتی ہے مگر ضبط کر لیتا ہوں اور اس کے خلاف دل میں کبھی انتقامی جذبہ پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس کے لیے بد دعا کرنے کو جی چاہتا ہے بلکہ عقل کو غالب کر کے اس کو معاف ہی کر دیتا ہوں جن لوگوں نے حضرتؒ کے اوپر اور حضرتؒ کے بزرگوں پر کفر کے فتوے لگائے ان کے متعلق بھی کبھی کوئی حرف ناشائستہ زبان سے نہیں نکالا اور نہ ان کے الزامات کی تردید کے لیے کوئی اقدام کیا۔ سیاست کے بحران کے زمانے میں بہت سی معتمد ہستیوں نے حضرتؒ کے مسلک کے متعلق طعن و تشنیع کی اور اکثر لوگوں نے اور اخبارات نے بہت نامناسب الفاظ میں حضرتؒ کی مخالفت کی بعض لوگوں نے قتل کی بھی دھمکیاں دیں مگر حضرتؒ کوہ وقار بنے ہوئے خاموش ہی رہے اور کبھی کسی کو کوئی جواب نہیں دیا اور کسی سے کبھی مغلوب بھی نہیں ہوئے۔ فرماتے تھے بحمد اللہ مجھ پر حق واضح ہو گیا ہے اگر حق کی بقا اور حفاظت کے لیے مجھے اپنی جان بھی قربان کرنا پڑے تو انشاء اللہ دریغ نہ کروں گا۔

مخالفین کے ساتھ معاملہ

حضرتؒ والا پر اگر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرتا تھا تو اس سے اپنا تبریہ فرمانے کی ہرگز کوشش نہیں فرماتے تھے بلکہ اگر وہ اعتراض علمی رنگ کا ہوتا اور قابل قبول ہوتا تو اس کو قبول فرما کر اپنی تحقیق سابق سے بلا تامل رجوع فرما لیتے تھے اور ترجیح الراجح میں جس کا مفصل حال باب "تصنیف و تالیف" میں درج ہے اپنا رجوع شائع فرما دیتے تھے اور اگر اس اعتراض کا قابل قبول ہونا مشکوک ہوتا تو اس اعتراض کو مع اپنے جواب کے ترجیح الراجح ہی میں شائع فرما دیتے، تاکہ دیکھنے والے خود جس کے قول کو چاہیں ترجیح دے سکیں۔

یہ معاملہ تو علمی رنگ کے اعتراض کے ساتھ فرماتے اور اگر اعتراض معاندانہ رنگ کا ہوتا تو

اس کی مطلق پروا نہیں فرماتے تھے ، البتہ اگر ایسا اعتراض بذریعہ جوابی خط کے موصول ہوتا تو بجائے اپنا تبریہ فرمانے کے نہایت استغناء کا جواب تحریر فرما دیتے اور ایسے عنوان سے کہ معترض پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اُس کے اعتراض کو بالکل لغو اور غیر قابل التفات سمجھا گیا مثلاً ایک شخص کو جس نے واہی تباہی اعتراضات لکھ کر بھیجے تھے تحریر فرما دیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ عیوب ہیں مگر مجھے تو اپنے عیوب کی اشاعت کی توفیق نہیں ہوتی ، تم ان کو مشتہر کر دو تاکہ لوگ دھوکہ میں نہ رہیں ۔ اھ

اور اگر خط جوابی نہ ہوتا تو اُس کو پھاڑ کر ردّی میں ڈال دیتے ، البتہ عرصہ ہوا صرف ایک بار معاندانہ اعتراضات کے ساتھ بھی جو اتفاق سے ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے تھے وہی معاملہ فرمایا جو علمی رنگ کے اعتراض کے ساتھ فرماتے تھے ۔

مخالفین سے ایسے نرم و مہذب اور متین سلوک کی مثال شاید کوئی پیش نہ کر سکے مخالفین سے ایسا نرم سلوک کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ان لوگوں کے جذبات کا بھی احترام کرتے تھے ۔ چنانچہ ایک اور موقع پر آپ نے ایک ایسی شکایت کے جواب میں لکھا کہ :

"میں اپنے مخالفین اور موذیوں (ایذا دینے والوں) کے جذبات کی بھی رعایت کرتا ہوں کہ ان کی نیک نیتی پر شبہ نہیں کرتا اور صبر تو ہر حال میں کرتا ہوں فلاں مولوی صاحب کے جواب میں کبھی ایک سطر بھی نہیں لکھی ۔ کافر ، خبیث ، ملعون سبھی کچھ بنتا رہتا ہوں ۔ ابھی ابھی ایک عنایت فرما کا خط آیا تھا ۔ اس میں مجھ کو گدھا تک لکھا ہوا ہے ، مگر میں ان مراقبات کو اپنا امام بناتا ہوں اس نے اپنی زبان ، قلم یا قلب کو ملوث کیا ، میرا کیا بگڑا ۔ رہا رنج ، وہ بگاڑ نہیں محض خیال کے تابع ہے ممکن ہے اس شخص کی نیت اچھی ہو ، مثلاً امر بالمعروف نہی عن المنکر ، اس لیے وہ معذور نہ ہو ۔ گو ہم بھی اس لیے معذور رہوں کہ ہم اپنے کو حق پر سمجھتے ہوں یا اپنی غلطی بھی نظر میں ہو ، مگر اصلاح کا طریق ہماری رائے میں اس سے سہل اور اسلم ہو ۔ اگر اس نے ہم کو

ناحق بھی رنج دیا تو اپنی عاقبت خراب کی، ہم کو صبر کا ثواب ملا۔ نیز ایسے واقعات سے بھی بعض اوقات اپنی کوتاہیوں پر نظر ہو کر اصلاح کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو کم از کم معتقدین کی عنایت سے جو عجب و کبر پیدا ہو گیا تھا یا ہو سکتا تھا، اس کا ازالہ یا انسداد ہو جاتا ہے۔ نیز خود بھی ایسے مخاطبات اپنے سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ اپنی ناگواری سے ان کی ناگواری سامنے آجاتی ہے۔ ایسے مخاطبات سے اجتناب کی توفیق ہو جاتی ہے"۔

ایک بار ایک صاحب سے فرمایا کہ بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا نہ علمی نہ عملی، نہ حالی نہ قالی، بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں اور اگر کوئی میری ایک تعریف کرتا ہے تو اسی وقت اپنے دس عیوب میرے پیش نظر ہو جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ کسی نے جو کچھ میرے بارے میں بُرا بھلا کہا ہو گا تو عدم واقفیت کی وجہ سے کہا ہو گا اس لیے وہ معذور ہے۔ تیسرے یہ کہ میں مدت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اب بھی تازہ کر لیا کرتا ہوں کہ اے اللہ! میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق سے مؤاخذہ نہ کیجیے گا۔ جو کچھ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا آئندہ کرے وہ سب میں نے دل سے معاف کی۔ اس لیے مخلوق خدا کو میری طرف سے بالکل بے فکر رہنا چاہیے کوئی اپنے دل میں شبہ نہ رکھے۔ میری طرف سے بے فکر رہے میں پیشتر ہی سب کو دل سے معاف کر چکا ہوں بلکہ اگر کبھی ضرورت ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ جس کو مجھ سے کوئی شکایت ہو وہ مجھے کہہ سُن سکتا ہے پھر فرمایا کہ اگر میں معاف نہ کروں اور دوسرے کو عذاب بھی ہوا تو مجھے کیا نفع حاصل ہوا۔

ایک بار فرمایا کہ اگر معاف نہ کروں تو کیا میں کسی کو اپنی وجہ سے دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ سکوں گا استغفر اللہ۔ یہ بھی فرمایا کہ اس معافی میں حقوق مالیہ وغیرہ کو کوئی صاحب داخل نہ سمجھ لیں ورنہ لوگ میری چیزیں یوں ہی اٹھالے جائیں، صرف سب و شتم مراد ہے۔

٭٭٭٭

سیاسیات میں حضرت والاؒ کا طرزِ عمل

حضرتِ والا کی حیاتِ مبارکہ کے آخری سالوں میں ہندوستان کے اندر شدید سیاسی ہیجان برپا تھا، اس موقع پر حضرتِ والاؒ نے جو طرزِ عمل اختیار فرمایا اور اس پر جس اولوالعزمی اور ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہے، وہ بھی حضرت کے حجۃ اللہ فی الارض ہونے کی دلیل ہے۔

حضرتؒ کا موقف یہ تھا کہ مسلمانوں کا سیاسی غلبہ دین کا اصل مقصود نہیں ہے، ہاں اگر مسلمان احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہوں تو موعود ضرور ہے، اور دین میں جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق احکام عطا فرمائے گئے ہیں، وہاں سیاسیات کے متعلق بھی احکام موجود ہیں مسلمانوں کو سیاست کے بارے میں انہی احکام کی پیروی لازم ہے۔ اور وقتی سیاسی مصلحتوں کی خاطر ان احکام کو چھوڑ بیٹھنا کسی طرح جائز نہیں اور مسلمانوں کے سیاسی غلبے کے لیے ایسی تحریکات میں شرکت جو ان احکام کی خلاف ورزی پر مبنی ہوں، نہ شرعاً جائز ہے اور نہ اس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

حضرتؒ کے زمانے میں آزادیٔ ہند کے لیے جو تحریکات خلافت وغیرہ کے نام پر زور و شور سے جاری تھیں، چونکہ حضرتؒ کے نزدیک وہ مذکورہ بالا شرائط پر پوری نہیں اترتی تھیں، اور حضرتؒ ان کو مسلمانوں کے لیے مضر سمجھتے تھے۔ اس لیے ان سے الگ رہے، لیکن چونکہ حضرتؒ اپنی رائے کو اجتہادی رائے سمجھتے تھے، اس لیے عام مسلمانوں کو ان تحریکات سے الگ رکھنے کے لیے آپ نے کوئی مہم نہیں چلائی، بلکہ طرزِ عمل یہ اختیار فرمایا کہ ان تحریکات میں جو واضح منکرات سامنے آتے ان پر تو خود بھی برملا نکیر فرمائی۔ اور تحریکات میں نفسِ شرکت سے خود بھی مجتنب رہے اور جو لوگ آپ کی رائے پر اعتماد کرتے تھے ان کو بھی الگ رہنے کا مشورہ دیا اور اپنی رائے کو مستحکم شرعی دلائل کے ساتھ شائع بھی فرما دیا۔ تاکہ جس بات کو حضرتؒ حق سمجھتے تھے، وہ اپنے مفصل دلائل کے ساتھ اہلِ علم اور مسلمانوں کے سامنے واضح ہو جائے۔

اس کے علاوہ اس رائے سے متعلق لوگوں کے جو سوالات آتے ان کا جواب بھی حضرتؒ کی خانقاہ کے

ماہنامہ رسالے "النور" میں شائع ہوتا رہتا۔ اس طرح حضرتؒ نے اُس وقت کے سیاسی حالات کے متعلق کئی رسائل تالیف فرمائے جو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت شائع ہوئے۔

(۱) الروضۃ الناظرۃ فی المسائل الحاضرۃ

(۲) معاملۃ المسلمین فی مجادلۃ غیر المسلمین

(۳) صیانۃ المسلمین عن خیانۃ غیر المسلمین

(۴) المانعیّۃ عن بعض الجامعیّۃ

(۵) تنبیہ المسلمین علی تمویہ العالم المخالط بالمشرکین

ان رسائل میں حضرتؒ نے دلائل کے ساتھ واضح فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایسی سیاسی جماعت میں شریک ہونا کسی طرح درست نہیں جس کی غالب اکثریت غیر مسلموں پر مشتمل ہو۔ اس ضمن میں حضرتؒ نے غیر مسلموں کے ساتھ موالات، مدارات اور معاملات و احسان کی جو حدود قرآن و سُنّت اور فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں منقح طور پر واضح فرمائی ہیں وہ حضرتؒ ہی کا حصہ تھا۔

حضرتؒ نے مذکورہ بالا رسائل میں یہ بھی واضح فرمایا کہ مسلمانوں کو سیاسی جدوجہد میں ہندوؤں کے تابع بننے کے بجائے خود اپنی قوت اور استطاعت حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہیئے کہ وہ شریعت کی حدود میں رہ کر اپنے جائز سیاسی مقاصد کے حصول کی کوشش کر سکیں "صیانۃ المسلمین" میں حضرتؒ نے مسلمانوں کے لیے ایک ایسی ہی جماعت کا دستور العمل پیش کیا تھا جو پہلے مسلمانوں کی دینی اصلاح کا فریضہ انجام دے، اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرے اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کو فنونِ سپہ گری وغیرہ کی تربیت بھی دے، پھر جب مطلوبہ قوت حاصل ہو جائے تو مسلمان اپنے سیاسی غلبے کے لیے حدودِ شرع میں رہ کر کوئی قدم اُٹھائیں۔

حضرتؒ چونکہ اپنے ذاتی اعذار کی بنا پر نہ خود یہ جماعت بناتے اور اسے چلانے سے معذور تھے اس لیے آپ نے یہ دستور العمل اس غرض سے شائع فرمایا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ یہ کام لے کر کھڑا ہو جائے لیکن افسوس ہے کہ اُس وقت اس جماعت کی کوئی مؤثر صورت نہ بن سکی۔

اسی دوران کانگریس کے مقابلے میں مسلم لیگ مسلمانوں کی الگ تنظیم کی حیثیت سے منظرِ عام پر آگئی، اور اس نے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کیا اور مسلمان کثرت سے اس میں شامل ہونے لگے اور اس کے بارے میں بھی حضرتؒ کے پاس سوالات آنے شروع ہوئے اس موقع پر حضرتؒ نے حالات سے صحیح طور پر باخبر ہونے کے لیے پہلے ان حضرات علماء سے مکالمہ فرمایا جو کانگریس کے مؤید تھے تاکہ ان کا موقف براہِ راست معلوم ہو سکے، پھر جمعیت علمائے ہند اور مسلم لیگ دونوں کو مشترک سوالات لکھ کر بھیجے، تاکہ ملک کے سیاسی حالات کے بارے میں دونوں کا نقطۂ نظر دلائل کے ساتھ سامنے آجائے۔ اس کے بعد دوسرے علماء سے مشورہ کر کے ایک رسالہ "تنظیم المسلمین" شائع فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ مسلم لیگ بھی شرعی نقائص سے خالی نہیں لیکن کانگریس کے مقابلے میں یقیناً بہتر ہے، کیونکہ مسلم لیگ خالص کلمہ گویوں کی جماعت ہے اور کانگریس میں عنصرِ غالب غیر مسلموں کا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیے یا کم از کم اس کی مدد کرنی چاہیے اور ساتھ ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

حضرتؒ کے اس فتوے کی اشاعت کے بعد اطراف سے مختلف سوالات کا سلسلہ جاری رہا کچھ خطوط تو معاندانہ اور طعن و تشنیع بلکہ دھمکیوں تک پر مشتمل ہوتے، ایسے خطوط کا جواب دینا حضرتؒ کا معمول نہ تھا لیکن جو خطوط تحقیقِ حق کی غرض سے آتے اُن کا شافی جواب حضرتؒ نے تحریر فرمایا جو مختلف رسائل کی شکل میں شائع ہوتا رہا۔ چنانچہ حضرتؒ کا رسالہ "الطریق الامم فی شرائط اتحاد الامم"، "العدل مع اہل العدول" اور "دفع بعض شبہات علی السیاسیات من الآیات" وغیرہ رسائل اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے "افاداتِ اشرفیہ در مسائلِ سیاسیہ" میں حضرتؒ کی ان تمام تحریروں کو یک جا شائع فرما دیا ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیراً۔

پھر جیسا کہ حضرتؒ نے "تنظیم المسلمین" میں مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ مسلم لیگ کی اصلاح کی کوشش جاری رکھیں، اس کا آغاز خود حضرتؒ نے فرمایا، چنانچہ مسلم لیگ کے سربراہ محمد علی جناح

مرحوم کو حضرتؒ نے خطوط بھی لکھے، اور تین مرتبہ ان کے پاس مقتدر علماء پر مشتمل وفود بھی بھیجے جن میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی قدس سرہم شامل تھے۔ اس خط وکتابت اور ان وفود کے فوائد بھی ظاہر ہوئے اور بعض امور میں مسلم لیگ کے زعماء نے حضرتؒ کی ہدایات کا عملاً اثر بھی قبول کیا۔

یہ تھا آزادیٔ ہند کی سیاست کے بارے میں حضرتؒ کے موقف اور طرز عمل کا مختصر خلاصہ جو سراسر احکام شریعت کی تعمیل اور مسلمانوں کی اجتماعی خیر خواہی پر مبنی تھا۔ لیکن حضرتؒ نے اپنے اس موقف کو اختیار کرنے میں جس غایت احتیاط، حدود کی رعایت، حق شناسی و حق پسندی، اور پھر اس موقف پر جس استقامت کا ثبوت دیا وہ حضرتؒ ہی کے مقام بلند کا انتہا نہ تھا۔

یہ حضرتؒ ہی کا حوصلہ تھا کہ مخالفین کی طرف سے آپ پر اس موقف کے سلسلے میں طعن و تشنیع اور دشنام وافترا کی باقاعدہ مہم چلی، قتل تک کی دھمکیاں دی گئیں، لیکن حضرتؒ کے پائے استقامت میں جنبش تک نہ آئی، آپ نے کبھی کسی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا لیکن جس بات کو حضرت حق سمجھتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہے۔

ایسے ہی ایک موقع پر جب مخالفین کی طرف سے دھمکیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک مرتبہ حضرتؒ نے اپنی مٹھی بند کرکے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ، میں نے حق کو اس طرح مٹھی میں پکڑ لیا ہے اور اگر اس کی حفاظت میں میری جان بھی جاتی رہے تو انشاء اللہ مجھے پروا نہیں ہوگی۔

حضرتؒ اس دور میں برابر یہ دعا فرماتے رہے کہ یا اللہ! ملکی سیاست کے بارے میں جو موقف میں نے اختیار کیا ہے، اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو مجھ پر واضح فرما دیجئے، اور قلب کو اس پر منشرح فرما دیجئے، لیکن فرماتے تھے کہ جوں جوں یہ دعا کرتا ہوں، اسی نسبت سے اس موقف میں مزید قوت اور مضبوطی پیدا ہوتی جاتی ہے۔

اس کے باوجود حضرتؒ نے فریق مخالف کے دلائل سننے اور اس پر غور کرنے کا دروازہ

کبھی بند نہیں فرمایا، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی دلائل کے ذریعے مجھے اس موقف کی غلطی واضح کردے تو ان شاء اللہ ایک لمحے کے لیے بھی اس پر اصرار نہیں کروں گا، لیکن مختلف حضرات سے بار بار گفتگو کے بعد اس موقف پر مزید پختگی ہی پیدا ہوتی چلی گئی۔

ایک مرتبہ کچھ مشہور مسلمان زعماء تھانہ بھون آئے اور آکر حضرتؒ سے کہا کہ حضرتؒ ہم آپ کو حالاتِ حاضرہ سمجھانے کے لیے آئے ہیں، چونکہ آپ کو ان حالات کا پوری طرح علم نہیں ہے، اس لیے آپ ہمارا ساتھ نہیں دے رہے۔ امید ہے کہ حالات کا علم ہو جانے کے بعد آپ رفتہ رفتہ ہمارے موقف کی درستی کے قائل ہو جائیں گے۔

حضرتؒ نے جواب میں فرمایا: "الحمد للہ، آپ نے میرا کام بہت ہلکا کر دیا، آپ نے فرمایا کہ آپ مجھے سمجھانے آئے ہیں سمجھنے کے لیے نہیں آئے، لہٰذا میرا کام آسان ہو گیا، اب میں کچھ نہیں بولوں گا، آپ بلا تکلف حالاتِ حاضرہ کے بارے میں اپنے موقف کی تشریح فرمائیے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر آپ کا موقف دلائل سے سمجھ میں آگیا تو اسی وقت آپ کے ساتھ ہو جاؤں گا اور اگر سمجھ میں نہ آیا تو معذرت کر دوں گا۔"

اول تو وہ حضرات اسی جواب پر ڈھیلے پڑ گئے، اس کے بعد انھوں نے اپنا موقف بیان کیا اور آخر میں کہنے لگے کہ "حضرت! یہ فقہی مسائل پر غور کرنے کا وقت نہیں، یہ مسلمانوں کی مصالح کی فکر کا وقت ہے۔"

حضرتؒ نے جواب دیا کہ "آپ کا مطلب ہے کہ میں مسائل کو چھوڑ دوں مصالح کو اختیار کرلوں، شریعت کو چھوڑ دوں اور سیاست کو اختیار کرلوں، حق کو چھوڑ دوں ناحق کو اختیار کرلوں، معاف فرمائیے، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔"

تحریکات کا زور و شور ختم ہو جانے کے بعد بہت سے مخالفین نے حضرتؒ والا سے معافیاں مانگیں اور حضرتؒ کی اصابت رائے کی داد دی، نیز متشددین کو بھی بہت سے امور میں ڈھیلا ہونا پڑا، چنانچہ اس کے متعلق حضرتؒ والا تحدث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ سب کو کچھ نہ کچھ

اپنے مرکز سے ہٹنا پڑا۔ لیکن الحمد للہ! میں جس مرکز پر اول روز تھا، اُسی مرکز پر آج بھی قائم ہوں۔ مجھ کو بفضلہٖ تعالیٰ اپنی رائے سے ایک انچ بھی ہٹنا نہیں پڑا، بلکہ تجربوں نے تو اور بھی مجھ کو اپنی رائے پر مستحکم کر دیا ہے۔

حضرت والا سیاسی جماعتوں میں علماء کی باضابطہ شرکت کو پسند نہیں فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ اس سے علماء کا دینی وقار ختم ہو جاتا ہے اور عوام کی نظر میں جماعت بندی اور شخصیت پرستی کے غلبے میں علماءِ برحق کی طرف سے بدگمانی اور بے اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آزادیٔ ہند کی سیاست میں حضرتؒ اپنے اس موقف پر قائم رہے، نہ کسی سیاسی جماعت میں باقاعدہ شرکت فرمائی، نہ کسی غیر شرعی کام میں ان کے ساتھ تعاون کیا۔ لیکن مسلمانوں کے حق میں جس طرزِ عمل کو مفید اور شرعاً درست سمجھا اُس کی وضاحت اور تبلیغ فرماتے رہے۔ (محمد تقی عثمانی)

بعض امتیازی خصوصیات

قرونِ اولیٰ اور ائمہ مجتہدین کے عہدِ زریں کے بعد اس امتِ مرحومہ میں حاملانِ شریعت و طریقت کے زمرے میں جس قدر مقتدر و مقدس ہستیاں گزری ہیں ان میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی اس دورِ حاضر میں ایک بڑی نمایاں اور ممتاز شخصیت نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طرح کے ظاہری و باطنی اوصاف سے متصف فرمایا تھا۔ عالم، حاجی، حافظ اور قاری ہونے کے علاوہ صحیح معنوں میں حکیم الامت و مجددِ ملت تھے اور قطب الارشاد تھے اور صفِ اول کے فقیہ و امامِ تصوف تھے۔ مبلغین و واعظین کی صفِ اول میں تھے۔ مصنفین و مؤلفین میں بھی اولیت کا درجہ رکھتے تھے۔ بلاتکلف و بے ساختہ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے ؏

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کا صحیح مصداق تھے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ ان کی دین اسلام کی تبلیغی مساعی

وجدوجہد، ان کے علوم شریعت و طریقت میں معارف کے تحریری و تقریری دفاتر خود ان کی جامعیت اور تبحّرِ علمی کی آئینہ دار ہیں۔

ان کے تمام کارناموں کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ حضرتؒ کی حیات ہی میں حضرت کی تصانیف دورِ حاضر کے مفسرین، محدثین، فقہا و صوفیا کی نگاہ میں مقبول و ممتاز ہوگئیں اور عامۃ المسلمین کے لیے شمعِ ہدایت بن گئیں۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

اس کے علاوہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے حکیم الامت، مجدد الملت اور قطب الارشاد ہونے کا ثبوت اس طرح بھی نمایاں ہے کہ دین کے پانچوں شعبوں میں جو افراط و تفریط پیدا ہوگئی تھی اس کو مٹا کر اور پھر شریعت اور سنت کے صراطِ مستقیم پر لگا کر دینِ متین و شرعِ مبین کو واضح اور معتبر و مستند فرمادیا۔

اب اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامۂ تبلیغ کو دیکھا جائے تو اس سے واضح ہوگا کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام شعبوں میں اصلاحِ امت کے لیے کس قدر جانفشانی کے ساتھ بے خوف و خطر رہ کر بلا شرکتِ غیرے کام کیا ہے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجددیت کی صریح دلیل ہے، اور اہلِ علم اور اہلِ بصیرت دیکھیں گے کہ دین و اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں، تفسیر و احادیث و فقہ و تصوف کی تصنیفات و تالیفات میں حضرت رحمۃ اللہ کا عظیم الشان، عدیم المثال اور وسیع المقدار کارنامہ ایسی مخصوص انفرادیت کا حامل ہے کہ ایسی جاذبیت، جامعیت و نافعیت و مقبولیت کی کوئی دوسری مثال دورِ دراز زمانے تک کہیں نظر نہیں آتی اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ چند صدیوں تک مسلمانانِ عالم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے انھیں اوصاف و کمالاتِ ظاہری و باطنی کے فیوض و برکات سے ہر شعبۂ دین میں فیضیاب و سیراب ہوتے رہیں گے اور وہی ان کے لیے معتبر حجت و سند ہوگی فقط۔ واللہ المستعان۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے انضباط الاوقات پر نظر کی جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ

ابتدائے عمر سے آخر عمر تک تقریباً زائد از ساٹھ سال حضرتؒ کے مواعظ و ملفوظات کا مراسلہ جاری رہا سینکڑوں وعظ فرمائے اور ہزاروں کی تعداد میں ملفوظات قلمبند کئے گئے اور برابر شائع ہوتے رہے لیکن اس اہتمام کے ساتھ کہ کس موقع پر وعظ ہوا یا ملفوظات ہوئے، کس مقام پر ہوئے کس وقت ہوئے، کس دن اور کس تاریخ میں ہوئے یہ سب ایسا منفرد اہتمام ہے کہ جس کی نظیر یا مثال کہیں نظر نہیں آتی یہ بھی حضرت رحمہ کی شان انفرادیت کا ایک نمایاں طرۂ امتیاز ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ

***

باب
مقاماتِ سلوک

فیضانِ مُرشد

حضرت شیخ العرب والعجم شیخ العلماء والمشائخ امام الطریق حاجی شاہ محمد امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کی وہ مقدس ہستی ہے جو سرچشمہ ہے جمیع انہارِ فیوض و برکات کا جن سے آج امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ بعنایاتِ الٰہیہ شرقاً و غرباً متمتع و منتفع ہو رہی ہے اور جن کے آب طاہر و مطہر سے دنیائے اسلام کا ایک بہت بڑا حصہ سیراب ہو رہا ہے جن سے حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کو شرف بیعت حاصل تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی بابرکت ہستی تھی کہ جس کے محض تصور سے اور ادنیٰ ذکر سے بھی قلب میں ایک انشراح اور روح میں ایک کیف پیدا ہوتا ہے چنانچہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ادنیٰ ذکر سے بھی میرے دل میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ میں اس وقت اپنے حواس میں نہیں رہتا۔ گو دیکھنے والوں کو پتہ نہ چلے لیکن مجھ پر تو وہ حالت طاری ہوتی ہے مجھے تو اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ (اشرف السوانح)

یہ حضرت حکیم الامتؒ کا انتہائی ادب وعقیدت اور انتہائی منت شناسی اور ادائے حق محبت تھا کہ ساری عمر اپنے تمام کمالات کو اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرف منسوب فرماتے تھے اور نہایت وثوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو اپنی حالت اچھی طرح معلوم ہے۔ آخر حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے قبل بھی تو میں تحصیلِ علوم اور درس و تدریس میں لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ باتیں جو حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے بعد

ذہن میں آنے لگیں وہ اس سے پہلے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آتی تھیں لہٰذا یہ حضرت حاجی صاحبؒ کا فیض نہیں تو اور کیا ہے ۔ (اشرف السوانح ج ۲)

فرمایا جب میں حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی خدمت میں رہتا تھا تو حضرت کی خدمت میں حاضری کے سوا اوراوقات میں تمام ضیاء القلوب کے اذکار و اشغال کو بہ ترتیب (مشمولہ) روزانہ عمل میں لاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ ان سب کا پورا کرنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے ۔ ایک روز حضرت کی خدمت میں یہ قصہ عرض کیا حضرت ہنسے اور فرمایا کہ یہ سبق نہیں ہے بلکہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ عطار کی دکان پر اقسام مختلفہ کی ادویہ رکھی ہوئی ہیں تو ان کے رکھنے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ہر مریض ان سب ادویہ کو استعمال کرے بلکہ غرض یہ ہے کہ جس مریض کے لئے جو دوا مناسب ہوگی وہ اس کو دی جائے گی ۔ سو اسی طرح بہت سے طُرق جمع کر دیئے ہیں اور ہر طالب کے لئے جو شغل مناسب ہوتا ہے وہ اس کو بتلایا جاتا ہے پھر ہمارے حضرتؒ نے فرمایا ، کہ دستر خوان پر اطعمہ مختلفہ رکھے جاتے ہیں نہ اس لئے کہ سب کھانوں کو سب ہی کھائیں بلکہ اس لئے کہ جو کھانا جس کو پسند ہو وہ اس کو کھالے ۔ اصلی غرض عقلاء کی تعدد اطعمہ سے یہی ہے ، گو اہلِ عرف اس کی حقیقت نہ سمجھیں اور فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت سے یہ تحقیق نصیب ہوئی (ملفوظات خبرت)

حضرت والا یوں تو اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہ کر بفضلہ تعالیٰ سب ہی باطنی دولتوں سے مالا مال ہوئے لیکن ان کی خدمت میں دوران قیام خاص طور پر توحید کا انکشاف بدرجۂ کمال ہوا جو اساس شریعت و طریقت اور گویا فخر درویشی ہے اور جس کا ثمرۂ لازمی عبدیت ہے جو سلوک کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور اسی قسم کی وہ دولتیں ہیں ، جن کے حضرت حاجی صاحبؒ خاص طور سے حامل تھے اور جو سلسلۂ امدادیہ کا طرۂ امتیاز ہیں اور جو حضرت حاجی صاحبؒ نے باذن اللہ تعالیٰ اپنے سینۂ مبارک سے حضرتؒ کے سینۂ مبارک میں بہ تمام و کمال منتقل فرما کر ہمیشہ کے لئے ودیعت فرما دی تھیں جن کے آثار ہمیشہ حضرتؒ کے اقوال و افعال ، اعمال و احوال ،

نشست و برخاست، حرکات و سکنات سبھی ہیں روز روشن کی طرح ظاہر و نمایاں ہیں۔ اور ان ہی کی ودیعت باطنیہ یکجے آفتاب و مہتاب کی شعاعیں ہیں جو حضرتؒ کی تعلیم و تبلیغ کے ذریعے سے شرقاً و غرباً پھیلی ہوئی ہیں۔

(اشرف السوانح)

فرمایا کہ میں بڑی مشکل سے کسی سے بدگمان ہوتا ہوں، بڑی چشم پوشی کرتا ہوں اور جب کسی پر خفا ہوتا ہوں تو محض اصلاح کے لئے ہوتا ہوں بغض اس وقت بھی نہیں ہوتا ہے۔ یہ حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت ہے۔

(انفاسِ عیسیٰ)

ہمارے حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ مدتوں کے بعد طریق زندہ ہوا ورنہ مردہ ہو چکا تھا۔ طریقت میں افراط و تفریط پیدا ہو گئی تھی، منکرین طریق کا غلو الحراف کی حد کو پہنچ گیا تھا تو متبعین کا بدعات کی حدود میں داخل ہو گیا تھا، اب طریق بحمد للہ بے غبار ہے، اب صدیوں تک کسی نئے منظام کی ضرورت نہیں رہی، اور جب ضرورت ہو گی اللہ تعالیٰ اپنے کسی اور خاص بندے کو پیدا فرما کر اپنا کام لے لیں گے الحمد للہ اس چودھویں صدی میں طریق کی حقیقت واضح ہو گئی ہے اور یہ سب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی دعا کی برکت ہے۔ یہ بزرگ اپنے زمانہ میں اس طریق کے مجدد تھے مجتہد تھے محقق تھے امام تھے۔ دیکھنے میں تو تھانہ بھون کے ایک شیخ زادے معلوم ہوتے تھے۔ علم درسی بھی بظاہر کچھ نہ تھا۔ لیکن حالت یہ تھی ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستاء

ان کے فیض روحانی اور نور باطنی سے تمام عالم منور ہو گیا ورنہ ہر چہار طرف سے زندقہ اور الحاد، نیچریت و دہریت نے دنیا کو گھیر لیا تھا حق تعالے نے ایسے پُرفتن دور اور اس پُرآشوب

زمانے میں ایسے شخص کو پیدا فرما کر اپنی مخلوق پر بڑا ہی فضل فرمایا اور انتہائی رحمت فرمائی۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی دعاؤں کا ثمرہ اور برکت ہے ورنہ میرے اندر کوئی بھی چیز نہیں، نہ علم ہے نہ فضل و کمال" اس بیان کے وقت حضرتؒ کے اندر ایک جوش کی کیفیت تھی اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے اہل مجلس پر بے حد اثر تھا اور قریب قریب سب پر گریہ طاری تھا۔

انعاماتِ الٰہیہ

انعامات الٰہیہ کے متعلق حضرتؒ والا اکثر نہایت تشکر و امتنان کے ساتھ فرمایا کرتے کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رات دن ایسی کھلی کھلی دستگیریاں اور عنایتیں ہوتی رہتی ہیں کہ بس آواز تو نہیں ہوتی لیکن معاملہ سب ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ہر موقع پر یہ بھی فرماتے جاتے ہوں کہ دیکھ ہم نے تیرے ساتھ یہ عنایت کی، دیکھ ہم نے تیری یہ دستگیری کی

(اشرف السوانح ص۳)

فرمایا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے صحیح صحیح باتیں ذہن میں ڈال دی ہیں جن کی وجہ سے لوگ ظلمت سے نکل کر نور میں تو پہنچ گئے ہیں اور راستہ بالکل صاف نظر آنے لگا ہے جیسے بجلی والے بجلی جلادیں تو ظلمت دفع ہو کر راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے اس کے بعد اللہ میاں نے آنکھیں دی ہیں پاؤں دیئے ہیں اب ان سے کام لیا جائے تو بے کھٹکے راستہ قطع کر کے جہاں جانا ہے وہاں بسہولت پہنچ سکتا ہے۔ اب اگر کوئی پاؤں ہی نہ اٹھائے یا الٹے سیدھے قدم رکھتا ہوا اور ٹھوکریں کھاتا ہوا چلے، یا آنکھیں بند کر کے چلے تو بجلی والوں کا کیا قصور، اللہ تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں فرمایا ہے ھذا بصائر من ربکم وھدی و رحمۃ اس کے متعلق میرے ذہن میں یہی نکتہ آیا تھا کہ بصائر تو گویا آنکھیں ہیں اور ہدیٰ راستہ اور رحمت منزل ہے۔

(اشرف السوانح حصہ دوم ص۳۲)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک مدت سے بہت بڑا حصہ تصوف کا مردہ ہو چکا تھا۔ کام کرنے

والوں کو بھی خبر نہ تھی کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اس کا انجام کیا ہے بس اندھیری کوٹھری میں اندھا دھند چلے جا رہے تھے کچھ ہوش نہ تھا خواہ سر پھوٹے یا ٹانگ ٹوٹے۔ اب الحمدللہ طریق کافی طور پر واضح ہو گیا ہے۔ مدتوں کے بعد یہ طریق زندہ ہوا ہے گو اب بھی بدفہم لوگ اس فکر میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ اصلاح کا باب بند ہو جائے۔ مگر چاہا ہوا تو حق سبحانہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے اور کسی کے چاہنے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

اب انشاء اللہ تعالیٰ صدیوں تک کے لئے طریق صاف اور بے غبار ہو گیا۔ اور پھر بھی اگر کچھ گڑبڑ ہوئی تو حق تعالیٰ اور کسی کو پیدا فرما دیں گے یہ ان کی رحمت ہے۔ جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں کسی خاص شخص پر موقوف نہیں۔ اب بحمدللہ طریق بے غبار ہے صدیوں تک تجدید کی ضرورت نہیں جب ہو گی حق تعالیٰ کسی کو پیدا فرما دیں گے مگر اس چودھویں صدی میں تو ایسے ہی پیر کی ضرورت تھی جیسا کہ میں ہوں (الحمدللہ سبحٰنہ)

(افادات الیومیہ، ربیع الاول ۱۳۵۱ھ)

فرمایا کہ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے بس یہ مراقبہ اچھی طرح ذہن میں جما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ حاکم ہونے کی حیثیت سے تو انھیں اپنی مخلوق و محکوم کے ظاہر اور باطن میں ہر طرح کے تصرف فرمانے کا ہر وقت کامل اختیار اور پورا حق حاصل ہے کسی کو مجالِ چون و چرا نہیں، اور حکیم ہونے کے اعتبار سے ان کا ہر تصرف حکمت پر مبنی ہوتا ہے گو ہماری سمجھ میں وہ حکمت نہ آوے چونکہ بفضلہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا حاکم اور حکیم ہونا اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا ہے اس لئے بڑے سے بڑے حادثے میں جس کو پریشانی کہتے ہیں وہ الحمدللہ مجھ کو کبھی نہیں ہوئی۔ طبعی اثر ہونا اور بات ہے۔ (اشرف السوانح ص۳)

فرمایا مجھ کو سخت سے سخت حالات پیش آچکے ہیں لہٰذا احوال باطنی کا ایسا تجربہ ہوگیا ہے کہ کسی سالک کی کتنی ہی الجھی ہوئی حالت ہو اور وہ کیسی ہی باطنی پریشانی میں مبتلا ہو بحمد اللہ مجھ کو اس کے معالجے کے باب میں ذرا بھی تردد لاحق نہیں ہوا اور بفضلہ تعالیٰ ایسی ایسی تدبیریں ذہن میں آجاتی ہیں کہ ان کے استعمال سے وہ نہایت سہولت اور سرعت کے ساتھ اس حالت سے نکل جاتا ہے بالخصوص وساوس وخطرات کی تشخیص ماہیت اور تجویز علاج میں تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایسی بصیرت عطا فرمائی ہے کہ آج کل کم لوگوں میں ہوگی۔ فللہ الحمد والشکر

(اشرف السوانح)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا کہ یہ جو اصلاح نفس کی سہل سہل اور نافع تدابیر اللہ تعالیٰ ذہن میں ڈال دیتے ہیں یہ سب طالبین ہی کی برکت ہے میرا کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ میرے بندوں کی اصلاح ہو اور نفع پہنچے لہٰذا ایک ناکارہ سے خدمت لے رہے ہیں، ماں یہ ناز نہ کرے کہ میں بچہ کو دودھ پلاتی ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کو منظور ہے کہ بچے کی پرورش ہو اس لئے اس نے گوشت وخون میں بھی دودھ پیدا کر دیا ہے۔ اگر ماں بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر دودھ ہی خشک ہو جاوے۔ اسی طرح اگر کنوئیں میں ڈول نہ ڈالا جاوے تو نیا پانی آنا بند ہو جاوے گا غرض شیخ اگر القا کرنا چھوڑ دے تو القا ہونا بھی بند ہو جاوے، اس لیے شیخ کو بھی ناز کا حق نہیں۔

اسرار نہ خود صاحب وارد کے لیے باعث قناعت ہوتے ہیں، نہ اس کے متعلق کے لیے مگر ان کے متعلق میرا مسلک یہ ہے، کہ خود تو اسرار کی تلاش میں کاوش نہ کرے اور جو بیساختہ کوئی بات قلب میں آجاوے اور قواعد شرع کے خلاف نہ ہو تو اس کو بیان کر دے جس سے یہ نفع ہوتا ہے کہ حدیث میں ہے انا عند ظن عبدی بی

(تکمیل الانعام ص ۴)

شانِ استغناء

فرمایا کہ میں الحمد للہ کسی کو اپنا معاون و مددگار نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا میری نظر کسی اور پر نہیں۔ کہنے کی تو بات نہیں لیکن اس وقت ذکر آہی گیا تو کہتا ہوں کہ میں دنیا میں اپنے آپ کو بالکل اکیلا سمجھتا ہوں، سوائے اللہ تعالیٰ کی اکیلی ذات کے کسی کو اپنا نہیں سمجھتا بس یہی سمجھتا ہوں کہ میں دنیا میں بالکل اکیلا ہوں اور ایک اکیلے شخص کے ساتھ ایک اکیلی ذات ہے اور کوئی نہیں لوگوں کی تو اپنے خدام اور محبت کرنے والوں پر نظر ہوتی ہے، میری کسی پر نظر نہیں، میں کسی کو اپنا محب اور معین و مددگار نہیں سمجھتا، یہی ایک وجہ ہے میری خشکی کی کہ میں کسی کو اپنا محب بنانا یا رکھنا نہیں چاہتا۔ ہر شخص سے آزادی کے ساتھ جو مناسب سمجھتا ہوں برتاؤ کرتا ہوں الحمد للہ یہ کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ ایسا برتاؤ نہ کرو کہ فلاں شخص ہمارا ساتھ چھوڑ دے اور یہ بات میں دعوے سے نہیں کہتا بلکہ یہ کہتے ہوئے ڈر بھی لگتا ہے کہ خدا جانے اس میں کتنی واقعیت ہے۔ اپنے نزدیک تو واقعیت کے خلاف نہیں کہہ رہا۔ اگر کمی بیشی ہو، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے جیسے مرنے کے وقت ہر شخص اکیلا ہی جائے گا، میں مرنے سے پہلے ہی اپنے آپ کو بالکل اکیلا سمجھتا ہوں کسی کو اپنا ساتھی نہیں سمجھتا۔ (اشرف السوانح)

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو بحمد اللہ اپنے بزرگوں کی برکت سے اس کی پرواہی نہیں کہ کوئی معتقد رہے گا یا غیر معتقد ہو جائے گا، جو جس کا جی چاہے کرے۔ اگر سارا عالم بھی ایک طرف ہو جائے مجھ کو بفضلِ خدا اس کی پروا نہیں۔ پروا کی تو صرف ایک ہی چیز ہے، وہ رضائے حق ہے اگر یہ حاصل ہے تو پھر سارا عالم اس کے سامنے گرد ہے مسلمان کے لیے صرف یہی ایک چیز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے میں لگا رہے۔ اگر وہ راضی ہیں تو اس نے سب کچھ پالیا اور حاصل کر لیا اور اگر یہ نہیں تو اگر تمام دنیا و مافیہا بھی اسی کو مل جائے تو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔

٭٭٭٭

احوالِ خصوصی

حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز نے ایک بار فرمایا کہ سالک کو اپنے حالات میں بیّن تغیر پیدا کرنا تو ضروری ہے لیکن رفتہ رفتہ اور اس طور پر کرنا چاہیئے کہ کسی کو پتہ نہ چلے، اور کوئی ایسی امتیازی صورت نہ اختیار کرے کہ لوگوں کی خواہ مخواہ نظریں اٹھنے لگیں اور خواہ مخواہ بزرگ سمجھنے لگیں اور یہ خود حضرتؒ کا مذاق زندگی تھا واقعی حضرتؒ کو پہچاننا بہت ہی مشکل تھا اور ہر شخص کا کام نہ تھا۔ بقول مجذوبؒ ؎

اہلِ ظاہر تجھے سمجھے نہیں اے سادہ جمال
کوئی اس حسن کو پوچھے ہم ادا دانوں سے
لا ادھر جام کہ نااہل ہیں منکر ساقی
درخور ہر کس و ناکس ترا پیمانہ نہیں

بلکہ جن لوگوں کو سمجھا جاتا ہے کہ انھوں نے پہچانا واللہ انھوں نے بھی کما حقہ نہیں پہچانا۔ آخر ایام زندگی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ہر کسے از ظنِّ خود شد یارِ من   وز درونِ من نہ جُست اسرارِ من

اکثر حضرت خواجہ صاحب مجذوبؒ کو مخاطب فرما کر فرماتے کہ خواجہ صاحب آپ نے مجھ کو پہچانا نہیں آپ نے میری کچھ قدر نہ کی۔ کیوں نہ ہو کاملین کا پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ تمکین تام حاصل ہونے پر ان کی حالت عوام کی سی ہو جاتی ہے حسب ارشاد حضرت اقدسؒ

ع خلوت و چلّہ بر و لازم نماند

انھیں حضور دائم کی ہر وقت کیفیت حاصل رہتی ہے اور جب بضرورت تبلیغ مخلوق کی جانب متوجہ ہونا پڑتا ہے تو اس وقت بھی ان کی نظر بواسطہ حق تعالےٰ ہی کی طرف رہتی ہے اور توجہ الی المخلوق توجہ الی الخالق سے مانع نہیں ہوتی جیسے آئینے میں محبوب کی شکل نظر آرہی ہو تو آئینہ کا شیشہ اور چوکھٹا بھی پیش نظر ہوتا ہے لیکن عاشق کی ٹکٹکی محبوب کے

عکس ہی پر بندھی رہتی ہے نیز کاملوں کی نظر زیادہ تر قلب کی نگہداشت کی طرف رہتی ہے کہ وہ غافل نہ ہونے پاوے۔ غرض کاملین کا پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے اور بالخصوص ایسے وارث الانبیاء بزرگ کا پہچاننا تو بہت ہی مشکل ہے جو سچا وارث ہو اس سردارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کی شان میں لوگ یہ کہتے تھے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ جو اس کا نمونہ ہو لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ جو اس کا مصداق ہو وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ جس کی یہ حالت ہو، دل بیار و دست بکار۔ جو با ہمہ بھی ہو اور بے ہمہ بھی ہو۔ جس کو ہر وقت باطنی مقام شہود حاصل ہو اور ظاہری اشغال مانع مشاہدہ نہ ہوں جس کا حال یہ ہو ؎

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

جس نے ہزاروں کو تو ذاکر و شاغل و عابد و زاہد بنا دیا لیکن خود قلندرانہ مشرب رکھتا ہے یعنی بظاہر نہ زیادہ ذکر کرتا نظر آتا ہو نہ زیادہ عبادت، بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی شغل ظاہری میں منہمک دکھائی دیتا ہو کبھی تصنیف ہو رہی ہے کبھی خطوط لکھے جا رہے ہیں کبھی کسی سے علمی گفتگو ہو رہی ہے کبھی ملفوظات ہو رہے ہیں کبھی مزاح ہو رہا ہے کبھی کسی سے دار و گیر ہو رہی ہے، کبھی کسی کو زجر و توبیخ ہو رہی ہے، کبھی امانتوں کی تھیلیاں سامنے رکھی ہوئی ہیں اور ان کا جائزہ لیا جا رہا ہے کبھی دواؤں کی شیشیاں سامنے رکھی ہوئی ہیں اور ان پر چٹیں لگائی جا رہی ہیں۔ کبھی سامنے رکھی ہوئی چیزیں الٹ پلٹ کی جا رہی ہیں اور ان کو مرتب کر کے رکھا جا رہا ہے اور حافظہ اس غضب کا ہے کہ ہاتھ ان کاموں میں مشغول ہیں بلکہ دماغ بھی وقت تصنیف مضامین دقیقہ کی طرف متوجہ ہے۔ اور زبان سے منزل کی تلاوت بھی ہو رہی ہے۔ ان سارے ظاہری اشغال کو تو سب دیکھ رہے ہیں اور باطن کی کسی کو خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے،

دل کو ہر وقت کس کی دھن لگی ہوئی ہے اور باطنی اعمال کیا کیا ہو رہے ہیں اور ان سے کیا کیا ترقیات ہو رہی ہیں۔ چنانچہ خود فرمایا کہ قلندر دل کے ظاہری اعمال تو زیادہ نہیں ہوتے لیکن باطنی اعمال میں وہ بہت زیادہ بڑھے ہوتے ہیں جن کا درجہ ظاہری اعمال سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ حوادث تو دن رات واقع ہوتے رہتے ہیں اور ان کا قلب ہر حادثہ کے وقت ایک خاص معاملہ حق تعالٰے کے ساتھ کرتا ہے جو ایک عمل باطنی ہے اور جس کی خبر دوسروں کو نہیں ہوتی۔ حالانکہ وہ برابر اعمال باطنہ میں مشغول ہیں اور ترقی کر رہے ہیں۔ بمصداق اس شعر کے جو صرف نقشبندیہ ہی پر نہیں بلکہ سب کاملین پر صادق آتا ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند
کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

اس موقع پر حضرت اقدس کے بعض اعمال باطنہ کا ذکر بہت مناسب ہے جن کو اگر حضرت خود اتفاقاً ذکر نہ فرما دیتے تو ہم جیسے بے بصروں کو کبھی ان کا پتہ بھی نہ چلتا۔

سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع عمل باطنی تو کیفیت فنا و عبدیت تھی جو ہر وقت حضرت پر نہایت شدت سے طاری رہتی تھی اور جس کے اثر سے متاثر ہو کر حضرت بارہا یہاں تک فرما دیا کرتے تھے کہ میں تو اپنے کو کتوں (اور ......) سے بھی بدتر سمجھتا ہوں اگر کسی کو یقین نہ ہو تو اس پر حلف اٹھا سکتا ہوں اھ۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے تواضع کا حقیقی تواضع اس کو کہتے ہیں اور واقعی جس پر حق تعالیٰ کی عظمت کا انکشاف ہو چکا ہو اس کی یہ کیفیت نہ ہو گی تو اور کیا ہو گی۔ چنانچہ ایک بار ایک صاحب نے اپنے خط میں کسی مضمون کے ضمن میں یہ مصرعہ لکھ دیا ؏

او بہ نازے عجبے من بہ نیازے عجبے

اس پر تحریر فرمایا کہ اس مصرعہ نے مجھے سر سے پاؤں تک ہلا دیا۔ کیا مجھے یہ پوری غزل مل سکتی ہے اھ۔ اسی واقعہ سے اندازہ کر لیا جائے کہ حضرت اقدس پر حق تعالیٰ کی عظمت اور اپنی عبدیت کا کس درجہ انکشاف تھا جب ہی تو اس مصرعہ نے " او بہ نازے عجبے من بہ نیازے عجبے " جو دونوں

کیفیتوں کا جامع ہے حضرت پر اس درجہ اثر کیا۔

ایک سلسلۂ کلام میں نہایت پُراثر اور بہت ہی پستی اور شکستگی کے لہجہ میں فرمایا کہ نہ علم کا اعتبار نہ عمل کا اعتبار نہ حال کا اعتبار نہ مقام کا اعتبار کسی شے کا اعتبار نہیں یہاں تک کہ جو سب سے ضروری چیز ہے یعنی ایمان اس کے بقاء کا بھی کیا اعتبار کیونکہ قضاء و قدر میں سب جکڑ بند ہیں کیا معلوم کس کے لئے کیا مقدر ہو چکا ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس سے بچنا بھی اختیاری ہے لیکن پھر اس میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنے اختیار سے اپنے آپ کو اس میں مبتلا کرتا ہے آخر وہ کون ہے جو اس کو کشاں کشاں لے جا رہا ہے اور دلائل سمعیہ اور عقلیہ سے یہ بھی واجب ہے کہ جبر کا بھی عقیدہ نہ رکھو اور واقع میں جبر ہے بھی نہیں۔ بہت ہی نازک بات ہے اور بہت ہی ڈرنے کا مقام ہے، اپنی کیسی ہی اچھی حالت ہو ہرگز ناز نہ کرے۔ اور دوسرے کی کیسی ہی بُری حالت ہو ہرگز اس پر طعن نہ کرے کیا خبر ہے کہ اپنی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے۔

فرمایا کہ بھلا کس چیز پر ناز کیا جائے، ہمارا علم و عمل حال و مقام سب خدا کے قبضہ میں ہے ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا و ما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ۔ اللہ تعالیٰ جس رحمت کو کشادہ کرنا چاہیں، کوئی اس کا روکنے والا نہیں اور جس رحمت کو روکنا چاہیں کوئی اس کا کشادہ کرنے والا نہیں۔ کوئی چیز انسان کے مستقل اختیار میں نہیں۔ (اشرف السوانح، ج ۲)

محاسبۂ نفس

حضرت والاؒ ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی اور دیکھ بھال رکھتے تھے اور بوجہ دائمی مجاہدۂ نفس دائمی ترقی فرماتے رہتے، اور یہ وہ ترقی تھی جو ہر وقت ہو رہی تھی اور جس کا کسی کو عام طور سے پتہ بھی نہیں چلتا اور یہی وہ اعمال باطنہ ہیں جن کے بارے میں حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ وہ سالک کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں اور دوسروں کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا ایسے

شخص کو قلندر کہتے ہیں۔ اس کو عبادات نافلہ کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا اپنے قلب کی نگہداشت کا اور اعمال قلبیہ کا۔ مثلاً جب کوئی واقعہ پیش آیا تو فوراً اس کے قلب نے اس واقعہ کے متعلق حق تعالیٰ کے ساتھ کوئی معاملہ صبر و شکر تفویض عبدیت وغیرہ کا کرلیا پس وہ ایک مستقل باطنی عمل ہو گیا اور اس درجہ کا ہوا کہ وہ اس کی بدولت کہیں کا کہیں پہنچ گیا اور چونکہ واقعات بکثرت پیش آتے ہی رہتے ہیں اور وہ ہر وقت اپنے قلب کی نگہداشت میں رہتا ہے اس لئے وہ ہر وقت باطنی ترقی کرتا رہتا ہے اور اس شخص سے بڑھ جاتا ہے جس کو عبادت نافلہ کا تو اہتمام بہت ہوتا ہے لیکن قلب کی نگہداشت کا اہتمام نہیں۔ بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ع

سیرِ عابد ہر شبے یک روزہ راہ
سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

(اشرف السوانح حصہ دوم ص ۲۲۷)

فرمایا ایک بات سن کر آپ کو تعجب ہوگا مگر چونکہ وہ خدائے تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس لئے ذکر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں خود اپنے اوپر بھی احتساب کرتا رہتا ہوں جیسے دوسروں پر کرتا ہوں بلکہ یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ اوروں سے زیادہ اپنا آپ احتساب کرتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے جو مصداق ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

ایک بار فرمایا کہ جب میں کسی کے ہدیہ کو رد کرتا ہوں تو گو وجہ کے ساتھ ہو لیکن بہت ڈرتا ہوں کیونکہ غور کرتے سے کسی قدر شک کبر کا ہوتا ہے جس سے نہایت خوف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔ استغنا اور کبر میں فرق نہایت دشوار ہے دونوں بہت متشابہ ہیں کبھی اس میں دھوکہ ہو جاتا ہے کہ جس کو ہم استغنا سمجھ رہے ہیں وہ دراصل ہوتا ہے کبر۔ خدا ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہمارا ہر قول فعل، حال قال سب ہی پُر از خطر ہے، کوئی حالت خطرہ

سے خالی نہیں مجھے تو اب وہ شعر اکثر یاد آیا کرتا ہے جو کبھی بچپن میں پڑھا تھا ؎

من نگویم کہ طاعتم بہ پذیر   قسلم عفو بر گناہم کش

بلکہ بروے حدیث (یعنی قول حضرت عمرؓ کہ ہمارے جو اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہوئے ہیں وہ تو مقبول ہو جاویں اور حضورؐ کے بعد جو ہوئے ہیں اگر ان پر مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے اجر کی ہم ہوس نہیں کرتے ۱۲) بر گناہم تو کیا حق تعالیٰ خود ہماری طاعات کو معاف فرماوے۔ اور طاعات تو خیر کیا قابل معافی ہوتیں مطلب یہ ہے کہ جو اُن میں کوتاہی ہے وہ معاف فرمائے کیونکہ جن کو ہم اپنی طاعات سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت طاعات ہی کب ہیں جس طرح کوئی بے ڈھنگے طور سے پنکھا جھل رہا ہو یا اور کوئی خدمت کر رہا ہو تو وہ تو اپنے جی میں بڑا خوش ہوگا کہ ہم خدمت کر رہے ہیں حالانکہ بعضوں کی خدمت سے سخت اذیت ہوتی ہے لیکن محض دل شکنی کی وجہ سے اُن کو منع نہیں کیا جاتا اسی طرح ہماری طاعات ہیں کبھی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے گھنٹہ بھر تک اللہ اللہ کیا ہے: کیا خبر قبول ہوا بھی کہ نہیں ؟ ایسی طاعات پر میں کہتا ہوں کہ ہم لوگوں پر اگر مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے درجات کی تو اہلِ درجات تمنا کریں، یہاں تو بس یہ التجا ہے کہ حق تعالیٰ سزا سے بچا دیں خواہ جنت میں صفِ نعال میں جگہ مل جائے (منقول از حسن العزیز ج ۱ ملفوظ نمبر ۹۸)

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کبھی درجوں کی ہوس نہیں ہوئی کہ مجھے جنت میں بڑا درجہ ملے میں اس بات پر بالکل خوش اور راضی ہوں کہ عذاب سے نجات ہو جاوے چاہے جنت میں جوتیوں ہی کی جگہ مل جائے۔ اگر سزا نہ ہو، تو بھی بہت ہے (الحفنوع ص ۱۹)

میں اپنی نسبت کہتا ہوں، کہ مجھے کبھی صحابی بننے کی تمنا نہیں ہوتی، اس لیے کہ ہم جیسے ہیں معلوم ہے۔ فطرت تو بدلتی نہیں۔ اگر اس وقت ہوتے تو جب بھی ایسے ہی ہوتے تو خدا جانے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حقوق ہم سے ادا ہوتے یا نہ ہوتے اگر نہ ہوتے تو مردود ہو جاتے اس سے تو اس وقت ہی غنیمت ہیں۔ کہ عیوب ہمارے مستور ہیں۔ بلکہ خدا کا شکر

کرنا چاہیئے کہ ہم لوگ اُس زمانہ میں نہیں ہوئے۔ یہ صحابہ رضؓ ہی کا کام تھا کہ حقوق نبوت انھوں نے اچھی طرح ادا کیئے (المفتوع ص ۲۰)

فرمایا تعجب ہے کہ لوگوں کو اپنے عیب ہی نظر نہیں آتے حالانکہ واللہ اگر آدمی کی حس صحیح ہو تو گناہ تو گناہ ہیں اس کو اپنی طاعات بھی معاصی نظر آئیں۔ پھر یہاں جوش کے ساتھ تین بار قسم کھا کر فرمایا کہ مجھ کو تو اپنی نماز، اپنے روزے اور اپنے ہر عمل بلکہ اپنے ایمان تک میں شبہ عدم خلوص کا رہتا ہے اور ہم لوگ تو کیا چیز ہیں صحابۂ کرام سے بڑھ کر کون مخلص ہوگا۔ حدیث میں وارد ہے کہ اصحاب بدر میں سے ستر حضرات ایسے تھے جن کو اپنے اوپر نفاق کا شبہ تھا کہ کہیں ہم منافق تو نہیں۔

حضرت والاؒ بار بار فرمایا کرتے کہ گو میں متقی اور پرہیزگار تو نہیں لیکن الحمد للہ اپنی اصلاح سے غافل بھی نہیں۔ ہمیشہ یہی ادھیڑ بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت میں فلاں تغیر کرنا چاہیئے فلاں نقص کی فلاں طریقہ سے اصلاح کرنی چاہیئے غرض مجھ کو اپنی کسی حالت پر قناعت نہیں۔

اسی طرح اس زمانے میں جب وعظ کثرت سے فرمایا کرتے تھے ایک بار فرمایا کہ جب میں اپنے اندر کوئی امر اصلاح طلب پاتا ہوں تو اس کے متعلق ایک وعظ کہہ دیتا ہوں جس سے بہت نفع ہوتا ہے چنانچہ وعظ الغضب اسی غرض سے کہا گیا تھا اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے امراض نفس کے لئے ایسے ایسے ہی چٹکلے دل میں ڈال دیتے ہیں جن سے بفضلہ تعالیٰ بسہولت اصلاح ہوجاتی ہے (اشرف السوانح ۲)

فرمایا کہ عام لوگوں میں سے تو اگر کسی کے اندر ننانوے ۹۹ عیب ہوں ایک بھلائی ہو تو میری نظر بھلائی کی طرف جاتی ہے اور ان ننانوے عیبوں پر نہیں جاتی۔ اور جس نے اپنے آپ کو تربیت کے واسطے میرے سپرد کیا ہو تو اس میں اگر ننانوے ۹۹ بھلائی ہوں اور ایک عیب ہو تو میری نظر اس عیب پر جاتی ہے ان ننانوے بھلائیوں پر نہیں جاتی۔

اپنے نفس کے محاسبہ سے بحمد اللہ کبھی غافل نہیں ہوتا جب کسی طالب یا سالک سے کچھ مواخذہ کرتا ہوں تو اپنے نفس پر بھی نظر رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے مُواخذہ سے پناہ مانگتا رہتا ہوں۔

حضرت نے اپنی نشست کی جگہ کے سامنے والی چھوٹی میز پر ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیا تھا۔ اکثر اس پر نظر فرماتے رہتے تھے۔

۵ کثرتِ ذکر، قلتِ تبیان
وقتِ ہیجانِ نفس، کفِ لسان

اکابرِ سلف کی کتب میں بھی حضرت والا کے معمولات کی تائیدات بکثرت ملتی ہیں جن کو دیکھ کر یا سن کر حضرت والا کو بہت اطمینان اور سرور ہوتا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ گو میں نے کتابیں دیکھ دیکھ کر اپنے معمولات مقرر نہیں کئے لیکن الحمد للہ بزرگوں کی برکت سے قلب میں وہی باتیں آتی ہیں جو سلف کا معمول تھیں لوگ تو سلف کی تائید سے افسردہ ہو جاتے ہیں کہ ہم موجد نہ رہے اور مجھ کو اس سے نہایت مسرت ہوتی ہے کہ الحمد للہ اب اپنی بات پر اطمینان ہو گیا۔
(اشرف السوانح ۲)

کئی بار فرمایا کہ گو میں اعمال میں تو بہت کوتاہ ہوں لیکن الحمد للہ اپنی اصلاح سے غافل نہیں ہمیشہ یہی ادھیڑ بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت کی یہ اصلاح کرنی چاہیئے فلاں حالت میں یہ تغیر کرنا چاہیئے غرضیکہ کسی حالت پر قناعت نہیں اور گو میں نجات کو اعمال پر منحصر نہیں سمجھتا ہوں لیکن بندہ کے ذمہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے اوامر کو بجا لائے اور نواہی سے اجتناب رکھے اس لئے مجھ کو اپنے اعمال کی کوتاہی پر سخت ندامت ہے اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔

فرماتے تھے کہ میں کبھی فرمائشی مضمون پر وعظ نہیں کہتا بلکہ جیسا موقع ہو یا دینی ضرورت ہو اس کی رعایت سے وعظ کہتا ہوں اور جب تک دل میں تقاضا نہ ہو وعظ نہیں کہتا بعض

وقت جب اپنے نفس کے مکائد پر نظر جاتی ہے تو ان کی اصلاح کے لئے بھی وعظ کہہ دیتا ہوں اس میں اپنی بھی اصلاح ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی نفع ہوتا ہے۔

ایک بار مدرسۂ امینیہ دہلی میں حضرتؒ والا کا وعظ ہوا۔ ہزاروں آدمیوں کا اجتماع تھا وعظ کے دوران حضرتؒ والا پر ایک خاص کیفیت طاری تھی اور بڑے والہانہ انداز میں تقریر فرما رہے تھے، درمیان میں رک کر فرمایا اس وقت میرے قلب پر ایک ایسا مضمون وارد ہوا ہے جو اس سے قبل مجھ کو کبھی معلوم نہ تھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ مضمون آپ لوگوں نے بھی کبھی نہ سنا ہوگا اور نہ پڑھا ہوگا۔ میں تحدث نعمت کے طور پر بیان کر رہا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت والاؒ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگئے۔ پھر فرمایا میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ ایک نادر مضمون تحدث نعمت کے طور پر بیان کر رہا ہوں۔ یہ انداز تحدث نعمت کا تو نہیں ہے۔ یہ تو اپنے علم اور وارد کا اظہار فوقیت ہے جو صریحاً دعویٰ باطلہ ہے۔ میں اپنے اس اظہار تحدث نعمت پر توبہ کرتا ہوں۔ (بحوالہ ارشاد گرامی حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ)

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا جلسہ عام میں اپنے کبر نفس سے متنبہ ہو کر بلا تکلف، بے ساختہ اظہار تاسف کرنا کمال خشیت الٰہی کی بے نظیر مثال ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

کیفیّات باطنی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر نظر کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فطرت سلیمہ میں کچھ ایسے ذوق اور جوہر ودیعت فرمائے تھے جن کا ہر دور زندگی میں حضرتؒ کے معاملات ومصروفیات کے انداز میں ظہور ہوتا رہا۔

حضرتؒ کے ایک ذوق فطری کا رجحان تصوف کی طرف بھی تھا، طالب علمی ہی کے زمانہ میں حضرتؒ کو تصوّف سے خاص دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ اکثر اس کے متعلق کتابیں مطالعہ کیا کرتے تھے۔

یہ بھی منجانب اللہ تعالیٰ حالات سازگار تھے کہ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں ایسے اساتذہ موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری وعلوم باطنی میں امتیازی درجہ فضیلت عطا فرمایا تھا، ان میں اکثر اساتذہ حضرت شاہ محمد امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کے حلقہ بگوشِ ارادت تھے۔

یہ اساتذہ جہاں اپنے طالب علموں کو درسیات کا سبق دیتے تھے وہاں اس کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کی تعلیم وتربیت بھی فرماتے جاتے تھے۔ حضرتؒ والا کو بھی اس سعادت کے حاصل ہونے سے بہت نفع ہوا اور ذوق تصوف کی نشوونما ترقی پذیر ہوتی رہی۔ اُسی زمانہ میں حضرتؒ والا کا بھی غائبانہ تعلق حضرت حاجی صاحبؒ سے ہوگیا تھا۔ پھر جب حضرت والا تحصیل علوم سے فارغ ہوکر جامع العلوم کانپور میں بسلسلہ ملازمت درس وتدریس میں مشغول تھے، اُس زمانہ میں بھی ذکر وشغل کا ذوق وشوق روز بروز بڑھتا ہی رہا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں مذکور ہے جو زیادہ تر حضرتؒ والا کے ارشادات پر مشتمل ہے، یہ مضامین زیادہ تر اشرف السوانح ہی سے منتخب کئے گئے ہیں

انقباض وانشراح

حسب سنتِ عالیہ الٰہیہ سالک کی ترقی باطن کا ایک اقرب طریق یہ بھی ہے کہ اس کو ایک حال پر نہ رکھا جائے۔ لہٰذا اکثر وبیشتر سالکین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ رہتا ہے، چنانچہ ذکر وشغل اور تزکیۂ نفس کا اہتمام کرنے والوں پر کبھی کبھی شدید قبض وبسط یا خوف ورجا یا ہیبت وانس یا عروج ونزول کی کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں یا یہ کہا جائے کہ نشیب وفراز طریق حسب خصوصیات واستعداد سالک مختلف منازل پر مختلف ازمنہ میں مختلف الوان سے کم وبیش عمر بھر پیش آتے رہتے ہیں۔ یہ بھی سلوک وطریقت کا ایک ضابطہ کلیہ ہے کہ ایک سالک طریق کو کسی ماہر نفسیات ومحقق مرشد کامل کی دستگیری کی سخت ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ان دشوار گذار اور صبر آزما منازل سے بخیر وعافیت گذر جائے۔

چنانچہ حضرتؒ والا نے بھی جب اس وادیٔ پر آشوب میں قدم رکھا تو ایسے ہی صبر آزما مقامات سے گذرنا پڑا بعنفوان شباب کا زمانہ تھا، ذکر و شغل میں شغف پیدا ہوگیا، فطری طور پر طبیعت میں حدت و جوش کا غلبہ تھا۔ دل میں التہاب و اضطراب نے شدت اختیار کرلی معمولات زندگی درہم برہم ہونے لگے، مگر حضرتؒ والا برابر اپنے مربی و شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کو اپنے حالات سے مطلع کرتے رہے اور ان کی دعائیں اور توجہات خصوصی حضرتؒ کے شامل حال رہیں۔ اس کے علاوہ حضرتؒ اپنے محسن و مربی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو برابر اپنے حالات لکھتے رہے اور اکثر و بیشتر اُن کی خدمت میں حاضر بھی ہوتے رہے اور ان کے مشوروں پر عمل کرتے رہے۔ بعونہ تعالیٰ جس کی برکت سے حضرتؒ اپنے مقام پر ثابت قدم رہے اور حضرتؒ کے استقلال اور صبر و تحمل پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہونے پایا۔

ذیل میں اس موضوع کی تفصیل کے لیے اشرف السوانح حصہ سوم سے اجمالاً چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ رہروان طریق و سالکان تصوف کے لیے نہایت مفید و سبق آموز اور بصیرت افروز ثابت ہوں گے۔

پہلا واقعہ

جس زمانہ میں حضرتؒ والا مدرسہ جامع العلوم کانپور میں درس و تدریس کے کام میں مشغول تھے، ایک بیک قلب مبارک میں ایک پر زور کشش غیبی نہایت شد و مد کے ساتھ محسوس ہوئی اور ذکر و شغل کا ذوق شوق جو ابتدا سے ارادت سے دلنشیں تھا جوش و خروش کے ساتھ موجزن ہونے لگا۔ یہ جوش و خروش ۱۳۰۷؁ھ میں پیدا ہوا۔

اِدھر تو آتش طلب دل میں مشتعل اور اُدھر حضرت پیر و مرشد کے درمیان دور و دراز کا فاصلہ، اسی ہیجانی کیفیت کے زمانہ میں حضرتؒ کی ماموں صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ حضرتؒ کے ماموں صاحب ایک مشہور اور بڑے صاحب حال و قال بلکہ مغلوب الحال درویش تھے حضرتؒ والا

ان کی صحبت میں رہے تو اور بھی زیادہ جوش و خروش نے ترقی کی اور حضرتؒ بے ساختہ اپنے ماموں صاحب پیر جی کی طرف مائل ہو گئے، اور ان کی تعلیم کے مطابق خاص اہتمام کے ساتھ ذکر و شغل شروع کر دیا۔ اس طرح حضرتؒ والا کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

بس ذکر و شغل کا اس طرح شروع فرمانا تھا کہ حضرتؒ والا کا رنگ ہی بدل گیا شغل باطن سے یہاں تک دلچسپی بڑھی کہ دوسرے تعلقات سے نفرت ہو گئی اور حضرت حاجی صاحبؒ سے بذریعہ عریضہ ترک ملازمت کا مشورہ لیا لیکن حضرت پیر و مرشد نے خلق اللہ کو فیض دینی پہنچانے کی خدمت کو ترجیح دی اور ترک تعلق کی اجازت مرحمت نہ فرمائی کیونکہ ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا، تمکین کا انتظار تھا۔ چنانچہ حضرتؒ نے سلسلہ درس و تدریس جاری رکھا اور ذکر و شغل میں بھی مشغول رہے۔

آخر کار ۱۳۱۰ھ میں اشتیاق وصول الی اللہ نے رفتہ رفتہ بڑھ کر اضطراب و التہاب کی صورت اختیار کر لی اور شدت و عجلت طلب نے حد درجہ بے چین کر دیا۔ اس کیفیت کو اصطلاح صوفیہ میں "شوق" سے تعبیر کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرتؒ والا نے ایسی حالت میں سکون و اطمینان خاطر حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھا کہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ غیب سے ایسے سامان مہیا ہو گئے کہ حضرتؒ اپنے شیخ کی منشا کے مطابق چھ ماہ کے قیام کے ارادہ سے مکۃ المکرمہ روانہ ہو گئے۔ مرکز پر پہنچنا تھا کہ سارا اضطراب و التہاب جو ایک عرصہ سے لاحق ہو رہا تھا مبدل بہ سکون و طمانیت ہو گیا اور اب وہ کیفیت رونما ہوئی جس کو اصطلاح صوفیہ میں "اُنس" کہتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ پہلے ہی سے منتظر تھے۔ حضرتؒ کے پہنچنے پر بہت ہی مسرور ہوئے۔ بس پھر کیا تھا خاص الخاص توجہات و عنایات بے غایات شروع فرما دیں۔

اُدھر حضرت حاجی صاحبؒ کی قوت افاضہ اِدھر حضرتؒ والا کی قابلیت استفاضہ بس تھوڑے ہی عرصہ میں باہم اس درجہ مناسبت ہو گئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ بیساختہ

فرمانے لگے کہ بس تم پورے پورے میرے طریق پر ہو۔

حضرت شیخ کی خدمت و معیت میں رہ کر حضرت والا ہمہ تن وہمہ وقت ذکر و اشغال میں مشغول ہو گئے۔ چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ نے بطور خود حضرت والا کو اپنے پاس رہنے کے لیے بلایا تھا، اس لیے ہر وقت اپنی توجہات خصوصی سے نظر فرماتے رہے اور حضرتؒ کی ترقی پذیر استعداد و صلاحیت کا اندازہ فرماتے رہے۔ مدت قیام کے اختتام پر جب حضرتؒ رخصت ہونے لگے تو حضرت شیخؒ نے نہایت محبت و شفقت کے انداز میں فرمایا کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے الہامی علوم باطنی و معارف و حقائق منکشف و عطا فرمائے ہیں وہ بعونہ تعالیٰ میں نے سب تمہارے قلب میں منتقل کر دیے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ خلق کثیر کو تمہاری ذات سے نفع پہنچے گا، میری دعائیں اور توجہات ہمیشہ تمہارے شامل حال رہیں گی۔

بعد واپسی از مکۃ المکرمہ حضرتؒ والا کانپور پہنچ کر پھر اپنے مشاغل درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، اس کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ تک خوب ذکر و شغل کا ذوق و شوق و احوال و مواجید کا عرفان اور ورود اور افاضۂ باطنی کا جوش و خروش رہا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کو اپنے حالات کی اطلاع کرتے رہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے ایک والا نامہ میں ارقام فرمایا، آپ کا خط موصول ہوا۔ کمال خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان عزیز کو مدام اپنی یاد اور ذوق و شوق و مواجید میں سرشار اور مخمور رکھیں۔

دوسرا واقعہ

حضرتؒ اپنے معمولات پورے کرتے رہے اور جب رفتہ رفتہ مقامات محصلہ میں رسوخ ہو گیا تو اس شوق نے دوسرا رنگ اختیار کیا یعنی مقامات متوقعہ کی طلب شدید پیدا ہو گئی اور دوبارہ پھر وہی کیفیت اضطرابیہ والتہابیہ رونما ہو گئی جیسی قبل قیام مکۃ المعظمہ ابتدائے حال میں طاری ہوئی تھی لیکن ان دونوں کیفیتوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا کیونکہ وہ کیفیت طلب

ابتدائی سے ناشی تھی اور یہ اب طلب مزید ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت والا کا رفع مراتب کرنا منظور تھا حضرت والا کی حالت باطنی نے پھر پلٹا کھایا اور پہلے سے بھی زیادہ تشنگی طلب نے زور دکھایا۔ چنانچہ بمصداق النہایۃ ھی الحوداالبد ابۃ پھر ویسے ہی حیرانی اور پریشانی پیدا ہوئی جیسی قبل قیام مکۃ المکرمہ لاحق ہوئی تھی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، مگر اس مرتبہ کی بے چینی بخلاف پچھلی مرتبہ کی بے چینی کے بڑے مزے کی بے چینی تھی کیونکہ یہ بے چینی غایت اُنس مع اللہ سے ناشی تھی، گویا شوق و اُنس دونوں سے مرکب تھی اور بجائے آثار اضطراب اثار اشتیاق نمایاں تھے جس کا یہ اثر ہوا کہ مدرسہ کا رنگ ہی بدل گیا۔ درسی کتابوں کا سبق ہو رہا ہے اور ادنیٰ مناسبت سے تصوف کے مضامین کی دھواں دار تقریریں ہو رہی ہیں اور طالب علموں پر کیفیت وجد طاری ہو رہی ہے۔ بہت سے مدرسین اور طلبہ نے ذکر وشغل شروع کر دیا اور حالات عجیبہ وکیفیات غریبہ کا وُرود ہونے لگا۔

حضرت والا نے شروع شروع کے جوش افاضہ میں حلقہ توجہ بھی منعقد کر دیا تھا غرض مدرسہ مبدل بہ خانقاہ ہوگیا، اُس زمانہ کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ خود حضرت والا فرماتے ہیں کہ بس یہ جی چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو ذاکر وشاغل اور ولی کامل بنا دوں۔

حضرت والا اپنے تمام حالات سے اپنے پیر ومرشد کو مطلع کرتے رہے، حضرت حاجی صاحب کو حالات اضطرابیہ اور کیفیات اضطراریہ معلوم ہو کر بڑی تشویش ہوئی۔ اور حضرت کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ جب تک فقیر زندہ ہے آپ پریشان نہ ہوں میں برابر آپ کے لیے دعا کر رہا ہوں، اور میری توجہات آپ کے شامل حال ہیں۔ حضرت شیخ کے اس تسکین نامہ سے حضرت کا سارا اضطراب باطنی ختم ہوگیا اور پھر سکون کے ساتھ اپنے کام میں مشغول ہوگئے لیکن ماسوا سے قطع تعلقات کے جذبات ہمیشہ دل میں موجزن رہے۔ آخر کار کچھ عرصہ کے بعد ان مشاغل کو مقاصد متوقع کے حصول میں مانع محسوس کرتے ہوئے مدرسہ جامع العلوم

کانپور سے سبکدوش ہونے کا ارادہ کر لیا، اور رفتہ رفتہ حالات پر قابو پا کر کانپور کے قیام کو ترک کر دیا اور اپنے وطن تھانہ بھون میں تشریف لے گئے اور مستقلاً وہاں قیام کا عزم کر لیا۔ پھر اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کی قدیم خانقاہ و مدرسہ میں توکلاً علی اللہ مقیم ہو گئے اور آپ نے آئندہ زندگی کے لیے ایک خاص نصب العین کے ساتھ مستقل لائحۂ عمل اور نظم الاوقات مقرر فرما لیا، اور برابر نہایت سکون اور انشراح و انبساط کے ساتھ اُنس مع اللہ کے درجات عالیہ طے فرماتے رہے لیکن عشق و محبت کے کوچہ میں عافیت دائمی کہاں، اس سے مرتے دم تک بھی چین نصیب نہیں کیونکہ اکثر احوال میں نزول بلا عادتاً لوازم سلوک ہے۔

تیسرا واقعہ

قیام وطن کے تقریباً ایک سال بعد (دوران سلوک میں بہ سلسلہ ترقیات باطنہ) ایک نہایت ہیبتناک اور سنگین اور صبر آزما واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے قلب پر دفعتاً ایک ایسی سخت کیفیت باطنیہ کا وُرود ہوا جس نے آن واحد میں اس سارے انشراح و سکون باطنی کو جو ایک عرصہ سے حاصل تھا یک قلم غارت کر دیا اور حضرت والاؒ ایک شدید ترین قسم کے اندوہ و غم میں مبتلا ہو گئے۔

واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کے ایک رشتہ دار کو جو چرتھاول کے زمیندار اور پنشنر سب انسپکٹر تھے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں دشمن کاشتکاروں نے شہید کر دیا۔ اس حادثۂ عظیمہ کی خبر پاتے ہی حضرت والاؒ وہاں پہنچے اور حضرت والاؒ ہی کے اہتمام اور نگرانی میں تجہیز و تکفین ہوئی۔ غسل میت بھی حضرت والاؒ ہی کے مواجہہ میں ہوا۔ دوران غسل میں مرحوم مظلوم کا زخم رسیدہ سر اور اُن کی نعش کا حسرت ناک منظر برابر حضرت والاؒ کے پیش نظر رہا اور حضرت والاؒ کے نازک اور پُرسوز و گداز قلب مبارک کو درزدیدہ طور پر سخت زخمی اور متاثر کرتا رہا لیکن بظاہر اس وقت حضرت والاؒ کو کوئی خاص اثر محسوس نہ ہوا اور نہایت سکون

کے ساتھ تجہیز و تکفین کے اہتمام میں مشغول رہے مگر جب دفن سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے آئے تو گھر کے اندر سے مستورات کے رونے کی آواز آئی، قلب تو زخمی ہو ہی چکا تھا ایس سنتے ہی اس پر ایک ایسی کاری چوٹ لگی کہ بے چین ہو گئے اور سخت اضمحلالِ قلبی عارض ہو گیا یہاں تک اختلاج کی سی کیفیت محسوس ہونے لگی۔

ابھی ایک تاثر سے قلب سبکدوش نہ ہونے پایا تھا کہ دو تین ہی دن بعد سسرال میں ایک اور غمی ہو گئی۔ اس واقعہ سے صدمہ زدہ قلب کو ایک اور صدمہ پہنچا اور چوٹ کھائے ہوئے دل پر ایک اور چوٹ لگی۔ گو اپنی حقیقت میں تو یہ دوسرا حادثہ پہلے حادثہ کے برابر نہ تھا لیکن وہ پچھلے تاثر کے بڑھانے میں معین ہو گیا اسی حال میں کہ قلب سخت ماؤف و متاثر ہو رہا تھا پچھلی رات کو تہجد کے لیے وضو کرتے ہوئے ایک بیک بلا اختیار ایک خطرۂ منکرہ کا وُرود ہوا جس کا حاصل چند الفاظ تھے جو دفعۃً متخیلہ میں واقع ہو گئے گو یہ کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ اس قسم کے خطرات سالکین کو پیش آتے ہی رہتے ہیں بلکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی خطرات سے خالی نہ تھے جیسا کہ حدیث ذالک صریح الایمان سے ثابت ہے اور خود حضرتؒ والا کو بھی اس سے قبل اور بعد بھی اس قسم کے خطرات آئے ہوں گے لیکن اس مرتبہ اس قدر شدید اور مدید اثر ہوا کہ حضرتؒ والا اپنی زندگی ہی سے بیزار ہو گئے

ذوقے چناں ندارد بے دوست زندگانی ؎
بے دوست زندگانی ذوقے چناں ندارد

یہاں تک کہ خودکشی تک کے وسوسے آنے لگے چنانچہ خود فرماتے تھے کہ ایک بار ایک صاحب ملنے آئے اُن کے پاس اس وقت بھری ہوئی بندوق موجود تھی۔ بار بار میرے جی میں آتا تھا کہ اُن سے کہہ دوں کہ خدا کے لیے فائر کر کے میرے ناپاک وجود سے اس دنیا کو پاک کر دو کیونکہ میں اس حالت کو بُعد اور اس بُعد کے وہم سے اپنے آپ کو فرعون اور ہامان سے بھی بدتر باوجود اپنے کو مومن اور اُن کو کافر سمجھنے کے سمجھتا تھا۔ اور چونکہ یہ ذوقیات ہیں اس لیے

تقریب فہم کے لیے بس اس سے زیادہ شرح نہیں کر سکتا، کہ یوں سمجھتا تھا کہ جس بلا میں وہ لوگ مبتلا تھے اُس سے تو اُن کو ایمان لا کر ایک منٹ میں چھٹکارا ہو سکتا تھا اور میں جس بلا میں مبتلا ہوں اُس سے سالہا سال میں بھی خلاصی ممکن نہیں۔ اھ

حضرتؒ نے اپنی اس ہیجانی و اضطرابی کیفیت کے دفع کرنے کے لیے یونانی علاج سے بھی رجوع کیا اور بطور خود بھی بعض تفریحات و دیگر مشاغل نافعہ کی طرف بھی متوجہ رہے۔ اس کے ساتھ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے برابر بذریعہ خطوط بھی اور حاضر ہو کر بھی عرض حال کرتے رہے۔ حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا گنگوھیؒ شروع سے اخیر تک برابر اسی ایک تجویز پر قائم رہے کہ خطرات منکرہ کی طرف التفات نہ کرو اور ہمیشہ اسی پر زور دیتے رہے جس سے مولانا کی اعلیٰ درجہ کی شان ارشاد معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دعا اور توجہ بھی خاص طور سے فرماتے رہے، حضرت والاؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ایک یہی ارشاد کہ "خطرات کی طرف التفات نہ کرو، مولانا کے امام فن ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اھ

اس کے علاوہ اپنے پیر و مرشد کو بھی اپنے حالات سے مطلع فرماتے رہے، جس حالت کا بیان کیا جا رہا ہے وہ بہت ہی شدید قسم کی حالت تھی جس کا اتنی مدت تک تحمل براعانت خداوندی و بہ توجہات بزرگان حضرت والا ہی جیسے عالی ظرف اور راسخ الایمان سے ہو سکا ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بدحواسی میں ضرور اپنے ایمان یا جان یا ایمان اور جان دونوں کا سخت نقصان کر بیٹھتا۔

بفضلہ تعالیٰ حضرت والاؒ سلوک کی اس دشوار گذار اور آخری گھاٹی سے بتوجہات و تدبیرات و دعوات بزرگاں پار ہو گئے اور حُسن اتفاق دیکھیے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ بشارت کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب گھاٹیوں سے پار ہو جاؤ گے حضرت حاجی صاحبؒ کی حیات ہی میں پوری ہو گئی کیونکہ حضرت والاؒ کی اس حالت کے فرد ہونے کے چند ماہ بعد ہی

حضرت حاجی صاحبؒ رحلت فرما گئے، گویا اپنے سامنے ہی حضرتؒ والا کو سب گھاٹیوں سے پار کرا گئے۔ اور حضرت حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر صادق آگیا ؎

آں پریشانیٔ شب ہائے دراز و غم دل
ہمہ در سایۂ گیسوئے نگار آخر شد

یہ ابتلائے شدید و مدید جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی حضرتؒ والا کے سلوک کی سخت ترین اور آخری گھاٹی تھی جس سے بعون اللہ تعالیٰ و بتوجہات بزرگاں حضرتؒ والا پار ہو کر بفضلہ تعالیٰ پھر جمعیت باطنی و انشراح قلبی سے مشرف ہو گئے اور پھر وہی سابقہ کیفیت بسط و اُنس اور ذوق و شوق کی عود کر آئی بمصداق اشعار ہٰذا ؎

باز آمد آب من در جوئے من　　باز آمد شاہِ من در کوئے من
باز سودائی شدم من اے طبیب　　باز دیوانہ شدم من اے حبیب

بلکہ اس شدید و مدید قبض کے بعد جو بسط و اُنس میسر ہوا وہ بفضلہ تعالیٰ بے نظیر ولازوال اور ترقی پذیر تھا اور جو انشراح و سکون حاصل ہوا وہ نہایت راسخ و متمکن اور روز افزوں تھا اور اس انجام بخیر کے لحاظ سے حضرتؒ والا کا یہ ابتلاء شدید بالکل حضرت عراقی رحؒ کے اس شعر کا مصداق نکلا ؎

خوشا دردے کہ درمانش تو باشی　　خوشا راہے کہ پایانش تو باشی

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرتؒ والا کو بحمد اللہ تعالیٰ اس قبض شدید و مدید کے بعد پھر اس درجہ کا قبض کبھی پیش نہیں آیا اور بفضلہ تعالیٰ حالت باطنی میں ایک مستحکم کیفیت تمکن و رسوخ کی پیدا ہو گئی لیکن حسب تحقیق بالا عارضی تغیرات سے بالکل خالی کیونکر رہ سکتے ہیں وہ عادۃً لوازم سلوک سے ہیں اور سالک کو صاحب مقام ہو جانے کے بعد بھی گاہ گاہ پیش آتے رہتے ہیں جن میں سے اکثر تو عام طور پر ظاہر بھی نہیں ہونے پاتے لیکن بعض ظاہر بھی ہو جاتے ہیں۔ (ماخوذ از اشرف السوانح جلد ۲)۔

⁂⁂⁂⁂⁂⁂

باب ۸

تصوّف و سلوک

وضاحت و تجدیدِ سلوک

ایک طالب علم نے ایک بڑے طویل اور مفصل خط میں اپنے تمام حالات باطنی اور شکوک و اوہام لکھے تھے، اس کا مفصل جواب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا جس میں تمام تصوف و سلوک کی حقیقت واضح فرمادی۔

بعد حمد و صلوٰۃ جواباً عرض ہے کہ مقصود اصلی طریق ہے رضا اور قرب حق ہے اور جتنے امور کو ان میں دخل ہے وہ بقدر دخل کے مامور بہ ہیں اور درجہ دخل کا بتلانا صرف درجہ شارع کا ہے۔ خواہ صراحتاً بتلائیں یا دلالۃً، جس کا ظہور قیاس صحیح سے ہوتا ہے، اور اسی جگہ سے کہا گیا ہے "القیاس مُظہر لا مُثبِت" اسی طرح مجتنب عنہ اور مذموم اصلی کا درجہ سخط و بعد عن الحق ہے اور جتنے امور کو اس میں دخل ہے وہ بقدر دخل کے منہی عنہ ہیں خواہ صراحۃً یا دلالۃً جیسا کہ اوپر مامور بہ میں مذکور ہوا، ایک مقدمہ تو قابل استحضار کے یہ ہے اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جتنے امور کو قُرب یا بُعد میں دخل ہے وہ سب امور اختیاریہ ہیں ان میں کوئی امر غیر اختیاری نہیں اور یہی معنی ہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے اور تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ امور اختیاریہ عام ہیں امور ظاہرہ قالبیہ و باطنیہ قلبیہ کو اور تتبع نصوص و رجوع الی الوجدان سے یقیناً ثابت ہے کہ امور ظاہرہ اعمال جوارح ہیں حسنہ یا قبیحہ اور امور باطنہ دو قسم کے ہیں عقائد صحیحہ یا باطلہ اور اخلاق محمودہ یا مذمومہ، پس جن امور کو قرب حق میں دخل ہوگا وہ یہ ہیں اعمال حسنہ اور عقائد صحیحہ اور اخلاق محمودہ اور یہی مامور بہا بھی ہوں گے اور جن امور کو بُعد عن الحق میں دخل ہوگا وہ یہ ہیں اعمال قبیحہ اور عقائد باطلہ اور اخلاق مذمومہ اور یہی منہی عنہا ہوں گے۔ چوتھا مقدمہ جو دوسرے مقدمہ سے لازم آیا اور بدلیل

مستقل بھی ثابت ہے کہ جو امور اختیار سے خارج ہیں ان کو نہ قرب میں دخل ہے نہ بُعد میں، اس لیے نہ وہ مامور بہ ہوں گے اور نہ منہی عنہ ہوں گے اور پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ امور غیر اختیاریہ اقسام کثیرہ ہیں لیکن جن پر بعض کو اشتباہ موجب قرب و بعد ہونے کا ہو جاتا ہے وہ صرف چند قسم کے ہیں۔ ایک احوال محمودہ اور کمالات وہبیہ باب قرب ہیں اسی طرح باب بُعد میں وساوس و خطرات یا اقسام قبض یا کسی معصیت کی طرف میلان ضعیف یا قوی درجہ کا تقاضا ہونا اور ان اقسام امور غیر اختیاریہ پر قُرب و بعد کے مرتب ہونے کی نفی کرنے سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ بھی قرب و بُعد پر مرتب نہیں ہوتے، یہ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے کسی کو کسی عمل یا محض فضل سے مقرب بنایا ہو پھر اس کو بعض کمالات وہبیہ کے ساتھ موصوف کر دیا ہو۔ اسی طرح ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے کسی کو عملِ مذموم سے (نہ کہ بلا عمل) مطرود بنایا ہو پھر اس کو بعض بلیّات غیر اختیاریہ میں مبتلا کر دیا ہو، مگر یہ بلیّات سبب بعد نہ ہوں گے گو مسبب عن البعد ہوں جن کا تدارک صرف اعمال مبعدہ کے تدارک سے ہو سکتا ہے۔

حضرتؒ کا مسلک

حق تعالےٰ ہمارے حضرتؒ کے مدارج بلند فرمائیں۔ حضرتؒ مقصود طریق کو اچھی طرح سمجھا کر بڑا ہی احسان فرما گئے ہیں۔ طالبانِ راہِ حق کے لئے بڑی تسکین کا سرمایہ چھوڑ گئے ہیں۔

اس مجدّدِ وقت نے مسلمانوں میں صحابۂ کرامؓ کا سا مذاق پیدا کرنا چاہا اور کسی نہ کسی درجہ میں پیدا بھی کر دیا۔ حصولِ انسانیت و شرافت کے لئے روح کی پاکیزگی اور باطن کی ترقی اور دنیاوی زندگی کے لئے شریعت و سنّت کے معیار کامل کی طرف نشان دہی فرما گئے۔

حضرتؒ کی تربیّت گاہ باطن میں نہ کیفیات و ذوقیات تھیں نہ وجد و حال اور نہ رسمی مراقبے تھے نہ مجاہدے۔ بس اہتمام تھا تو شریعت کے احکامات کی بجاآوری کا تھا دُھن تھی تو اپنے ہر اندازِ زندگی میں اپنے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر اندازِ زندگی کی اتباع کی تھی۔

فکر بھی تو نفس و شیطان کے مکائد سے بچنے کی تھی، اور تاکید تھی تو صرف یہ تھی کہ اپنے ظاہر کو بھی پاک و صاف رکھو اور اپنے باطن کو بھی طاہر و طیب، اگر ان باتوں کی توفیق نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ دونوں جہان کی دولت ہاتھ آگئی۔

تم سے لاکھ کوئی کہے کہ شریعت کے فضائل اور ہیں اور طریقت کے لذائذ اور تم مت دھوکا کھانا۔

۵ در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است ؛ ہش دار و گوش را بہ پیام سروش دار

حضرتؒ فرماتے تھے "ہم کو تو اللہ تعالےٰ نے اپنے تعلق اور اپنی بندگی کا یہ راز بتایا ہے کہ دیکھو اپنی روزمرہ کی زندگی میں یہ کرنا اور یہ نہ کرنا۔ یہ بات ہم کو پسند ہے اور یہ ناپسند۔ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام، یہ چیز پاک ہے اور یہ ناپاک، دیکھو اگر تم چاہتے ہو کہ ہم سے صحیح تعلق پیدا کرو ہماری معرفت حاصل کرو اور ہماری محبت سے سرشار ہو تو پھر ہمارے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کامل کرو۔ پھر تو ہم خود ہی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ بتاؤ اس سے زیادہ بڑی نعمت و دولت تم اور کیا چاہتے ہو۔"

یہ تھی ہمارے حضرتؒ کی تعلیم و تربیت، فرماتے تھے "دین متین ہی کے ظاہر و باطن کا نام شریعت و طریقت ہے جس طرح ظاہری اعمال کے لئے احکاماتِ الٰہیہ، فرائض و واجبات ہیں اسی طرح باطنی اعمال کے لئے بھی ہیں اور ہم دونوں کے ادا کرنے کے مکلف ہیں۔"

فرماتے تھے کہ اسی کے ساتھ ساتھ اور اسی طرح ضروری و لازمی حقوق العباد ہیں تم پر اپنے والدین کے اپنے بیوی بچوں کے، اپنے عزیز و اقارب کے، اپنے احباب اور کاروباری تعلق رکھنے والوں کے حقوق بھی کماحقہٗ ادا کرنا فرض و واجب ہے، ان میں ذرہ برابر بھی کوتاہی کرو گے تو تعلق مع اللہ کی تم کو ہوا تک نہ لگے گی۔ چاہے عمر بھر کیوں نہ مروجہ رسمی تصوف کے مجاہدے، نوافل اور وظائف میں سر مارو، خدا کی مخلوق کو ناراض کرتے ہوئے بھی خدا کو راضی کر لو گے؟ ع

این خیال است و محال است و جنوں

ایک مرتبہ حضرت والاؒ نے طریقِ باطن کے تمام مقامات کا تذکرہ فرمایا۔ تعلق مع اللہ اور

درویشی کی راہ میں چلنے والوں کے حالات کا تذکرہ کیا اور پھر فرمایا "سب کا خلاصہ یہ ہے کہ فرائض و واجبات ادا ہو جائیں۔ احکاماتِ الٰہیہ کی تعمیل ہو جائے حقوق العباد کی اہمیت واضح ہو جائے۔ بس۔ اگر درویشی کا حاصل یہ ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔" اور حضرت کا یہی مذاق تھا کہ تعمیل احکامات کے دوران اگر باطنی کیفیات پیدا ہو جائیں تو نورٌ علیٰ نور۔ اور اگر نہ ہوں تو کچھ پروا نہیں اور آخرت کا کوئی نقصان نہیں ؎

ہے یہی کیا کم کہ ہوں میں بھی حریم ناز میں
التفاتِ حسن سے بے خود سہی، غافل سہی

تم عجز و نیاز کا سلیقہ تو حاصل کرو۔ تم احکاماتِ الٰہیہ کی پابندی کر کے رضائے الٰہی حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش تو کر لو پھر سب کچھ ہی مل جائے گا۔ ؎

شاید یہی تسلیم محبت کا صلہ ہے   ہر دولتِ حسن دجہاں میرے لیے ہے

مگر تم عبادات و طاعات میں نفس کے غلط راستے سے آتے ہو اور نفس مقصود تک نہیں پہنچنے دیتا۔ طلب لذات میں اُلجھا دیتا ہے۔ شیطان راہ مار دیتا ہے۔ سالک کو کیفیات باطنیہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کیفیتوں اور لذتوں پر نظر جم گئی، مقصود سے نظر ہٹ چکی بس مطمئن ہے کہ طبیعت میں یہ کیفیت راسخ ہو جائے پھر تو جب چاہوں گا مار لوں گا، نہ دین کا چھوڑوں گا نہ دنیا کا ؎

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے چارے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

شیخ کا کام یہ ہے کہ شیطانی راہوں سے نکال کر دین کے سیدھے راستہ پر لگا دے۔ اس طریق میں جہاں جہاں ابلیسی و نفسانی وساوس و خطرات کا شائبہ تھا، ہمارے حضرتؒ نے سب صاف کر دیا۔ اب مخدوش راستہ مت اختیار کرو۔ سیدھے راستہ پر ہو لو۔ سمجھ لو ایک دفعہ آستانِ یار یہی ہے بس سیدھی سادی عبادت کئے جاؤ۔ حکم کی تعمیل ہوتی رہے۔ کیفیات و ذوقیات سب

فانی چیزیں ہیں، ان کی عطا ہے اگر مل جائیں ورنہ دنیا و آخرت کی فلاح ان پر منحصر نہیں ہے۔ نماز کا ایک بے کیف سجدہ بھی بڑی حقیقت رکھتا ہے۔ اللہ اللہ! نفس و شیطان نے مزاحمت کی، ماحول مزاحم ہوا، حالات نے مخالفت کی، مشاغل نے روکا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی نے آکر آستانِ یار پر سر رکھ ہی دیا۔ نماز میں مشغول ہو گیا۔ دل حاضر نہیں سکون نہیں، ذہن منتشر ہے۔ طبیعت مکدر ہے مگر سر ہے کہ آستانِ یار پر رکھا ہوا ہے۔ یہ شخص جو اس وقت سربسجود ہے ایک دفعہ سمجھ چکا ہے کہ آستانِ یار یہی ہے پھر لاکھ موانعات سامنے آئیں مگر یہ ثابت قدم ہی رہتا ہے ؎

جبہ سائی سے اگر کچھ نہیں حاصل نہ سہی
کس طرح چھوڑ دے سنگِ درِ جاناں کوئی

یہ کچھ معمولی بات ہے یہ بندہ اس آستانہ پر سربسجود ہے کہ اس عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کے علاوہ کسی کی مجال نہیں کہ وہاں باریاب ہو جائے۔ نہ ساجد ایسا نہ مسجود۔ ساجد و مسجود کا رشتہ برقرار رہنا چاہیئے نفس کے اور ماحول کے تقاضے کچھ بھی ہوں، حالات کچھ بھی گزر جائیں واقعات کیسے بھی آن پڑیں مگر عبد کا معبود سے رشتہ نہ ٹوٹنے پائے۔ حالات سب منقلب ہونے والے ہیں۔ کیفیات سب فانی ہیں، باقی رہنے والی جو کچھ چیز ہے وہ یہ عمل صالح ہے۔ بس یہ دیکھے جاؤ کہ توفیق سجدہ ہے یا نہیں یہ مت دیکھو کہ کیف ہے یا نہیں۔

یہ مسلک بظاہر خشک سا معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت اسی اتباع احکامات ہی سے ملے گا۔ جو کچھ ملے گا، صورت نماز کی بنالو۔ کیف ہو کہ نہ ہو۔ ضابطہ کا کام کرتے رہو پھر رابطہ بھی پیدا ہو جائے گا۔ یہ ضابطہ کا سجدہ رنگ لائے بغیر نہ رہے گا۔ طلب صادق ایک دن ذوقِ کامل پیدا کر دے گی۔ جب تم عبادتوں کو خالص اللہ تعالے کے لئے کرلو گے اور یقیناً جلد ہی کرلو گے کیونکہ لذت و کیف کے تم طالب ہو نہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے تمہارے لئے کائنات کی ایک ایک شے افزونیٔ ایمان کا سبب بن جائے گی

مسلک کی وضاحت

بعض خاص اہل امتیاز و وجاہت نے حضرت والاؒ سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت والاؒ نے پیشتر سب معاملات کو صاف صاف مگر نہایت لطافت ومتانت اور تہذیب وشائستگی کے ساتھ تحریر فرمایا۔

آپ نے اپنی محبت سے جو خدمت مجھ سے لینا چاہی ہے اگرچہ میں اس کا اہل نہیں مگر احباب کی خدمت سے انکار بھی نہیں لیکن چونکہ آپ سے دلی خلوص اور بے تکلفی ہے، اس لئے خیر خواہی سے حسب ذیل امور کو آپ کی نظر میں لانا چاہتا ہوں تاکہ بصیرت سے رائے قائم فرماسکیں کسی مغالطہ کا احتمال نہ رہے پھر جو رائے قائم فرمائی جاوے گی میں اس کا اتباع کرنے کو تیار رہوں۔

۱۔ میں ایک خشک طالب علم ہوں اس زمانہ میں جن چیزوں کو درویشی کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے جیسے محفل میلاد شریف، عرس، گیارہویں، نیاز، فاتحہ، قوالی ومثل ذلک میں ان سب سے محروم ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی اسی خشک طریقہ پر رکھنا پسند کرتا ہوں۔

۲۔ میں نہ صاحب کشف ہوں نہ صاحب کرامت نہ صاحب تصرف نہ عامل، بس اللہ ورسول کے احکام پر مطلع کرتا رہتا ہوں۔

۳۔ اپنے دوستوں سے کسی قسم کا تکلف نہیں کرتا نہ اپنی حالت چھپاتا ہوں نہ اپنی کوئی تعلیم نہ کوئی مشورہ امور دینیہ کا، پھر عمل کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا عمل کرتا ہوا دیکھ کر خوش اور عمل سے دور دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہوں۔

۴۔ میں کسی سے نہ کوئی فرمائش کرتا ہوں نہ کسی کی سفارش، اسی لئے بعض اہل الرائے مجھ کو خشک مزاج کہتے ہیں۔ میرا مذاق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی رعایت سے کوئی اذیت نہ دوں خواہ لفظی ہی اذیت ہو۔

۵۔ سب سے زیادہ اہتمام مجھ کو اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے اس امر کا ہے کہ کسی

کوکسی قسم کی اذیت نہ پہنچائی جاوے خواہ بدنی ہو جیسے مار پیٹ، خواہ مالی ہو جیسے کسی کا حق مار لینا یا ناحق کوئی چیز لے لینا، خواہ آبرو کے متعلق ہو جیسے کسی کی تحقیر، کسی کی غیبت خواہ اذیت نفسانی ہو جیسے کسی کو کسی تشویش میں ڈال دینا یا کوئی ناگوار ورنج دہ معاملہ کرنا اور اگر غلطی سے کوئی بات ایسی ہو جاوے تو معافی چاہنے سے عار نہ کرنا۔

۶۔ نمبر ۵ کا مجھ کو اس قدر اہتمام ہے کہ کسی کی وضع کو خلاف شرع دیکھ کر صرف شکایت ہوتی ہے مگر نمبر ۵ کی کوتاہی دیکھ کر بے حد صدمہ ہوتا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے۔ (اشرف السوانح ص ۱۰۹-۱۰۸ حصہ دوم)

یہ تھا ہمارے حضرتؒ کا مسلک جس کو ہم نے اپنی استعداد کے مطابق کچھ اجمالاً بیان کر دیا۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ط

حقیقت خانقاہی

ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے بزرگان طریقت جنھوں نے روحانی سلاسل کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کی مرضی کے مطابق نفس کی اصلاح ہو جائے اور صحیح معنوں میں انسان انسان بن جائے۔

طالبین سلوک نفس وشیطان کے کید اپنے شیخ سے بیان کرتے ہیں اور وہ علاج تجویز کرتے ہیں اور اس کے استعمال کے لئے تدبیریں بتاتے ہیں اختلاف استعداد وہمت کی بناء پر مشائخ سالک کو رذائل سے اجتناب اور حسنات کے اکتساب کے لئے ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کرتے ہیں کسی کے لئے مراقبے اور کسی کے لئے ذکر واذکار۔ کسی طالب پر خوف کو غالب کرتے کسی کو رحمت الٰہی کی طرف متوجہ کرتے۔ جیسی جس کے لئے ضرورت سمجھتے اس کو اس طریق پر لگا دیتے مقصود سب کا تزکیۂ باطن اور حصول رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ یہی حقیقت تھی خانقاہی اعمال اور خانقاہی اسرار کی، رفتہ رفتہ نااہل لوگ خانقاہوں پر قابض ہو گئے۔ اور خانقاہی جانشینوں میں وہ صلاحیت نہ رہی جس سے حق وباطل میں امتیاز ہو۔ واجب اور غیر واجب،

ضروری اور غیر ضروری کو سمجھیں، سنّت اور بدعت میں فرق جانیں، مختلف رسومات اختراع کر کے اہل خانقاہ خود فریبی، ریاکاری اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئے اور خانقاہیں صحیح تعلیم سے بیگانہ ہو گئیں۔ اتباع شریعت و سنّت کی اہمیت اور اس کا اہتمام نہ رہا۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قطب العالم شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ گو اصطلاحی عالم نہ تھے، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف زیادہ تر اہل علم ہی گرویدہ تھے۔ آخر کوئی چیز تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں ایسی تھی جس کو یہ حضرات ان سے حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ بات وہی ہے جو میں کہا کرتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تصوّف کے مجتہد و مجدّد تھے امام تھے، مدتوں سے طریق مردہ پڑا تھا حضرت کی برکت سے اس کی تجدید ہوئی۔ فی زمانہ خانقاہوں میں ہر جگہ تو بیٹھ گئے ریاکار اور منافق طریق۔ اب یہ تدابیر اصلاح نفس کی کون بتائے، اور کون اس کا طالب ہو۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ادراک روحانی نے یہ بات محسوس کی اور منجانب اللہ ان کے قلب و وجدان پر یہ القا ہوا کہ تمام سلاسل کی اصلاح کر کے ان کو ایک سلسلہ میں منسلک کر دیا جائے۔ کیونکہ مقصود سب کا انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہی تھا جس کا دوسرا عنوان تحصیل رضائے الٰہی ہے اور جس کا طریق یہی اعمال مامور بہا ہیں۔ رہے مجاہدے اور ریاضتیں، اذکار و اشغال وغیرہ۔ یہ نہ تو مقصود ہیں، اور نہ بذات خود طریق ہیں۔ ایک درجہ میں طریق پر آنے کی اور رسوخ حاصل کرنے کی تدبیریں ہیں، اور حصول مقصود کے لئے معاون و معین ہیں۔

اعلانِ حق

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا۔ اجی حضرت کس کا راز اور کس کا اخفاء۔ میں تو حق کو علی الاعلان پکار پکار کر ببانگ دہل ظاہر کرتا ہوں اور دین مبین و شرع متین کی صداقت کو واضح کرتا ہوں۔ میں تو دین کے اصول اور فروع سب کھلم کھلا ظاہر کر دیتا ہوں۔ اس زمانے میں اس کی ضرورت اور

اور سخت ضرورت ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں قسم کی گمراہیوں اور تلبیسوں میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں اور لاکھوں راہزن اس راہ پر لگے ہوئے ہیں اس لئے اظہار حقیقت کر کے ان کے مصنوعی منصوبوں کو خاک میں ملا دینے کی ضرورت ہے، انھوں نے گمراہ کیا ہے اللہ کی مخلوق کو۔ اللہ تعالےٰ ہدایت عطا فرماویں، آمین۔

اصلاحِ رسوم خانقاہی

تربیتِ باطن کے جو طریقے بزرگوں نے تزکیۂ نفس کے لئے تدبیر کے ذریعہ میں اختیار کئے تھے اور علاج کے لئے تجویز کئے تھے اہل خانقاہ انہیں کو مقصود سمجھ بیٹھے تھے۔ نفس کشی کا سلسلہ، توہم پرستی، شخصیت پرستی، قبر پرستی، چلّے کشی، مراقبات، ذوقیات، کیفیات، خواب، مبشرات اور مکاشفات وکرامات و تصرفات اور کچھ غیر مسنونہ اوراد و وظائف اور ذکر و اذکار یہی سب کچھ میراث تھی خانقاہیت کی جو صدیوں سے چلی آرہی تھی۔ حضرت والاؒ نے دین کے پردے میں مسلمانوں کی اس طرح صریحی گمراہی کے انجام سے متاثر ہو کر سب خانقاہی رسم و رواج کو ختم کیا اور فرمایا کہ تم نے غیر مقصود کو مقصود سمجھ لیا ہے جو چیز مرکب ہے مذہب اور غیر مذہب سے۔ اس کو تم نے فرض و واجب کا درجہ دے دیا، ان رسومات ہی کو تم نے منتہائے کمال سمجھ لیا۔ کشفیات اور تصرفات کو تصوف کا اصل ثمرہ سمجھ بیٹھے تم مراقبوں اور حلقوں ہی میں گھر کر رہ گئے۔ نفسانی کیفیات کو روحانی لذت اور وجد و حال کو ارفع حالت سمجھنے لگے، مبشرات، فتوحات اور کرامتوں کو فخر و مباہات کا ذریعہ بنا لیا تعطل کو تفویض سمجھ لیا، مقصود تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور تم جادۂ شریعت و حقیقت سے دور جا پڑے۔

شعر
رہ گئی پھنس کر حدودِ شوق میں
کچھ نہ نکلی ہمّتِ پروازِ دل

ہمارے حضرتؒ نے تمام خانقاہی رسومات کو حذف کر دیا اور چاروں سلسلوں کی تعلیمات کی تجدید کی اور فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ کیفیات باطنیہ اور مقامات روحانیت ہمارے یہاں نہیں

الحمد للہ سب کچھ ہے کشف و کرامات و تصرفات وغیرہ اپنے مقام پر سب برحق، لیکن پھر بھی ان میں مادیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل حق، اہل اللہ کو اس سے بہتر اور قوی چیز عطا فرمائی ہے وہ ہے روحانیت اور اس کے لطائف و مدارج ہیں مگر روحانیت کی ترقی منحصر ہے تعمیل احکام شرع پر کیفیات اور مکاشفات کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ساری طریقت اور تمام سلوک کا راز اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے اندر مضمر ہے۔

وہ کون لوگ ہیں جن پر انعامات ہوئے؟ انبیاء۔ صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں انہیں کا مسلک اختیار کرو انہیں کی تقلید کرنے سے سب کچھ ملے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلے ہیں تم بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لو۔ ان کے یہاں صرف وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے۔

میندار سعدی کہ راہِ صفا　　　　تواں یافت جز در پئے مصطفا
خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　　　کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

شریعت و طریقت میں صدیوں کے جتنے نشیب و فراز تھے حضرتؒ نے سب ہموار کئے اور پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر طالبان حق و سالکین طریق کو لاکر کھڑا کر دیا۔ تربیتِ باطن دربارِ رسالت سے زیادہ اور کہاں میسّر ہوگی۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

دل میں کس کی بزمِ عشرت کا سماں رکھتا ہوں میں
اپنی نظروں میں جمالِ دو جہاں رکھتا ہوں میں
کنجِ تنہائی کی مونس شامِ غربت کی رفیق
ایک تصویرِ خیالی حرزِ جاں رکھتا ہوں میں

(مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رح)

تجدید سلاسل

ہمارے حضرت نے جس طرح شریعت کی بدعات کو مٹایا۔ اسی طرح طریقت کی بدعات کو بھی ختم کیا اور چاروں سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ۔ قادریہ کی تجدید فرمائی اور صاف صاف وضاحت فرمادی کہ طریقت عین شریعت وسنت ہے، اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ زندقہ ہے

مپندار سعدی کہ راہِ صفا | تواں یافت جز در پئے مصطفٰے
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ چاروں سلسلوں میں بیعت فرماتے تھے اور یہی حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کا مسلک تھا۔ مگر نہ کسی سلسلے کی وہاں کوئی روایات تھیں نہ رسوم۔ نہ تعلیم و تربیت کے وہ کورانہ تقلید کے انداز تھے۔ روایتی حلقے۔ توجہ۔ مراقبے کچھ نہ تھے۔ چاروں سلسلوں کی تعلیم کے مطابق سالک میں جس کی بھی صلاحیت اور استعداد فطری ہوتی تھی اس کو اسی راہ پر لگا دیتے تھے۔ تمام سلسلوں کے بزرگوں کا یہی نصب العین تھا کہ سالکین اور طالبین حق کی اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کے لئے حسبِ ضرورت مجاہدے کرائے جائیں تاکہ ان کے قلوب کی صلاحیتیں درست ہو جائیں اور کیفیت تقوٰی پیدا ہو جو ذریعہ ہے حصول رضائے حق اور تعلق مع اللہ کا۔ اس کے لئے وہ جو تدابیر اختیار فرماتے تھے وہ حدود شرع وسنت کے مطابق ہوتی تھیں کیونکہ تزکیۂ نفس وہی ہے جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ مامور تھے۔ وَیُزَکِّیْ اَنْفُسَھُمْ اور تزکیۂ نفس کے بارے میں آپ کی نشان میں آیاتِ قرآنی شاہد ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامات ومنشائے الٰہی کے مطابق اپنے صحابۂ کرام کی تربیت باطن و تزکیۂ نفس کی تعلیم فرمائی، وہ تعلیم تمام تر احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مدون ومحفوظ ہے۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے

بعد ہو تا گیا، مسلمانوں کے اخلاق باطنیہ ماحول اور معاشرے سے متأثر ہوتے گئے اور ان میں بہت سی کوتاہیاں اور گمراہیاں پیدا ہوتی گئیں۔ پھر جو خانقاہیں مسلمانوں کی اصلاح اخلاق کے لئے قائم ہوتی تھیں وہی خود ضلالات و بدعات کا مرکز بن گئیں مگر ہر سلسلہ میں کچھ نہ کچھ اہل حق ضرور باقی رہے، البتہ ایک سلسلہ والے کو دوسرے سلسلہ والے سے کوئی ربط خاص نہ رہا۔ بلکہ ایک دوسرے کی تعلیم و تربیت سے بیگانہ ہی رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام میں طریقت کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوگئیں اور خانقاہی اسرار و رموز کی بدولت طریقت کو شریعت سے کچھ جداگانہ چیز سمجھنے لگے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالےٰ نے اس عہد حاضر کا مجدد طریقت بنایا تھا، اس لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کی حقیقت کو سمجھا اور سارا خانقاہی طلسم توڑ دیا اور طریقت کے تمام اسرار کو علی الاعلان ظاہر فرما دیا اور ساری طریقت کا احکام شریعت ہی کی اتباع میں منحصر ہونا واضح فرما دیا اور چاروں سلسلوں میں جو مغایرت پیدا ہوگئی تھی اور آپس میں رقابت اور غلط احساس فضیلت پیدا ہو گیا تھا اس کو رفع فرما دیا اور سب کا منبع و مرجع شریعت غرا ہی کے واحد مرکز پر قائم فرما کر حقیقت طریق کو مستند و معتبر بنا دیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ ہے:۔

فرمایا کہ نقشبندیہ، چشتیہ سب نام ہیں اور حقیقت سب کی ایک ہے یعنی اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ نیز بعض نقشبندیوں کا مزاج چشتیہ ہوتا ہے اور بعض چشتیوں کا مزاج نقشبندیہ ہوتا ہے۔ یہ تقسیم ایسی ہے جیسے وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۝

اسی طرح دوسرے سلسلوں کا بھی معاملہ ہے مگر ان قیود ہی کو لوگ مقصود بالذات سمجھنے لگے۔ جو شیخ چشتی ہو اسے سب مریدوں کو طریق چشت ہی سے تربیت نہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح جو شیخ نقشبندی ہو اُسے سب کو نقشبندیت کے ساتھ تربیت نہ کرنا چاہیئے بلکہ سب مشائخ کو لازم ہے

کہ طالب کی استعداد دیکھ کر جو طریقہ اس کے لئے مفید ہو وہ تجویز کریں۔ بس چشتی بھی دونوں طریقوں سے کام لیں اور نقشبندی بھی۔ اس طرح ہر ایک کے مریدوں میں کوئی چشتی ہونا چاہیئے کوئی نقشبندی۔ اس سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نقشبندی بننے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل ہو، تو جب ہی نقشبندی ہو۔ بلکہ چشتیت نام ہے تخلیہ کے زیادہ اہتمام کا، اور نقشبندیت نام ہے تحلیہ کے زیادہ اہتمام کا۔ پس جو تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ چشتی ہے گو کسی خاندان میں داخل ہو۔ اور جو تحلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ نقشبندی ہے گو سلسلۂ چشتی ہی میں داخل ہو۔ ایک سلسلہ میں داخل ہو کر دوسرے سلسلہ کے طریق پر چلنا کچھ ممنوع نہیں بلکہ اگر دوسرے سے مناسبت ہو تو شیخ کو ضروری ہے کہ اس طریق پہ چلائے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ دونوں ایک ہیں مقصود دونوں کا ایک ہے۔ صرف طریق تربیت میں فرق ہے۔ جو شخص ان کو باہم جدا سمجھے گا اور کسی ایک کی تنقیص کرے گا وہ دونوں دروازوں سے محروم رہے گا ان کو دو سمجھنا ایسا ہے جیسے بھینگا آدمی ایک چیز کو دو سمجھتا ہے۔"

اسی طرح سہروردیہ اور قادریہ سلسلوں کے متعلق بھی یہی فیصلہ کن بات ہے۔

٭٭٭٭٭

باب ۹
تربیت گاہ اشرفیہ

مجالس حکیم الامت رح (از مسعود احسن علوی مرحوم)

ایک بار حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کی مجلس مبارک کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ نے یہ شعر پڑھا ؎

ہو بھی سکے گا مجھ سے بیان بزم یار کا
اندازہ کر رہا ہوں دل بے قرار کا

پھر یہ شعر پڑھا ؎

پھرتے ہیں آنکھوں میں ابتک جلوہ ہائے بزم دوست
کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں

کیا زمانہ تھا اور کیسی مجلسیں تھیں اور کیسے اصحاب مجلس تھے اللہ اللہ۔

اللہ تعالےٰ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب قرب بلند فرمادیں کہ انھوں نے اپنے مخصوص انداز رشد و ہدایت سے اپنی مجالس میں سرور دو عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کی تصویر کھینچ کر ہمارے تصورات کو نورانی بنا دیا۔ بے ساختہ یہ شعر زبان پر آتا ہے۔ ؎

حبذا اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

اس دور حاضر میں واقعی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ایک سچے وارث نبی کی مجلس تھی ؎

شرف تجھ کو ملا بزم ولا کی باریابی کا
صحابی گو نہ تھا لیکن نمونہ تھا صحابی کا

آپ کو حضرتؒ کی مجلس کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق ہے اسلئے مجلس مبارک

کا ایک ذہنی خاکہ آپ کے تصوّرات کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ اس مجدد ملت حکیم الامت کا اپنی مجالس میں طالبینِ حق کی رشد و ہدایت کے لئے کیا انداز مجالست و مخاطبت تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا لباس بہت ہی سادہ رہتا تھا کہ سفید ٹوپی چکن کا سفید سادہ کُرتہ (گریبان کھلا ہُوا) شرعی پاجامہ زیبِ بدن ہوتے ایک دستی رومال ساتھ رکھتے تھے۔ خانقاہ کی سہ دری میں فرش پر تشریف فرما ہوتے۔ فرش پر ایک دری کی جا نماز گرمیوں میں اور سردیوں میں روئی کا معمولی گدا ہوتا تھا۔ نشست کے سامنے ایک ڈیسک نما میز بھی جس پر مختلف قسم کی ضرورت کی چیزیں اور کچھ کتابیں رکھی رہتی تھیں۔

اب میں اپنے تصوّرات کو تازہ کرکے آپ کے سامنے اس مجلس کا نقشہ پیش کر رہا ہوں۔ ظہر و عصر کے درمیان کا وقت ہے (اور مدت دراز تک روزانہ یہی وقت مجلس عام کا مقرر رہا) کچھ لوگ قصبے کے اور کچھ لوگ باہر سے آئے ہوئے شریک مجلس ہیں، عالم بھی ہیں اور عامی بھی۔ ذاکر و شاغل بھی ہیں اور کاروباری بھی۔ سب کے سب ہمہ تن گوش بنے ہوئے عقیدتمندانہ صورت سے سر جھکائے بیٹھے ہیں جو لوگ حاضر ہیں اور جو دُور ہیں۔ سب بیک وقت فیضیاب ہو رہے ہیں ؎

ساقی نے لطفِ خاص کے دریا بہا دیئے
نزدیک و دور عام ہے فیضانِ میکدہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جواب طلب خطوط کا ڈھیر ہے ایک ہاتھ میں خط ہے اور ایک ہاتھ میں قلم جواب تحریر فرماتے جا رہے ہیں، اور اہلِ مجلس کی طرف متوجہ ہو کر گفتگو بھی فرما رہے ہیں۔ کچھ خطوط سالکین کے ہیں جنہوں نے اپنے احوال و کیفیات باطنہ تحریر کئے ہیں ان کے جواب لکھے جا رہے ہیں کچھ خطوط فقہی مسائل کے متعلق ہیں جن خطوط میں کچھ اہمیت و خصوصیت ہے ان پر نشان لگا کر علیحدہ رکھا جا رہا ہے تاکہ ان کی نقل کرا کے (بلغیر نام) رسالہ النور میں شائع کیا جائے (یہ رسالہ خانقاہ تھانہ بھون سے ماہوار شائع ہوتا تھا)

اس طرح بیک وقت سالکین کے احوال اور ان کے جوابات پر مشتمل ایک ذخیرہ "تربیت السالک" کے نام سے جمع ہو رہا ہے، اور وہ خطوط جن میں خاص فقہی مسائل کے جوابات ہیں جمع کئے جا رہے ہیں جو امداد الفتاویٰ کے نام سے مرتب ہو رہے ہیں۔

منجملہ دیگر تصانیف کے یہ دو جلیل القدر کام اس مجدد عصر کی مجالس روزانہ کا کارنامہ ہیں جن کی افادیت و یادگار انشاء اللہ تعالےٰ صدیوں تک قائم رہے گی اور تربیت السالک تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی مجددانہ چیز ہے جس کی مثال سلف میں کہیں نہیں ملتی اب تک جو رموز باطنی اہلِ طریق کے سینہ بسینہ رہا کرتے تھے ان کو اس مجددِ طریق نے علوم سفینہ بنا دئے۔

غرضکہ یہ کام بھی ہو رہا ہے اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ گفتگو بھی فرما رہے ہیں اور یہ گفتگو بھی اہلِ دل حضرات قلمبند کرتے جا رہے ہیں۔ جو افادات یومیہ سے موسوم ہو کر جمع ہو رہے ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتے رہے اور جن میں صدیوں تک کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف محفوظ کر لئے گئے۔

اسی اثناء میں اگر کوئی اجنبی شخص مجلس میں آگیا اور اس نے اپنا تعارف یا اپنے آمد کا مقصد ادھوری یا بے ڈھنگی باتوں سے ظاہر کیا تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے لہجے میں تغیر پیدا ہو جاتا تھا اور جب تک وہ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرلے اور بات صاف نہ کرے اس سے برابر جرح فرماتے رہتے تھے، فرماتے تھے مجھے نا تمام اور گول مول باتوں سے سخت الجھن ہوتی ہے کیونکہ اس سے سامع کے دل میں ناگواری اور گرانی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس طرح معاملہ کرنے سے خود اس شخص کو اور اہلِ مجلس کو اپنی اس قسم کی کوتاہیوں پر ہمیشہ کے لئے تنبیہ ہو جاتی تھی۔ اس فہمائشی مکالمے کے بعد حضرت والا پھر احباب مجلس کی طرف اسی خندہ روئی اور تبسم آمیز انداز گفتگو کے ساتھ متوجہ ہو جاتے۔

اب دیکھئے اور سنئے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اپنے احبابِ مجلس کے ساتھ کس قسم کی باتیں فرمایا کرتے تھے۔

مجلس میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ مختصر مختصر مختلف اور گوناگوں مضامین بیان فرماتے تھے البتہ کبھی کسی خاص موضوع پر اتفاق سے تقریر ہو تو دیر تک اور خاص اثر انداز جذبے سے طویل تقریر بھی فرمایا کرتے تھے کبھی اگر کسی نے کوئی بات تحقیق طلب دریافت کی تو اس کی وضاحت فرما دیتے تھے۔ فقہی مسائل پر بہت کم گفتگو فرماتے تھے اگر کسی نے کوئی مسئلہ شرعی پوچھا تو فرماتے تھے کہ اس کے بتانے والے بہت ہیں جہاں چاہو پوچھ لو اور یہ شعر پڑھ دیا کرتے تھے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

مجھ سے تو بس اللہ اور اللہ کے رسول ؐ کی محبت کی باتیں سنو اور یہی محبت، دین کے تمام شعبوں کی روح رواں ہے ؎

ما انچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

اور اسی انداز محبت میں تصحیح عقائد و زاد راہ آخرت کی باتیں کر رہے ہیں۔ اتباع شریعت و اتباع سنت کے لئے اہتمام اور اس کے حدود متعین فرما رہے ہیں اصلاح باطن و تزکیۂ نفس کے طریق کو واضح کیا جا رہا ہے۔ حسنات و رذائل کی تشریح کی جا رہی ہے اعمال ظاہرہ باطن میں اختیاری و غیر اختیاری، مقصود و غیر مقصود کی حدیں قائم کی جا رہی ہیں۔ حکایات و روایات سے ان امور کو دل نشین کیا جا رہا ہے۔ آداب زندگی اور آداب انسانیت کی تعلیم کی جا رہی ہے۔ حقوق اللہ، حقوق العباد و حقوق النفس کے ادا کرنے کے طریقے بتائے جا رہے ہیں اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت دل میں اتاری جا رہی ہے۔ مجاہدہ اور حصول تقویٰ کا معیار قائم کیا جا رہا ہے۔ روزمرہ کی زندگی اور خانگی حالات اور ازدواجی تعلقات میں خوشگواری پیدا ہونے کی باتیں کی جا رہی ہیں، ملکی و سیاسی حالات

پر روشنی ڈالی جا رہی ہے مختصر یہ کہ حیات طیبہ حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کے لئے تمام معارف و حقائق سہل لفظوں میں بیان کئے جا رہے ہیں ۔ غرضیکہ بلا تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجالس رشد و ہدایت میں حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی مجالس مبارکہ کی جھلکیاں پیدا فرما دیں اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے نمونے ہمارے سامنے پیش فرما دیئے اللہ تعالےٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو زیادہ سے زیادہ ان کی مساعیِ دینیہ کا صلہ عطا فرمائیں ۔ اور اپنے مقامات قرب و رحمت میں بیہم ترقیِ درجات نصیب فرما دیں اور ہم تشنگان حق کو ان کی تعلیمات سے زیادہ سے زیادہ فیوض و برکات و توفیق عمل عطا فرمائیں ؎

یادِ آں روزے کہ در میخانہ منزل داشتم
جامِ مے در دست و ساقی در مقابل داشتم

نشانِ مجلس

حضرت رحمۃ اللہ علیہ من جانب اللہ تعالےٰ منصب رشد و ہدایت لے کر آئے تھے حقائق و معارف حضرتؒ کے مشاہدات میں سے تھے ، باطن کی تعلیم و تربیت کا طریقہ اور اصلاح کا انداز عجیب و غریب تھا ۔ ابنائے زمانہ کی نبضوں کو پہچانتے تھے ، جب واردات و کیفیات باطنہ کا اظہار فرماتے تو دوران گفتگو کبھی سالکین کو قبض و بسط کی لطافتوں سے بھر دیتے کبھی خالی کر دیتے ۔ رہروانِ طریق کو ناز اور یاس سے بچا بچا کر رکھتے ۔ اعتدال کی راہ پر چلاتے ۔ خالی کرنے میں بھی کمال حاصل تھا اور بھرنے میں بھی ۔ کوئی مجلس میں نازلے کر جاتا اور رفنا ہو کر آتا ، کوئی یاس لے کر جاتا اور بشارت سن کر آتا ۔ جب سالک کو رذائل سے خالی کرنے پر آتے تو ندامت اور شکستگی کا عالم طاری ہو جاتا ، اپنے عجز و نیاز کی حقیقت سامنے آ جاتی ۔ سالکین ندامت سے روتے اور اپنے کو ملامت کرتے ، جب حسنات اور محبت الٰہی سے بھرنے پر آتے تو رحمتوں کے اعلان سناتے بشارتیں دینے ۔ دل جوئی و دلنوازی فرماتے اور حاضرین اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا کھلا اثر محسوس

کرتے اور اس طرح سالکین کو ہلکا پھلکا رکھتے تشویشات سے بچاتے اور اصل کام میں سرگرم رکھتے۔ زبان میں اللہ تعالےٰ نے وہ تاثیر دی تھی کہ مجلس پر نظر ڈال کر کوئی مضمون ارشاد فرماتے تو ہر شخص یہی کہتا کہ میرے دل کی بات کہہ دی میرا عقدہ کھل گیا۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ لوگوں کے قلوب کی حالت حضرتؒ پر منکشف فرما رہے ہیں۔ حضرتؒ وہی فرماتے جس کی اہل مجلس کو ضرورت ہوتی۔

حاضرین کے قلبی تاثرات کا احساس فرماتے ہوئے لب ولہجہ ایسا اختیار فرماتے کہ لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

تاثراتِ مجلس

حضرتؒ کی مجلس کے تاثرات بڑے قوی اور دیرپا ہوتے تھے۔ خود فرماتے کہ یہاں سے کوئی خالی نہیں جاتا کم ازکم کان سب کے کھول دیئے جاتے ہیں" آج بھی ہمارے دل ودماغ میں وہ آفتاب جگمگا رہا ہے۔ حضرتؒ کا لب ولہجہ اب تک کانوں میں گونج رہا ہے تخیل اور تصور میں آج بھی اس مجلس کے تاثرات کارفرما ہیں

کارفرما ہے ابھی تک جذبۂ پیرِ مغاں
مستیٔ رنداں وہی ہے گرمیٔ محفل وہی

اس آخر عمر میں حضرتؒ کا فیض روحانی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے عالمِ برزخ سے فیض کی لہریں آتی ہوں۔ اسی جذبے سے متاثر ہو کر کبھی کہہ دیتا ہوں کہ بھائی جتنی باتیں مجھ سے سنتا ہوں سن لو، یہاں بیٹھ جاؤ میرے پاس، اور میری بات سنو اور میری بات یہ ہے کہ حضرتؒ یوں فرماتے تھے کہ:۔

"بزرگ بننا ہو، قطب بننا ہو، غوث بننا ہو کہیں اور جاؤ اور انسان بننا ہو تو یہاں آؤ!"

اور فرماتے تھے کہ پہلے آدمی بنو، کیا بزرگی اور ولایت ڈھونڈتے پھرتے ہو، آدمیت سیکھو، بزرگی بچاری تو ایک دن میں ساتھ ہو لینی ہے مشکل چیز تو شرافت اور شعور انسانیت ہے۔

غور تو فرمائیے کہ حضرتؒ اپنی مجلس میں بار بار کیا اعلان فرماتے رہے۔ کس چیز پر زور دیتے رہے اور کن باتوں پر تنبیہ اور مؤاخذہ فرماتے رہے۔ کیفیات، مکاشفات، ذوقیات کرامات اور تصرفات کو تو چھوڑ دیئے۔ ایک درجہ میں حضرتؒ ان کو تو اہمیت دینے کے مخالف ہی رہے مگر میں پوچھتا ہوں جو لوگ واقف ہیں وہ بتائیں کہ معمولات یومیہ مثلاً تہجد، نوافل، ذکر و اذکار اور اوراد و وظائف کے چھوٹ جانے پر کسی سالک پر کیا حضرتؒ کبھی چیں بہ جبیں ہوئے؟

کیا ان کے کسی عذر شرعی پر معمولات چھوٹ جانے سے کبھی تنبیہ اور مؤاخذہ فرمایا؟

لیکن اگر کوئی بے اصولی بات کرتا یا بے فکری کا ثبوت دیتا، حقوق واجبہ کا تارک ہوتا، معاملات میں بدانتظامی برتتا یا سلیقہ اور ڈھنگ سے کام نہ کرتا یا کسی کی ناگوازی کا باعث ہوتا تو حضرتؒ فوراً تیور بدل لیتے۔ سخت اور تیز لہجہ بنا لیتے اور فوراً اصلاح فرماتے تمام اہل مجلس کو عموماً اور سالکین کو خصوصاً اس طرف توجہ دلاتے۔ کہ یہ تمام چیزیں دوسروں کی اذیت کا سبب بنتی ہیں اور اذیت نہ پہنچانا واجب ہے اور تم سب اس کے مکلف ہو، میں تو کہتا ہوں کہ اپنی ذات سے کسی کو ادنیٰ اذیت بھی نہ ہو یہی کل تصوف ہے ؎

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا

کہ جو تم سے کوئی کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

تمام بزرگی، قطبیت، غوثیت اور کشف و کرامات کو نظر انداز کر کے اور تمام غیر ضروری چیزوں کو حذف کر کے حضرتؒ طالبین و مریدین کی صرف دو صفات پر نظر رکھتے، فرماتے تھے کہ میرے یہاں تو طالبین کے اندر دو باتیں دیکھی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ اس کے اندر انسانیت ہو یعنی اپنے قول و فعل میں اس چیز کا خیال رکھے کہ اس سے کسی کو ایذا نہ پہنچے دوسرے میں اس کی کوشش

کرتا ہوں کہ سب سے اوّل طالب پر مقصود اور اس کے طریق کی حقیقت منکشف ہو جائے تاکہ عمل بصیرت سے ہو سکے ۔

تو پہلے یہ معاملہ درست کر لو پھر مختلف کاروبار میں رہتے ہوئے بھی ہر مسلمان درویش ہے، جیسے صحابہؓ درویش تھے، پھر ہر مسلمان ولی ہے جیسے صحابہؓ ولی تھے، ہر مسلمان عاشق ہے جیسے صحابہؓ عاشق تھے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

حضرتؒ والا طالبین کو ثمرات و کیفیات سے بتاکید شدید بالکل یکسو رکھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ثمرات کی روح اجر و قرب ہے بس اس ثمرہ پر نظر رکھنا چاہیئے اور کسی ثمرہ کا منتظر نہ رہنا چاہیئے بلکہ جتنے زوائد طریق ہیں اُن سب کے متعلق معاملہ ہی ایسا فرماتے کہ طالب کو مجبوراً اُن سے ہٹ کر ضروریات و مقاصد طریق ہی میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نے کوئی خواب بغرض تعبیر پیش کیا تو بجائے تعبیر بتانے کے اکثر یہ فرما دیتے کہ مجھے تعبیر خواب سے مناسبت ہی نہیں، مجھ سے تو بیداری کی باتیں پوچھی جائیں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

خوابوں میں کیا رکھا ہے بیداری کی حالت کا اعتبار ہے جو اختیاری ہے اگر کوئی اپنی بیداری کی حالت کو درست نہ کرے تو خواب میں اپنے آپ کو عرش و کرسی کی بھی سیر کرتے ہوئے دیکھے تب بھی اس کو ذرہ برابر قرب نصیب نہیں ہوتا اور اگر کسی بیداری کی حالت بدرجہ مطلوبہ درست ہے تو چاہے خواب میں اپنے آپ کو دوزخ ہی میں دیکھے پھر بھی وہ مقرب ہے لیکن اس سے خواب کی نفی مقصود نہیں بلکہ عوام نے جو خوابوں کو مبشرات کے درجہ سے بھی آگے بڑھا دیا ہے اس سے متنزل کرنا ہے ۔ اھ

اور مثلاً اگر کسی نے یہ شکایت کی کہ پہلے رونا بہت آیا کرتا تھا، اب نہیں آتا تو فرما دیتے کہ آنکھ کا رونا مطلوب نہیں دل کا رونا مطلوب ہے وہ حاصل ہے یعنی نہ رونے پر افسوس ۔ اھ

****

باب ۱ انداز تعلیم و تربیت

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

ہمارے حضرتؒ اپنے وقت کے امام تصوف و مجتہد طریقت تھے، طالبین و سالکین طریق کے لیے ایسے ایسے ضوابط اور دستور العمل مقرر فرمائے کہ ہر درجہ اور استعداد کا طالب حق ان کے مطابق صحیح طریقہ پر عمل کرنے سے بغیر کسی کاوش و تردد اور بغیر کسی مشقت شدیدہ کے مقصود طریق سے واقف ہو کر بہت جلد کامیاب ہو جائے۔

حضرتؒ فرماتے تھے میرے ذمہ تہذیب الاخلاق ہے تہذیب اعمال نہیں ہے۔ جب اخلاق درست ہو جاتے ہیں تو اعمال خود بخود درست ہو جاتے ہیں اس لئے طالب و سالک کو پہلے ہی سے اس بات کی فہم پیدا کر دیتے تھے۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ طالب کے اندر اصلاح اعمال کا اہتمام پیدا کر دینے کے قبل اس کو اذکار و اشغال میں مشغول کر دینا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے کیونکہ پھر وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے۔ خاص کر اگر کہیں اتفاقاً اذکار و اشغال سے یکسوئی ہو کر اس پر کیفیات کا بھی ورود ہونے لگا تب تو گویا اس کے نزدیک بزرگی کی رجسٹری ہو گئی۔ حالانکہ اس قسم کی کیفیات کا بزرگی سے کیا تعلق ایسی کیفیات تو بعض ریاضات اور مشق سے فساق و فجار بلکہ کفار تک کو حاصل ہو جاتی ہیں اور جب وہ ان کیفیات ہی کو بزرگی سمجھ لیتا ہے تو پھر اس کو اصلاح نفس اور اصلاح اعمال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی، نہ کبھی ادھر توجہ ہوتی ہے اس لیے ہمیشہ جہل ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اصل مقصود یعنی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے جس کا طریق تحصیل نصوص نے صرف اصلاح اعمال ہی کو بتلایا ہے (اشرف السوانح ص ۱۹۵)

حضرتؒ والا اپنی اس تربیت کے متعلق یہ فرمایا کرتے تھے کہ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سلف کے یہاں تو سلوک کی اصل ترتیب یہ رہی ہے کہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ کی تکمیل کے بعد اذکار و اشغال شروع کراتے تھے لیکن اکابر متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ اس زمانے میں عمریں اور ہمتیں دونوں قاصر ہیں تو انھوں نے اس ترتیب کو قائم نہیں رکھا بلکہ اصلاح اعمال کے ساتھ ساتھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرنے لگے اور دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے لگے اور میں نے اپنے زمانے کے طالبین کی مصالح پر نظر کر کے اکابر سلف کے طریق اور اکابر متاخرین کے طریق کے بین بین طریق اختیار کیا ہے یعنی کچھ دن تک تو میں محض اصلاح اعمال ہی میں مشغول رکھتا ہوں اور جب یہ دیکھ لیتا ہوں کہ اصلاح اعمال کی اہمیت اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو گئی ہے اور اس کے اندر اس کا خاص اہتمام پیدا ہو گیا ہے اس وقت اذکار و اشغال بھی تبلا دیتا ہوں اور پھر دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلاتا رہتا ہوں غرض میں نے اکابر متاخرین کے طریق میں اپنے زمانے کے طالبین کی طبائع کا رنگ دیکھ کر بضرورت صرف اتنی ترمیم کر لی ہے کہ وہ حضرات تو دونوں چیزوں کو شروع ہی سے ساتھ ساتھ چلاتے تھے اور میں کچھ دن بعد ساتھ ساتھ چلاتا ہوں (اشرف السوانح ص ۱۹۱، ۱۹۲، حصہ دوم)

سلوک کی صراط مستقیم

حضرتؒ والا کا انداز تعلیم و تربیت یہ تھا کہ نہ تو ریاضات کراتے نہ مجاہدات، نہ ترک تعلقات نہ ترک لذات و مباحات بلکہ بہ تاکید فرماتے کہ خوب راحت و آرام سے رہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور طبیعت میں نشاط رہے جو معین عبادت ہو البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو اور ہمت سے کام لو اور بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو، بس انشاء اللہ تعالیٰ مقصود کا حصول یقینی ہے۔ نہ کم کھانے کی ضرورت نہ کم سونے کی، یہ دونوں مجاہدے آج کل متروک ہیں کیونکہ طبائع میں آج کل ضعف غالب ہے البتہ کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے مگر نہ اتنا کہ جس سے قلب میں انقباض پیدا

ہوجائے، یہی شاہی سلوک ہے (اشرف السوانح)

حضرتؒ اپنے متعلقین مریدوں اور عقیدت مندوں سے ہمیشہ بہت ہی بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ ملتے جلتے تھے مجلس میں اکثر دلچسپ مزاحیہ باتیں بھی کیا کرتے تھے۔

حضرتؒ بیعت فرمانے میں عجلت نہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اس طریق میں یک طرفہ عقیدت کافی نہیں بلکہ باہمی مناسبت کی ضرورت ہے اور وہ کثرت مجالست اور مکاتبت سے پیدا ہوتی ہے۔ فرماتے تھے کہ رسمی بیعت ہاتھ میں ہاتھ لینے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ اصل چیز مصلح سے صحیح تعلق ہے اور اس کے ساتھ مخلصانہ جذبۂ اتباع ہے۔

طالبِ طریق سے حضرت پہلے ہی دریافت فرماتے تھے کہ اس کے ذہن میں بیعت کی کیا اہمیت ہے اور اس کی نظر میں اس کی کیا غایت ہے۔ اس معاملہ میں جب تک وہ اپنی فہم درست نہ کرلے تعلق قائم کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

طالب طریق کو اجازت تعلق کے بعد مسائل باطنیہ کے متعلق زبانی گفتگو کی اجازت نہ تھی۔ بلکہ فرماتے تھے جو کچھ بھی دریافت کرنا ہو اور جس حال سے بھی مطلع کرنا ہو تحریر کے ذریعہ سے کیا جائے۔

تعلق بیعت کے بعد سب سے پہلے رسالہ قصد السبیل کا بغور تین مرتبہ مطالعہ کرنے کی ہدایت فرماتے تھے اور اپنے مواعظ اور بہشتی زیور میں ضروری مسائل کے مطالعہ کی تاکید فرماتے تھے۔

طالب سے فرماتے تھے کہ اپنی تمام روزمرّہ کی زندگی کا جائزہ لیتا رہے اور محرکاتِ نفس پر نظر رکھے اور اس کا اندازہ کرے کہ تعلق مع الخلق میں اس کے حسنات اور رذائل کس طرح کام کرتے ہیں، دین کے متعلق کس طرح شکوک اور اوہام پیدا ہوتے ہیں اور اس کو اتباع شریعت و سنت میں کس طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

فرماتے تھے کہ مسلمان کی روزمرّہ کی زندگی میں تمام شریعت، تمام سنت اور تمام طریقت سے معاملہ رہتا ہے جس کا حاصل مختصراً یہ ہے کہ :-

حقوق حدود اور حفظ حدود ، حقوق تمامتر احکامات شرعیہ
حدود تمامتر اتباع سنت ، حفظ حدود تمامتر طریقت

بس انھی تینوں باتوں کا حق ادا کرنا مسلمان کے لئے مقام عبدیت پر فائز ہونا ہے۔

فرماتے تھے کہ طریق میں شیخ یا مصلح کے ذمہ طالب کے باطن کی اصلاح یعنی تزکیۂ نفس ہے جس کے لئے وہ تدابیر تجویز کرتا ہے اور طالب کے ذمہ اپنے حالات کی اطلاع کرنا۔ اور مصلح کی تجاویز پر بے چون و چرا عمل کرنا ہے۔

فرماتے تھے کہ جن لوگوں کا مجھ سے اصلاح کا تعلق ہے ان کی معمولی معمولی کوتاہی پر بھی میری نظر رہتی ہے۔ ان کی کسی حالت سے بھی کسی معیوب یا منکرات کا صادر ہونا مجھ کو سخت ناگوار ہوتا ہے اور اس معاملہ میں سخت دار و گیر کرتا ہوں۔ خواہ کتنا ہی قوی تعلق محبت کا ہو ہرگز مروت یا مسامحت سے کام نہیں لیتا لیکن جن لوگوں سے ایسا تعلق نہیں، بحمد اللہ میری نظر ان کے کسی عیب پر نہیں پڑتی بلکہ تعلق نباہنے کے لئے ان کی خوبیاں ہی میرے سامنے رہتی ہیں۔

حضرت اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں سے بہت ہی بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ ملتے جلتے اور خوش مزاجی اور خندہ پیشانی سے مخاطبت اور نشست و برخاست رکھتے مگر حد ادب سے متجاوز ہونے کی کسی میں جرأت نہ ہوتی تھی۔

حضرتؒ کے ضابطۂ تعلیم و تربیت میں چند خاص بنیادی اصول تھے جن کی فہم پیدا ہو جانے سے طریق میں کوئی کھٹک ، پیچیدگی یا ابہام باقی نہ رہتا تھا مثلاً مطالبات دین کو مفاد دنیا پر غالب رکھنا۔ عقل کو شریعت کا متبع رکھنا۔ اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہونا۔ سالک کا تجویز ترک کرنا اور تفویض کو اختیار کرنا۔ مقصود شرعی کو پیش نظر رکھنا اور غیر مقصود کی طرف التفات نہ کرنا۔ کیفیات باطنیہ کو محمود سمجھنا اور مقصود نہ سمجھنا۔ طبعی امور سے مغلوب نہ ہونا بلکہ عقل کے فتویٰ پر عمل کرنا اور ہمیشہ عقل کو شریعت کا تابع رکھنا۔

بعض تعلیمی ضابطے

بیعت کرنے کے بعد اور قبل تلقین اذکار طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت فرما لیتے اور ان میں مناسب کمی بیشی فرما کر اوراد تجویز فرما دیتے اور اس کی وجہ یہی بیان فرماتے کہ پرانے معمولات سے چونکہ دلچسپی و اُنس ہو جاتا ہے اس لیے ان کو چھوڑنے کو بھی دل گوارا نہیں کرتا اس لیے بلا ضرورت ان کو نہیں چھڑواتا، نیز قدیم معمولات میں مداومت کے بدولت ایک خاص برکت بھی پیدا ہو جاتی ہے (اشرف السوانح حصہ دوم)

تعلیم و تربیت کا طریقہ حضرتؒ کے یہاں یہ بھی تھا کہ طالب کو ہدایت ہوتی تھی کہ اس معاملہ میں زبانی کوئی گفتگو نہ کرے، جو کچھ دریافت کرنا ہو یا جو اپنا باطنی حال اظہار کرنا ہو وہ تحریر کے ذریعہ سے کرے چنانچہ ایسے خطوط کے جواب ہمیشہ سائل کی عبارت کے سامنے حاشیہ پر تحریر فرما دیتے تھے تاکہ سوال و جواب ایک ساتھ رہیں اور بعد میں کوئی مغالطہ پیدا نہ ہو یہ بھی ہدایت تھی کہ ہمیشہ جوابی لفافہ بھیجا جائے، کارڈ پر حالات لکھنا پسند نہ فرماتے تھے یہ بھی ہدایت تھی کہ خط ہفتہ میں ایک بار لکھا جائے اور ہر خط میں صرف ایک مضمون ہونا چاہیے۔ سالک کو اپنے احوال باطنی سوائے اپنے شیخ کے دوسروں پر ظاہر کرنے کی سخت ممانعت تھی۔

یہ بھی ہدایت تھی کہ ہر نئے خط کے ساتھ پچھلا خط بھی ملفوف کیا جائے اور خطوط کو محفوظ رکھنے کی ہدایت تھی تاکہ آئندہ ان کے مطالعہ سے یادداشت تازہ ہوتی رہے۔

حضرتؒ کا یہ بھی انداز تعلیم و تربیت تھا کہ روزانہ کی مجلس میں خاص طور پر ایسے مضامین بیان فرماتے جس سے عام طور پر لوگوں کو سابقہ رہتا ہے مثلاً معاشرے کی خرابیاں معاملات میں کوتاہیاں، اخلاق کی کمزوریاں، ان باتوں کو کچھ ایسے پیرائے سے حکایات و روایات کے طور پر بیان فرماتے کہ ان کے اسباب پر نظر پہنچتی پھر ان کے تدارک کے لیے تدابیر مقرر فرما دیتے تھے۔

سالک کی تربیت کے لئے اس کے علاوہ حضرتؒ نے آداب المعاشرت، صفائی معاملات، ارشاد الہائم، حقوق الاسلام وغیرہ کتابیں لکھیں اور ان میں آداب انسانیت بتائے۔ حیات المسلمین، تعلیم الدین۔ بہشتی زیور میں اس پر ابواب قائم کئے۔ حقوق المعاشرت، خیر الارشاد فی حقوق العباد، حرمات الحدود، حقوق اہلبیت وغیرہ جیسے پورے پورے وعظ میں حضرتؒ حسن معاشرت پر زور دے رہے ہیں صرف اس لئے کہ معاشرت دین کا اہم جزو ہے اور بغیر اس کے درست کئے سالک طریق کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

یہ عالم تعلقات، فرائض و واجبات کا بہت وسیع میدان ہے قدم قدم پر ان سے واسطہ ہے یہ ظاہری اور باطنی اعمال کی پرکھ ہے اور انسانیت کی کسوٹی ہے۔

فرماتے تھے کہ ارے بھائی جو اہمیت کی چیزیں ہیں انہیں کیوں نظر انداز کئے جا رہے ہو، جن چیزوں پر مواخذہ ہوگا ان سے کیوں بچنے کی فکر نہیں اور فرماتے تھے کہ حقوق العباد کا ادا کرنا اوراد و وظائف سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے اس کے ترک سے مواخذہ ہوگا اور ترک وظائف سے کچھ مواخذہ نہیں یہ تو مستحب ہے۔ جو لوگ ضروری کام کو چھوڑ کر غیر ضروری کام اختیار کرتے ہیں وہ ہمیشہ مقصود سے محروم اور طریق میں سرگرداں اور نامراد رہتے ہیں۔ مثلاً رات کو مراقبہ کر لیا۔ کیفیاتِ باطنیہ سے دل میں محسوس ہوا کہ نور بر آ رہا ہے مگر عالم تعلقات میں صبح کو وہ نور جا رہا ہے اس کی فکر نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں میں اعمال واجبہ کی وہ عظمت و وقعت نہیں جو غیر واجبہ کی ہے۔ نوافل اور وظائف کی کثرت کو زیادہ موجب قرب سمجھتے ہیں اور کسی کو اذیت نہ پہنچانا اور حقوق ادا کرنا زیادہ موجب قرب نہیں سمجھتے اور اعمال واجبہ کو حقیر سمجھنے کا سبب ان اعمال کا عموم ہے کہ اس کو تو سب ہی کیا کرتے ہیں پھر اس میں خصوصیت ہی کیا۔ کوئی خاص امتیازی بات تو ہے نہیں۔ اس میں ولایت، قطبیت اور غوثیت کی کونسی چیز ہے اس میں نہ شورش ہے نہ سوزش نہ کوئی کیفیت ہے نہ وجد نہ حال۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

ایسے لوگوں سے حضرت والا پوچھتے ہیں کیا نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام ایسے کاموں کے

اہتمام کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے جن کو تم حقیر سمجھتے ہو؟ توبہ کرنی چاہیئے ان فاسد عقائد سے، بس اصل مقصود اعمال واجبہ ہیں اور معموم ہونا ہی دلیل ہے ان کی افضلیت کی، لہٰذا بزرگ بننا ہو، قطب اور غوث بننا ہو کہیں اور جاؤ۔ انسان بننا ہو تو یہاں آؤ۔ یہ بات حضرتؒ اکثر اپنی مجلس میں فرمایا کرتے تھے۔

حضرتؒ نے ہر شعبۂ زندگی کی اصلاح فرمائی۔ آداب بندگی اور آداب زندگی سکھائے آداب انسانیت بتلائے اور لوگوں کو تربیت دے کر اس عالم تعلقات کے ایک ایک شعبہ میں اپنے مثالی نمونے قائم کئے۔

حضرتؒ اپنی خانقاہ کے تربیت یافتہ لوگوں کی بابت یوں فرمایا کرتے تھے دیکھو سرکاری ملازمین میں میرے تربیت یافتہ لوگ ملیں گے۔ علماء، صوفیاء اور مدرسین میں میرے مجازین ملیں گے۔ اطباء اور ڈاکٹروں میں، تاجروں میں، وکیلوں میں، انجنیروں میں میرے اجازت یافتہ ملیں گے۔ فقیروں میں اور نوابوں میں میرے مسلک کے لوگ ملیں گے۔ تمہارے لئے اس دور سے زیادہ فتنہ والا کوئی دور نہ ہوگا۔ بس دیکھو ان کی مثال سامنے رکھنا۔ ان کا دامن پکڑے رہنا۔ دیکھو دین کتنا آسان ہے۔ یہ سب تمہارے سامنے ہیں۔ سب اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ کوئی چیز ان کے لئے دین سے مانع نہیں، حارج نہیں۔ دیندار ہوتے ہوئے بھی سب اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔ تحصیل معاش میں مصروف ہیں کوئی دشواری نہیں کوئی مشکل نہیں اب تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔ تم کو صاف محسوس ہوگا کہ دین کس قدر آسان اور ہر شعبۂ زندگی میں قابل عمل ہے۔

جن لوگوں سے اصلاحی تعلق تھا حضرتؒ بڑی توجہ کے ساتھ ان کے خاص خاص حالات اور حرکات وسکنات پر نظر رکھتے تھے، خواہ کتنا ہی خصوصی و قریبی تعلق ہو۔ اس معاملہ میں کبھی مصلحت اور چشم پوشی نہ فرماتے تھے۔ معمولی معمولی غلطیوں پر برابر روک ٹوک کرتے رہتے تھے۔ کسی میں اگر بے پروائی اور بے خیالی یا بے فکری کی عادت دیکھتے تو اس کو بڑی سختی کے ساتھ

متنبہ فرماتے اور کام میں لگا دیتے۔ ذمہ داری کے کاموں میں غفلت برتنے پر سخت سرزنش و مواخذہ فرماتے۔ کسی کو بدنظمی اور بے پرواہی کے ساتھ کام کرتے ہوئے دیکھتے تو سخت ناراض ہوتے۔ لوگوں کی بدفہمی اور بے عقلی کی باتوں پر سخت دار و گیر فرماتے اور جب تک وہ صحیح بات نہ کریں اس وقت تک ان کو نہ چھوڑتے۔ بے ادبی اور بدتمیزی کی باتوں پر حضرتؒ کو سخت غصہ آجاتا تھا اور لہجہ بدل کر ان کی سخت فہمائش فرماتے۔ جن لوگوں میں غفلت یا شرارت نفس کا مادہ ہوتا اور دوسروں کے لئے وجہ اذیت ہوتے تو حضرت ان کو سخت سزا دیتے۔ حضرتؒ کے سزا دینے کے انداز بھی ہر شخص کے لحاظ سے جداگانہ تھے۔ کسی کو مجلس سے اٹھا دیتے۔ کسی کو خط و کتابت کی ایک مدت تک کے لئے ممانعت فرماتے۔ کسی سے کچھ دنوں کے لئے مخاطبت ترک کر دیتے۔ کسی کو شدید غلطی پر قطع تعلق کی دھمکی دیتے۔ کسی کو امور مذکورہ کے ارتکاب پر سخت جرمانے تجویز فرماتے جو نفس پر شاق ہوں کسی کو انہی امور پر ایسے مجاہدے تجویز فرماتے جس میں ان کے نفس کو ذلت محسوس ہو وغیرہ وغیرہ۔ غایت ان سب مواخذوں سے سالک کی اصلاح ہی تھی۔ کیونکہ باوجود اس سخت گیری کے ہر معاملہ میں مشفقانہ اور مربیانہ انداز ہی ہوتا تھا۔ خود ہی فرماتے تھے کہ جب میں کسی سے خفا ہوتا ہوں تو برابر اس کی طرف متوجہ رہتا ہوں اور اس کے لئے دعائے خیر کرتا رہتا ہوں۔ اور عین اس وقت اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے ہر مواخذہ سے پناہ مانگتا رہتا ہوں۔ اور یہ بات میری عادت میں داخل ہو چکی ہے۔ یہی سبب تھا کہ باوجود سزا پانے اور ڈانٹ پڑنے کے ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ حضرت کے غصہ سے دل روشن ہو جاتا ہے۔

تنبیہ

حضرت والا کے اس طریق اصلاح بطرز سیاست کے متعلق ایک ضروری تنبیہ بھی قابل عرض اور قابل غور ہے وہ یہ کہ اس طریق خاص کے اختیار کرنے کا ہر شخص ہرگز اہل نہیں، لہٰذا عام مصلحین اس کے اختیار کرنے کی ہرگز جرأت نہ کریں ورنہ وہ کورانہ تقلید کر کے اپنا بھی اور طالبین اصلاح کا بھی نقصان کریں گے۔ یہ تو صرف ان خاص الخاص حضرات ہی کا منصب ہے جو نفسانیت سے نکل چکے

ہیں اور جو حدود کی حفاظت پر پورے قادر ہیں محض تقلید سے اس منصب خاص کی اہلیت نہیں پیدا ہو سکتی۔ (از اشرف السوانح حصہ دوم)

میں کہتا ہوں کہ شریعت اور طریقت خانقاہوں میں نہ ملے گی حضرت کی مجالس میں ملے گی حضرتؒ کی تعلیم و تربیت میں ملے گی۔ حضرتؒ کے مواعظ و ملفوظات میں ملے گی۔ روزمرہ کی زندگی میں جو وقت آتا ہے اپنے ساتھ ایک حکم لاتا ہے اس کا حق ادا کرتے رہنا۔ یہ شریعت ہے، اور اتباع سنت یہ ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کیا ہے یا حکم فرمایا ہے اسی طرح کرنا۔ پھر یہی تمہاری مصروف زندگی دین ہے۔ کسی اور کو دین نہ سمجھ لینا کیونکہ ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ✽ کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

حضرتؒ کی مجلس میں حسنِ معاشرت اور خوش معاملگی پر بار بار کلام میں زور دیا جا رہا ہے۔ نظام الاوقات کی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔ نظام اوقات کا حکم کلام پاک میں موجود ہے۔ انضباط اوقات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمل کر کے بتلا گئے اور یہ ایسی اہم اور ضروری چیز ہے کہ دین و دنیا کی صلاح و فلاح اس میں مضمر ہے۔ یہ سب نورانی چیزیں ہیں راحت کی باتیں ہیں۔ انسانی مشاغل ہیں۔ پیغمبرانہ اعمال ہیں۔ جہالت سے نکلو۔ گمراہیوں سے بچو۔ ظلمتوں کو چھوڑو اور دین متین اور شرع مبین کو اپنا شعارِ زندگی بناؤ اور یہی غایت ہے تمہاری زندگی کی جس کے لئے تم پیدا کئے گئے ہو۔

اللہ تعالیٰ مدارج بلند عطا فرمائے، ہمارے حضرت کا یہ ہم پر بڑا احسان ہے کہ طریق کو تمام چیزوں سے بچا کر ہم کو ضروری چیزوں کی طرف لے آئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں بڑی دولت مل گئی۔ خوش قسمتی ہے کہ ہم حضرتؒ سے وابستہ ہیں اور خوش نصیب ہیں، اور اطمینان ہے کہ الحمدللہ صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔

حضرتؒ کی تعلیم و تربیت کا انداز بہت مستند طور پر حضرتؒ کی زندگی ہی میں مدون ہو چکا تھا۔ جو ان شاء اللہ آئندہ نسلوں کے لئے رہنمائی کا بڑا سرمایہ ہے۔

چند ملفوظاتِ تربیت

ایک دفعہ تربیت باطن کے سلسلہ میں فرمایا ہاں جو خدا کی نعمت مجھ کو حاصل ہے اس کو بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تربیت باطن کے متعلق خدا نے بہت آسان طرق عنایت فرمائے ہیں نیز امراض باطن کی تشخیص میں خدا نے فہم عطا فرمائی ہے اس میں رائے بہت ہی کم غلطی کرتی ہے اور اکثر جو تجویز کیا جاتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے اور جو تجویز کیا جاتا ہے وہ نافع ہوتا ہے۔

فرمایا میرے یہاں تو صرف ایک چیز سکھائی جاتی ہے اور وہ انسانیت ہے۔ کوئی بزرگی کو ضروری سمجھ رہا ہے، میں انسانیت و آدمیت کو ضروری سمجھتا ہوں آدمی بننا ہو انسان بننا ہو تو یہاں آئیے۔ دیکھئے وضو نماز کے مقابلے میں کم درجہ رکھتا ہے مگر بدون وضو نماز نہیں ہوتی۔ تو میں وضو کراتا ہوں۔ ہر جگہ کا مطلوب جدا ہے۔ یہاں کا مطلوب فنا ہونا ہے اور اسی کی تعلیم ہے جس کی نسبت فرماتے ہیں ؎

افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ انسان بننا فرض ہے بزرگ بننا فرض نہیں اس لئے کہ انسان نہ بننے سے دوسروں کو تکلیف ہوگی اور بزرگ نہ بننے سے اپنے ہی کو تکلیف ہوگی وہ یہ کہ دوزخ میں جائے گا خود تکلیف اٹھائے گا انسان ہوگا تو اس سے دوسروں کو تکلیف نہ ہوگی اس لئے میں انسان بنانے کی کوشش کرتا ہوں بزرگ نہیں بناتا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ میری روک ٹوک کی زیادہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہنچے اور مسلمانوں کا یہی مذہب ہونا چاہیئے ؎

بہشت آں جا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

فرمایا کہ ہمارے یہاں تو بس اپنی نیند سوؤ۔ اپنی بھوک کھاؤ۔ چین کی زندگی بسر کرو۔ ہاں حدود کے اندر رہو۔ یہاں بحمداللہ نہ کسی کی لگائی نہ کسی کی بجھائی۔ آزادی بڑی ہے۔

ذاکرین شاغلین کی بابت اس بات کی بھی نگرانی نہیں کرتا کہ کون شخص جماعت میں شریک ہے کون نہیں؟ ہاں اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ کوئی ایسا فعل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف یا ایذا پہنچے یا دوسروں کے ضلال کا اس میں اندیشہ ہو یا صریح خلاف شرع ہو۔ باقی اگر ایک آدھ وقت کی جماعت بھی فوت ہوگئی تو کونسا ایسا بڑا جرم ہوگیا بعض ذاکرین کو میں دیکھتا ہوں کہ آج کل رمضان میں صبح کو سو جاتے ہیں اور بعد سورج نکلنے کے نماز پڑھتے ہیں کوئی تنبیہ نہیں کرتا۔ نہ یہ دیکھتا ہوں کون کام کر رہا ہے کون نہیں کر رہا ہے کون تہجد کو اٹھتا ہے کون نہیں کیونکہ ان باتوں کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے باقی جن باتوں کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے ان کی بابت مجھے خاص طور سے اہتمام ہے کہ مخلوق کو دوسرے سے کیوں ایذا پہنچے ؎

مباش در پئے آزار ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعتِ ماغیر ازیں گناہے نیست

فرمایا کہ جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے اوّل تو میں اس کو کتابیں دیکھنے کو لکھ دیتا ہوں۔ بالخصوص مواعظ کے مطالعہ کو تو میں اکثر لکھتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے اور اگر کسی شخص نے یہ لکھا کہ ہم نے کتابیں دیکھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ کتابیں دیکھ کر اپنی حالت میں کیا تغیر پیدا کیا۔ اس طریقے سے وہ نفع ہوتا ہے جو کہ برسوں کے مجاہدے میں بھی نہیں ہوتا میں تو اوّل روز ہی کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے اصل چیز فکر ہے جب فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے بس میں اوّل ہی گفتگو یا خط و کتابت میں طالب کے سر پہ بوجھ رکھ دیتا ہوں۔ بس اس کی وجہ سے اسے فکر پیدا ہوتی ہے اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔

فرمایا طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں اس کا کار آمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت و صحبت و نظر عنایت پر اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔

؎ گر ملک باشد سیہ ہستش ورق ۔ بے عنایات حق و خاصان حق

فرمایا کہ میں اپنے متعلقین (یعنی جو لوگ میرے ذریعہ سے داخل سلسلہ ہیں ان) کے لئے اوراد و وظائف و اذکار و اشغال کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں کرتا جتنا اخلاق کی درستی کا اہتمام کرتا ہوں۔ اخلاق کا سنوارنا نہایت ضروری ہے۔ اس لئے اس کی زیادہ تاکید کی جاتی ہے۔ اس زمانے میں اکثر لوگ اخلاق درست نہیں کرتے۔ ہاں وظائف کے پابند ہو جاتے ہیں۔

فرمایا کہ مجھ کو بہ نسبت عقیدت کے محبت زیادہ پسند ہے کیونکہ عقیدت خیالی چیز ہے ذرا سی بات میں زائل ہو جاتی ہے اور محبت زائل نہیں ہوتی۔

فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو ایک ضابطہ کلیہ بتائے دیتا ہوں اپنے ہر طرز عمل کو اس معیار پہ جانچ لیا کرو۔ یاد رکھو کہ جس وقت اپنی نگاہ میں بھلے معلوم ہوں۔ اس وقت سمجھ لو کہ تم حق تعالےٰ کی منظر دل میں بُرے ہو۔ کسی کمال سے کسی جمال سے کسی علمی تقریر و تحریر سے جب تم کو اپنے اندر حُسن ظاہر ہو اس وقت حق تعالیٰ کے نزدیک تمہارے اندر قبح ہوگا اور وہ قبح یہی خود بینی اور پندار ہے۔

فرمایا کہ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ کسی بزرگ سے بھی ان کو مناسبت نہیں ہوئی اور نہ کسی سے مناسبت ہونے کی توقع رہی تو ان کے لئے بھی میں نے ایک راہ نکال دی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ اس میں کوئی طالب حق محروم نہیں رہ سکتا۔ میں نے کہا کہ بس تم ضروری احکام کا علم حاصل کرتے رہو خواہ مطالعہ سے خواہ اہل علم سے پوچھ پوچھ کر اور سیدھا سادہ نماز روزہ کرتے رہو اور جو امراض نفس تم کو اپنے اندر محسوس ہوں ان کا علاج جہاں تک ہو سکے اپنی سمجھ کے موافق بطور خود کرتے رہو۔ اور جو موٹے موٹے گناہ ہیں ان سے بچتے رہو اور بقیہ سے استغفار کرتے رہو اور دعا بھی کرتے رہو کہ "اے اللہ! ان کا بھی مجھے احساس ہونے لگے اور ان کے معالجات بھی میری سمجھ میں آنے لگیں اور اگر مجھ میں سمجھنے کی استعداد نہ ہو تو بلا اسباب ہی محض "اے اللہ" اپنے فضل سے ان عیوب کی اصلاح کر دیجئے"۔ بس یہ بھی نجات کے لئے بالکل کافی ہے

اور نجات ہی مقصود ہے۔ اس سے زیادہ کے تم مکلف ہی نہیں۔ جب میرے یہاں اتنی آزادی ہے اور میرا طریق سختی کا یا نرمی کا جیسا کچھ بھی ہے وہ سب کو معلوم ہے تو پھر بھی جو شخص میرے پاس آکر اپنی اصلاح کراتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سختی میں پڑتا ہے جس کو یہ سختی گراں ہو وہ میرے پاس آوے ہی کیوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

فرمایا کہ واقعی اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ میرے یہاں حقیقت طریق سے کوئی ناواقف نہیں اور یہ میرے کھرے پن کی بدولت ہے ورنہ میرے یہاں بھی خلط مبحث ہو جاتا، اب جتنے ہیں ان پہ بفضلہٖ تعالیٰ اطمینان تو ہے اور میرے نزدیک تو قریب قریب ہر شخص قابلِ اجازت ہے اور میں تو سب کو اجازت دے دیتا لیکن مصالح دینیہ کا مقتضا یہ ہے کہ صاحب اجازت میں کسی نہ کسی قسم کی کچھ ظاہری وجاہت بھی ہو دینی یا دنیوی مثلاً اہل علم ہو یا کسی معزز طبقہ کا ہو، تاکہ اس کی طرف رجوع کرنے میں کسی کو عار نہ آئے اور طریق کی بے وقعتی نہ ہو۔

فرمایا کہ بعض نے مجھ سے سوال کیا کہ شیخ کے ساتھ مناسبت ہونے نہ ہونے کی علامت کیا ہے تو میں نے ان سے کہا کہ گو یہ امر ذوقی ہے لیکن الفاظ میں اس کی تعبیر کئے دیتا ہوں۔ مناسبت کی علامت یہ ہے کہ شیخ کے کسی قول یا فعل پر اس کے (یعنی شیخ کے) خلاف طالب کے قلب میں کوئی اعتراض یا شبہ جزم یا تردد (یعنی احتمال صحت جانبین کے ساتھ پیدا نہ ہو۔ (خطرہ کا جس میں جانب مخالف کے بطلان کا تیقن ہوتا ہے اعتبار نہیں) یہاں تک کہ اگر اس کے قول و فعل کی تاویل بھی سمجھ میں نہ آئے (کیونکہ اوّل تاویل ہی کرنا چاہیئے) تب بھی دل میں اس کی طرف سے انکار پیدا نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو یوں سمجھائے کہ آخر یہ بھی تو بشر ہی ہے اگر اس کا کوئی قول یا فعل گناہ بھی ہو تب بھی کیا ہوا توبہ سے یا محض فضل سے اس کی معافی ہو سکتی ہے۔ ف سبحان اللہ تردد اور خطرہ میں کیا دقیق فرق بیان فرمایا ہے۔

فرمایا کہ الحمد للہ، اللہ تعالٰے نے بس یہ مراقبہ اچھی طرح ذہن میں جما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ حاکم ہونے کی حیثیت سے تو انھیں اپنی مخلوق و محکوم کے ظاہر اور باطن میں ہر طرح کے تصرف فرمانے کا ہر وقت کامل اختیار اور پورا حق حاصل ہے کسی کو مجال چون و چرا نہیں اور حکیم ہونے کے اعتبار سے ان کا ہر تصرف حکمت پر مبنی ہوتا ہے گو ہماری سمجھ میں وہ حکمت نہ آوے چونکہ بفضلہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا حاکم اور حکیم ہونا اچھی طرح ذہن نشین ہوگیا ہے اس لیے بڑے سے بڑے حادثے میں جس کو پریشانی کہتے ہیں وہ الحمد للہ مجھ کو کبھی نہیں ہوئی۔ طبعی اثر ہونا اور بات ہے (اشرف السوانح ۳)

فرمایا مجھ کو سخت سے سخت حالات پیش آچکے ہیں، لہٰذا احوال باطنی کا ایسا تجربہ ہوگیا ہے کہ کسی سالک کی کتنی ہی الجھی ہوئی حالت ہو اور وہ کیسی ہی باطنی پریشانی میں مبتلا ہو بحمد اللہ مجھ کو اس کے معالجے کے باب میں ذرا بھی تردد لاحق نہیں ہوتا اور بفضلہ تعالیٰ ایسی ایسی تدبیریں ذہن میں آجاتی ہیں کہ ان کے استعمال سے وہ نہایت سہولت اور سرعت کے ساتھ اس حالت سے نکل جاتا ہے بالخصوص وساوس و خطرات کی تشخیص ماہیت اور تجویز علاج میں تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایسی بصیرت عطا فرمائی ہے کہ آج کل کم لوگوں کو ہوگی۔ فللہ الحمد والشکر (اشرف السوانح)

خصوصیت تربیّت السّالک

انسان کی زندگی جو تمام تر نفس و شیطان کی جولانگاہ ہے اس میں ایک مسلمان کے لئے قدم قدم پر طرح طرح کے خطرات و اندیشے درپیش ہوتے ہیں عالم تعلقات کے تمام محرکات ظاہری و باطنی اعمال پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں خواہ یوں عامیانہ زندگی میں اس کا احساس نہ ہو۔

لیکن جو لوگ ہوش و حواس کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور جن کو اپنی شرافت نفس کا خیال ہوتا ہے یا جو لوگ علم دین حاصل کرتے ہیں اور اس کا صحیح مصرف معاملات زندگی

میں کرنا چاہتے ہیں یا جو لوگ طریقت میں قدم رکھتے ہیں اور کسی اہل اللہ سے تعلق پیدا کر کے اپنے اعمال باطنیہ کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کو محرکات نفس وشیطان کا زیادہ احساس ہوتا ہے، ان کو مصلحت اندیشی و تاویل کوشی سے زیادہ کام پڑتا ہے۔ ان کو امور شرعیہ کی بجا آوری میں شیطان مصلحت اندیشی کی طرف متوجہ کرتا ہے اور لذائذ شہوانی میں مبتلا ہونے کے لئے نفس تاویلات کی راہ پر لگاتا ہے اور یہ دونوں باتیں رفتہ رفتہ بہت خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ دل سے دین کی عظمت و محبت جاتی رہتی ہے جس میں بعض وقت ایمان تک متزلزل ہو جاتا ہے۔

جن لوگوں کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے ایسے بہت سے اشخاص نے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے اور نفس و شیطان کے مکائد سے بچنے کے لئے حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز سے رجوع کیا ہے، انھوں نے اپنے تمام تشویشناک حالات سے اور ہر طرح کے وساوس و خطرات سے اور ظاہری و باطنی اعمال میں دشواریوں اور پیچیدگیوں سے مطلع کر کے اس کا حل اور راہِ نجات طلب کی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لئے بہت ہی نافع اور صحت بخش اکسیری نسخے تجویز فرمائے۔ ان پر عمل کرنے سے الحمد للہ سائلین اور سالکین کو نفسِ مطمئنہ نصیب ہو گیا۔ یہ سب سوالات و جوابات کتابی صورت میں مدون ہو کر تربیت السالک کے نام سے شائع ہو گئے تاکہ دوسرے طالبان حق اور مریضان باطنی کے لئے رشد و ہدایت کا باعث ہوں۔ یہ کتاب تربیت السالک گویا طب روحانی کی قرابادین اعظم ہے اس میں آپ ہر قسم کے لوگوں کے حالات مطالعہ کریں گے۔ علماء، صوفیاء، انگریزی تعلیم یافتہ۔ کاروباری اور دفاتر کے لوگ، سب ہی نے اپنے اپنے مشکلات زندگی اور امراض باطنی کے لئے رجوع کیا ہے مثلاً

بعضوں نے لکھا کہ باوجود مسلمان ہونے کے وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور امورِ آخرت میں متردد ہیں۔ اس معاملہ میں کیسے تسکین ہو۔ بعض نے لکھا کہ اسلام کی حقانیت میں بہت

شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں کیا کیا جائے۔ کسی نے حق و باطل کے اشکالات و ترددات ظاہر کئے۔ کسی نے لکھا کہ عبادات خصوصاً نماز اور ذکر و اذکار میں بہت سے خیالات کا ہجوم ہوتا ہے ہزاروں وساوس و خطرات پیدا ہوتے ہیں۔ نماز ختم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کسی نے لکھا کہ عبادات میں مشغول ہوتے وقت نہایت ناپاک اور نفسانی و شہوانی خیالات دل و دماغ کو ماؤف کر دیتے ہیں ان سے کیسے نجات ہو۔

کسی نے لکھا کہ نماز کیا ہوتی ہے محض ضابطہ کے رکوع و سجود ہوتے ہیں یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ کے رکعت نماز پڑھی اس کا تدارک کیسے کیا جائے۔ کسی نے لکھا کہ مدتیں گزر گئیں۔ دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قبول ہی نہیں فرماتے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ کسی نے لکھا معلوم نہیں ہماری نمازیں اور دوسری عبادات قبول ہوتی بھی ہیں یا نہیں کس طرح تسکین ہو۔ کسی نے لکھا کہ اپنی ساری نمازیں اور عبادتیں محض عادتاً ہوتی ہیں یا ریاکارانہ انداز میں ہوتی ہیں۔ ایسی عبادات کا حاصل کیا ہے؟ کسی نے لکھا کہ یکسوئی خشوع و خضوع کی کیا حقیقت ہے اور یہ کس طرح حاصل کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ پھر کسی نے لکھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں لوگوں سے کچھ خشونت و رعونت کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں کیا یہ تکبر ہے اگر ہے تو اس کا کیا علاج ہے۔ کوئی لکھتا ہے کہ فی زمانہ غیبت سے بچنا تقریباً ناممکن ہے آخر اس معصیت سے کس طرح بچا جائے۔ کوئی لکھتا ہے کہ سخت مہلک مرض میں یعنی بدنگاہی میں مبتلا ہوں کوئی ایسی تدبیر بتائی جاوے کہ میں دنیا و آخرت کی ذلت اور تباہی و بربادی سے بچ سکوں۔ کسی نے اپنے عیب حسد کے متعلق۔ کسی نے حرص کے متعلق اور کسی نے زبان کے فتنوں کے متعلق اپنے حالات و معاملات لکھ کر ان سے بچنے کی تدابیر دریافت کیں۔ کسی نے اپنے آپ میں صبر و شکر۔ ایثار۔ تواضع، محبت وغیرہ کے فقدان کا حال لکھ کر ان کے حصول کے لئے عملی تجاویز دریافت کیں۔ اسی طرح کسی نے اپنے خانگی معاملات۔ ازدواجی تعلقات۔ صلہ رحمی کی ادائیگی اور معاملات و معاشرت کی خرابیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کے لئے تدابیر دریافت کیں۔ کسی نے نفس کے بڑے بڑے ناپاک خبیث

تقاضے تحریر کئے۔ کسی نے امور آخرت سے بے خوفی و بے حسی کی حالت لکھی۔ کسی نے تمام تر دنیا میں انہماک کا شکوہ کیا۔ کسی نے مکاشفات و تجلیات، واردات و مبشرات سے مطلع کیا۔ کسی نے نفس لوامہ کی کشمکش کا ذکر کیا۔ کسی نے حصول محبت الٰہی اور رضائے الٰہی کے طریقے پوچھے۔ کسی نے سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے احوال لکھے۔

ان تمام متذکرہ بالا امور کے متعلق حضرت مجدد ملت حکیم الامت حاذق طب روحانی نور اللہ مرقدہٗ نے فرداً فرداً ہر جزئیہ کا بہت ہی نافع اور تیر بہدف معالجہ تجویز فرمایا اور باطن کے نازک مقامات کی عقدہ کشائی کی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ جن لوگوں نے ان کیمیائی اور اکسیری نسخوں پر عمل کیا وہ اس طرح صحت یاب و تندرست ہو گئے کہ علاج معالجہ کی خود زندہ مثال بن گئے۔ یہ انداز تربیت اس مجدد اعظم کا اس دور حاضر میں نہایت عدیم المثال اور منفرد کارنامہ ہے جس نے عالم تصوف میں ایک زندۂ جاوید انقلاب پیدا کر دیا اور شاہراہ طریقت صدیوں کے لئے ہموار و بے غبار ہو گئی۔ اور نفس و شیطان کی شرارتوں اور گمراہیوں سے مامون و محفوظ ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو ان کی مساعی جمیلہ و خدماتِ دین کو قبول و مشکور فرما کر اجر عظیم عطا فرمائیں اور اپنے مقاماتِ قرب و رضا میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجات بالائے درجات عطا فرما کر ترقی پیہم عطا فرماویں آمین ثم آمین فقط۔

بعض مضامین از تربیت السالک

فرمایا حصول مطلب کچھ زیادہ کام کرنے پر موقوف نہیں بلکہ بقدر ہمت طلب ہونا چاہیے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مریض و ضعیف کی چھ رکعتیں قوی کی چھ سو رکعت کے برابر ہیں کیونکہ اس کو چھ رکعت ہی کی ہمت ہے اور ثواب دینے والے اللہ تعالیٰ عزو شانہ ہیں، وہ ہر شخص کی حالت اور ہمت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

حال۔ ایک مرض جو کہ سب سے بڑھ کر ہے وہ کم ہمتی ہے کہ مجھ سے کوئی کام نہیں ہوتا۔

ارشاد۔ جواب، جتنا بھی ہو جائے وہ بھی بے کیے ہوئے کام کی ندامت سے مل کر محروم نہ رہنے دے گا۔

بدگمانی:۔ ایک طالب کے استفسار پر بدگمانی کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب ایسی بدگمانی قلب میں آوے اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہے اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس! تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا۔ یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کر دے اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین بار ایسا ہی کرے اگر پھر بھی اثر رہے۔ اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہو گئی تم معاف کر دو اور میرے لئے دعا کر دو کہ یہ دُور ہو جاوے۔

حال:۔ مرنے سے قلب گھبراتا ہے۔

ارشاد:۔ حدیث میں ہے حضرت عائشہؓ کا قول کُلُّنَا یَکْرَہُ الْمَوْتَ اور اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکیر نہ فرمانا مصرح ہے پس اس میں مذموم ہونے کا احتمال بھی نہیں یہ کراہت امر طبعی ہے۔

حال:۔ ایک صاحب جائیداد رئیس وساوس کفریہ میں مبتلا تھے انھوں نے اپنا مفصل حال لکھ کر پیش کیا اور آخر میں عرض کیا کہ اگر حضور یہ اطمینان دلا دیں گے کہ وجود باری تعالیٰ دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے تو مجھے بلا دلائل معلوم کئے ہی اطمینان ہو جائے گا کیونکہ میں حضور کی عقل کا بیحد معتقد ہوں۔ اس پر حضرت والا نے غایت وثوق اور نہایت شدّ ومد کے ساتھ **جواب** تحریر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم، اللہ تعالیٰ کا وجود ایسے دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ بڑے سے بڑے فلسفی منکر کو بھی ساکت کیا جا سکتا ہے ذرا بھی گنجائش انکار نہیں۔

حال:۔ ایک صاحب نے تحریر فرمایا کہ ایک مرض شدید کا نہایت شاکی ہوں حتی الوسع دفعیہ کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ مرض یہ ہے کہ بعض وقت وساوس وخطرات کا اپنے دل میں

نشان بھی نہیں پاتا اور بعض وقت وساوس وخطرات کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے اور وساوس وخطرات بھی وہ کہ شاید کسی دہریہ کو بھی نہ آتے ہوں اس وقت دل چاہتا ہے کہ کسی ترکیب سے خودکشی کرلوں تاکہ خس کم جہاں پاک کا مصداق ہوجاوے ایسے نالائق ونابنجار کو دنیا میں رہنا ہی نہیں چاہیئے۔ اس لئے خدمت والا میں عرض پرداز ہوں کہ اس کے لئے خاص توجہ مبذول فرمادیں اور دعا سے امداد فرمادیں **جواب** تحریر فرمایا دعا سے کیا عذر ہے مگر یہ حالت خود مذموم ہی نہیں جس کو ایسا مہتم بالشان سمجھا جاوے۔ صحابہؓ سے اکمل وافضل تو کسی کی حالت نہ تھی حدیثوں میں مصرح ہے کہ ان کو ایسے وساوس آتے تھے کہ وہ جل کر کوئلہ ہوجانا زیادہ محبوب سمجھتے تھے ان کو زبان پر لانے سے اور طبیب کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان کے صریح ایمان کی علامت قرار دیا پس جو امر علامت ایمان ہو اس پر اگر مسرت نہ ہو تو غم کے بھی کوئی معنی نہیں والسلام

ارشاد:۔ ایک اہلکار نے خط لکھا کہ بہت سے وظیفے پڑھے لیکن ترقی تنخواہ باوجود اچھے کام ہونے کے نہیں ملتی ہمیشہ محروم رہتا ہوں۔ اس یاس واضطراب میں جناب کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ آخر میں کیا کروں؟ تحریر فرمایا کہ جس قدر تدابیر امکان میں ہوں اس میں تدبیر مع دعا اور جو اختیار میں نہ ہو اس میں صرف دعا۔ اور اس کے بعد بھی ناکامی ہو تو صبر اور یہ سمجھنا کہ اسی میں بہتری ہوگی اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔

حال:۔ ایک مرید نے لکھا کہ نہ نماز میں جی لگتا ہے نہ ذکر میں نہ کلام مجید پڑھا جاتا ہے اور دنیا کا کوئی کام بھی نہیں کہ فرصت نہ ہو۔

جواب۔ تحریر فرمایا کہ کام تو جس طرح بن پڑے کرنا ضروری ہے خواہ ناقص ہی ہو تکمیل کا یہی طریقہ ہے۔ اگر بدنویس اس لئے مشق کرنا چھوڑ دے کہ اچھا نہیں لکھا جاتا تو اس کو اچھا لکھنا کبھی نہ آئے گا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ عمل ناقص کو بھی چھوڑنا نہ چاہیئے۔ جیسے بنیاد کے مضبوط ہونے کا اہتمام تو کرتے ہیں مگر اس کے خوشنما ہونے کے پیچھے نہیں پڑتے اس میں روڑے وغیرہ بھر دیتے ہیں اور بعد میں اس پر بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہیں اسی طرح عمل ناقص بنیاد ہے

عمل کامل کی بنیاد کے کمال اور نقصان پر نظر نہ کی جاوے۔ جو کچھ اور جس طرح ہو سکے کرتا رہے۔ اصول کے موافق ہونا چاہیئے اگرچہ اس میں کمی ہی ہو۔ جیسے نماز گو ناقص ہی ہو مگر ہو حدود میں تو وہ ہو جاتی ہے بلکہ ایسی عبادت پر اجر زیادہ ہوتا ہے جس میں جی نہ لگے کیونکہ وہ مجاہدہ ہے۔ یہ طریق بہت ہی نازک ہے محض کتابیں پڑھ لینے سے کام نہیں چلتا۔ فہم کامل اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے اور یہ اس کو عطا ہوتا ہے جس پر حق تعالیٰ اپنا فضل فرماویں۔

حال:۔ ایک صاحب نے لکھا کہ نماز میں پورا پورا نشاط حاصل نہیں ہوتا اور ذکر میں سرور و نشاط کی کیفیت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ ذکر میں بہ نسبت نماز کے ایک شان بساطت کی ہے اور نماز میں ایک شان بہ نسبت ذکر کے ترکیب کی ہے اس لئے ذکر میں اجزا مختلفہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس لئے یکسوئی جلد ہو جاتی ہے اور نماز میں توجہ اجزا مختلفہ کی طرف ہوتی ہے اس لئے تشتت رہتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جاوے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف خیال نہ کرے کہ اس کے بعد قومہ کرنا ہے، وعلیٰ ہذا۔ بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالاداء سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے اسی طرح دوسرے رکن میں الیٰ آخر الصلوٰۃ۔ اگر ایسا کیا جاوے تو نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ ذکر میں گو کہ یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آکر اس یکسوئی کو فوت کر سکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کر کے کسی اور شغل میں لگ جائے اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا نہ خود کوئی کام کر سکتے ہیں۔

وَهٰذَا الَّذِیْ کَتَبْتُ وَرَدَ عَلٰی قَلْبِیْ فِیْ فَرْضِ الظُّهْرِ وَجَرَّبْتُهٗ فِیْهِ وَفِی السُّنَّةِ الْبَعْدِیَّةِ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

اور یہ جو میں نے لکھا ہے ظہر کے فرض میں میرے قلب پر وارد ہوا اور میں نے اس میں اور بعد والی سنتوں میں اس کا تجربہ کیا۔ الحمد للہ۔

حال۔ ایک صاحب نے لکھا کہ لڑکیوں کی شادی کی بہت فکر ہے کوئی نسبت حسب

دلخواہ نہیں آتی جو عقد کیا جائے اگر کہیں سے داڑھی والے لڑکے کی بات آتی ہے تو نہایت مفلوک الحال ظاہر ہوتے ہیں اور جس کو دال روٹی سے خوش دیکھا جاتا ہے تو وہاں داڑھی صفا چٹ ۔ کئی جگہ محض اس وجہ سے انکار کر دیا گیا۔ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ آبرو رکھیں اور اس معاملہ میں شرمندگی کی نوبت نہ آوے ۔ ہر شخص کہتا ہے کہ میاں اس خیال کو چھوڑ دو آج کل داڑھی بڑی مشکل سے ملے گی ۔

جواب تحریر فرمایا واقعی بڑی مشکل ہے میں پختہ رائے تو دیتا نہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانہ میں پوری دینداری ڈاڑھی والوں میں بھی نہیں ہے پس ایک داڑھی منڈوانے کا گناہ کر رہا ہے ، دوسرا شہوت پرستی کا گناہ کر رہا ہے تو نری داڑھی لے کر کیا کریں گے ۔ اگر ہو تو حقیقی دینداری ہو جو بہت عنقا ہے پس اس صورت میں اگر اس میں تھوڑی سی وسعت کی جاوے یعنی صرف دو چیزوں کو دیکھ لیا جاوے ایک یہ کہ اعتقاد اسلامیہ میں شک وشبہ یا تمسخر و استہزا سے پیش نہ آوے ۔ دوسرے طبیعت میں صلاحیت ہو کہ اہل علم اور بزرگوں کا ادب کرتا ہو ۔ نرم خو ہو کہ اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس سے توقع ہو اور گنجائش مالی بقدر ضرورت ہونا ضروری ہی ہے تو ایسے شخص کو گوارا کر لیا جاوے پھر جب آمد و رفت اور میل جول اور مناسبت ہو گی تو ایسے شخص سے بعید نہیں کہ اس داڑھی کے معاملہ میں بھی اس کی اصلاح ہو جاوے ۔

ایک طالب نے لکھا کہ معمولی سے خطرہ پر پریشان ہو جاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں توکل نہیں ہے اس معصیت سے بچنے کا علاج ارشاد فرما دیں۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ نہ یہ معصیت ہے نہ توکل کے خلاف ہے کیونکہ توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا اور یہ قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے ۔ بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے ۔

ایک طالب نے لکھا کہ میری طبیعت کچھ شکّی واقع ہوئی ہے۔ مخالفین کے اعتراض سن کر یا کسی کتاب میں دیکھ کر طبیعت متردد ہو جاتی ہے۔ اس سے بفضلہ تعالیٰ عمل میں تو کوئی فرق نہیں آتا۔ البتہ عبادت میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں رہتی اور دل رنجیدہ اور اندوہگیں سا رہتا ہے ساتھ ہی اس تردد کو مکروہ اور برا جانتا ہوں۔ **جواب** تحریر فرمایا کہ ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلا قصد ایسی بات کان میں پڑ جاوے اور یہی حالت پیدا ہو جاوے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اہتمام سے پریشانی بڑھے گی اور ہمیشہ کے لئے ایک مستقل شغل ہو جاوے گا بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستاوے بالکل پروا مت کرو البتہ دعا اور تضرع کرتے رہو، اور اس کو کافی سمجھو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہو جائے گی اور جب عادت ہو جاوے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہو جاوے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہو گا یہ ہے حکمی نسخہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار ہی دن ہوئے کہ عطا ہوا ہے جو بہت بڑا علم ہے والحمد للہ۔ اھ

ایک طالب نے لکھا کہ مختصر سے مختصر ذکر کا معمول رکھا تھا اس پر بھی مداومت نہیں ہوتی۔ جماعت نماز میں بھی اکثر مسبوق ہونے کی نوبت آتی ہے جب ایسا ہوتا ہے تو آئندہ کے لئے احتیاط کا عزم کر لیتا ہوں مگر پھر جس دینی یا دنیوی مشغلہ میں ہوتا ہوں اس کو فوراً چھوڑ دینے اور جماعت اور تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرنے میں غفلت ہوتی ہے جانتا ہوں کہ قصور اختیاری ہے اور استعمال اختیار کی کوشش بھی کچھ کرتا ہوں مگر غفلت سب پر غالب آجاتی ہے۔ الخ

اس کا **جواب** تحریر فرمایا کہ اس کا سبب ضعفِ جسمانی ہے جس کا اثر عزم پر طبعاً ہوتا ہے جس میں ایک گونہ غیر اختیاریت کا بھی درجہ ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس کا احساس ہے اور اس کا قلق ہے۔ اس میں لگا رہنا چاہیئے انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح کامیابی حاصل ہو گی۔ (اشرف السوانح حصہ دوم)

⁂ ⁂ ⁂

خلفائے مجازین

حضرتؒ کے خلفاء مجازین بیعت و مجازین صحبت دونوں کی مکمل فہرست حضرتؒ کی حیات میں شائع ہو چکی تھی اور اسی کی نقل جناب خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نوشتہ کتاب خاتمۃ السوانح میں درج فرمائی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ" یہ فہرست ان حضرات خلفاء کی ہے جو حضرت کی وفات کے وقت حیات بھی تھے اور حضرت کے مجاز بھی تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں حضرتؒ کی تربیت گاہِ رشد و ہدایت سے فیض یافتہ اور اجازت یافتہ اہل طریق ملک اور بیرون ملک کافی تعداد میں موجود تھے اور اب بھی الحمد اللہ باقیات الصالحات موجود ہیں۔

یہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ مجددیت تھی کہ عامۃ المسلمین کیلئے طریقت کی عقدہ کشائی اور رہنمائی کے لئے اپنے مجازین کو دو جماعتوں میں منقسم فرمایا تھا۔

۱۔ مجازین بیعت و تلقین اور ۲۔ مجازین تلقین بواسطۂ صحبت

ان دونوں میں جو مابہ الامتیاز بات تھی اس کو حضرتؒ والا نے خود واضح فرمایا جو میں اشرف السوانح حصہ دوم سے نقل کر رہا ہوں:۔

مجاز بیعت کے لیے شرائط استعداد

حضرتؒ نے ایک مرشد و مصلح میں جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے ان کی اس طرح تشریح فرمائی ہے۔

وصف اول یہ ہے کہ وہ متقی ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہو۔

تیسرے یہ کہ اس کو طریق سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو لیکن محض علمی مناسبت نہیں بلکہ حالی۔

چوتھے یہ کہ اس میں دوسروں کی بھی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو۔

پانچویں یہ کہ اوصاف مذکورہ میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ بھی حاصل ہو گیا ہو، اور

چھٹی بات یہ کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گو فی الحال اس کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا صرف یہ درجہ ضروریہ حاصل ہے لیکن آئندہ وہ ترقی کر کے اس میں رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل کر لے گا۔ یہ سب چھ اوصاف ہوئے لیکن ان سب اوصاف کا تحقق صرف ظن غالب ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے (اشرف السوانح ۲)

حضرتؒ اکثر اپنے طالبین بیعت کو اپنے خلفائے مجازین کے سپرد کر دیا کرتے تھے اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ حضرتؒ اندازہ کر لیں کہ جن صلاحیتوں کی بناء پر ان کو اجازت دی گئی ہے ان کا مصرف یہ حضرات کس طریقے سے کرتے ہیں بعض کی باقاعدہ تعلیمات پر اظہار مسرت فرماتے بعض کی بے پروائی اور ضابطہ تربیت سے انحراف کا حال معلوم ہوتا تو اس پر ان کو تنبیہ فرماتے اور صحیح طریقہ اختیار کرنے کی تاکید فرماتے اور ان کو تاکید تھی کہ اپنے حالات اور اپنے متعلق طالبین کی تعلیم و تعلم کے طریقے سے حضرت کو مطلع کرتے رہا کریں تاکہ ان کو اپنے نفس کی نگہداشت اور طریقہ کار کی بھی اصلاح ہوتی رہے اور ہدایت ملتی رہے۔

فرمایا کہ گو بعد تکمیل کے شیخ کی تعلیم کی حاجت نہیں رہتی لیکن بقائے فیض کے لیے اس کے ساتھ اعتقاد و امتنان کا تعلق عمر بھر رکھنا ضروری ہے (اشرف السوانح حصہ دوم)

مجاز بیعت

سالکین تربیت یافتہ کو اکثر اس عنوان سے اجازت عطا فرماتے تھے کہ بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دی جائے لہٰذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرماویں اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں اس اجازت کی اپنے خاص احباب کو بھی اطلاع کر دیں۔

مجاز صحبت

تعلیم و تلقین کے سلسلہ میں حضرتؒ نے اپنے مجددانہ ذوق سے ایسے لوگوں کی بھی ایک

جماعت تجویز فرمائی تھی جن کو بیعت لینے کی تو اجازت نہ تھی مگر وہ اپنی صحبت و تعلیم سے لوگوں کو طریق کی اشاعت کرسکتے تھے اس میں علماء کے علاوہ دیگر مشاغل کے ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کی استعداد باطنی صحیح معیار پر آچکی تھی۔ ان کو اجازت اس طریقہ سے عطا فرماتے تھے۔

ایک روز قلب پر بے ساختہ وارد ہوا کہ بعض ایسے احباب کو رجو تلقین کی کافی صلاحیت رکھتے ہیں مگر اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے) تلقین بلا بیعت کی اجازت دے دوں اور ایسے حضرات کا لقب مجاز صحبت تجویز کیا گیا۔ یعنی مجاز بالصحبۃ یعنی جن کو صرف بواسطہ صحبت نفع پہنچانے کی اجازت دی گئی اور فرق کے لیے جماعت سابقہ کا لقب مجاز بیعت یعنی مجاز بالبیعۃ قرار دیا گیا۔ اگر ان مجازین صحبت میں حالات منتظرہ رونما ہوگئے (جن کی تعیین اور فیصلہ میں صرف میں منفرد ہوں، خود اہل معاملہ کو اس کا منتظر رہنا منافی اخلاص ہے) اس حالت میں ان کو مجازین بیعت میں داخل کرکے شائع کر دیا جائے گا۔

فرمایا کہ میں تو عملاً یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ نفع بیعت پر موقوف نہیں بلکہ تعلیم اور اس کی اتباع پر موقوف ہے، اصل چیز یہی ہے (اشرف السوانح)

حقیقت اجازتِ بیعت

ملفوظ:۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ اس اجازت کی نظیر بالکل ایسی ہے جیسے علوم درسیہ میں جو سند فراغ دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اس کو ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل ہوگیا۔ بلکہ محض اس ظن غالب پر سند دی جاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہوگئی ہے کہ اگر وہ برابر درس و مطالعہ میں مصروف و مشغول رہے تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو کمال کا درجہ بھی حاصل ہوجائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور ناقدردانی سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور استعداد کو ضائع کرے تو اس کا الزام سند دینے والوں پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے اسی طرح جو کسی کو بیعت کی اجازت دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اس کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہوگیا ہے بلکہ محض اس ظنِ غالب

پر اجازت دی جاتی ہے کہ اس کو فی الحال تو ان اوصاف کا درجہ ضرور یہ حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ برابر ان کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا (اشرف السوانح)

طریق اخذ بیعت معمولہ حضرت اقدس قدس سرہٗ العزیز

خطبہ :- اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضلل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم، اما بعد، یٰایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون۔ یٰایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصٰدقین۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ، ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علٰی نفسہ و من اوفی بما عٰھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرًا عظیمًا۔ (یہ خطبہ پڑھ کر اس کا داہنا ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ میں لے کر یہ کہلوائے) توبہ کرتا ہوں شرک سے اور کفر سے اور بدعت سے اور تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے۔ اور ایمان لاتا ہوں اللہ پر اور اس کے سچے رسول پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد کرتا ہوں کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھونگا اور رمضان کے روزے رکھوں گا اگر مال ہوا تو زکوٰۃ دوں گا، اگر زیادہ گنجائش ہوئی تو حج کروں گا اور اللہ کے رسول کے سب حکموں کو جہاں تک ہو سکے گا بجا لاؤں گا اور جن کاموں سے اللہ رسول نے منع فرمایا ہے، جہاں تک ہو سکے گا ان سے بچوں گا اور جو کچھ خطا ہو جاوے گی فورًا توبہ کر لوں گا بیعت ہوتا ہوں میں چاروں سلسلوں میں چشتیہ اور قادریہ اور نقشبندیہ اور سہروردیہ۔ اے اللہ ان سب خاندانوں کی برکت ہم کو نصیب فرما اور قیامت کے روز ان بزرگوں کی جماعت میں

ہم کو اٹھا۔ آمین یا رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہٖ و اصحابہ اجمعین (پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں کہ اے اللہ! اپنی محبت اور اپنے حبیب پاک کی محبت عطا فرما (وغیرہ مثلاً) اور اتباع شریعت کی توفیق دے اور ہر گمراہی سے بچا (وغیرہ وغیرہ) ؛

شجرہ منظومہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ

از طفیل ذاتِ پاک و بہرِ ختم المرسلین ۔۔۔ بہرِ حقِ اولیاء و بندگانِ صالحین

حضرتِ اشرف علی[1] نورِ نگاہِ عارفین ۔۔۔ رہنمائے راہِ حق و رہبرِ دینِ مبین

حضرت امداد[2] و نور[3] و حاجی عبد الرحیم[4] ۔۔۔ عبد باری[5]، عبد ہادی[6]، عضد دین[7] مکی امین

شہ محمدی[8] و محمد[9] شہ محب[10] و بو سعید[11] ۔۔۔ شہ نظام[12] و شہ جلال[13] و عبد قدوس[14] فطین

سیدی شیخ محمد[15] شیخ عارف[16] عبد حق[17] ۔۔۔ شہ جلال[18] و شمس[19] و صابر[20] شہ فرید[21] و قطب دین[22]

شہ معین[23] و شاہ عثمان[24] زندنی[25] مودود[26] شاہ ۔۔۔ شہ ابو یوسف[27] ولی و بو محمد[28] ذو الیقین

شہ ابی احمد[29] ابی اسحٰق[30] ممشاد علو[31] ۔۔۔ بو ہبیرا[32] شہ حذیفہ[33] ابن ادہم[34] شاہِ دین

شہ فضیل[35] و عبد واحد[36] شہ حسن[37] حضرت علی[38] ۔۔۔ اٰتِنَا الْحَسَنٰتِ فِی الدَّارَیْنِ رَبَّ الْعٰلَمِیْن

٭٭٭٭٭٭

---

[1] اضافہ منجانب یکے از متبعین

[2] حضرت حسن بصری رحمہ

باب ۱۱

چند ہدایات سلوک

(خلاصہ رسالہ قصد السبیل مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ)

حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ چند ہدایات ہیں جن میں مختصر مختصر مگر بہت ضروری کچھ مضامین سلوک کے مذکور ہیں جن کے قلمبند کرنے کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ اکثر لوگوں کی طبیعت میں اس کا مذاق پیدا ہوتا ہے لیکن بعضے تو ناواقفی طریق سے اغلاط و ضلالات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بعضے گو اغلاط سے محفوظ رہیں مگر عدم معرفت مقصود سے محروم رہتے ہیں، اس لیے طریق و مقصود دونوں کی توضیح و تعیین باسہل و اخصر وجوہ ضروری سمجھی گئی۔

ھدایت اوّل: سلوک جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں، اس کی حقیقت یہ ہے تعمیر الظاہر والباطن، یعنی اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ و معمور کرنا ظاہر کو اعمال جوارح ضروریہ سے اور باطن کو عقائد حقہ و اخلاق باطنہ مثل اخلاص و شکر و صبر و زہد و تواضع وغیرہا سے اس کا ایک مرتبہ تو یہ ہے اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ مرتبہ اولیٰ کے ساتھ ظاہر کو طاعات غیر ضروریہ میں اور باطن کو دوام ذکر میں بھی مشغول کرنا مرتبہ اولیٰ کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس کے لیے دو چیزوں کی حاجت ہوگی اس لیے اُن کا اہتمام بھی ضرور ہوگا، ایک بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا خواہ پڑھ کر خواہ علماء سے پوچھ پوچھ کر اور پڑھنا بھی خواہ عربی میں ہو یا فارسی میں خواہ اردو میں دوسرے علم پر عمل کرنے کی ہمت قوی رکھنا کہ تقاضائے نفس یا ملامتِ خلق سنگ راہ نہ ہو، یہ تو مرتبہ اولیٰ کا بیان ہوا اور دوسرا مرتبہ مندوب ہے اور اکثر عرف میں آج کل اسی کو تصوف اور درویشی کہتے ہیں لیکن اگر دوسرے مرتبہ میں مشغول ہونے سے کوئی ضروری طاعت مرتبہ اولیٰ کی فوت یا خلل پذیر ہو جائے تو پھر اس میں مشغول ہونا ممنوع و غیر مشروع ہو جاوے گا، جیسا بعضے نادان کرتے ہیں

کہ بیوی بچوں کو بھوکا ننگا چھوڑ کر درویشی کا دَم بھرتے ہیں۔

ھدایت دوم : صحیح تربیت سلوک مرتبہ دوم کی یہ ہے کہ اول گناہوں سے توبہ خالصہ کرے اور اگر کچھ عبادت واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں تو ان کو قضا پڑھنا شروع کر دے اور اگر اس کے ذمے کچھ حقوق العباد ہوں تو اُن کے ادا کرنے کے بندوبست میں لگ جاوے یا اہل حقوق سے معاف کرالے کیونکہ بدوں اس کے کہ اُن سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے، اگر عمر بھر بھی ریاضت و مجاہدہ کرے گا ہرگز مقصود حقیقی تک رسائی نصیب نہ ہوگی اور توبہ کے ساتھ آئندہ کے لیے بھی قوی عزم رکھے کہ اللہ و رسول کی اطاعت میں گو نفس کو کتنی ہی ناگواری ہو اور گو مال کا یا جان کا کتنا ہی بڑا ضرر ہو اور گو کوئی نفسانی و دنیوی مصلحت کیسی ہی فوت ہوتی ہو اور گو خلق کتنی ہی ملامت کرے برداشت کریں گے۔ اور اللہ کی اور رسولؐ کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ طالب حق نہیں ہے کیونکہ طالب کی توبہ شان ہوتی ہے **قطعہ ؎**

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

جب توبہ و عزم دونوں ٹھیک ہو گئے تو علم دین بقدر ضرورت حاصل کرے جیسا کہ ہدایت اول میں اس کا طریقہ بیان کیا گیا۔ پھر شیخ کامل کی تلاش میں لگے جس کی پہچان آگے آتی ہے

ھدایت سوم : شیخ کامل وہ ہے جس میں یہ علامات ہوں ۱۔ بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو ۲۔ عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو، ۳۔ دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبہ دنیا ہے، ۴۔ کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو، ۵۔ اس زمانہ کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں، ۶۔ بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

۱۳ **ھدایت چہارم** : جب شیخ کامل میسر ہو جاوے اور اُس سے بیعت کا ارادہ کرے تو اول

یہ سمجھ لے کہ بیعت سے غرض کیا ہے کیونکہ اس میں لوگوں کی مختلف غرضیں ہوتی ہیں بعضے تو صاحب کشف وکرامت بننا چاہتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ کشف وکرامت خود شیخ میں ہونا ضروری نہیں تو بیچارہ مرید تو اس کی کیا ہوس کرے۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے پیر بخشش کے ذمہ دار ہوجاویں گے قیامت میں دوزخ سے نجات دلائیں گے خواہ کیسے ہی عمل کرتے رہو یہ بھی محض غلط ہے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو فرمایا ہے فاطمۃ انقذی نفسک من النار[لے] بعضے یہ جانتے ہیں کہ پیر صاحب ایک نظر میں کامل کردیں گے، ہم کو نہ محنت پڑے گی نہ معاصی کے ترک کا قصد کرنا پڑے گا اگر اس طریق سے کام بن جاتا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا۔

بعضے یہ چاہتے ہیں کہ خوب جوش وخروش ومستی پیدا ہو، خوب نعرے لگایا کریں، گناہ آپ سے آپ چھوٹ جاویں خواہش دنیا کی مٹ جاوے، نیک کاموں میں ارادہ ہی نہ کرنا پڑے آپ سے آپ ہوجایا کریں وساوس وخطرات سب فنا ہوجاویں بس ایک عالم محویت کا رہا کرے۔ یہ خیال پہلے سب خیالوں سے پاکیزہ سمجھا جاتا ہے لیکن منشا اس کا بھی ناواقفی ہے یہ امور منجملہ کیفیات واحوال کے ہیں، جو اختیار سے خارج ہیں اور گو محمود ہیں مگر مقصود نہیں، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایسی خواہشوں میں نفس کا ایک کید خفی ہوتا ہے وہ یہ کہ نفس طالب ہے راحت اور لذت اور شہرت کا، ان کیفیات میں یہ سب امور حاصل ہیں طالب رضا کو جس کا کہ مقصود ہونا عنقریب آتا ہے ان خواہشوں سے کیا علاقہ۔

پھر یہ کہ ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے کیونکہ کیفیات یا حاصل ہوں گی یا نہ ہوں گی، اگر حاصل ہوگئیں تب بوجہ اس کے کہ یہ شخص اسی کو غایت اور ثمرہ سمجھتا تھا، اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگتا ہے اور انہی کیفیات پر قناعت کرکے تقویٰ وطاعات سے بے فکر اور

[لے] اس حدیث کو بخاری ومسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے ۱۲ عزم الفقیر للسید احمد حسن

مستغنی ہوجاتا ہے یا کم از کم طاعات کو حقیر ضرور سمجھنے لگتا ہے اور اگر حاصل نہ ہوئیں تو غم میں مرنے گھلنے لگتا ہے اور جو شخص غیر اختیاری امور کا طالب ہوگا ہمیشہ مبتلائے غم و پریشانی رہیگا بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کے عملیات بڑے مجرب ہیں ضرورت کے وقت اُن سے تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے یا پیر صاحب بڑے مقبول الدعوات ہیں مقدمات وغیرہ میں اُن سے دعا کرایا کریں گے اور سب کام اپنی مرضی کے موافق ہوجایا کریں گے گویا ساری خدائی پیر صاحب کے قبضے میں ہے یا ہم خود اُن سے ایسی چیز سیکھ لیں گے کہ ہم بھی بابرکت ہوجاویں گے کہ ہمارے دم کر دینے سے ہاتھ پھیر دینے سے مریض اچھے ہوجاویں گے بلکہ ایسے لوگ تمامتر بزرگی کا خلاصہ اُن ہی عملیات کو اور اُن کے آثار کو سمجھتے ہیں چونکہ اس کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں اور یہ نیت محض دنیا کی طلب ہے اس لیے بالکل فاسد در فاسد ہے۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر و شغل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ کچھ انوار نظر آیا کریں گے یا کچھ آوازیں سنائی دیں گی یہ بھی محض ہوس اور نافہمی ہے کیونکہ اول تو ذکر و شغل پر ان آثار کا مرتب ہونا ضرور نہیں اور نہ ذکر و شغل سے یہ مقصود ہے۔ دوسرے یہ انوار و الوان و اصوات بعض اوقات اُسی کے دماغ کا تصرف ہوتا ہے۔ عالم غیب کے اشیاء میں سے نہیں ہوتیں، تیسرے اگر بالفرض اُسی عالم کی چیزیں منکشف ہوگئیں تو اس کو کیا فائدہ، کسی عالم کے منکشف ہونے سے قرب نہیں بڑھ جاتا۔ قرب کے لیے تو طاعات موضوع ہیں، بعض اوقات شیاطین کو ملائکہ نظر آجاتے ہیں مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہیں، پھر مرنے کے بعد ظاہر ہے کہ سب کفار کو اُس عالم کے بہت سے حقائق کا انکشاف ہوجاویگا تو جو امر کفار میں بھی مشترک ہو اس میں کیا کمال ہوا چونکہ امور مذکورہ میں سے صحیح غرض کوئی نہیں اس لیے ان سب کو دل سے نکال کر اصلی غرض اور مقصود سلوک کا رضائے حق کو سمجھے جس کا طریق احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے، شیخ اسی کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور مُرید اس پر کاربند ہوتا ہے اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں حاصل ہو تب بھی آخرت میں اُس کا ثمرہ کہ رضا ہے ظاہر ہوگا اور رضا سے دخول جنت و لقائے حق

اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی اور شیخ کی طرف سے اُسی کی تلقین کا وعدہ اور مُرید کی طرف سے اُس کے اتباع کا عہد یہی حقیقت ہے پیری مُریدی کی۔

ھدایت پنجم :- جب سلوک کا طریق کہ بجا آوری احکام ہے اور اس کا ثمرہ کہ حصول رضائے حق ہے معلوم ہوگیا تو اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ یہ طریق مخالف شریعت کے نہیں بعضی جہال کا یہ کہنا کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے بایں معنی کہ ایک دوسرے کے مخالف ہے باطل محض وضلالت خالصہ ہے اور اگر کسی مستند عبارت سے اس کا ایہام وشبہ ہوتا ہو تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تغائر یعنی اور ہونے کے دو معنی ہیں، ایک تعدد دوسرے تخالف وتنافی مثلاً اسلام اور کفر میں تغائر بمعنی تنافی ہے یعنی ایک چیز کو قانون اسلام حرام تبلاتا ہے تو قانون کفر اس کو حلال کہتا ہے اور بالعکس یہی بخلاف احکام متعددہ اسلامیہ کے کہ باہم دگر باس معنی کے متغائر نہیں لیکن متعدد ہیں مثلاً کتاب الصلوٰۃ کے مسائل اور ہیں کتاب الزکوٰۃ کے اور ہیں لیکن یہ نہیں کہ ایک امر کو کتاب الصلوٰۃ میں ناجائز لکھا ہو یا بالعکس پس شریعت اور طریقت میں تغائر بمعنی تنافی کا دعویٰ و اعتقاد تو الحاد و بد دینی ہے جیسے جُہلا سمجھتے ہیں کہ فلاں بات گو شریعت میں ناجائز ہے مگر فقیری میں جائز ہے نعوذ باللہ منہ البتہ تعدد کا قائل ہونا اُس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب شریعت کو افعال جوارح کے ساتھ خاص کر لیا جاوے اور طریقت اعمال قلبیہ کے ساتھ مخصوص کہا جاوے تو ایک اصطلاح ہوگی اور اصطلاح میں کچھ مناقشہ نہیں اُس وقت کنز وہدایہ وغیرہ کتب فقہیہ کو مسائل شریعت اور احیاء وعوارف وغیرہ کتب اخلاق وغیرہ کو مسائل طریقت کہنا صحیح ہوگا اور ان میں باہم وہی نسبت ہوگی جو کتاب الصلوٰۃ وکتاب الزکوٰۃ میں ہے سو اس طور سے تعدد کا کسی کو انکار نہیں اور اگر شریعت کو سب احکام کے لیے جامع کہا جاوے جیسا فقہ

لے اور خدا کی یاد کی توفیق ہو جانا اور اس کی لو لگ جانا کیا تھوڑا کمال ہے کسی اہل دل نے کیا خوب کہا ہے ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند | فرزند و عیال و خان ومال را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی | دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

احمد حسن عفی عنہ

کی تعریف میں معرفۃ النفس مالھا وما علیھا کہا گیا ہے اور طریقت کو مرادف تصوف کہا جاوے جس کا عام ہونا تمام احکام ظاہر و باطن کے لیے ہدایت اول میں گذر چکا ہے تو تعدد کے قائل ہونے کی بھی گنجائش نہیں محض تفاوت عنوان کا ہوگا اور جس شخص نے کہا ہے

ع۔ درکنز وہدایہ نتواں یافت خدارا

وہ مبنی ہے اصطلاح اول پر یعنی احکام خدارا آنکہ متعلق بہ اصلاح باطن ہستند۔

ھدایت ششم:۔ جو امور اختیاری ہیں اُن میں تو خلل نہ ڈالے اور جو امور اختیار سے خارج ہیں اگر وہ مرغوب ہیں تو اُن کے حصول کے درپے نہ ہو اور اگر وہ نامرغوب ہیں تو اُن کے دفع میں تن دہی نہ کرے مثلاً نماز کے اور تلاوت یا ذکر کے اندر یہ تو اختیار میں ہے کہ اپنے قلب کو گو تکلیف ہو حاضر رکھے جس کے کئی طریق ہیں مثلاً حق تعالیٰ کی ذات کا تصور کرنا یا معانی الفاظ کی طرف توجہ کرنا یا خود الفاظ کی طرف خیال رکھنا اس طرح کہ ہر ہر لفظ کو مستقل ارادہ سے زبان سے ادا کرے پس اس میں تو کمی نہ کرے اور نماز کے اندر یا تلاوت کے وقت جی نہ لگنا یا لذت نہ ہونا یا وساوس و خطرات کا ہجوم کرنا خواہ وہ کتنے ہی ناپاک ہوں یہ امر غیر اختیاری ہے اس کی فکر نہ کرے اپنا اختیاری کام کیے جائے اسی سے بالخاصہ ان کی اصلاح ہو جاتی ہے بالخصوص وساوس کی طرف تو اصلاً التفات نہ کرے نہ اس پر مغموم ہو کہ اس سے اُن کو دونی ترقی ہوتی ہے پھر سخت پریشانی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اس کا عمدہ علاج یہی ہے کہ اپنے ذکر وغیرہ کی طرف توجہ پھر تازہ کر دے اور اس وسوسہ سے بالکل بے پروائی اختیار کرے اس سے وہ از خود مندفع ہو جاتا ہے اور مثلاً طاعت اختیاری ہے اس میں سستی نہ کرے اور یہ امور خارج از اختیار ہیں اچھا خواب، قبول دعا، وجد و رقت وغیرہ ان کا طالب نہ ہو یا مثلاً معصیت اختیاری ہے اس کے پاس نہ جاوے اور یہ چیزیں غیر اختیاری ہیں بُرا خواب طبیعت کا انقباض رزق کی کمی، ذکر میں کسی چیز کا نظر نہ آنا یا کوئی اثر محسوس نہ ہونا بیمار ہو جانا وغیرہ، ان سے مغموم نہ ہو مثلاً کسی کے ساتھ بلا قصد تعشق ہو جانا غیر اختیاری

ہے[ف] اس میں کوئی معصیت و مضرت نہیں گو تکلیف ہے لیکن یہ امور اختیار میں ہیں اس کو دیکھنا اُس سے باتیں کرنا قصداً اس کی آواز سننا اُس کے پاس آنا جانا اُس کا خیال دل میں لانا اس کو سوچ سوچ کر دل سے لذت لینا ان سے بچنا واجب ہے اور اکثر اس تدبیر سے وہ عشق بھی مضمحل ہو جاتا ہے اور اگر اس میں کوتاہی کرے گا گنہگار ہوگا اور قلب تاریک ہو جاویگا یا مثلاً کسی معصیت کی طرف بار بار طبیعت کا مائل اور راغب ہونا غیر اختیاری ہے اس کی فکر میں نہ پڑے البتہ معصیت اختیاری ہے اُس سے بچے اُس میلان پر عمل نہ کرے جو شخص غیر اختیاری چیزوں کی تحصیل یا دفع کی فکر میں رہتا ہے تمام عمر اس کی تشویش اور تنگی میں گذرتی ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے ان وجوہ سے اپنے کو مردود سمجھ لیا ہے پھر بعضوں نے تو خودکشی کر لی ہے اور بعضوں نے ذکر و طاعت کو چھوڑ دیا ہے غرض ایمان کا نقصان کیا یا جان کا بھی۔ اصل یہ ہے کہ امور غیر اختیاریہ یہ ہیں جو مرغوب ہیں گا ہے اُن کا حصول سالک کے لیے موجب فتنہ ہو جاتا ہے مثلاً اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگا عجب دعوی یا شہرت میں مبتلا ہو گیا اور اسی طرح عدم حصول کبھی موجب نفع ہوتا ہے مثلاً اپنے کو ناکارہ وحقیر سمجھنے لگا اور جو امور نامرغوب ہیں کبھی اُن کا ہونا اس کے لیے نافع ہوتا ہے مثلاً اُس میں مشقت ہوتی ہے جو ایک قسم کا مجاہدہ ہے۔ تنگی ہوتی ہے، غم ہوتا ہے جس سے تصفیہ باطن کا ہوتا ہے ایسے ہی مواقع کے لیے ارشاد ہے عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔ البتہ امور مرغوبہ اگر خود حاصل ہو جاویں نعمت سمجھ کر شکر کرے جیسا کہ عدم حصول کو بھی ایک اعتبار سے جیسا مذکور ہوا نعمت سمجھے اور شکر کرے خوب سمجھ لو۔

خاص ذاکر شاغل لوگوں کو وصیت

اوپر کی نصیحتیں دیکھ لو ہر امر میں سنت پر عمل کرنے کا اہتمام کرو، اس سے قلب میں بڑا نور پیدا

[ف] اس کے ازالہ کی نہایت کوشش کرے کیونکہ ایک قلب میں دو محبتیں نہیں رہ سکتیں طالب حق کو سب طرف سے خالی ہو کر صرف اسی کی طرف لگنا چاہیے ۱۲ احمد حسن

ہوتا ہے اگر کسی سے کوئی بات خلافِ مزاج پیش آوے صبر و تحمل کیا کرو جلدی سے کچھ کہنے سننے مت لگو خاص کر غصہ کی حالت میں بہت سنبھلا کرو کبھی اپنے کو صاحبِ کمال مت سمجھو جو بات زبان سے کہنا چاہو پہلے خوب سوچ لیا کرو جب خوب اطمینان ہو جاوے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور یہ بھی متحقق ہو جاوے کہ اس میں کوئی دنیوی ضرورت یا دینی منفعت ہے اس وقت زبان سے نکالو کسی بُرے آدمی کی بھی بُرائی نہ کرو نہ سُنو کسی صاحبِ حال پر طعن مت کرو کسی مسلمان کو گو وہ خطاکار یا کم رتبہ ہو حقیر مت سمجھو۔ مال و جاہ کی طمع و حرص مت کرو، تعویذ گنڈوں کا شغل مت رکھو اس سے عوام کا ہجوم ہوتا ہے، جہاں تک ممکن ہو ذاکرین کی جماعت میں شامل اور داخل ہو اس سے نور اور عزم اور شوق سب میں قوت ہوتی ہے۔ دنیوی تعلقات مت بڑھاؤ بے ضرورت بہت سامان مت جمع کرو۔ حتی الامکان خلوت میں رہو۔ بدون ضرورت و مصلحت لوگوں سے زیادہ مت ملو اور جب ملنا ہو خوش خلقی سے پیش آؤ اور بعد رفع ضرورت جلدی اُن سے جدا ہو جاؤ بالخصوص شناسا دنیا داروں سے بہت بچو یا تو اہل اللہ کی صحبت ڈھونڈھو یا عوام میں ناشناسا لوگوں سے ملو اُن سے کم ضرر پہنچتا ہے اگر قلب پر کچھ احوال یا علوم وارد ہوں شیخ سے اطلاع کرو شیخ سے کسی خاص شغل کی درخواست مت کرو، ثمرات ذکر کے بجز شیخ کے کسی پر ظاہر مت کرو۔ اگر تصوف کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہو تو پہلے تعلیم الدین کا حصہ پنجم اور کلید مثنوی مطالعہ کر لو جب کہ تم معقول و منقول کے جامع عالم ہو سخن پروری کبھی مت کرو بلکہ جب تم کو اپنی غلطی ثابت ہو جاوے فوراً اقرار کر لو، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھو۔ اُسی سے التجا رکھو اور استقامت کی درخواست کرو والسلام خیر ختام۔

عطر تصوف

ایک مختصر دستور العمل جو کہ غایت نافع ہونے کے اعتبار سے میرے نزدیک عطر تصوف کہنے کے قابل ہے جو بہت سے خاک بیزی کے بعد ہاتھ آیا ہے اور اصل محرک اس رسالہ کی

تحریر کا اسی کا مضمون ہے عام طالبین کے عموماً اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچنے تک کے واسطے اور اپنے دوستوں کے لیے خصوصاً ہمیشہ کے لیے عمل کرنے کے واسطے ضبط کئے دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے قوی امید کرتا ہوں کہ اس کے موافق عمل کرنے والا محروم نہ رہے گا پھر اگر کسی کا شیخ اسی کو جائز و منظور رکھے تب تو قصہ سہل ہوا اور اگر اوراد و اذکار و اشغال کے متعلق کچھ اور تجویز کرے تو اس کے موافق کرنا چاہیئے البتہ اس میں جتنے امور شرعاً ضروری ہیں ان میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے وہ بحالہ رہیں گے، پس خلاصہ اُس دستور العمل کا یہ ہے۔

خلاصہ دستور العمل

تہجد کے بعد بارہ تسبیح، بعد نماز فجر تلاوت قرآن مجید و منزل مناجات مقبول تلاوت کے بعد اسم ذات بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک (اگر اس قدر مقدار کی فرصت نہ ہو تو بقدر فرصت جس قدر سہل ہو مقدار مقرر کر سکتے ہیں)، دوپہر کا قیلولہ بعد ظہر اسم ذات بشمار مذکور بعد عصر حاضری خدمت شیخ یا سیر صحرا و مقابر بعد مغرب مراقبۂ موت بقیہ اوقات میں درود شریف بلا تعداد اگر حاجت ہو شغل انحد ملازمت تقویٰ مداومت ذکر اجتناب معاصی و غفلت خصوص ریا و کبر و دعویٰ و تفاخر و عجب و غیبت و اعتراض و فضول کلام و کثرت مخالطت خلق و رغبت شہوت حرام و غضب و بدخلقی و تکثیر تعلقات دنیویہ اور جو امور مثل ان کے ہوں نسبت باطنی کے حصول تک وعظ و درس وغیرہ کی تعلیل بدون اجازت شیخ کے تلقین طریقت کی جرأت نہ کرنا، غرض میزان کل اور خلاصہ طریق الی اللہ کا کل دو چیزیں ہیں طاعت اور ذکر، معصیت سے طاعت فوت ہو جاتی ہے اور غفلت سے ذکر مختل ہو جاتا ہے اس لیے اپنا اصلی کام طاعت و ذکر پر دوام رکھنے کو اور معصیت و غفلت سے بچنے کو سمجھے۔ اگر ایک مدت تک اس پر استقامت و استدامت رہے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ محروم نہ رہے اور یوں فائدہ تو اول ہی سے ہونے لگتا ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا ایک وقت ایسا آوے گا کہ یہ بھی سمجھنے لگے گا

لیکن نہ گھبراوے، نہ جلدی کرے، نہ سستی کرے، نہ کمی کرے کیونکہ اس کی نہ کوئی میعاد معین، نہ کوئی ذمہ دار ہوسکتا ہے البتہ اس قدر امیدوار کر سکتے ہیں کہ ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

تا دمِ آخر دمے آخر بود ! کہ عنایت با تو صاحب سر بود

اور اگر باوجود اس کے ابتدا میں ذرا زیادہ اور اس کے بعد کبھی کبھی شیخ کی صحبت بھی نصیب ہوجاوے تو نور علیٰ نور ہے اس کی صحبت کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اخلاق و عادات میں اس کا اتباع کرے گا، اذکار و عبادات میں نشاط اور ہمت کو قوت ہوگی جو حال غریب پیش آوے گا، اس باب میں اُس سے تشفی ہوجاوے گی اور بہت سے فوائد ہیں جن کا خود مشاہدہ ہوتا ہے۔

حقیقت طریقت

خلاصۂ سلوک۔ (۱) نہ اس میں کشف و کرامات ضروری ہے (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے (۳) نہ دنیا کی کار برآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دعا سے فتح ہوجایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات بتلادی جایا کرے (۴) نہ تصرفات ملازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہوجاوے اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آوے خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے یا علم دین و قرآن میں ذہن و حافظہ بڑھ جاوے (۵) نہ ایسے باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے۔ عبادت میں خطرات ہی نہ آویں۔ خوب رونا آوے، ایسی محویت ہوجاوے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے (۶) نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہا کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضرور ہے (۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا، ان حکموں میں بعضے

متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز روزہ و حج و زکوٰۃ وغیرہا اور جیسے نکاح و طلاق و ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارہ قسم وغیرہ اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و کلام و طعام و منام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا خدا سے ڈرنا، خدا کو یاد رکھنا۔ دنیا سے محبت کم ہونا۔ خدا کی مشیت پر راضی رہنا۔ حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا کسی کو حقیر نہ سمجھنا۔ خود پسندی نہ ہونا غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے جیسے قلت محبت حق سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر و غلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہو گیا۔ حقوق تلف ہو گئے۔ مثل ذٰلک اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جاوے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں اور جو سمجھ میں آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اُن پر عمل مشکل ہوتا ہے، ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور اُن کا علاج و تدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت و تدبیرات میں قوت پیدا ہونے کے لیے کچھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری و باطنی کی پابندی ہے۔ دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور قرب اور کثرت ذکر سے زیادت رضا و قرب حاصل ہوتا ہے، یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا۔

*****

باب ۱۲

تسہیل الطریق

خصوصیاتِ طریق کے متعلق مہمانہ ارشادات

(۱) امورِ اختیاریہ میں ہمت سے کام لینا اور غیر اختیاریہ کی فکر میں نہ پڑنا

ایک طالب نے اپنے عریضۂ حالات کے آخر میں لکھا کہ میں اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے ادھیڑ بُن کے اور کچھ نہیں اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اس کا تو علاج ہی نہیں۔ باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں اختیاری میں ہمت سے کام لیں۔ اگر کوتاہی ہو جاوے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

(۲) گناہوں سے اچھی طرح توبہ کر کے پھر گناہوں کے تصوّر اور غم میں نہ پڑے

سبحان اللہ کیا جامع مانع دستور العمل ہے۔ طالبین کو چاہیئے کہ اس کو اپنا حرزِ جان اور عمر بھر کے لیے اپنا معمول بنا لیں۔ ماضی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بس ایک بار اچھی طرح توبہ کر کے پھر گناہوں کے غم میں نہ رہے بلکہ کام میں لگے ورنہ گناہوں کا تصور اور غم بھی اس کے اور محبوبِ حقیقی کے درمیان طبعی طور پہ حجاب ہو جائے گا۔ حسبِ ارشاد مولانا رومیؒ ع "ماضی و مستقبلت پردہ خدا ست" بندہ اپنے محبوبِ حقیقی کے مشاہدۂ دائمی کے لیے پیدا ہوا ہے نہ کہ گناہوں کے مراقبہ کے لیے۔ گناہوں کے استحضار کی تو توبہ کے لیے ضرورت تھی۔ جب توبہ کر چکا پھر استحضار کی کیا ضرورت رہی۔ کیونکہ گناہوں کا استحضار مقصود بالذات تھوڑا ہی ہے بلکہ مقصود بالغیر ہے۔ توبہ کے بعد بھی گناہوں کا قصداً استحضار رکھنا مقصود بالغیر کو مقصود بالذات بنانا ہے۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے

؎ ماخوذ از اشرف السوانح جلد دوم

تو بجائے اس کے کہ اس کے غم کو لے کر بیٹھ جائے اور اس کمی کا افسوس ہی کرتا رہے بس ایک بار خوب اچھی توبہ و استغفار کر کے بات کو ختم کرے اور اپنے کام میں لگے۔ کام میں لگ جانے ہی سے خود کمی کا بھی تدارک ہو جائے گا۔

کثرتِ استغفار میں بھی جس کی بہت فضیلت وارد ہے محض یہ اجمالی استحضار کافی ہے کہ میں گنہگار ہوں اپنے سب گناہوں سے استغفار کرتا ہوں باقی اللہ تعالیٰ کو تو ان گناہوں کا علم ہے ہی۔ ان کے تفصیلی استحضار کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا طبعی اثر حجاب ہے۔ کیونکہ گناہوں کا ہمیشہ تفصیلی استحضار رکھنے سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے کہ جب ایسے ایسے اور اتنے سارے گناہ ہیں تو کیا بخشش ہوگی۔ اللہ میاں کیسے راضی ہوں گے۔ اور جب کسی کی ناراضی کا بار بار تصور کیا جاتا ہے تو اس کا طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ خود بھی طبیعت میں اس کی طرف سے انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض اس طرح معاصی کا تفصیلی استحضار طبعاً موجب حجاب ہو جاتا ہے البتہ بلا قصد کسی خاص گناہ کا استحضار ہو جائے تو بالتخصیص بھی توبہ کرے۔ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک استغفار کا صیغہ منقول ہے جس میں یہ الفاظ ہیں، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کے لیے ذنوب کا تفصیلی استحضار ضروری نہیں ورنہ مالم اعلم کے صیغہ کی تعلیم فرمانے کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ گناہوں کو سوچ سوچ کر یاد کر کے توبہ کیا کرو۔ اھ

اور ایک حدیث اس مسئلہ کی اصل ہو سکتی ہے جس کی تقریر حضرت والا کے رسالہ التشرف میں کی گئی ہے چونکہ اس تقریر سے اس مسئلہ کی کافی توضیح و تحقیق ہوتی ہے اس لیے اس کو اس مقام پر نقل کیا جانا مناسب ہے وھو ہذا۔

الحدیث (۷۰) اذا تاب العبد انسی اللہ الحفظۃ ذنوبہ وانسی ذلک جوارحہ ومعالمہ من الارض حتی یلقی اللہ ولیس علیہ شاھد من اللہ بذنب ابن عساکر عن انس رض) ف مدلول الحدیث

ظاهر و یمکن ان یوخذ منہ بالقیاس ما نقل عن بعض العارفین ان من علامۃ قبول التوبۃ نسیان العبد الذنب فان القلب الذی بہ یتذکر الذنب کالجوارح کما فسر وا بہ قولہ تعالیٰ ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا ای کل واحد من ھذہ الاعضاء کان عنہ ای عما نسب الیہ مسئولا لیشھد علی صاحبہ (بتصیر الرحمٰن) ھذا ھو السر فی الآخرۃ واما السر فی الدنیا فھو ان تذکر الذنب قد یکون حجاباً طبعیاً من التوجہ الی اللہ تعالیٰ بالانشراح فینسیہ اللہ تعالیٰ ایاہ وعندی ان ھذا لیس بلازم ولا دائم فان بعضھم یغلب عقلہ علی الطبع فلا یمنعہ التذکر عن التوجہ فھذہ العلامۃ لبعض افراد القبول لا لجمیعھا۔

جب بندہ توبہ (خالص) کرتا ہے (جو مقبول ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ اس کے گناہ (ملائکہ) حافظین اعمال کو بھی بھلا دیتا ہے اور اس کے جوارح کو (بھلا دیتا ہے) اور زمین کے نشانات کو بھی بھلا دیتا ہے (یعنی جس جگہ وہ معصیت کی تھی جو قیامت میں گواہی دیتی) یہاں تک کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی گواہی دینے والا نہیں ہوتا۔

ف مدلول حدیث کا ظاہر ہے اور اس حدیث سے اس مضمون کو بھی بطور قیاس کے جو بعض عارفین سے منقول ہے کہ منجملہ علامات قبول توبہ کے یہ بھی ہے کہ بندہ گناہ کو بھول جاتا ہے، کیونکہ قلب جس سے گناہ یاد رہتا ہے، وہ بھی مثل جوارح کے ہے جیسا مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے انّ السمع والبصر الخ کہ ان سے سوال ہوگا تاکہ یہ صاحب اعضاء پر شہادت دیں (تو شاہدوں میں قلب بھی داخل ہوگیا تو قلب سے بھی گناہ کو بھلا دیا جاتا

ہے اور یہ راز تو آخرت میں ہے اور دنیا میں اس کا یعنی بالخصوص قلب سے بھلا دینے کا یہ راز ہے کہ گناہ کا یاد ہونا بعض اوقات سالکین کے لیے انشراح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے طبعی حجاب ہو جاتا ہے۔ اور حکمت الٰہیہ کبھی بعض کی مصلحت سے طبعی حجاب کو بھی رفع فرما دیتی ہے، اور میرے نزدیک یہ سب ہے کہ یہ (بھول جانا) نہ لازم ہے نہ دائم ہے کیونکہ بعض سالکین کی عقل طبیعت پر غالب ہوتی ہے تو ایسے شخص کو یہ یاد ہونا توجہ سے مانع نہیں ہوتا۔ پس یہ علامت بعض افراد کی ہے نہ کہ سب کی۔

اور تو یہ ممکن ہے کہ نسیان ہو جاوے اور توبہ قبول نہ ہو، بلکہ نسیان بوجہ غفلت کے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ توبہ قبول ہو جائے اور نسیان نہ ہو بلکہ اس مصلحت سے یاد رہے کہ ہمیشہ استغفار کر کے مدارج قبول میں ترقی کرتا رہے) از رسالہ الہادی ربیع الثانی ۵۰ھ)

(۳) قبول توبہ کی علامت

سوال: فتوحات میں حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں قبول توبہ کی علامت یہ ہے کہ اس گناہ کا نقش بالکلیہ ذہن سے محو ہو جائے کہ کبھی عمر بھر وہ یاد نہ آئے۔ اس مسئلہ کا نام قاصمۃ الظہر رکھا ہے اور شعرانی رح نے اپنی کتابوں میں اس طرح نقل کیا ہے گویا ان کو بھی یہ مسلم ہے۔ اور عام کتب طریقت میں جمہور لکھتے ہیں کہ سالک کو لازم ہے کہ ہمیشہ ہر وقت اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے کبھی نہ بھولے۔ امام شعرانی رح علی الخصوص اس مسئلہ پر بہت زور دیا کرتے ہیں بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے حقیقت کیا ہے، اور وجہ تطبیق۔

الجواب: محو ہو جانے سے یہ مراد نہیں کہ یاد نہ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس

کالاثر خاص یعنی قلق طبعی نہ رہے گو یاد بھی رہے اور قلق اعتقادی بھی رہے تو یہ امر گناہ کو یاد رکھنے کی تعلیم سے معارض نہیں ہوا اور یہ بھی کلیا نہیں بعض طبائع کے اعتبار سے ہے جن کے لیے قلق طبعی حاجب ہو جاتا ہے انشراح فی الطاعۃ سے اور اس وقت اصل عبارتیں میری نظر میں نہیں عبارت منقولہ سوال کی بناء پر لکھ دیا ورنہ ممکن ہے کہ اس سے بھی اچھی کوئی وجہ جمع کی ہو۔ ۲۵۔ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ (از رسالہ النور رجب ۱۳۴۹ھ)

(۴) طریق میں مسئلہ اختیاری اور غیر اختیاری کی تحقیق

حضرت والا اس اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو دیگر عنوانات سے بھی ارشاد فرمایا کرتے ہیں مثلاً عقلی اور طبعی۔ اعمال اور احوال۔ افعال اور انفعالات۔ مقصود اور غیر مقصود۔ یہ کل پانچ عنوان ہوئے لیکن ان سب کا معنون ایک ہی ہے۔ کہ انسان اختیاری امور کا مکلف ہے۔ غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں) حضرت والا ان پانچوں عنوانات سے دوران تربیت بکثرت کام لیتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے سالکین کی بڑی بڑی مشکلات کو حل فرماتے ہیں) یہاں تک کہ بہت سے طالبین کی تو جانیں انھیں حقائق کی بدولت بچ گئیں اور بہتیروں کے ایمان انھیں کے ذریعہ سے سلامت رہے اور اب بھی بہتیرے انھیں کے سہارے زندہ ہیں ورنہ اگر حضرت والا کے یہ حقائق ان کے پیش نظر نہ ہوتے تو وہ اپنے ایمان سے مایوس ہو کر یا تو اپنے کو ہلاک کر ڈالتے یا نعوذ باللہ ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

اب ان پانچوں عنوانات کے متعلق حضرت والا کے بعض ارشادات مختصراً اور مثالاً پیش کیے جاتے ہیں مثلاً اختیاری اور غیر اختیاری کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ وسوسے لانا اختیاری ہے اس سے اجتناب کرے اور وسوسے آنا غیر اختیاری ہے اس کی کچھ پروا نہ کرے البتہ آئے ہوئے وسوسوں کو اختیاراً باقی رکھنا بھی بوجہ اختیاری ہونے کے مذموم ہے۔ اسی طرح ذکر و تلاوت و نماز میں دل لگانا اختیاری ہے دل لگنا غیر اختیاری ہے اپنی طرف سے دل لگنے کے اسباب کو جمع کرے پھر بھی اگر دل رہ گئے تو یہ دل لگے ہی عمل

کو بتکلف کرتا رہے۔ اسی طرح میلان الی المعاصی کا غم نہ کرے کیونکہ میلان غیر اختیاری ہے۔ البتہ اس میلان کے مقتضا پر عمل کا صدور نہ ہونے دے جو اختیاری ہے۔ محض میلان پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ عمل پر ہے۔ اھ۔

اور مثلاً عقلی اور طبعی کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ انسان عقلی امور کا مکلف ہے کیونکہ وہ اختیاری ہیں طبعی امور کا مکلف نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ اھ

چنانچہ ایک طالب نے لکھا کہ پہلے کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا لیکن اب کچھ رنج نہیں ہوتا۔ دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے چنانچہ رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی کی علامت ہے۔ اھ۔

اور مثلاً اعمال اور احوال کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں کیونکہ اعمال اختیاری ہیں احوال اختیاری نہیں۔ اھ۔

اور مثلاً افعال اور انفعالات کے متعلق ایک صاحب فضل کو جو طریق باطن کے متعلق حضرت والا سے خط و کتابت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ذوق و شوق حاصل ہو جائے۔ آخر میں قول مختتم اور خلاصہ کے طور پر تحریر فرمایا کہ اس طریق میں افعال کا اعتبار ہے انفعالات کا اعتبار نہیں لہذا افعال کا اہتمام چاہیئے جو اختیاری ہیں انفعالات کے درپے نہ ہونا چاہیئے جو غیر اختیاری ہیں۔ اھ۔

اور مثلاً شعبۂ باطن میں مقصود اور غیر مقصود کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ مقصود مقامات ہیں یعنی اعمال اختیاریہ نہ کہ احوال غیر اختیاریہ اھ۔

۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ گو احوال محمودہ محمود ہیں لیکن مقصود نہیں کیونکہ وہ اختیاری نہیں نہ ان کا حصول لازم نہ ان کا بقاء دائم۔ اگر حاصل ہوں شکر کرے لیکن کمال نہ سمجھے۔ اگر نہ حاصل ہوں یا حاصل ہو کر زائل ہو جائیں تو غم نہ کرے، وہو معنی اقوال الرومی رحمہ اللہ ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست		تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

ایک بار حضرتؒ نے اپنے عریضہ میں اس پر اظہار افسوس کیا کہ اگلی بار کی حاضری میں ایک ایسی خاص کیفیت لے کر حاضر ہوا تھا جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن بعد واپسی کچھ دن میں وہ رفتہ رفتہ بالکل زائل ہو گئی۔ اھ۔ اس پر حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ کسی کیفیت کا طاری ہونا اور چند سے جاری رہنا یہ بھی لبسا غنیمت ہے ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل اور ایمان ہے باقی سب میں آمد و رفت رہتی ہے۔ اھ۔

غرض اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت والا پر ایسا منکشف فرمایا ہے کہ حضرت والا اس کو مختلف مواقع پر مختلف عنوانات سے حسب اختلاف فہم اور استعداد طالبین بے تکلف کام میں لاتے ہیں اور یہ مسئلہ ہر موقع پر نہایت ہی کارآمد ثابت ہوتا ہے اور حضرت والا کے اس ارشاد میں ذرا مبالغہ نہیں کہ یہ مسئلہ آدھا سلوک ہے بلکہ قریب قریب سارا۔ اھ۔

واقعی جہاں تک غور کیا جاتا ہے تربیت و اصلاح کی شاید ہی کوئی ایسی جزئی ہو جس کا اس مسئلہ سے بواسطہ یا بلا واسطہ تعلق نہ ہو اور طریق کا شاید ہی کوئی ایسا مرحلہ ہو جس میں یہ مشعل راہ کا کام نہ دیتا ہو۔

(۵) طریق میں ثمرات و کیفیات کی حقیقت

حضرت والا طالبین کو ثمرات و کیفیات سے بتاکید شدید بالکل یکسو رکھتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ ثمرات کی روح اجر و قرب ہے بس اس ثمرہ پر نظر رکھنا چاہیے اور کسی ثمرہ کا منتظر نہ رہنا چاہیے۔ بلکہ جتنے زوائد طریق ہیں ان سب کے متعلق معاملہ ہی ایسا فرماتے ہیں کہ طالب کو مجبوراً ان سے ہٹ کر ضروریات و مقاصد طریق ہی میں

ع۵ مؤلف اشرف السوانح

مشغول ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نے کوئی خواب بغرض تعبیر پیش کیا تو بجائے تعبیر بتانے کے اکثر یہ فرما دیتے ہیں کہ مجھے تعبیر خواب سے مناسبت ہی نہیں مجھ سے تو بیداری کی باتیں پوچھی جائیں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

خوابوں میں کیا رکھا ہے بیداری کی حالت کا اعتبار ہے جو اختیاری ہے اگر کوئی اپنی بیداری کی حالت کو درست نہ کرے تو خواب میں اپنے آپ کو عرش و کرسی کی بھی سیر کرتے ہوئے دیکھے تب بھی اس کو ذرہ برابر قرب نصیب نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کی بیداری کی حالت بدرجۂ مطلوبہ درست ہے تو چاہے خواب میں اپنے آپ کو دوزخ ہی میں دیکھے پھر بھی وہ مقرب ہے لیکن اس سے خواب کی نفی مقصود نہیں بلکہ عوام نے جو خوابوں کو مبشرات کے درجہ سے بھی آگے بڑھا دیا ہے اس سے متنزل کرنا ہے۔ اھ۔

اور مثلاً اگر کسی نے یہ شکایت کی کہ پہلے رونا بہت آیا کرتا تھا اب نہیں آتا تو فرما دیتے ہیں کہ آنکھ کا رونا مطلوب نہیں دل کا رونا مطلوب ہے وہ حاصل ہے یعنی نہ رونے پر افسوس۔ اھ

ایک بار فرمایا کہ اگر ثمرات و کیفیات کی تمنا بھی ہو تب بھی ان سے یکسو ہی رہنا ضروری ہے کیونکہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں یکسوئی سے اور جب کیفیات کی درود کی جانب توجہ رہی تو یکسوئی کہاں رہی۔

اسی لیے ذہین اور ذکی آدمی کو کیفیات نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم کیونکہ اس کا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے اس کو یکسوئی ہوتی نہیں اور بلا یکسوئی کے کوئی کیفیت ہوتی نہیں۔ اسی وجہ سے عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں برخلاف اس کے جن میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو ایسے آثار سے بہت مناسبت ہوتی ہے گو اس کا عکس لازم نہیں لیکن ایسے لوگ اپنے کام کے تو خوب ہوتے ہیں مگر دوسروں کو ان

سے فائدہ کم پہنچتا ہے ۔ اھ۔

غرض حضرت والا طالبین کو کیفیات کی طرف التفات کرنے سے بتاکید منع فرماتے رہتے ہیں اور اگر کوئی اپنی کیفیات کی اطلاع دیتا ہے تو اکثر بس یہی فرما دیتے ہیں کہ ان کی طرف التفات نہ کیا جائے اپنے کام میں لگا جائے ۔ اور کام ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے ورنہ غیر مقاصد میں مشغول ہو کر طالب اپنے اصل کام سے بھی رہ جاتا ہے اور پھر کیفیات بھی منقطع ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کا ورود بھی تو کام ہی کی برکت سے ہوتا ہے جیسے چراغ میں روشنی اسی وقت تک رہتی ہے جب تک بتی میں تیل پہنچتا ہے اور اگر تیل ہی ڈالنا چھوڑ دیا جاوے تو رفتہ رفتہ روشنی کم ہو کر چراغ گل ہو جائے گا ۔ اھ۔

(۶) راہ سلوک میں کشف، احوال، مواجید وغیرہ کوئی چیز نہیں

ایک بار فرمایا کہ کشف اور احوال و مواجید وغیرہ راہ سلوک میں کوئی چیز نہیں بلکہ یہ چیزیں اکثر موانع طریق ہو جاتی ہیں ان کا نہ ہونا زیادہ اچھا اور بے خطر ہے لوگ خواہ مخواہ ہوس کیا کرتے ہیں ۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص تو سواری گاڑی میں سفر کر رہا ہے جو ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی ہوئی دلّی پہنچتی ہے اور جس کی کھڑکیاں بھی کھلی ہوئی ہیں وہ شخص خوب سیر کرتا ہوا راستہ کے مناظر دیکھتا ہوا ٹونڈلہ اٹاوہ وغیرہ بیچ کے اسٹیشنوں پر ٹھہرتا اور اترتا ہوا دلی پہنچا ۔ دوسرا اسپیشل ٹرین میں سوار کھڑکیاں بند کانپور سے جو چلا تو دھڑ دھڑ سیدھا دلی میں آکر اترا اب اس کو راستہ کے مناظر کی کچھ خبر ہوئی نہ بیچ کے اسٹیشنوں کا کچھ پتہ چلا اگر وہ دوسرے شخص سے راستہ کے مناظر اور اسٹیشنوں کا حال سن کر یہ استدلال کرے کہ معلوم ہوتا ہے میں دلی پہنچا ہی نہیں کیونکہ مجھے تو راستہ میں یہ چیزیں پڑی ہی نہیں تو یہ اس کی ناشکری اور لاعلمی ہے کیونکہ وہ تو اسپیشل ٹرین میں سوار ہو کر جو سواری گاڑی سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہوتی ہے چند گھنٹوں ہی میں دلی پہنچ گیا اور دوسرا شخص بہت دیر میں پہنچا کیونکہ وہ سواری گاڑی میں آیا جس کی رفتار بھی کم تھی اور راستہ میں جگہ جگہ ٹھہرتی

ہوئی بھی آئی۔ بلکہ سواری گاڑی والے کے لیے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ کسی بیچ والے اسٹیشن کے نقش و نگار کو دیکھ کر وہیں نہ اتر پڑے اور اس کو عمر بھر دلی پہنچنا ہی نصیب نہ ہو۔

اسی طرح بعضے سالکین انوار ہی کو مقصود سمجھ کر انھیں میں مشغول رہتے ہیں، آگے نہیں بڑھتے، اس لیے بلا کشف وکیفیات وغیرہ کے جو سلوک ہوتا ہے وہ زیادہ اسلم ہے کشف وغیرہ بعض صورتوں میں نہایت خطرناک ہوتا ہے چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حجاب نورانی، حجاب ظلمانی سے بھی زیادہ اشد ہوتا ہے کیونکہ حجاب ظلمانی میں تو سالک کو اس وجہ سے کوئی دھوکہ نہیں ہوتا کہ اس کا مخل مقصود ہونا بالکل ظاہر ہے بخلاف حجاب نورانی کے کہ اس کی نورانیت سے دھوکہ کھا کر سالک اسی کو مقصود سمجھنے لگتا ہے۔ اھ

(۷) تقویٰ اور دین داری کے حدود

فرمایا کہ تقوے اور دینداری کا اہتمام تو بہت رکھے لیکن اپنی طرف سے حتی الامکان کوئی ایسی امتیازی صورت نہ پیدا ہونے دے جس سے شہرت ہو جائے جب لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہو کبھی کبھی کسی قدر ہنس بول بھی لے تاکہ لوگوں کو خواہ مخواہ بزرگی کا گمان نہ ہو لیکن ہنسنے بولنے کی کثرت ہرگز نہ کرے کیونکہ کثرت سے ہنسنا بولنا مضر ہے چنانچہ زیادہ ہنسنے کے متعلق حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایاک وکثرۃ الضحک فان کثرۃ الضحک تمیت القلب اپنے آپ کو زیادہ ہنسنے سے بچاؤ کیونکہ ہنسنے کی کثرت قلب کو مردہ کر دیتی ہے۔ اھ۔

اور بولنے کی کثرت کے متعلق حضرت عطارؒ فرماتے ہیں ؎

گرچہ گفتارت بود درّ عدن		دل ز پر گفتن بمیرد در بدن

واقعی جب چاہو تجربہ کر لو زیادہ بولنے سے دل بے رونق ہو جاتا ہے۔ جیسے اگر ہانڈی میں ابال آئے اور اس کی روک تھام نہ کی جائے تو بس سارا مصالحہ نکل جائے گا،

اور ہانڈی پھیکی رہ جائے گی۔ اگر اچھی اچھی باتیں بھی بلا ضرورت کی جائیں تو ان کا بھی یہی اثر ہوتا ہے۔ اھ

پھر فرمایا کہ عموماً تو کلام کی تین قسمیں سمجھی جاتی ہیں۔ ایک نافع ایک مضر ایک فضول یعنی نہ نافع نہ مضر لیکن باعتبار مآل کے میرے نزدیک صرف دو ہی قسمیں ہیں نافع اور مضر کیونکہ جو کلام نہ نافع ہو نہ مضر وہ بھی آخر میں مضر ہی ثابت ہوتا ہے۔ جو شخص فضولیات میں مشغول ہوگا عادۃً وہ ضروریات میں ضرور کوتاہی کرے گا۔ اور صرف ہنسنا بولنا ہی نہیں بلکہ جتنے بھی مباحات ہیں ان سب کی کثرت مضر ہے۔ لیکن اگر کثرت نہ ہو، بلکہ مباحات میں اعتدال کے ساتھ اشتغال ہو تو پھر وہ بجائے مضر ہونے کے نافع ہیں خصوص جب وہ اشتغال کسی مصلحت پر مبنی ہو۔ کیونکہ اس اشتغال سے طبیعت میں نشاط ہوتا ہے اور نشاط سے طاعات میں اعانت و سہولت ہو جاتی ہے۔

جس وقت مباحات کے اشتغال سے قلب کے اندر کدورت پیدا ہونے لگے تو سمجھ لے کہ اب مضرت کا درجہ پہنچ گیا ہے فوراً الگ ہو جائے لیکن یہ معیار اسی کے لیے ہے جس کے قلب کے اندر صحبت شیخ اور التزام و اہتمام ذکر و طاعت سے احساس پیدا ہو گیا ہو باقی مبتدی اپنے لیے بطور خود کچھ تجویز نہ کرے بلکہ شیخ سے اپنی ہر حالت کی فرداً فرداً اطلاع کر کے ہر حالت کے متعلق جزئی طور پر طریق عمل دریافت کرتا رہے اور جس حالت کے متعلق جو طریق عمل وہ تجویز کرے اسی پر کاربند رہے۔ اھ

غرض حضرت والا کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کیفیات کو ان کے درجہ سے آگے نہ بڑھانے پائیں۔ ورنہ بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت والا ایک خلوت نشین درویش کا ایک قول نہایت افسوس کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں جنھوں نے حضرت والا کے ایک خادم سے جو ان کو بزرگ سمجھ کر حاضر خدمت ہوا کرتے تھے معمولات پوچھ کر پوچھا کہ کچھ نظر بھی آتا ہے انھوں نے کہا کچھ بھی نہیں تو کہنے لگے پھر کیا فائدہ بس خالی ثواب لیے

جاوے حضرت والا اس قول کو نقل کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر نہایت افسوس اور تعجب ہوا کہ انھوں نے ثواب کو جو روح ہے سارے اعمال کی ایسا خفیف سمجھا۔ اھ۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اتنی خلوت بھی مضر ہے کہ محققین سے بھی ملنا جلنا چھوڑ دے ایسی ہی خلوت کے بارہ میں تو شیخ سعدی ؒ فرماتے ہیں ؎

خیالات ناداں خلوت نشیں		بہم بر زند عاقبت کفر و دیں

پھر فرمایا کہ کیفیات کو ان کی درجہ سے بڑھانے میں یہ خرابیاں ہیں۔ ان کا درجہ تو بس ایسا ہے جیسے شروع میں بچوں کو پڑھنے کا شوق دلانے کے لیے مٹھائی دیتے ہیں۔ یہی مراد ہے حضرت جنید ؒ کے اس قول سے تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ تو بعض مبتدیوں کو جو اطفال طریق ہیں راہ پر لگانے کے لیے ذوق و شوق وغیرہ کی کیفیات عطا فرما دی جاتی ہیں۔ اھ۔

حضرت والا اس کیفیت کے متعلق بھی جو ساری کیفیات سے افضل ہے یعنی رسوخ ایک عالی مرتبت اہلِ علم کو تحریر فرماتے ہیں کہ رسوخ کی طرف التفات نہ فرمایا جاوے رسوخ سے مقصود عمل ہے عمل سے رسوخ مقصود نہیں اگر عمل بلا رسوخ ہوتا ہے مقصود حاصل ہے۔ اھ

سبحان اللہ سبحان اللہ حضرت والا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے حقائق طریق واضح فرمائے ہیں اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو کیسی کیسی غلطیوں سے نکال کر طریق سنت سنیہ پر ڈالا ہے جو اس زمانہ میں مسدود بلکہ قریب قریب مفقود ہی ہو چکا تھا بالخصوص مشائخ میں۔

(۸) رسوخ اور استقامت کی تشریح

استفسار پر حضرت والا نے رسوخ اور استقامت میں یہ فرق فرمایا کہ رسوخ حال ہے اور استقامت مقام۔ رسوخ اصلاح کا طبعی درجہ ہے جو ایک کیفیت غیر اختیاریہ

ہے اور استقامت اس کا عقلی درجہ ہے جو اختیاری ہے استقامت مقصود ہے رسوخ مقصود نہیں گو محمود ہے۔ اھ۔

(۹) ایمان اور اعمال کے عقلی اور طبعی درجات کی تشریح

ایمان اور اعمال کے عقلی اور طبعی درجہ کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ عقلی درجہ افضل ہے کیونکہ وہ ادوم ہے اور روحانیت سے ناشی ہوتا ہے اور پھر یہ بھی نہیں کہ عقلی درجہ طبعی درجہ سے بالکل ہی خالی ہو اس میں بقدر ضرورت طبعی درجہ بھی ہوتا ہے کیونکہ محض عقلی درجہ صدور اعمال کے لئے عادۃً کافی نہیں اسی طرح طبعی درجہ میں بھی کچھ نہ کچھ عقلی درجہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ غرض دونوں درجوں میں عقل اور طبیعت دونوں چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے لیکن غالب اور مغلوب کے تفاوت سے اثر اور حکم میں فرق ہو جاتا ہے۔ اھ۔

(۱۰) سلوک میں کیفیات کی حقیقت

حضرت والا کیفیات کی نہ تو بالکل نفی فرماتے ہیں نہ ان کو ان کے درجہ سے بڑھاتے ہیں۔ بلکہ طالبین کو یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ کیفیات محمودہ کو محمود سمجھ کر شکر تو کریں لیکن مقصود اور کمال اور لازم طریق یا لازم بزرگی نہ سمجھیں۔

حضرت والا بعض صورتوں میں جہاں کوئی مصلحت مانع نہیں ہوتی۔ دل بڑھانے کے لیے کیفیات محمودہ پر مبارکباد بھی دیتے ہیں لیکن سالکین کی ہر کیفیت باطنہ ہی نہیں سمجھ لیتے بلکہ لطیفہ کے طور پر فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں وہ سب باطنی ہی نہیں ہوتیں بلکہ بطنی بھی ہوتی ہیں جو پیٹ کی خرابی اور معدہ کی تبخیر وغیرہ سے پیدا ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کوئی طالب اپنی کسی خاص کیفیت کی اطلاع دیتا ہے تو جہاں قرائن سے شبہہ پیدا ہو جاتا ہے وہاں حضرت والا یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ کسی طبیب حاذق سے رجوع کر کے تشخیص کراؤ کہ تم کو کوئی مرض مثلاً ضعف قلب خشکی دماغ تبخیر وغیرہ تو نہیں اور ایسی صورتوں میں اکثر حضرت والا کا شبہ صحیح ہی نکلتا ہے اور اس کیفیت کا منشاء

کوئی مرض ہی ثابت ہوتا ہے۔ ایسوں کو حضرت والا طبیب جسمانی سے رجوع کرنے کے لیے ہدایت فرما دیتے ہیں۔ اور ضرب و جہر بالکل چھوڑوا دیتے ہیں۔

بعض مشائخ نے اپنے متعلقین کے دماغی تخیلات کو کیفیات باطنہ سمجھ لیا اس پر فرمایا کہ شیخ کو طب سے بھی اتنی مناسبت ہونا ضروری ہے کہ وہ خیالات کو حالات نہ سمجھ لے۔

حضرت والا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو نہایت تاکید اور اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں کہ حب شیخ اور اتباع سنت کے ہوتے ہوئے اگر لاکھ ظلمات بھی ہوں تو وہ سب انوار ہیں اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی کم ہو تو پھر لاکھ انوار ہوں وہ سب ظلمات ہیں۔ اھ

حضرت والا حضرت حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کو بھی بکثرت فرمایا کرتے ہیں ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست		بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

لیکن یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس میں دو قیدیں ہیں ایک آید کی ایک صراط مستقیم کی۔ پہلی قید کا حاصل تو یہ ہے کہ وہ حالت آئی ہوئی ہو لائی ہوئی نہ ہو یعنی غیر اختیاری ہو اختیاری نہ ہو کیونکہ اس شعر میں آید ہے آرد نہیں ہے، اور آید کی کوئی فرد مذموم نہیں۔ خواہ بظاہر کتنی ہی بری معلوم ہوتی ہو۔ کیونکہ غیر اختیاری ہے البتہ آرد میں دو قسمیں ہیں محمود اور مذموم۔ یہ تو پہلی قید کے متعلق تفصیل ہے اور دوسری قید یہ ہے کہ صراط مستقیم پر ہو تو حاصل شعر کا یہ ہوا کہ اگر سالک صراط مستقیم پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے تو پھر اس پر جو بھی کیفیت غیر اختیاری طاری ہو خوشگوار یا ناگوار وہ سالک کے حق میں خیر ہی ہوتی ہے۔ اھ

(۱۱) ذکر و طاعت میں بہ تکلف مشغول رہنا چاہئیے۔

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر و طاعت میں بہ تکلف مشغول رہنا چاہیئے نہ بسہولت

کا متمنی نہ رہے نہ یہ دیکھے کہ مجھے کچھ نفع ہو رہا ہے یا نہیں ۔ ذکر و طاعت میں مشغول رہنا ہی اصل مقصود اور اصل نفع ہے ۔ اھ

ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا اور انتظار نہ رکھیں کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش بر ہم زن جمعیت و تفویض ہے اور جمعیت و تفویض ہی وصول کی شرط عادی ہے اس کو خوب راسخ کر لیں کہ یہ روح سلوک ہے ۔ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر و طاعت میں مشغول ہونے کے لیے دلچسپی اور سہولت کا منتظر نہ رہے بلکہ بتکلف عمل شروع کر دے پھر اسی سے رفتہ رفتہ سہولت بھی ہونے لگتی ہے اور دلچسپی بھی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اھ

اسی مضمون کو ایک بار اس عنوان سے فرمایا کہ لوگ تو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب دلچسپی پیدا ہو تب کام شروع کریں اور دلچسپی اس انتظار میں رہتی ہے کہ جب کام شروع ہو جائے تب میں پیدا ہوں ۔ اھ

ایک بار فرمایا کہ ذکر میں چاہے جی لگے یا نہ لگے لیکن برابر کیے جاؤ ۔ رفتہ رفتہ اس کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ پھر بلا اس کے چین ہی نہیں پڑتا جیسے شروع شروع میں حقہ پینے سے گھبراہٹ بھی آتی ہے متلی بھی ہوتی ہے بلکہ قے بھی ہو جاتی ہے لیکن پھر پیتے پیتے ایسی چاٹ لگ جاتی ہے کہ چاہے کھانا نہ ملے لیکن حقہ کے دو کش مل جاویں ۔ ایک بار فرمایا کہ نفع تو شروع ہی سے ہونے لگتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا جیسے بچہ روز کچھ نہ کچھ ضرور بڑھتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ آج اتنا بڑھا کل اتنا بڑھا البتہ ایک معتد بہ مدت گذر جانے کے بعد اس کی پچھلی حالت کو خیال میں لا کر موازنہ کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہو یہی حال ذکر کا ہے کہ شروع میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ بھی نفع نہیں ہو رہا حالانکہ در اصل نفع برابر ہو رہا ہے ۔ ایک معتد بہ مدت گذر جانے کے بعد اپنی پچھلی حالت کو

ذہن میں مستحضر کر کے اس سے حالت موجودہ کا موازنہ کرے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ اھ۔

بچہ کی مثال پر ایک اور ملفوظ یاد آیا جو حضرت والا نے احقر سے فرمایا تھا۔ ذکرو شغل شروع کر کے کچھ عرصہ کے بعد احقر نے عرض کیا کہ جیسا جی چاہتا ہے ویسا نفع نہیں ہوتا فوراً نہایت تسلی آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اگر کوئی چاہے کہ میرا بچہ آج ہی دس برس کا ہو جائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ دس برس کا تو دس برس کے بعد ہی ہوگا۔ اھ

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ کچھ نفع نہیں معلوم ہوتا فرمایا کہ اس وقت کے ذکر کو بیکار نہ سمجھا جاوے یہ سب جمع ہو رہا ہے اور انشاء اللہ عنقریب سب کھل پڑے گا۔ ایک بار فرمایا کہ پتھر پر پہلے اول قطرہ گرتا ہے پھر دوسرا پھر تیسرا یہانتک کہ پانی گرتے گرتے اس میں گڑھا پیدا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ صرف اخیر قطرہ نے وہ گڑھا کر دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ گڑھا نتیجہ ہے قطروں کی مجموعی تعداد کا۔ گڑھا کرنے میں اول قطرہ کو بھی ویسا ہی دخل ہے جیسا کہ اخیر قطرہ کو اول قطرہ کو ہرگز بے اثر نہ سمجھنا چاہیئے گو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اول روز کا ذکر جس کو بے مزہ سمجھا جاتا ہے ہرگز بے ثمر نہیں اخیر میں جو حالت خاص پیدا ہوگی اس میں اول روز کے ذکر کو بھی اتنا ہی دخل ہوگا جتنا کہ اخیر روز کے ذکر کو یہ نہیں ہے کہ صرف اخیر روز کا ذکر اس حالت کو پیدا کر دیتا ہے بلکہ ایک مجموعی تعداد مقرر تھی کہ اتنے دن بعد یہ کیفیت پیدا ہوگی جب وہ تعداد پوری ہو گئی وہ کیفیت ظہور پذیر ہو گئی۔ ہر ہر دن کے ذکر کو اس کے پیدا کرنے میں یکساں دخل ہے یا جیسے کہ ایک شخص کوئی مقوی معجون یا ماء اللحم کھاتا ہے یہاں تک کہ ایک معتد بہ مدت کے استعمال کے بعد وہ سرخ وسپید ہو جاتا ہے تو کیا صرف اخیر خوراک نے اس کو سرخ وسپید بنا دیا۔ ہرگز نہیں اتنے دنوں کی خوراکوں کی مجموعی تعداد نے اس کی یہ حالت کر دی

عہ مؤلف اشرف السوانح

ہے یہ نادانی ہے کہ اول خوراک کو بے اثر سمجھا جاوے۔ اھ

(۱۲) طریق میں دو چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ دھن[1] اور دھیان[2]

کام میں لگے رہنے کی تاکید کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں کا ارشاد ہے لا دار دلمن لا دار دلہٗ بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر ذکر کی بھی توفیق نہ ہو تو کم از کم عزم ذکر اور حسرت ذکر تو ہو۔ اھ

غرض اس طریق میں یہ دو چیزیں نہایت ضروری ہیں دھن اور دھیان عزم ذکر اور حسرتِ ذکر کے بھی نافع ہونے کے متعلق ایک طالب کو جنھوں نے اپنی ناکارگی کی طویل داستان لکھی تھی یہ تحریر فرمایا مقصود تو مقصود کا مشاہدہ ہے اور اس کا طریق مجاہدہ مگر جب تک اس میں کمی رہے تو اس کا مشاہدہ مقصود کا مقدمہ عدم مجاہدہ ہے۔ جس سے انشاء اللہ تعالیٰ مجاہدہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو کہ مقصود ہے۔ اسی ترتیب کا سلسلہ شروع ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ تدریجاً بخیر و خوبی ختم اور مکمل بھی ہو جائے گا لگا رہنا چاہیئے اگر کام میں کوتاہی ہو جاوے اس نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہیئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حرماں نہ ہوگا میں بھی دعا کرتا ہوں اھ۔

غرض حضرت والا استقلال کے ساتھ بہ تکلف کام میں لگے رہنے کی طالبین کو بہت ہی تاکید فرماتے رہتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ کام ہی سے کامیابی ہوتی ہے اس طریق میں کام کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا کیونکہ وعدہ ہے مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ اھ۔

ایک بار اس مضمون میں ایک یہ ضروری قید بھی لگائی کہ جب کسی شیخ کے واسطہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کر کے ذکر و شغل کیا جاتا ہے تب کامیابی ہوتی ہے۔

اس پر احقر[3] نے عرض کیا کہ ذکر و شغل تو ایسی چیز ہے کہ اسی سے کام بن جایا کرتا شیخ

---

[3] مؤلف اشرف السوانح

کے واسطہ کی حاجت نہ ہوا کرتی۔ فرمایا کہ در اصل تو کام ذکر و شغل ہی بناتا ہے لیکن شیخ کا واسطہ بھی ضروری ہے جیسے کاٹ تو تلوار ہی کرتی ہے لیکن اس کا کسی کے قبضہ میں ہونا شرط ہے۔ اھ۔

(۱۳) صحبتِ شیخ کی نافعیت و ضرورت

حضرت والا صحبت شیخ کی نافعیت اور ضرورت پر اکثر بہت طویل طویل اور پر زور تقریریں فرمایا کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کے پاس رہ کر جیسی اصلاح ہوتی ہے دور سے نہیں ہوتی۔ جیسے طبیب کے پاس رہ کر جیسا معالجہ ہو سکتا ہے دور سے نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں طالب شیخ کے پاس رہ کر درزدیدہ طور پر اس کے اخلاق و عبادات کو اخذ اور کمالات کو جذب کرتا رہتا ہے اور اس طرح روز بروز اس پر شیخ کا رنگ چڑھتا چلا جاتا ہے جیسے مثل مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔

نیز صحبت شیخ میں بدون معتد بہ مدت تک رہے شیخ سے مناسبت نہیں پیدا ہوتی اور شیخ کی مناسبت ہی اس طریق میں نفع کی عادۃً موقوف علیہ ہے۔ اھ

چنانچہ ایک طالب جن کو حاضری خدمت کی شاید ایک بار ہی توفیق ہوئی تھی برسوں حضرتِ والا سے خط و کتابت کرتے رہے اور اسی کو کافی سمجھتے رہے لیکن ایک مصیبت کے موقع پر باوجود بظاہر بہت متصلب فی الدین ہونے کے ان کے عقائد مذہب میں تزلزل واقع ہو گیا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من الحور بعد الکور۔ حضرتِ والا نے ان کے حالات سن کر یہی فرمایا کہ بدون پاس رہے جس کو مناسبت کہتے ہیں وہ پیدا نہیں ہوتی۔ اور جب انھوں نے حضرتِ والا سے مسائل دینیہ کے متعلق اپنے شبہات لکھ کر ان کا جواب چاہا تو یہی تحریر فرما دیا کہ اگر کوئی ایسا مرض جسمانی ہو جائے جس کے علاج کے لیے طبیب کے پاس رہنے کی ضرورت ہو تو ایسی حالت میں کیا تجویز کیا جائے گا۔ اھ

اس سے حضرت والا کا یہی مقصود تھا کہ پاس رہنے کی ضرورت ہے لیکن بمصلحت بعنوان استغناء تحریر فرمایا۔

(۱۴) حُبِّ شیخ کلید کامیابی ہے حُبِّ طبعی اور حُبِّ عقلی کی تشریح

حضرت والا حُبِّ شیخ کے متعلق جو مناسبت کاملہ ہی کی مرادف ہے یہ فرمایا کرتے ہیں کہ حب شیخ کلید کامیابی اور کلید جملہ سعادات و برکات ہے۔ اھ

لیکن حُبِّ شیخ کو اپنے منتسبین میں حد سے ہرگز متجاوز نہیں ہونے دیتے نیز حُبِّ عقلی یعنی اطاعت و اتباع کو بالکل کافی و وافی قرار دیتے ہیں کیونکہ حُبِّ طبعی اختیاری نہیں اور عبد غیر اختیاری کا مکلف نہیں چنانچہ مثالاً ایک طالب کا خط حسن العزیز جلد اول مکتوبات نمبر ۴۵ سے اس جگہ ملخصاً نقل کیا جاتا ہے۔

(مضمون) درگاہ باری تعالیٰ میں دست بدعا ہوتا ہوں کہ حضور کی محبت میرے قلب میں پیدا ہو جاوے لیکن ذرہ برابر بھی محبت قلب میں نہیں پیدا ہوتی اور اس کی وجہ سے طبیعت بے چین ہو جاتی ہے۔

(جواب) محبت کے الوان مختلف ہیں ایک لون یہ بھی ہے جو آپ کو حاصل ہے اس کی ایک صریح علامت یہی ہے۔ کہ اس کی کمی کے احتمال سے آپ کو بے چینی ہوتی ہے۔ اھ

(مضمون) اکثر حضور کا تصور کر کے اور حضور کو اپنی طرف متوجہ کر کے یہ شعر بڑے ذوق وشوق سے پڑھتا ہوں ؎

تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من	پیادہ میروم و ہمرہاں سوارانند

(جواب) اس کی اصلاً ضرورت نہیں۔

(مضمون) اور تھوڑی دیر تک تو حضور کا تصور رہتا ہے بعد اس کے حضور کا تصور تو مٹ جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف ایک خاص طریق پر توجہ اور کشش محسوس ہونے لگتی ہے۔

(جواب) سبحان اللہ یہ توجہ الی اللہ تو اصل مقصود ہے اور شیخ کی محبت اسی مقصود کا ذریعہ ہے۔ پس اگر کسی کو خدا تعالیٰ یہ مقصود نصیب کر دے اور شیخ سے ذرا بھی متعارف محبت نہ ہو، مگر اطاعت اور اتباع ہو تو وہ شخص سرتاسر حق پر فائز ہے۔ ۲۱ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ۔

(۵۱) مناسبت شیخ کی تحقیق

ایک خلیفہ مجاز نے عدم مناسبت کی شکایت لکھی تھی ان کا خط بھی مع حضرت والا کے جواب باصواب کے تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

(حال) حضور والا کے علوم و معارف کی فراوانی اور اپنی کم لیاقتی کو دیکھتا ہوں تو اکثر مایوسی کی کیفیت ہونے لگتی ہے اس کا رنج اب اکثر رہتا ہے کہ حضور سے مناسبت پیدا نہیں ہوئی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔

(تحقیق) یہ بھی مناسبت ہے کہ عدم مناسبت کا علم ہو جاوے اکثر عبد کو حق تعالیٰ سے نسبت ہوتی ہے یا نہیں، حالانکہ واجب اور ممکن میں کیا مناسبت مگر وہاں بھی مناسبت ہے کہ ان کی عظمت اپنی ذلت کا علم ہو جاوے اسی عدم مناسبت لغویہ کے علم کو مناسبت اصطلاحیہ کہا جاتا ہے باقی اس سے آگے "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" بفتح اللام چہ جائے عالم پاک بکسر اللام۔

(حال) جو کچھ دل میں ہے اس کے اظہار کی پوری قدرت بھی نہیں۔

(تحقیق) یہ بھی اسی عدم مناسبت مسمیٰ بہ مناسبت کی فرع ہے۔

ف۔ یہ غیر اختیاری مناسبت بالشیخ کے متعلق تحقیق ہے۔ رہی اختیاری مناسبت اس کی تحصیل ضروری ہے۔ ۱۲

نیز حضرت والا بلا ضرورت قصداً تصور شیخ کرنے سے بوجہ انضمام مفاسد منع فرماتے ہیں لیکن اگر بلا قصد تصور بندھ جائے تو اس کو بتکلف دفع نہیں کراتے بلکہ نافع بتاتے ہیں۔

غرض حضرت والا کے یہاں کسی امر میں نہ افراط ہے نہ تفریط اور محقق کی یہی شان ہوا کرتی ہے۔

صحبت شیخ کی نافعیت بیان فرماتے وقت حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ صحبت شیخ جبھی نافع ہوتی ہے جب شیخ کے بتائے ہوئے ذکر و شغل میں بھی مشغول رہے، بعضے لوگ بزرگوں سے تو ہمیشہ ملتے جلتے رہتے ہیں لیکن خود کچھ کرتے دھرتے نہیں ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ اور بعضے زیادہ وقت تو صحبت شیخ میں گذار دیتے ہیں اور تھوڑا سا وقت نکال کر کچھ الٹا سیدھا ذکر و شغل بھی کر لیتے ہیں یہ بھی کافی نہیں۔ غالب حصہ ذکر و شغل کا ہونا چاہیئے تب صحبت شیخ نافع ہوتی ہے۔

(۱۰۶) ذکر کی مقدار۔ کمیت اور کیفیت کی تشریح

حضرت والا مقدار ذکر کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ اتنی زیادہ مقدار نہ ہو کہ بہت تعب ہو اور نہ اتنی کم کہ کچھ تعب ہی نہ ہو بلکہ اتنی مقدار ہونی چاہیئے جس میں تعب تو ہو لیکن جس کی مداومت قابل عمل ہو۔ کیونکہ تھوڑا تعب ہونا بھی نفع کے لیے ضروری ہے تاکہ نفس کو کسی قدر مجاہدہ بھی کرنا پڑے۔ اھ

مقدار ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے ذمہ تو صرف اتنی ہی مقدار رکھے جس پر دوام ہو سکے باقی جب فرصت اور نشاط دیکھے تو زیادہ کر لے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ناغہ کی بے برکتی اور قلق سے حفاظت رہے گی اور یہ دونوں چیزیں مضر ہیں اور جب کبھی زیادہ کی توفیق ہو گی تو مسرت ہو گی اور ہمت بڑھے گی۔ اھ

یہ تو کمیت ذکر کے متعلق ارشادات ہیں اور کیفیت کے متعلق فرمایا کرتے ہیں، کہ جس طرز میں زیادہ دلچسپی ہو وہی اختیار کرے کیونکہ وہی طرز زیادہ نافع ہوتا ہے جس میں زیادہ دل لگے لیکن اس کا خاص خیال رکھے کہ قلب میں ورد کے جلدی پورا کرنے کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے اگر کسی کا طرز روانی کے ساتھ ذکر کرنے کا ہو تو اس کا مضائقہ

نہیں، باقی طبیعت میں یہ تقاضا نہ ہونا چاہیئے کہ کسی طرح جلدی ختم کیا جاوے۔ اھ
اسی مضمون کے متعلق ایک مکتوب صد پند اشرف میں بھی نقل کیا جا چکا ہے بمناسبت مقام مکرر نقل کیا جاتا ہے۔

ایک مبتدی طالب نے لکھا کہ حضور سے دور ہوں اذکار صحیح طریقہ سے کیونکر ادا کروں اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق صحیح ہے۔ اھ

انھیں طالب نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرمادیں کہ مجھے دو ایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرادیں۔ اھ۔

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس کی حاجت نہیں یہ قیود غیر مقصود ہیں مقصود صرف ذکر ہے اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہؤا اور دوسرا غیر موزوں سے تو اصل مقصود منزل پر پہونچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے آگے رہی موزونیت اس میں اور مصالح زایدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں اھ

حضرت والا قیود ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس زمانہ کی طبائع چونکہ ضعیف ہیں اس لیے اکثر یہ قیود موجب تشویش و تشتت ہو جاتی ہیں لہٰذا ان کے اہتمام میں نہ پڑے۔

(۱۷) لطائف ستہ کی فکر میں نہ پڑے اصل چیز لطیفۂ قلب ہے۔

لطائف ستہ کی فکر میں بھی نہ پڑے کہ یہ بھی موجب تشویش ہے۔ اصل چیز لطیفۂ قلب ہے۔ بس ساری توجہ اسی پر رکھے۔ اس کے نورانی ہو جانے سے اور لطائف بھی خود بخود نورانی ہو جاتے ہیں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی طریق تھا جو اس حدیث سے مؤید ہے۔ ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔ اھ۔

حضرت والا کو ایک طالب نے لکھا کہ میں لطائف ستہ کے جاری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔ اھ

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر کے دوران میں اگر بسہولت ہو سکے تو مذکور کی طرف ورنہ ذکر کی طرف توجہ رکھے اور احقر کو ابتداء میں یہ مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ گو زبان کے ساتھ ساتھ قلب سے بھی کلمات ذکر نکل رہے ہیں اور وہ بھی میرے ساتھ شریک ذکر ہے۔ اھ

جہاں تک احقر عـــہ کو یاد ہے ایک مبتدی طالب کو دوران ذکر میں یہ مراقبہ بھی تعلیم فرمایا تھا کہ گویا بیت اللہ شریف میرے سامنے ہے۔

(۱۸) مراقبہ دورانِ ورد، درود شریف

دورانِ درود شریف کے لیے یہ مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ گویا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے مواجہ میں درود شریف پڑھ رہا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو رہے ہیں۔)

(۱۹) تصور ذات حق کی افضلیت و نافعیت

اگر بسہولت ہو سکے تو تصور ذات حق کو سارے مراقبات سے افضل و انفع بلکہ اصل مقصود قرار دیتے ہیں لیکن ہر صورت میں اس کی تاکید فرماتے رہتے ہیں کہ توجہ واستحضار میں زیادہ کاوش نہ کی جاوے ورنہ قلب و دماغ ماؤف ہو جائیں گے اور یکسوئی فوت ہو جائے گی۔ زیادہ کاوش سے تعب اور پریشانی ہوتی ہے جس سے نفع بند ہو جاتا ہے پس معتدل توجہ ہی کافی ہے۔ اسی سے شدہ شدہ ملکۂ تامہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور توجہ کامل کی توفیق ہونے لگتی ہے۔ غرض زیادہ کاوش مضر ہے بس اتنی توجہ کافی ہے جیسے کچا حافظ سوچ سوچ کر قرآن سناتا ہے۔ اھ

عـــہ مؤلف اشرف السوانح

(۲۰) ذکر کے نافع ہونے کی بڑی شرط

حضرت والا ذکر کے نافع ہونے کی ایک یہ بھی نہایت ضروری شرط بڑے اہتمام سے بیان فرمایا کرتے ہیں کہ خالی الذہن ہو کر محض تعداد ہی پوری کرنے کی نیت سے نہ کرے بلکہ اس نیت سے کرے کہ مجھے اس سے نفع اور برکت حاصل ہو اور برابر یہ بھی نیت رکھے لیکن نفع کے حصول کی نگرانی اور انتظار میں نہ رہے کہ یہ موجب تشویش ہونے کے سبب مضر ہے۔ لوگ جو اکثر برکات ذکر سے محروم رہتے ہیں اس کی یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ نفع اور برکت کی نیت سے ذکر نہیں کرتے۔ اھ

حضرت والا نے اس مضمون پر اپنے وعظ طریق القلندر میں بھی بہت زور دیا ہے۔ اس کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ اعمال سے جو محبت حق پیدا نہیں ہوتی اس کا سبب یہ ہے کہ محبت حق کی نیت سے اعمال نہیں کیے جاتے۔ خالی الذہن ہو کر کئے جاتے ہیں۔

حضرت والا ذکر میں خفیف جہر و ضرب تعلیم فرمایا کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ اگر بعد کو جوش میں آواز بلند ہونے لگے تو بلند ہونے دے طبیعت کو گھوٹنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر سونے والوں یا مصلیوں کو تکلیف یا تشویش ہو تو بالکل خفی کی تاکید فرماتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں جہر جائز ہی نہیں۔ چنانچہ ایک صاحب کو جو اتنی بلند آواز سے تہجد کے وقت ذکر کرتے تھے کہ محلہ میں دور تک آواز پہونچتی تھی۔ اتنے جہر سے بتاکید ممانعت فرما دی۔ اسی طرح ایک بوڑھے طالب نے لکھا کہ کچھ تو سونے والوں کی وجہ سے اور کچھ رفع تکان کے سبب سے چند روز سے بجائے ذکر جہر کے ذکر خفی کر لیا کرتا ہوں کوئی حرج تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ نہیں بلکہ افضل و انفع ہے اھ

(۲۱) ذکر قلبی کے ساتھ ذکر لسانی بھی ضروری ہے

حضرت والا محض ذکر قلبی پر اکتفا نہیں فرماتے کیونکہ اس میں اکثر ذہول ہو جاتا ہے اور طالب اسی دھوکہ میں رہتا ہے کہ میں ذکر قلبی میں مشغول ہوں چنانچہ ایک طالب کو جنھوں

نے ذکر قلبی سے اپنی دلچسپی کا حال لکھا تھا تحریر فرمایا کہ محض ذکر قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے ذکر لسانی بھی اس کے ساتھ ضروری ہے خواہ قلبی میں اس سے کچھ کمی ہی ہو جائے۔ اھ

حضرت والا اس کا راز یہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر ذکر قلبی کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو اس میں یہ مصلحت ہے کہ اگر کبھی ذکر قلبی سے ذہول ہو گیا جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے اور قلب ذاکر نہ رہا تو کم از کم زبان تو ذاکر اور مشغول عبادت رہے گی۔ بخلاف نیرے ذکر قلبی کی حالت کے کہ اگر اس صورت میں ذہول ہوا تو نہ قلب ذاکر رہے گا نہ زبان کیونکہ زبان تو پہلے ہی سے غیر ذاکر ہے اور اب قلب بھی ذاکر نہیں رہا غرض غفلت محضہ میں وقت گذرے گا اور ذاکر کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اھ

حضرت والا اذکار تجویز کرنے کے قبل اکثر طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت فرما لیتے ہیں اور اگر ان میں کوئی معمول عملاً یا اعتقاداً خلاف شرع ہوتا ہے تو اس کو چھوڑا دیتے ہیں لیکن بقیہ کو زیادہ تر بدستور رکھتے ہیں کیونکہ فرمایا کرتے ہیں کہ خیر العمل مادیم علیہ۔ مداومت سے اوراد میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اھ

چنانچہ ایک بار احقر[ع] نے کم فرصتی کے زمانہ میں پانچوں نمازوں کے بعد کے جو مختصر مختصر اوراد ہیں ان کے ترک کو پوچھا تو فرمایا کہ نہیں انھیں نہ چھوڑیئے وہ بڑی برکت کے اوراد ہیں انھیں مختصر سمجھ کر معمولی نہ سمجھئے۔ اھ

علاوہ برکت کے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جن اوراد پر پہلے سے مداومت ہو ان سے طالب کو دلچسپی بھی ہوتی ہے۔ اور دلچسپی کی وجہ سے وہ سہولت اور جمعیت کے ساتھ ان پر مداومت رکھ سکتا ہے جس سے بہت نفع ہوتا ہے بہ نسبت نئے اوراد کے۔ لہذا انھیں کو برقرار رکھنا مصلحت ہے لیکن اگر پچھلے اوراد اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ اگر ان سب کو برقرار رکھا جائے تو اذکار واشغال معمولہ مشائخ کے لیے جو رسوخ ذکر کے

ع مؤلف اشرف السوانح

لیے زیادہ معین ہیں وقت ہی نہیں بچتا تو بجائے بعض کو بالکل حذف کرانے کے ان کی مقدار میں بضرورت کمی کرا دیتا ہوں اور کمی کا معیار بفحوائے آیۂ کریمہ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا۔ تجویز کر رکھا ہے کہ دسواں حصہ باقی رکھتا ہوں تاکہ کم از کم اصل ثواب تو بدستور قائم رہے بالکل حذف کرانے کو جی نہیں چاہتا۔

جس طالب کو جس حالت اور جس زمانہ میں جس ذکر سے مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے اس کے لیے اس وقت حضرت والا وہی تجویز فرماتے ہیں اور ہر طالب کے لیے اسی ذکر کو افضل سمجھتے ہیں جو اس کے لیے باعتبار خصوصیت حالت انفع ہو چنانچہ ایک صاحب کو بجائے اذکار کے کثرت تلاوت تجویز فرمائی تو وہ بہت مسرور ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ کو تو تلاوت سے عشق ہے۔ اسی طرح ایک صاحب کے لیے کثرت نوافل تجویز فرمائی تو انھوں نے نوافل سے اپنی غایت دلچسپی کا اظہار کیا۔

اگر کسی کو کثرتِ اذکار اور طول خلوت سے طبیعت میں ملال پیدا ہو کر قبض لاحق ہو جاتا ہے تو اس کو ہدایت ہوتی ہے کہ کچھ دن کے لیے سفر کرو۔ دوست احباب سے ملو اور مباحات میں مشغول رہو اور جب طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے پھر خلوت میں بیٹھ جاؤ۔ ویسے بھی مباحات کے بالکلیہ ترک سے منع فرماتے رہتے ہیں۔

(۲۲) اپنے معمول کو پورا ضرور کر لینا چاہیئے جیسے بھی ممکن ہو سکے۔

حضرت والا بتاکید فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے معمول کو پورا ضرور کر لینا چاہیئے خواہ عذر کی حالت میں بے وضو ہی سہی یا چلتے پھرتے ہی سہی کیونکہ معمول کو مقرر کر لینے کے بعد ناغہ کرنے میں بڑی بے برکتی ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی اس کی تاکید ہے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا عبد اللہ لا تکن مثل فلان کان یصلی باللیل ثم ترکہ یہ ایسا ہے جیسے کسی نے اپنے حاکم کے پاس آنا جانا شروع کیا اور خصوصیت کا تعلق قائم کرنے کے بعد پھر آنا جانا موقوف کر دیا تو حاکم کو بہت ناگوار ہوگا اور وجہ خصوصیت

کا تعلق پیدا ہی نہیں کرتا اس سے کوئی شکایت نہیں ہوتی بشرطیکہ غائبانہ اطاعت کا
تعلق قائم رکھا جائے جو بہر حال ضروری ہے۔ اھ

(۲۳) تحصیل علوم دینیہ میں مشغول رہنے والوں کیلئے ذکر و شغل مناسب نہیں

حضرت والا عموماً ان کو جو تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہیں ذکر و شغل نہیں تعلیم فرماتے
تاکہ حرج واقع نہ ہو کیونکہ علاوہ وقت صرف ہونے کے ذکر و شغل سے اکثر دلچسپی اتنی پیدا
ہو جاتی ہے کہ پھر تحصیل علوم سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے لیکن چونکہ اصلاح اعمال بہر حال
فرض ہے اور اس میں کوئی حرج اوقات بھی نہیں بلکہ ترک فضولیات کی وجہ سے وقت
اور بچ جاتا ہے اس لیے اس کے متعلق خط و کتابت کی اجازت بلکہ کبھی ابتداءً مشورہ
بھی دے دیتے ہیں چنانچہ بندہ زادہ سے جو تحصیل علوم میں مشغول تھا بغایت شفقت
و دلسوزی فرمایا کہ جو موٹی موٹی عیب کی باتیں اپنے اندر محسوس ہوں ان کے متعلق مجھے
وقتاً فوقتاً لکھتے رہنا میں انشاء اللہ تعالیٰ ایسی سہل سہل تدابیر بتلاتا رہوں گا جن پر عمل
نہایت سہل ہوگا اور اس سے زیادہ کیا سہل ہوگا کہ تم کو میں اجازت دیتا ہوں کہ چاہے
مشوروں پر عمل بھی نہ کرنا لیکن اپنی اصلاح کے متعلق مجھ سے مشورے ضرور حاصل کرتے
رہنا اس سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم دیکھو گے کہ بہت نفع ہوگا۔ اھ

(۲۴) طریق کا اول قدم فنا ہے اور آخر قدم فنا ہے۔

حضرت والا نہایت اہتمام کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق کا اول قدم فنا ہے
جس میں یہ صفت نہ پیدا ہوئی ہو بس سمجھ لو کہ اس کو طریق کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ جو بزرگوں
کا قول ہے کہ طریق کا آخر قدم فنا ہے وہ بھی بالکل صحیح ہے اس سے مراد کمال فنا ہے
کیونکہ فنا کے بھی تو آخر درجات ہوتے ہیں۔ اھ

ایک مشہور فاضل ندوی اتفاقاً محض چند گھنٹوں کے لیے حضرت والا کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور چلتے وقت عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیے۔ حضرت والا فرماتے ہیں

کہ میں متردد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت کروں، پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا جو بعد کو معلوم ہوا کہ ان کے بالکل مناسب حال تھا میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو میں نصیحت تو کیا کر سکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کیے دیتا ہوں وہ حاصل جو سمجھا ہوں، وہ فناء و عبدیت ہے بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے بس اسی کے لیے سارے ریاضات و مجاہدات کئے جاتے ہیں۔ اور بس اپنی ساری عمر فنا اور عبدیت ہی کی تحصیل میں گذار دینی چاہیئے۔ اس تقریر کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہو گئے اور واقعی یہ ہے بھی ایسی ہی چیز، سارے بزرگ اسی کی تعلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ بالخصوص چشتیہ کے یہاں تو بس یہی ہے۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن	پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت
تو در دگم شو وصال اینست و بس	گم شدن گم کن کمال اینست و بس
ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے	تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے
آئینہ ہستی چہ باشد نیستی	نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی اھ

(۲۵) تخلیہ اور تحلیہ کی تشریح

حضرت والا کے دو زرّیں اصول لکھے جاتے ہیں جن میں سے ایک تو تخلیہ (بالخاء المعجمہ) کے متعلق ہے اور دوسرا تحلیہ (بالحاء المہملہ) کے متعلق لیکن دونوں میں امر مشترک ایک ہی ہے یعنی بتکلف عمل کرنا۔

تخلیہ (بالخاء المعجمہ) کے متعلق تو یہ ہے کہ ایک طالب نے لکھا کہ بدنظری سے بچنا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے کوئی تدبیر ایسی ارشاد فرما دیجئے کہ جس پر عمل کرنے سے اس فعل شنیع سے طبعاً نفرت پیدا ہو جائے اھ۔

جواب تحریر فرمایا کہ بجز ہمت اور تحمل مشاق کے کوئی تدبیر نہیں اور معین اس کی دو چیزیں ہیں استحضار عقوبت اور ذکر کی کثرت۔ اھ

اور تحلیہ (بالحاء المہملہ) کے متعلق یہ ہے کہ ایک طالب نے لکھا کہ حصول یقین کا طریقہ ارشاد فرمایا جاوے جواب تحریر فرمایا کہ اول بہ تکلف عمل کرنا اس کی برکت سے یقین پیدا ہوجاتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں۔ اھ

غرض حضرت والا بہ تکلف عمل کرنے پر بہت ہی زور دیا کرتے ہیں اور یہ اشعار بکثرت تحریراً وتقریراً فرمایا کرتے ہیں (للعارف الرومی ؒ)

اندریں رہ می تراش و می خراش	تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود	کہ عنایت با تو صاحب سر بود
دوست دارد دوست ایں آشفتگی	کوشش بیہودہ بہ از خفتگی
کار کے می کن تو و کاہل مباش	اندک اندک خاک چہ را می تراش
چوں ز چاہے میکنی ہر روز خاک	عاقبت اندر رسی در آب پاک
چوں نشینی بر سر کوئے کسے	عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

اور یہ اشعار بھی اکثر فرمایا کرتے ہیں

دست از طلب ندارم تا کار من برآید	یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید
یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم	حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم
کار کن کار بگذر از گفتار	اندریں راہ کار باید کار
قدم باید اندر طریقت نہ دم	کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

باب ۱۳

صد پند اشرف

بعض ارشادات وافاضات حکمت آیات حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ منتخب از تربیت السالک۔

۱۔ ایک طالب علم نے لکھا کہ میری تمنا ہے کہ شبہے نہ آئیں۔ تحریر فرمایا کہ کل کو یہ تمنا کرنا کہ بخار نہ آئے، اھ۔ اس سے پہلے یہ تحریر فرما چکے تھے کہ بلا اختیار شبہ آنا خدا اور رسول کو سچا سمجھنے کے منافی نہیں۔ اھ

۲۔ ایک طالب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ بدعتی سے نفرت کبر نہیں البتہ اگر وہ توبہ کرلے اور پھر بھی اُس سے نفرت رہے یہ کبر ہے ورنہ بغض فی اللہ ہے اھ

۳۔ ایک طالب نے لکھا کہ مجھ کو موت سے بہت وحشت و نفرت ہے حالانکہ وہی ذریعہ ہے خدا تعالیٰ سے ملاقات کا اور صوفیائے کرام کے نزدیک تو موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز ہی نہیں تحریر فرمایا کہ یہ غلط ہے بعض مسلم بزرگوں کو میں نے موت سے ایسا ہی ڈرتا ہوا دیکھا ہے منشا اس کا ضعف قلب ہے جو بالکل مذموم نہیں اھ

اُنھیں طالب نے یہ بھی پوچھا کہ صوفیائے کرام نے کیا ذرائع حاصل کیے جن کی وجہ سے اُن کو موت سے نفرت یعنی کراہت بالکل جاتی رہی۔ جواب تحریر فرمایا کہ ان کی قوت قلب ہے یا قوت وارد اور دونوں غیر مطلوب ہیں محض موہوب ہیں اھ۔

۴۔ ایک طالب نے کلام مجید کی تلاوت کے فضائل دیکھ کر چاہا کہ سوائے تلاوت کے اور سب وظائف واوراد ترک کردوں۔ تحریر فرمایا کہ یہ بھی خبر ہے کہ کسی چیز کی طرف زیادہ کشش اسی وقت ہوتی ہے جب دوسری چیزیں بھی ہوں ورنہ اس سے طبیعت اُکتا جاتی ہے ع

گر نیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور

اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔ اھ

۵ ۔ ایک خلیفۂ خاص نے دریافت فرمایا کہ حصول نسبت کے آثار غیر متخلفہ کیا ہیں نیز زوال کبر کے بھی آثار غیر متخلفہ پوچھے تھے۔ تحریر فرمایا کہ یہ سب امور ظنیہ ہیں جیسی صحت بدنیہ ظنی ہے مگر اقناع ہی کو اس باب میں مثل تعیین کہا جاتا ہے سو امر اول میں آثار دوام اطاعت و مشابہت اعمال اختیاریہ بہ امور طبعیہ و شذوذ و مخالفت اور بعد مخالفت اتفاقیہ قلق شدید و تدارک بلیغ اور غلبہ ذکر لسانی و قلبی یعنی استحضار اور امر ثانی میں اصل وجدان ہے معالج کا اور آثار سے اس کی تائید ہو جاتی ہے یعنی واقعات کبر کا عدم صدور و غلبہ آثار شکستگی و ندامت شدید بر صدور افعال موہمہ کبر۔ اھ

۶ ۔ ایک طالب نے لکھا کہ زبان پر ذکر اللہ ہے اور اندر خاک بھی اثر نہیں بفضلہ تعالیٰ اعمال میں تو فرق نہیں آتا مگر ظاہر ہوتا ہے کہ دل محبت سے خالی ہے۔ اھ، جواب تحریر فرمایا کہ کونسی محبت سے دل خالی ہے اعتقادی و عقلی سے یا انفعالی اور طبعی سے اگر شق ثانی ہے تو مضر نہیں اگر شق اول ہے تو اُس میں خالی ہونے کا افسوس نہیں ہوا کرتا، آپ کو افسوس کیوں ہے یہ افسوس خود دلیل ہے کہ آپ اس سے خالی نہیں اھ۔ اُنھیں طالب نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ تو یقینی ہے کہ حالت جیسی چاہیئے ویسی بالکل نہیں ہے اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ وہ دن ماتم کا ہوگا جس دن یہ سمجھو گے کہ جیسی حالت چاہیئے تھی ویسی ہو گئی کیونکہ اُس درس گاہ میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی حالت کے متعلق یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ جیسی حالت چاہتے ہیں ویسی نہیں ہے ماعبدناک حق عبادتک کا حال ہوتا ہے اھ۔

۷ ۔ ایک طالب نے لکھا کہ نظر بد کے تقاضہ کے وقت بندہ دل کو یہ بھی تسلی دیتا ہے کہ جس گناہ سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو اس کو کرنے سے کیا حاصل۔ تحریر فرمایا کہ نہایت نافع اور مؤثر مراقبہ ہے۔ اھ۔

۸ ۔ ایک طالب نے لکھا کہ چلتے پھرتے اگر کسی لڑکے یا عورت پر نظر پڑجاتی ہے تو بندہ فوراً نظر

کو ہٹا لیتا ہے۔ اب دریافت کرنا یہ ہے کہ نظر اول معصیت کا سبب ہے یا نہیں، اھ۔ حضرتؒ والا نے ذیل کا جواب تحریر فرمایا اُس نظر اول میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر حدوث میں قصد نہ ہو تو اُس کے ابقاء یا اُس سے التذاذ میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔ اھ

انھوں نے یہ بھی لکھا کہ نظر ہٹانے کے بعد اس کی صورت ذہن میں ایک قسم کی تصویر ہو جاتی ہے مگر بعض وقت اُس صورت کو ذہن میں آتے ہی فوراً دفع کرنا یاد نہیں رہتا۔ اھ۔ اس پر حضرتؒ والا نے تحریر فرمایا کہ یاد رکھنے کا اہتمام ضروری ہے اگر و یسے یاد نہ رہے تو ایک پرچہ پر اس کی وعید لکھ کر وہ پرچہ اپنی کلائی یا بازو پر باندھ لیا جائے اھ۔

۹ - ایک طالب نے حضرتؒ والا کے اس استفسار پر کہ جھوٹ اختیار سے بولتے ہو یا بالاضطرار یہ لکھا کہ یہ جھوٹ بولنا ہے تو اختیاری لیکن کثرت انہماک سے اضطراری جیسا ہو چکا ہے حضرت اس کا علاج فرمائیں، اھ۔ اس پر حضرتؒ والا نے تحریر فرمایا کہ جب ہمت و اختیار سے چھوڑ دو گے اور بہ تکلف اس کی عادت کر لو گے تو اسی طرح عدم صدور اضطراری جیسا ہو جائے گا یہی علاج ہے۔ اھ

۱۰ - ایک صاحب فضل ایک دوسرے شیخ سے مرید ہیں ان کو بسلسلہ انگریزی ترجمہ قرآن مجید معاندین کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے معاندین کی کتابیں پڑھنے میں مشغولی رہتی ہے۔ انھوں نے حضرت والا کو لکھا کہ ایک معاملہ اپنے قلب کا عرض کرتا ہوں جس زمانہ میں کتب تصوف کا مطالعہ زیادہ رہتا ہے خصوصاً مثنوی کلید مثنوی (یعنی شرح مثنوی مصنفہ حضرتؒ والا) اور احیاء العلوم وغیرہ کا اس زمانہ میں قلب میں ایک خاص انشراح محسوس ہوتا ہے اور طبیعت میں لینت و رقت اور خواب بڑے بڑے پاکیزہ نظر آنے لگتے ہیں۔ اب جب سے انگریزی ترجمہ قرآن میں اور معاندین کے اعتراضات کے جواب میں مشغولی ہے اس حالت میں نمایاں کمی پاتا ہوں اب کتب تصوف کا مطالعہ بالکل ترک ہے اور بجائے اس کے ہزارہا ہزار صفحات عقائد مشرکین و معاندین اسلام کے پڑھ رہا ہوں کہیں یہ ظلمت و قساوت اسی کا نتیجہ تو نہیں، اھ

حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا:

اس تفاوت کا یہی سبب ہے مگر اس کی حقیقت قساوت یا ظلمت نہیں کیونکہ حقیقی قساوت یا ظلمت ہمیشہ اعتقادی ہوتی ہے اور یہ کیفیت اور اثر طبعی ہے جیسا ایک انقباض اور تکدر گوہ کھانے سے ہو یہ مشابہ ہے حقیقی قساوت و ظلمت کے اور ایک انقباض ہاتھ یا پانوں میں نجاست لگ جانے سے ہو یہ مشابہ ہے اس کیفیت و اثر زیر بحث کے اور ظاہر ہے کہ گوہ کھانا بوجہ معصیت ہونے کے مضر باطن ہوتا ہے اور نجاست بدن کو لگ جانا مضر باطن نہیں ہوتا بلکہ اگر بقصد تطہیر اپنے جسد کے یا غیر کے جسد کے ہاتھ لگانا پڑے تو بوجہ طاعت ہونے کے باطن کو زیادہ نافع ہوگا اور اس میں جو طبعی کدورت و کلفت ہوتی ہے وہ بوجہ مجاہدہ ہونے کے موجب اجر و قرب ہوگا اور اس کے بعد جو مٹی سے صابون سے رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھویا جاویگا پہلے سے زیادہ پاک صاف ہو جائے گا، آپ ماشاء اللہ تطہیر میں مشغول ہیں آپ کی طہارت اور نورانیت میں اضافہ ہو رہا ہے البتہ ساتھ کے ساتھ صابون بھی استعمال میں رہے تو بہتر ہے یعنی کسی قدر مطالعہ تصوف و ذکر اللہ۔

۱۱۔ ایک طالب نے شکایت لکھی کہ ناظرہ قرآن شریف ایک پارہ بھی پڑھنا مشکل معلوم ہوتا ہے بلکہ اکثر ناغہ ہو جاتا ہے اور دیگر اذکار اور زبانی قرآن شریف دن بھر پڑھا کرے تو کوئی گرانی نہیں ہوتی، اھ

اس پر حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اگر قرآن حفظ نہیں تو نفس پر جبر کر کے زیادہ پڑھنا چاہیے اور برابر اس کا تصور رکھنا چاہیے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں نامۂ اعمال میں ساتھ ساتھ درج ہو رہی ہیں اور ایسی دولت اور کس چیز سے نصیب ہو سکتی ہے اور یہ تصور سے بھی امر واقعی کا کیونکہ حدیث میں یہ مضمون تصریحاً موجود ہے اس کے ساتھ ہی یہ مراقبہ بھی رکھنا چاہیے کہ حروف قرآن کی زیارت پر ثواب ملتا ہے اس مجموعی تصور سے وہ گرانی کم ہو جائے گی اور رفتہ رفتہ ناظرہ زیادہ تلاوت کرنا آسان ہو جائے گا، اور

اگر قرآن آپ کو حفظ ہے اور زبانی بھی صحیح یاد ہے تو پھر حفظ پڑھنے سے بھی ثواب جو کہ اصل مقصود ہے حاصل ہے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں۔ اھ

۱۲۔ ایک طالب نے لکھا کہ ان دنوں میری عجیب کیفیت ہے ہر وقت جی چاہتا ہے کہ بس اللہ اللہ کرتا رہوں سوائے ذکر اسم ذات کے کسی چیز میں جی نہیں لگتا حد یہ ہے کہ درس حدیث و تلاوت قرآن میں بھی جیسے پہلے جی لگتا تھا، اب ویسا نہیں لگتا۔ اھ

حضرت والاؒ نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا

ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسا بچہ کو ہر وقت دودھ ہی مرغوب ہوتا ہے پھر ہر وقت پر اس کے مناسب اشیاء مرغوب ہونے لگتی ہیں۔ اھ

ف:۔ از جامع اوراق، ایک اور طالب کو اسی قسم کی شکایت پر یہ تحریر فرمایا تھا کہ ابتداء میں ایسا ہی ہوتا ہے بعض کو انتہا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور اکثر اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ذکر میں ایک گونہ بساطت ہے اور قرآن و حدیث میں ایک گونہ ترکیب ہے اور بساطت یکسوئی سے اقرب ہے اور ترکیب بوجہ اختلاف اجزاء تشویش سے قریب ہے۔

۱۳۔ ایک طالب نے جو حاضر خانقاہ ہوئے تھے لکھا کہ فی الحال کبر نہیں معلوم ہوتا۔ دو چار باتیں حضرت بتلادیں تاکہ امتحان کروں کہ کبر باقی ہے یا جاتا رہا۔ اھ

اس پر تحریر فرمایا کہ دو چار جزئیات امتحان کے لیے کافی نہیں بعض طبائع کی خاصیت یہ ہے کہ بعض معاملات میں کبر پیدا نہیں ہوتا ہے اس لیے اس امتحان کی فکر میں نہ پڑیے، اگر کسی خاص واقعہ میں شبہ پیش آوے گا، اس کی اطلاع کر کے مشورہ مناسب ہوگا۔ اھ

انھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرتؒ کی محبت کا غلبہ بہت ہے نماز میں بھی اکثر خیال ہوتا ہے اور کبھی کبھی خشوع کے لیے خیال کر لیتا ہوں۔ اھ۔ اس پر تحریر فرمایا کہ نماز میں قصداً نہ کیا جاوے۔ اھ۔ انھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ جاتے کو جی نہیں چاہتا مگر مدرسہ کی وجہ سے کل جانے کا ارادہ ہے۔ اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ بعض بعد قرب سے زیادہ نافع ہوتا ہے۔ اھ

اُنھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرتؒ کا خوف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ بولنے کی ہمت نہیں ہوتی اھ۔ تحریر فرمایا کہ اس کا منشاء محبت مشوب بہ عظمت ہے جو طریق میں نہایت نافع ہے اھ

۱۴۔ ایک طالب نے لکھا کہ بدنظری سے نفرت اپنے اندر نہیں پاتا نفس کو روکنے میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، اھ۔ تحریر فرمایا کہ نفرت مامور بہ ہے یا رغبت کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا۔ اھ

۱۵۔ ایک صاحب اجازت نے لکھا کہ اگر کوئی میرے پاس بیعت ہونے کو آتا ہے تو بے حد شرم آتی ہے کہ یہ تو مجھ سے ہر طرح اچھا ہے میں اس کو کیا بیعت کروں اھ، تحریر فرمایا کہ مرید کر لیا کریں تاکہ یہ تواضع اور زیادہ بڑھے، اھ۔

۱۶۔ ایک صاحب نے جو ایک دوسرے شیخ سے بیعت ہیں لکھا کہ دین اور دنیا دونوں قسم کے معاملات میں بعض دفعہ سخت مزاجی کا ظہور نہایت شدت سے ہوتا ہے اور طبیعت بے قابو ہوجاتی ہے، اھ۔ تحریر فرمایا کہ استحضار و عمل تبکلف کا تکرار یہی علاج ہے اس سے عادت ہوجاوے گی۔ اھ

انھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نماز وغیرہ کے بارے میں جب بار بار کہنے سے بھی لوگ نہیں مانتے اور غصہ آتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ غصہ اپنے نفس کے لیے ہے کہ میرا کہا ان لوگوں نے کیوں نہیں مانا۔ اھ اس پر تحریر فرمایا کہ اس کا امتحان سہل ہے ٹٹول کر دیکھا جاوے کہ اگر دوسرے واعظ کے ساتھ یہی معاملہ کریں تب بھی اتنی ہی یا اس کے قریب قریب ناگواری ہوتی ہے یا نہیں، اھ۔

۱۷۔ ایک طالب نے لکھا کہ مجھے اصلاح کا طریق نہیں معلوم۔ طریق اصلاح تجویز فرماویں، اھ تحریر فرمایا کہ طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے نفس کا ایک ایک عیب ظاہر کرو اور مجھ سے اس کا علاج پوچھو اور میں جو بتلاؤں اس پر عمل کرو۔ اور عمل کر کے اطلاع دو، اھ۔

۱۸۔ ایک طالب نے لکھا کہ نماز و تلاوت میں طبیعت پر جبر کرنا پڑتا ہے، کوئی شاہراہ عمل ایسا تجویز فرما دیجیے کہ یہ جبر مبدل بمسرت و آسانی ہوجاوے، اھ۔ تحریر فرمایا کہ اس کی کوئی تدبیر

نہیں، یہ امر نہ شیخ کے اختیار میں ہے نہ طالب کے ، اھ۔

اسی طرح ایک بی، اے پاس طالب نے لکھا کہ نماز کو ضروری سمجھتا ہوں لیکن طبیعت ادھر نہیں آتی اور اگر آتی بھی ہے تو نماز میں کوئی لطف نہیں آتا، اھ۔ پہلی بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ طبیعت کا آنا ضروری ہے یا لانا، اھ۔ اور دوسری بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ لطف ضروری ہے یا عمل اھ

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ معمولات میں سرور نہیں پیدا ہوتا، تحریر فرمایا کہ سرور مقصود ہے یا حضور، اور حضور بھی اختیاری یا غیر اختیاری، اھ۔

۱۹ - ایک طالب نے عُجب کی چند مثالیں لکھ کر علاج پوچھا۔ تحریر فرمایا کہ اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کر لیا جاوے کہ یہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہیہ ہیں وہ اگر چاہیں ابھی سلب کر لیں اور یہ ان کی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اس کا استحضار کر لیا جاوے کہ اگرچہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہوں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہم کو ان کی خبر نہ ہو اور ان کی وجہ سے ان کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سرور رہ جائے گا وہ عُجب نہ ہوگا یا تو فرحت طبعی ہوگی جو مذموم نہیں اور یا شکر ہوگا جب منعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا، اھ۔

۲۰ - ایک استفسار کے جواب میں حضرتؒ والا نے رزائل کے علاج میں رُسوخ پیدا ہو جانے کی علامت یہ تحریر فرمائی کہ جب غفلت و ذہول نہ ہو اور ہمت میں تخلف نہ ہو، یہی رسوخ ہے، اھ۔

اور ایک استفسار کے جواب میں جو بزبان فارسی تھا حُصول رُسوخ کا طریقہ یہ تحریر فرمایا، تکرار استحضار و اعتیاد دائم و تدارک وقت کوتاہی بمعاقبت نفس بنوعے عبادت خاصہ مالیہ یا بدنیہ مثل انفاق چہار آنہ کہ بر نفس قدرے شاق باشد یا ادائے نوافل بمقدار معتدبہ کہ بر نفس قدرے گراں باشد و علامت رسوخ آنست کہ ملکہ میسر شود کہ در صدور تکلف نباشد، اھ۔

۲۱ - ایک طالب نے لکھا کہ قبل بیعت حضرت سے محبت تھی مگر رعب معلوم ہوتا تھا اور اب بعد بیعت محبت تو الحمد للہ بہت ہے مگر رعب مطلق نہیں معلوم ہوتا ہے ، اھ - جواب تحریر فرمایا کہ مبارک حالت ہے وہ پہلی حالت بھی مبارک تھی - اس طریق میں جو حالت غیر اختیاریہ بھی پیش آوے خیر محض ہے اور اس میں بیحد مصالح و منافع ہوتے ہیں جو اس وقت تو سمجھ میں نہیں آتے مگر آگے چل کر ایک وقت میں سب خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں ، اھ -

۲۲ - ایک مبتدی طالب نے نماز میں خطرات آنے کی شکایت لکھ کر اس کی تدبیر پوچھی - جواب تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے کلمات و اذکار کی طرف توجہ رکھنا چاہیئے پھر اگر آویں مضر نہیں اگر وہ توجہ ہٹ جائے تجدید کر لی جاوے اور اس توجہ کے ہٹ جانے پر افسوس نہ کرنا چاہیئے ، اھ -

۲۳ - ایک طالب نے لکھا کہ حضور کے ساتھ غلبۂ محبت کا آج کل یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے دل میں سوائے آپ کی محبت کے اور کوئی محبت نہیں ہے اور نہ کسی دیگر شخص کا خیال ہے آپ کو بحیثیت اپنے شیخ کے صاف لکھنا زیادہ بہتر ہوگا یعنی ان دنوں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی کم محسوس کرتا ہوں ، اھ - جواب تحریر فرمایا کہ یہ شبہ صحیح نہیں حق تعالیٰ کی محبت میں شان عقلیت غالب ہوتی ہے اور اپنے مجانس کی محبت میں شان طبیعت غالب ہے اور سرسری نظر میں محبت عقلی محبت طبعی کے سامنے ضعیف و مضمحل معلوم ہوتی ہے اس سے وہ شبہ ہو جاتا ہے حالانکہ امر بالعکس ہے چنانچہ اگر اسی محبوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی معاملہ قولی یا فعلی صادر ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہو جاوے جس سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی محبوبیت غالب ہے ، اھ -

۲۴ - ایک نظر بد کے مریض کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بجز ہمت کے کوئی علاج نہیں ، اھ

۲۵ - ایک طالب کو اپنے ایک شاگرد سے نفسانی محبت ہو گئی انھوں نے لکھا کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ سلسلہ تعلیم باقی رہے اور کیفیت نفسانیہ منعدم ہو جائے تو ارشاد فرمایا جاوے ، اھ تحریر فرمایا کہ مجھ کو ایسی ترکیب نہیں آتی کہ ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ   باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

۲۶ - ایک طالب نے لکھا کہ میں لوگوں کے اصرار سے طلبی سورتیں پڑھتا ہوں۔ کبھی کبھی بعد نماز جی خوش ہوتا ہے کہ قرآن مجید بہت اچھا پڑھا دل میں یہ سوچ لیتا ہوں کہ یہ میرا کمال نہیں محض انعام الٰہی ہے کیا یہ اصلاح نفس کے لئے ٹھیک ہے، اھ۔ تحریر فرمایا کہ مسنون سورتوں میں جو چھوٹی ہوں وہ پڑھا کرو یہ عملی اصلاح ہے اور لفظی اصلاح کافی نہیں، اھ

۲۷ - ایک بیوہ نے لکھا کہ شوہر مرحوم کے غم کی وجہ سے باوجود ڈیڑھ سال گذر جانے کے اس قدر تڑپ ہے کہ ہر چند قلب کو راجع الی اللہ کرتی ہوں لیکن یکسوئی نہیں پیدا ہوتی۔ میری قلبی خواہش یہ ہے کہ حقیقی صبر و رضا کے ساتھ محبوب حقیقی رب العزت کی یاد میں دلجمعی سے عبادت میں گزارا دوں، اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ برخورداری سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی باطنی بھی ظاہری تو جانتی ہو باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہو مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا سکون و دلجمعی اختیار میں نہیں وہ مطلوب نہ ہوگا، اھ۔

۲۸ - ایک طالب کے استفسار پر غیبت کا یہ علاج تحریر فرمایا (نمبر ۱) استحضار عقوبت وقت غیبت (نمبر ۲) تامل قبل تکلم (نمبر ۳) معافی چاہنا بعد صدور غیبت (نمبر ۴) کچھ جرمانہ اپنے اوپر نقد کا یا نوافل کا، اھ۔

کچھ دن بعد پھر انہیں صاحب نے لکھا کہ ابھی یہ علاج پوری طرح راسخ نہیں ہوا تحریر فرمایا کہ بتدریج راسخ ہو جائے گا لگا رہنا چاہیے، اھ۔

۲۹ - حضرت والا کے ایک صاحب اجازت کو لوگوں نے زبردستی میونسپلٹی کا ممبر تجویز کر دیا۔ انھیں سخت وحشت ہوئی۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ اپنے پیر و مرشد سے پوچھ لو۔ چنانچہ انھوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت اقدس کچھ تجویز فرما دیں تاکہ گلو خلاصی ہو اس پر حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلق بلا ضرورت سراسر مضرت ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق یہ تجربہ ہے اور ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا ہم سے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے واقعات کو چھوڑ دیا ہے حضرت ابراہیم بن ادھم بلخیؒ حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ کے واقعات

معلوم ہیں اور حضرات خلفائے راشدینؓ پر اپنے کو قیاس نہ کیا جائے ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

۳۰۔ ایک طالب نے اپنے تقلبات لکھے تھے، تحریر فرمایا کہ دل سے دعا ہے اور حالات کے انقلاب کے متعلق اکابر کی یہ تحقیق ہے ؎

در بزم عیش یک دو قدح نوش کن برو　　　یعنی طمع مدار وصال دوام را

۳۱۔ ایک طالب نے حسن کے دیکھنے کا مرض لکھا تھا حسب معمول استفسار فرمایا کہ حسن کا دیکھنا اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ بندہ کا دیکھنا اختیاری ہے مگر اس سے بچنے کے لیے استعمال اختیار دشوار معلوم ہوتا ہے۔ تنبیہاً تحریر فرمایا کہ کیا دشوار ہے کیا نفس کے روکنے سے کوئی بیماری ہوجاتی ہے یا سانس گھٹنے لگتا ہے یا اور کوئی تکلیف ناقابل برداشت ہوجاتی ہے، اھ۔

۳۲۔ ایک طالب نے لکھا کہ جی چاہتا ہے کہ گاؤں کو بیچ کر کاشتکاری دوسروں کے سپرد کر کے اور قطع تعلق کر کے اپنے اوقات کو عمل کے لیے مخصوص کردوں۔ تحریر فرمایا کہ کیا گاؤں اور زمین اور کاشت وغیرہ عمل سے مانع ہیں، اھ۔

انھوں نے یہ بھی لکھا کہ والد صاحب مخالف ہیں لیکن جناب شیخ سعدیؒ کے قول "تعلق حجاب ست" کو اختیار کروں اور والدہ صاحبہ کی رائے کے خلاف کروں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں و لقد ارسلنا رسلاً من قبلك وجعلنا لهم ازواجاً و ذرية خلاصہ یہ ہے کہ کیا اس سے ہر تعلق اور ہر حالت میں مراد ہے جو کام کرو سمجھ کر کرو، اھ۔

۳۳۔ ایک طالب نے لکھا کہ مروت مجھ کو بہت ہے جس سے بعض دفعہ خلاف شرع کام بھی سرزد ہوجاتے ہیں محض اس خیال سے کہ دوسرے کا دل نہ دکھے انکار اس قدر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ پسینہ آجاتا ہے، اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ دشوار ہونے سے غیر اختیاری ہونا لازم نہیں آتا جہاں مروت کرنا خلاف شرع نہ ہو اس مروت پر عمل جائز ہے اور جہاں خلاف شرع ہو۔ وہاں جائز نہیں

گو دشواری اور تکلیف ہو اُس تکلیف کو برداشت کرو اس کے سوا کوئی علاج نہیں، اھ۔

۴۳۔ ایک طالب کے خط کے مختلف اجزاء مع حضرتؒ والا کے جوابات کے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں کیونکہ اُس سے بہت سے فوائد مستفاد ہوتے ہیں۔

حال :۔ تابعدار معمولات ادا کئے جاتا ہے مگر قلب کی حالت بدستور ہے۔

تحقیق :۔ کیا یہ نعمت نہیں کہ دو وقت روٹی ملے اور صحت و قوت بحال رہے گو اس میں ترقی نہ ہو۔

حال :۔ کوئی خاص حالت ایسی نہیں ہے جس کو حضور میں عرض کروں۔

تحقیق :۔ یہ حالت بھی تو قابل اطلاع کے تھی، چنانچہ اطلاع پر ایک مفید بات معلوم ہو گئی مگر اس کا یاد رکھنا شرط ہے۔

حال :۔ نہ اپنے کو اس قابل پاتا ہوں کہ کچھ عرض معروض کر سکوں۔

تحقیق :۔ ناقابلی کا اعتقاد اس طریق میں یہی قابلی ہے۔

حال :۔ اس راہِ سلوک میں اپنے کو ہیچ محض سمجھتا ہوں۔

تحقیق :۔ مبارک سمجھنا ہے۔

حال :۔ جو کچھ معمولات ادا کرتا ہوں محض عادۃً ادا کرتا ہوں۔

تحقیق :۔ کیا اچھے کام کی عادت نعمت نہیں۔

حال :۔ کچھ تو سونے والوں کی وجہ سے اور کچھ رفع تکان کے سبب سے چند روز سے ذکر بجائے جہر کے خفی کر لیا کرتا ہوں کوئی حرج تو نہیں۔

تحقیق :۔ بلکہ افضل و انفع ہے۔

حال :۔ اب میرا وقت اخیر آپہنچا، اب تک اپنے کو محض کورا سمجھتا ہوں۔

تحقیق :۔ مگر کور تو نہیں۔

حال :۔ بغیر حاضری حضور کے اور کوئی صورت کامیابی کی نظر نہیں آتی۔

تحقیق :۔ اطلاع بھی صورت کامیابی کی ہے، اھ۔

۳۵۔ ایک طالب نے لکھا کہ حضور والا کے ارشاد کے موافق بدنظر اور بدخیال کو اختیار سے چھوڑ دیا لیکن دل کی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ ثابت قدم رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ سے دعائے استقامت کرتے رہو، اھ۔ اسی خط میں خواہش نفسانی سے نجات پانے کا علاج بھی پوچھا تھا، تحریر فرمایا کہ کل کو حرام غذا سے توبہ کرکے دُعا کرانا کہ بھوک ہی سے نجات ہو جاوے، اھ۔

۳۶۔ ایک طالب نے شکایت لکھی کہ بوجہ گرمی کی شدت کے نماز وغیرہ میں پہلا سا خشوع و خضوع نہیں ہوتا جواب تحریر فرمایا کہ معذوری ہے۔

۳۷۔ ایک صاحب اجازت نے اپنے مفصل حالات لکھے جن میں یہ حال بھی تھا کہ اب اللہ میاں کا خیال بالکل بے کیف دل میں آتا ہے اور اس سے اس قدر انشراح قلب میں ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ میری اعمالی کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے یہ انعامات الٰہی اور حضور کے فیوض لامتناہی میرے شامل حال ہو سکتے ہیں یا میرے نفس نے یہ خیالات تراشے ہیں، اس کا جواب تحریر فرمایا کہ قلب میں دونوں احتمالوں کا جمع ہونا یہی بڑی دولت ہے جس کا حاصل الایمان بین الخوف والرجاء ہے، مبارک ہو، اھ۔

۳۸۔ ایک طالب نے لکھا کہ میری والدہ ہر بات پر طعن و تشنیع کرتی ہیں جس پر میں غصہ کرنے لگتا ہوں، اور جھگڑنے لگتا ہوں علاج مرحمت فرمادیں، تحریر فرمایا کہ علاج یہ ہے کہ جواب مت دیا کرو باہر چلے جایا کرو، اھ۔

۳۹۔ ایک مبتدی طالب نے لکھا کہ حضور سے دور ہوں اذکار صحیح طریقہ سے کیوں کر کروں، جواب تحریر فرمایا کہ یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق صحیح ہے، اھ

انھیں صاحب نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرمادیں کہ مجھے دو ایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرادیں، اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس کی حاجت نہیں۔ یہ قیود غیر مقصود ہیں مقصود

صرف ذکر ہے۔ اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں تو اصل مقصود منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے آگے رہی موزونیت اُس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں، اھ۔

انہیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ صحیح طریقہ اذکار کا معلوم ہو جائے تاکہ اُن کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں، تحریر فرمایا کہ ثمرات کی روح اجر و قرب ہے، اھ۔

انھوں نے لطائف ستہ کی کوشش کرنے کا بھی حال لکھا تھا، حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں، اھ۔

۴۰ - ایک طالب نے لکھا کہ ضعف قلب کی وجہ سے تہجد اور ذکر میں عجیب عجیب واہیات خیالات کا ہجوم ہوتا ہے کہ کہیں شیطان کسی شکل میں میرے سامنے نہ آجائے، کوئی جن آکر میرے ساتھ نماز نہ پڑھنے لگے حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ ایسی حالت میں اپنے شیخ کا تصور ان پریشان خیالات کا دافع ہو جاتا ہے مگر شیخ کو حاضر ناظر نہ سمجھے، اھ۔

۴۱ - ایک طالب نے کبر کے متعلق لکھا کہ فدوی ایک مرتبہ قرابت بندی میں گیا ہوا تھا اور وہاں مجھ کو خرید و فروخت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی، وہاں گوشت کی دکان پر جانے کی ضرورت ہوتی تھی مگر نہیں گیا تھا اور گو نہ حجاب محسوس کیا تھا، جواب تحریر فرمایا کہ حجاب اور چیز ہے اور کبر اور چیز ہے حجاب کی حقیقت خجلت ہے جس کا سبب مخالفت عادت ہے حتیٰ کہ اگر اُس شخص کی تعظیم کا سامان عادت کے خلاف کیا جاوے اُس سے بھی شرما دے۔ مثلاً کوئی ہاتھی پر بٹھلا کر دس بیس سوار جلو میں کر کے جلوس نکالے، اھ۔

اس پر اُن صاحب نے لکھا کہ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور شرم آئے گی لیکن مجھ کو اپنے نفس پر ذرہ برابر اعتماد نہیں ہے اس لیے احتمال ہے کہ شرم نہ معلوم ہو اگرچہ احقر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتا، اھ۔

اس پر جواب تحریر فرمایا کہ جب تک اس کے خلاف دلیل نہ ہو بہ ظاہر اور غالب ہی معتبر ہے

اور اگر علاج میں مبالغہ کو دل چاہے تو ایسے کام کرو جو شرع کے خلاف نہ ہوں مگر وضع کے خلاف ہوں اور عرفاً موجب ذلت ہوں، اھ۔

۴۲ - ایک طالب علم نے جو زیر تربیت ہیں کچھ حوادث سے پریشانیاں اور کچھ بدنظری کی شکایت لکھ کر دعا اور اصلاح کی آسان صورت کی درخواست کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ ہر شے حسین کے دیکھنے کو طبیعت میں اس قدر تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ باوجود نیچی نظر کر لینے کے پھر نظر اٹھ جاتی ہے حالانکہ حضرت والا کے فرمان کے بموجب عذاب دوزخ وغیرہ کو سوچتا ہوں لیکن طبیعت کچھ ایسی مجبور ہوتی ہے جس کا رُکنا دشوار اور شاق نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر سے کوئی پکڑ کر دل کو اُبھار رہا ہے، اس فعل بد سے نہایت ہی مجبور ہو گیا ہوں، اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔

حرفاً حرفاً پڑھا، غیر اختیاری مصائب پر تو اجر ملتا ہے اُن کے ازالہ کی دعا بھی کرتا ہوں لیکن مصائب اختیاریہ یعنی معاصی پر نہ اجر ملتا ہے اور نہ اُس کے ازالہ کی دُعا ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا ازالہ تو خود عبد کا فعل ہے اس دعا کی تو یہ مثال ہے کہ اے اللہ فلاں شخص فلاں کھانا کھانے لگے فلاں کھانا نہ کھاوے اس دعا کے کیا معنی۔ البتہ توفیق کی دعا ہو سکتی ہے وہ بھی جب کہ فاعل اسباب کو جمع کرے اور اعظم اسباب قصد و ہمت ہے اور اس کے متعلق جو عذر خط کشیدہ عبارت میں لکھا ہے بالکل غلط ہے سوچو کر اگر ایسے موقع پر کہ نفس میں تقاضائے شدید ہو تمہارا کوئی بزرگ موجود ہو جو تمہاری اس نظر اٹھانے کو دیکھ رہا ہو تو کیا اُس وقت تم ایسی بے حیائی کر سکتے ہو اگر کر سکتے ہو تو تم لاعلاج ہو اور اگر نہیں کر سکتے تو معلوم ہوا کہ نظر از خود نہیں اُٹھتی نہ مجبوری ہوتی ہے نہ رُکنا شاق ہوتا ہے نہ کوئی اُبھارتا ہے سب کچھ تمھیں کرتے ہو تو اس کے خلاف پر بھی تم قادر ہو سو تمہارا یہ عذر ویسا ہی بے ہودہ عذر ہے جیسے ایک شاعر نے نکو اس کی ہے ؎

۴۳ - ایک طالب کو جو مدرس تھے اور جنھوں نے بوجہ کثرت کار تعلیم عدم مواظبت معمولات پر

سخت افسوس کا اظہار کیا تھا یہ جواب تحریر فرمایا کہ افسوس بھی ایک درجہ میں مواظبت کا بدل ہے جب عدم مواظبت کسی عذر سے ہو، اھ۔

۴۴۔ ایک طالب نے لکھا کہ احقر جب بھی کوئی اچھی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہے تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ میرے پاس ہو تو بہت اچھا ہو پھر کوشش کرتا ہوں کہ وہ چیز مجھے کسی طرح سے حاصل ہو جائے۔ اُس شخص سے زائل کرنے کو نہیں چاہتا بلکہ صرف اپنے پاس رکھنا مقصود ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں حرص دُنیا ہے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہو تو علاج ارشاد فرمایا جائے اھ۔

اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا، مرض تو نہیں مگر مفضی الی المرض ہونے کا احتمال ہے علاج اس کا یہ ہے کہ بمجرد اس تمنا کے یہ عزم کیا جاوے کہ اگر یہ چیز مجھ کو مل بھی گئی فوراً کسی کو ہبہ کر دوں گا، خصوص اُس شخص کو جس کے پاس ایسی چیز پہلے سے موجود ہے یا اگر اُس سے ایسی بے تکلفی نہ ہوئی تو کسی دوسرے کو دے دوں گا اور اگر وہ چیز اتفاق سے اپنی ضرورت کی ہوئی تو اس کے دام مساکین کو دے دوں گا۔ جب تک ایسی تمنا زائل نہ ہو گی اس وقت تک ایسا ہی کیا کروں گا دعا بھی کرتا ہوں۔

بعد کو انھیں صاحب کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ اس علاج سے بے حد نفع ہوا اب یہ خیال ہی بالکل جاتا رہا اور اگر کبھی تھوڑا بہت ہوا بھی تو اس تصور سے کہ اس کی قیمت کسی مسکین کو دے دوں گا، بالکل خواہش ہی جاتی رہی، اھ۔ اس پر حضرت والا نے مبارکباد تحریر فرمائی۔

۴۵۔ ایک طالب نے لکھا کہ نماز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت بے کار ہے میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا رہے احکام اس کی پابندی کر لی جاوے تو اس کے لیے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے الخ۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایک علاج یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لیے نہیں بلکہ مالک کا حق ہے مملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع و عنایت ہے، اھ۔

۴۶۔ ایک طالب نے اپنا حال لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں کے متعلق یہ ہوس ہوا

کرتی ہے کہ جو چیز اور جو بات ہو وہ اعلیٰ درجہ کی ہو اور میں ہر فن میں سب سے بڑھ کر ہوتا، اھ

اس کا یہ علاج تحریر فرمایا جس دنیوی چیز کی تمنا ہو اُس کے فنا کا استحضار تاکہ اُس کا ہیچ اور بے نتیجہ ہونا مستحضر ہو اور اگر وہ دین میں مضر ہے تو اس کے نتیجۂ بد کا بھی استحضار۔ اس مراقبہ کے بار بار استعمال کرنے سے یہ ہوس مضمحل ہو جائے گی اور اگر وہ امر دینی ہے تو اس کی تمنا محمود ہے۔ اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ جس کو وہ نعمت عطا ہوئی ہے اُس سے زائل ہونے کی تمنا نہ ہو ورنہ وہ حسد اور حرام ہے اگر خدا ناکردہ ایسا ہوتا ہو تو اس کے متعلق مستقل سوال کیا جاوے باقی اعتدال کی دعا بھی کرتا ہوں، اھ

۴۷۔ ایک صاحب اجازت نے لکھا کہ میرے مزاج میں شرم و حیا زیادہ ہے، لوگوں کے ادب و لحاظ سے دل میں بہت اُلجھن پیدا ہوتی ہے۔ ایک گاؤں میں دو چار آدمیوں کو حضرت والا کی برکت سے دین کا بہت فائدہ ہوا ہے وہ بار بار بلانے کا تقاضا کرتے ہیں نہایت شرمندگی ہوتی ہے اس لیے عذر کر دیتا ہوں مگر وہ مانتے نہیں اس کے متعلق جو ارشاد عالی ہو اُس پر عمل کروں، اھ

جواب تحریر فرمایا کہ جب تک شرما سے ہو آیا کرو، جب شرم اُتر جاوے مت جاؤ پھر شرم ہونے لگے چلے جاؤ وعلیٰ ہذا یہی دستور العمل رکھو، اھ۔

۴۸۔ ایک طالب نے لکھا کہ جب میں کسی سے حضرت کے مواعظ میں دیکھی ہوئی کوئی بات کہتا ہوں تو ریا محسوس ہوتی ہے کہ تو جو کچھ کہتا ہے وہ تیرے افعال کے خلاف ہے اور یہ وعظ گوئی خلاف منصب ہے اس کا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ ریا ہر خیال کا نام نہیں بلکہ جس خیال کی بناء قصد رضائے خلق بذریعہ دین ہو اور یہ اختیاری امر ہے، جب اس کا قصد نہ ہو وہ ریا ہی نہیں اگرچہ وہم ریا ہو۔ وہم ریا وسوسۂ ریا ہے جس پر مواخذہ نہیں ایسے وہم سے عمل صالح کو ترک نہ کیا جاوے

اسی طرح ریا کے متعلق ایک اور طالب نے لکھا کہ بعض مرتبہ کسی اچھے کام میں مصروف ہوتا ہوں اور اچانک کسی شخص پر نظر پڑ جاتی ہے تو اکثر و بیشتر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کام کو اور اچھی طرح کریں مجھے اتنا تو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ریا ہے لیکن یہ سمجھ کر کہ انسان کیا چیز ہے جو اُس کو دکھلا کر کام کریں فوراً

اپنی نیت کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر لیتا ہوں۔ کیا اس طرح نیت ٹھیک کر لینے سے وہ ریا ریا نہ رہے گی؟ اھ
اس کا جواب تحریر فرمایا کہ میرا مذاق اس میں یہ ہے کہ صرف تصحیح نیت اس میں کافی نہیں کیونکہ یہ تصحیح اُس شخص کے نزدیک مقصود بالذات نہیں بمقصود بالذات تحسین عمل للخلق ہے اور تصحیح نیت اُس تحسین کا آلہ تاکہ خائنہ ریا سے بھی بچا رہوں اور مقصود نفس بھی حاصل ہو جاوے تو جس اخلاق سے تحصیل ریا مقصود ہو وہ مقدمہ ریا ہونے کے سبب ریا ہی ہے اس صورت میں ریا سے حفاظت کی صورت صرف یہ ہے کہ اُس خطرہ کے بعد عمل میں تغیر نہ کرے اور اسی کے ساتھ نیت خالص رکھے مجھ کو معلوم نہیں کہ دوسرے اطباء باطن کی اس میں کیا تحقیق ہے اگر اس کے خلاف بھی ہو تب بھی میں اپنی رائے پر قائم ہوں۔ ذوقیات میں ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں، اھ۔

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ دوران مرض میں مکان پر نماز پڑھنی پڑی تو جیسی مسجد کی نماز میں طبیعت لگتی تھی مکان کی نماز میں نہیں لگتی تھی نیز مسجد میں رکعات بھی لمبی لمبی ہوتی تھیں بہ نسبت مکان کے اب خلجان یہ ہے کہ کہیں یہ مسجد کی نماز میں زیادہ جی لگنا بسبب ریا کے نہ ہو۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ نہیں بلکہ مسجد میں اس کے اسباب ایسے جمع ہیں کہ گھر میں نہیں۔

۴۹۔ ایک اشکال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ خشیت میں بھی طبعی تبسم پیدا ہو سکتا ہے جیسا غلبہ خشیت میں طبعی جوع و عطش و نوم بھی پیدا ہو جاتا ہے، اھ

۵۰۔ ایک طالب کے حالات کے متعلق یہ جواب تحریر فرمایا کہ وارد اگر شریعت کے موافق ہو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جاوے نہ کہ اتباع وارد کی نیت سے ناقعین کے لیے یہ سخت خطرہ کی چیز ہے۔ اھ

۵۱۔ ایک طالب کے استفسار پر بدگمانی کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب ایسی بدگمانی قلب میں آوے اول علٰحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ! میرے دل کو صاف کر دے اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اُس کے

لیے بھی دعا کرے کہ اے اللہ! اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین بار ایسا کرے کہ اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے تیسرے دن ایسا ہی کرے، اگر پھر بھی اثر رہے اب اُس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہوگئی تم معاف کردو اور میرے لیے دعا کردو کہ یہ دور ہو جاوے' اھ۔

۵۲ - ایک طالب نے اپنے احوال باطنی میں کمی کی شکایت لکھی تو تحریر فرمایا کہ ایسی کمی بیشی لازم عادی ہے یکساں حال رہ ہی نہیں سکتا دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر یہ تغیر مضر نہیں بلکہ اس میں مصالح ہیں جن کا مشاہدہ اہل طریق کو خود ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کے بعد حضور میں زیادہ لذت ہونا اور مثلاً غیبت میں انکسار و ندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا وشل ذٰلک اھ

۵۳ - ایک طالب کے استفسار پر نماز میں یکسوئی کی یہ تدبیر تحریر فرمائی کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جاوے جس کی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد رکوع کرنا ہے، رکوع میں اس طرف التفات نہ کرے کہ اس کے بعد قومہ کرنا ہے وعلیٰ ہذا بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالذات سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے۔ اسی طرح پر دوسرے رکن میں الیٰ آخر الصلوٰۃ اگر ایسا کیا جاوے تو نماز میں اس قدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی کیونکہ ذکر میں گو یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آکر اس یکسوئی کو فوت کرسکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کرکے کسی شغل میں لگ سکتے ہیں اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص ہم کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتا نہ خود کوئی کام کرسکتے ہیں وھذا الذی کتبت ورد علیٰ قلبی فی فرض الظھر وجربتہ فیہ وفی سنتہ البعدیۃ وللہ الحمد، اھ۔

۵۴ - ایک طالب نے فضول گوئی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ فضول گوئی اختیاری ہے یا غیر اختیاری، اس پر انھوں نے لکھا کہ میری خوب سمجھ میں آگیا کہ یہ اختیاری ہے اور یہی کیا سب اوامر و نواہی اختیاری ہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز معین سہولت بتا دی جاوے تو بہت احسان ہو، اھ۔ اس پر تحریر فرمایا کہ کس کس چیز کے سہل ہونے کی تدبیر پوچھو گے اور اس حدیث کے کیا معنی کہو گے

حفت الجنۃ بالمکارہ ، اھ۔

۵۵۔ ایک طالب کو جنھوں نے اپنے خط میں اپنی سخت ناکارگی کا اظہار کیا تھا، یہ تحریر فرمایا کہ مقصود تو مقصود کا مشاہدہ ہے اور اُس کا طریق مجاہدہ مگر جب تک اس میں کمی رہے تو اس مشاہدہ مقصود کا مقدمہ عدم مجاہدہ کا مشاہدہ ہے جس سے انشاء اللہ تعالیٰ مجاہدہ کی توفیق ہو جاتی ہے پھر اُس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو کہ مقصود ہے۔ اسی ترتیب کا سلسلہ شروع ہے، جو انشاء اللہ تعالیٰ تدریجاً بخیر و بخوبی ختم اور مکمل بھی ہو جاوے گا لگا رہنا چاہیئے۔ اگر کام میں کوتاہی ہو جاوے۔ اس نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہیئے، انشاء اللہ تعالیٰ حرمان نہ ہوگا میں بھی دعا کرتا ہوں، اھ۔

۵۶۔ ایک طالب نے لکھا کہ حضور جب کسی شخص میں فی الواقع خداداد فضیلتیں موجود ہیں تو اب ان موجودہ فضیلتوں کو کس طرح اپنے میں معدوم سمجھ کر اپنے آپ کو دوسروں سے ادنیٰ اور فرد سمجھے۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اکمل سمجھنا جائز ہے مگر افضل یعنی مقبول حق اور اس کو مردود و مطرود سمجھنا جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ فی الحال اُس کا کوئی عمل صالح ایسا ہو کہ اس کے تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہو اور اس میں کوئی رذیلہ ایسا ہو کہ اُس کے سب رذائل سے زیادہ ناپسندیدہ ہو یا فی الحال نہ ہو تو فی المآل اس کا احتمال ہے پس ان دونوں احتمالوں کا مستحضر رکھنا علاج کبر کے لئے کافی ہے انسان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں، اھ۔

۵۷۔ ایک طالب نے لکھا کہ پہلے کبھی میری صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجھ کو بہت رونا آتا تھا اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے تو کچھ رنج نہیں ہوتا حضور والا مجھ کو دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اصلاح فرمائیں۔ اس پر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے۔ چنانچہ رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی ہے، اھ۔

۵۸۔ ایک طالب نے نماز میں خشوع کی دشواریاں لکھی تھیں جواب تحریر فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگ ہو جاتی ہے پس نماز میں اتنی

توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچ کر پڑھتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں پھر اگر اس کے ساتھ بھی وساوس آویں ذرا مضر نہیں، اھ۔

اسی طرح ایک ذی علم صاحب اجازت نے استفسار کیا کہ کسی طاعت میں دوسری طاعت مثلاً کسی شرعی مسئلہ کا قصداً سوچنا یا کسی سفر طاعت کا نظام ذہن میں قصداً طے کرنا مخل خشوع ہے یا نہیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ یہ مسئلہ دقیق ہے قواعد سے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اس وقت دو حدیثیں میری نظر میں ہیں ایک مرفوع جس میں یہ جزو ہے صلی رکعتین مقبلا علیھما بقلبہ دوسری موقوف حضرت عمرؓ کا قول جس میں یہ جزو ہے انی لاجھز جیشی و انا فی الصلوٰۃ مجموعہ روایتین سے اخلاص کے دو درجہ مفہوم ہوئے ایک یہ کہ جس طاعت میں مشغول ہے اس کے غیر کا قصداً استحضار بھی نہ ہو اگرچہ وہ بھی طاعت ہی ہو دوسرا درجہ یہ کہ دوسری طاعت کا استحضار ہو جاوے اور ان دونوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس دوسری طاعت کا اس طاعت سے قصد نہیں ہے مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہیں کہ نماز میں یکسوئی کے ساتھ تجہیز جیش کریں گے پس حقیقت اخلاص تو دونوں میں یکساں ہے اس میں تشکیک نہیں عوارض کے سبب ان میں تفاوت ہو گیا اور درجہ اول اکمل اور دوسرا درجہ اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل ہے اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے جیسے حضرت عمرؓ کو ضرورت تھی اور اس کا معیار اجتہاد ہے لیکن ہر حال میں اخلاص کے بالکل خلاف نہیں البتہ خشوع کے خلاف ہونا نہ ہونا نظری ہے میرے ذوق میں بصورت عذر یہ خلاف خشوع بھی نہیں اگر ضرورت ہو آپ اس پر سوال کو منطبق کر لیجئے۔

اسی طرح ایک طالب نے یہ شکایت لکھی کہ تراویح میں قرآن شریف سناتے وقت خشوع و خضوع نہیں ہوتا ہر رکعت میں یہ عزم کر لیتا ہوں کہ اب جناب حق تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز کے ساتھ خیال رکھوں گا مگر جب قرآن شریف شروع کرتا ہوں تو اسی خیال میں قرأت ختم ہو جاتی ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں، بہت افسوس ہوتا ہے دعا فرماویں کہ میری یہ تمنا پوری ہو، اھ۔

جواب تحریر فرمایا کہ خشوع سکون کا نام ہے اور یہ خیال کہ کہیں بھول نہ جاؤں حرکت ہے جو سکون کی ضد ہے اور کوئی شے اپنی ضد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی اور یہ خیال طبعاً لازم ہے اس لیے حصول خشوع اس حالت میں عادۃً متعذر ہے تو اس کا اہتمام ہی تکلیف مالا یطاق ہے لیکن یہ خشوع نہ ہونا مضر اور قابلِ افسوس اس لیے نہیں کہ جو مقصود ہے خشوع سے کہ غیر مقصود کی طرف توجہ نہ ہو وہ حاصل ہے پس گویا خشوع اگر صورتاً نہیں مگر معنیً حاصل ہے کیونکہ یہ خیال تکمیل ہے طاعت کی اور طاعت مقصود ہے پس یہ توجہ الی المقصود ہے۔ چنانچہ بعض احادیث فضل خشوع میں لم یحدث فیھا نفسہ بشیٔ من الدنیا اور بعض میں الا بخیر وارد ہے، اس کی تشریح رسالہ تشرف اول کتاب الصلوٰۃ میں قابل مطالعہ ہے ہاں طبعاً ناگواری یہ نظیر ہے استغفار عن الغین کی۔

تذکیر نعمت:۔ یہ تحقیق منجملہ منن عظیمہ الٰہیہ ہے جس میں کسب کا دخل نہیں اس کی بے قدری نہ کی جاوے میں بھی اسی میں مبتلا تھا حق تعالیٰ نے حقیقت منکشف فرمائی آگے اپنی ہمت ہے، اھ

اسی طرح ایک طالب نے کوئی ایسا علاج پوچھا جس سے ہمیشہ توجہ الی اللہ رہے۔ جواب تحریر فرمایا کہ توجہ جو درجہ عمل میں ہے وہ اختیار میں ہے اُس کا علاج قصداً استحضار ہے اور جو توجہ درجۂ حال میں ہے وہ توجہ کے درجہ مذکورہ سے از خود حاصل ہوجاتی ہے، اھ۔

۵۹۔ ایک طالب نے کبر کے متعلق بہت سی تفصیلات وجزئیات لکھ کر یہ درخواست کی کہ اگر مجھ میں تکبر ہے تو اس کا علاج تجویز فرمائیں۔ حضرتؒ والا نے مفصل جواب تحریر فرمایا اور اس کا ایک نام بھی بمناسبت نام سائل رکھ دیا یعنی شمس الفضائل لطمس الرذائل وہ جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"یہاں کئی چیزیں ہیں متشابہ جن میں کبھی اشتباہ ہوجاتا ہے۔ کبر[۱] وعجب[۲] وحب[۳] جاہ وریا[۴] وخجلت[۵] پھر ہر ایک میں دو دو درجے ہیں حقیقت وصورت تو یہ دس چیزیں ہیں اور ہر ایک میں کلام طویل ہوسکتا ہے مگر مختصر بقدر ضرورت جس سے تھوڑی مناسبت والے کو ہر درجہ کے سمجھنے میں ضروری بصیرت ہوسکتی ہے اور واقعات جزئیہ کو اُس پر منطبق کرسکتا ہے لکھتا ہوں۔ باقی

جس کو مناسبت ضروری بھی نہ ہو اس کے لیے نہ کلیات کافی ہیں نہ جزئیات کے لیے تحریر کافی ہے بلکہ اس کو ضرورت ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آوے اُسے کسی محقق کے سامنے پیش کرے اگر تنقیح کی ضرورت ہو اُس کا بھی جواب دے پھر جو وہ فیصلہ کرے اس کو علماً و عملاً قبول کرے۔

وہ مختصر کلام یہ ہے کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جزو ہوں گے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تو اس کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے کہ اس میں سب اجزاء ہیں بجز ایک جزو یعنی اختیار کے یعنی بلا اختیار ان اجزاء کا خیال آگیا یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اُس کے بعد اگر اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا یہ حقیقت کبر کی ہو جاوے گی اور معصیت ہوگی اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے یہ اس لیے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچّہ کو سمجھے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے یا ایک ہدایہ پڑھنے والا طالب علم نحو میر پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو وہ کبر نہیں البتہ اگر یہ تفاوت واقعہ کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہوگا مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔ مگر ایسی بڑائی چھٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال ہو تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی کبر کی طرف ہو جاتا ہے اس لیے سد ذرائع کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہیے جو حقیقت کبر کا علاج ہے اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے جس کی ایسے ہر وقت میں تجدید و تکریر کرلی جاوے جب کہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو وہ مراقبہ یہ ہے کہ

(الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے اور

(ب) عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت و رحمت ہے پھر

(ج) عطا کے بعد بھی اس کا بقا میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں اور

(د) گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال اس طرح حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں اور

(ہ) اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو حق تعالیٰ کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے اکمل ہو۔ اگر کسی کے کمال کا بھی احتمالِ قریب ذہن میں نہ آوے تو اس احتمال کو ذہن میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں۔ یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھوں اور

(و) یہ خیال کرے کہ اگر بالغرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے جیسا مریض کا صحیح پر ضعیف کا قوی پر فقیر کا غنی پر تو مجھ کو چاہیئے اس پر شفقت و ترحم کروں اس کی تکمیل میں کوشش کروں اور اگر کسی طرح قدرت نہ ہو یا ہمت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سے سہی اور اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کر دے تو اس تدبیر سے اُس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جاوے گا اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل و تربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی اور

(ز) یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کرے اس کا مزاج پوچھ لیا کرے اس سے جانبین میں تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر دور ہو جاتی ہے البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جاوے گا مگر بعض کا پھر بھی بغض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے اُن بعض کا استعمال کرے۔

یہ سب کام تو تکبر کے متعلق تھا اور عجب میں صرف ایک قید کم ہے باقی سب اجزاء وہی ہیں یعنی اس میں دوسروں کا چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اس میں بھی حقیقت اور صورت کے ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکورہ میں سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں وہ سب معالجات اس میں بھی ہیں، اور ایک چیز اشیاء خمسہ مذکورہ میں حب جاہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ کریں چونکہ اس کا منشاء بھی تکبر یا عجب ہی ہے اس لیے اُس کے اقسام و احکام و درجات و معالجات وہی ہیں جو کبر میں گذرے اور اشیاء خمسہ مذکورہ میں سے ایک چیز ریا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی یا دینی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بناوے۔ اشیاء اربعہ مذکورہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی کبر اور عجب ہی سے پیدا ہوتا ہے اس میں بھی سب وہی درجات و اقسام و احکام و معالجات ہیں اور سب احکام کلی ہیں۔

کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معالجات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مربی کی رائے پر متعین کیے جاتے ہیں سب سے اخیر کی ایک قسم خجلت ہے وہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اُس پر شبہ ہو جاتا ہے کبر وغیرہ کا مگر واقع میں وہ کبر نہیں ہوتا اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دنی یا خسیس کام کرنے سے شرماتا ہے اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو خجلت ہے ورنہ کبر یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہوتے کے سبب مذموم نہیں۔ اور ایک صورت ہے کہ واقع میں تو کبر وغیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کر کے اس کو خجلت میں داخل کر کے تسلی حاصل کر لی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے بھی اشنع ہے کیونکہ تاویل کر کے غیر مباح کو مباح بنایا ہے، جو

اعلیٰ درجہ کی تلبیس و تدلیس ہے تو اور اقسام میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اس میں بالعکس جیسا مع الدلیل گذر چکا۔ چونکہ واقعات ثمانیہ میں سب اقسام کے اجزاء مذکور ہیں اس لیے سب اقسام کی تحقیق کی گئی (طالب کے خط میں کبر کی آٹھ مثالیں مذکور تھیں جن کے بارہ میں تحقیق مطلوب تھی ۱۲)

اب اخیر میں ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہوں، کیونکہ معالجات مذکورہ وقتی تھے جن سے اثر کا رسوخ نہیں ہوتا الا نادرًا، اور مبتدی کو ایک معتد بہا مدت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بتکلف اوضاع واطوار و عادات قلیل الجاہ لوگوں کے اختیار کرے حتی کہ تواضع راسخ ہو جاوے مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دناءت وخست کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع کی شہرت ہو جاوے۔

اس کے بعد انہیں صاحب نے قلیل الجاہ لوگوں کے اوضاع واطوار و عادات کی تفصیل پوچھی تو تحریر فرمایا کہ ان کی جزئیات کا استیعاب کیسے ہو سکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور اختیار کیے جائیں جن سے ایک گونہ نفس کو انقباض ہو مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ ہوں جس سے شہرت تواضع کا احتمال ہو، اھ

۶۰ - ایک طالب نے لکھا کہ خاکسار کو ایک مرض ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے کسی قسم کی تکلیف و نقصان پہنچا دے تو چین نہیں آتا ہے جب تک کہ اس سے انتقام نہ لوں، اھ۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ چین نہ آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جس کا تحمل مجاہدہ اور موجب اجر ہے تو چین نہ آنا مضر نہ ہوا بلکہ نافع ہوا باقی کلفت کا علاج یہ معلم دین کا منصب نہیں لیکن تبرعًا وہ بھی لکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے یہی عادت ہو جائے گی پھر اس درجہ کلفت نہ ہو گی، اھ۔

۶۱ - ایک طالب نے لکھا تھا کہ احباب واقارب سے تعلقات و محبت جیسی پہلے تھی اب نہیں اس پر افسوس ظاہر کیا اور یہ بھی لکھا تھا کہ یہ حالت سنت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ سب حالت ٹھیک ہے یہ سنت مقصود بالذات نہیں بمقصود بالذات ادائے حقوق ہے وہ حاصل

ہے۔ بعض طبائع ایسی ہیں کہ اس سنت کا اہتمام کریں تو ان سے فرض ہی فوت ہو جاوے یعنی تعلق بحق اس لیے اُن کے حق میں یہی انفع و اصلح ہے جو پیش آ رہا ہے، اھ۔

۶۲۔ ایک طالب نے لکھا کہ میں اپنے کو کسی سے بُرا نہیں سمجھتا مگر باوجود اس کے نفس اس بات کو بالکل برداشت نہیں کرتا کہ ذلت ہو بس دل یوں چاہتا ہے کہ کوئی عزت بیشک نہ کرے بڑا قطعاً نہ سمجھے مگر کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ذلت ہو میلے کپڑے پہننے سے بھی عار آتی ہے کہ دیکھنے والے ذلیل سمجھیں گے، اھ۔

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ شریعت میں یہی حکم ہے لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسه جب تک حالت غالب نہ ہو یہی طریق ہے مگر جب حال غالب ہو جاتا ہے تو ذلت کو عزت سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے اگر نہ ہو تمنا نہ کرے اگر ہو جاوے ازالہ نہ کرے، اھ۔

۶۳۔ ایک طالب نے لکھا کہ کثرت اکل اور حرص طعام کا مرض بہت عرصہ سے ہے جس کو تبلیغ دین میں سب گناہوں کی جڑ بتلایا ہے۔ جواب تحریر فرمایا کہ جن کے قویٰ اچھے تھے ان کے حق میں یہ بیشک مرض ہو جاتا تھا، اب خود قویٰ ضعیف ہیں اس لیے قلت اکل کی غرض خود حاصل ہے اب یہ مرض نہیں، اھ۔

اسی طرح ایک طالب کو یہ تحریر فرمایا کہ تقلیل طعام فی نفسہٖ مقصود نہیں مقصود کسر قوت بہیمیہ ہے اور اس کسر سے بھی مقصود کف النفس عن المعاصی ہے پس اگر یہ کف عن المعاصی بدون تقلیل طعام میسر ہو جاوے تو تقلیل طعام ضروری نہیں بلکہ اس زمانہ میں اکثر اس سے ضعف ہو جاتا ہے جس سے دوسری مضرتیں جسمانی و نفسانی پیدا ہو جاتی ہیں اس لیے بلاضرورت مناسب نہیں، اھ۔

۶۴۔ ایک طالب نے ایک طویل خط میں اپنی متضاد حالتیں لکھی تھیں یعنی اولاً سخت پریشانی ناقابل تحمل جس میں خواب و خور سب اڑ گیا اس کے بعد مبشرات رویا سے فرح و سرور۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ وہ پہلی حالت قبض کی تھی، دوسری حالت بسط کی اور قبض جتنا شدید ہوتا ہے اتنا ہی بسط قوی ہوتا ہے اس لیے ائمہ طریق نے فرمایا ہے کہ قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیے وہ سب مقدمات ہوتے

ہیں، بسط کے مبارک ہو۔ یہ حالات کس کو نصیب ہوتے ہیں مگر ایسی حالت میں غذائے لطیف اور مفرحات و مقویات کا استعمال رکھنا ضروری ہے گو دل نہ چاہے، اھ۔

۶۵۔ ایک طالب نے لکھا کہ میں معمولی سے خطرہ پر پریشان ہوجاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں توکل نہیں ہے اس معصیت سے بچنے کا علاج ارشاد فرمادیں۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ نہ یہ معصیت ہے نہ توکل کے خلاف ہے کیونکہ توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا اور یہ قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے بجز اہلِ حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے، اھ۔

۶۶۔ ایک طالب نے لکھا کہ میری طبیعت کچھ شکی واقع ہوئی ہے مخالفین کے اعتراض سُنکر یا کسی کتاب میں دیکھ کر طبیعت متردد ہوجاتی ہے اس سے بفضلہ تعالیٰ عمل میں تو کوئی فرق نہیں آتا البتہ عبادت میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں رہتی اور دل رنجیدہ اور اندوہگیں سا رہتا ہے۔ ساتھ ہی اس تردد کو مکروہ اور بُرا جانتا ہوں، اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلا قصد ایسی بات کان میں پڑجاوے اور یہی حالت پیدا ہوجاوے تو اس کو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اہتمام سے پریشانی بڑھیگی اور ہمیشہ کے لیے ایک مستقل شغل ہوجاوے گا بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستاوے بالکل پرواہ مت کرو البتہ دعا اور تضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہوجائے گی اور جب یہی عادت ہوجاوے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہوجاوے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا یہ ہے حکمی نسخہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار ہی دن ہوئے کہ عطا ہوا ہے جو بہت بڑا علم ہے والحمد للہ، اھ۔

۶۷۔ ایک طالب کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بخل کے دو درجے ہیں۔ ایک خلاف مقتضائے شریعت

اور یہ معصیت ہے۔ دوسرا اخلاف مقتضائے مروت اور یہ معصیت نہیں فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ اس مقتضا کی مخالفت کی جاوے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی فکر کی بھی بات نہیں ۱۱ھ۔

۶۸۔ ایک طالب نے لکھا کہ مختصر سے مختصر ذکر کا معمول رکھا تھا اس پر بھی مداومت نہیں ہوتی جماعت نماز میں بھی اکثر مسبوق ہونے کی نوبت آتی ہے جب ایسا ہوتا ہے تو آیندہ کے لیے احتیاط کا عزم کر لیتا ہوں مگر پھر جس دینی یا دنیوی مشغلہ میں ہوتا ہوں اُس کو فوراً چھوڑ دینے اور جماعت اور تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرنے میں غفلت ہوتی ہے جانتا ہوں کہ قصور اختیاری ہے اور استعمال اختیار کی کوشش بھی کچھ کرتا ہوں مگر غفلت سب پر غالب آجاتی ہے الخ، اس کا جواب تحریر فرمایا کہ اس کا سبب ضعف جسمانی ہے، جس کا اثر عزم پر طبعاً ہوتا ہے جس میں ایک گونہ غیر اختیاریت کا بھی درجہ ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس کا احساس ہے اور اس کا قلق ہے۔ اس میں لگا رہنا چاہیئے۔ انشاء اللہ اسی کی برکت سے درجہ مطلوبہ بھی میسر ہو جاوے گا حقیقۃً یعنی وقوعاً یا حکماً یعنی اجراً و اثراً یہ حالت ضعفاء کو بکثرت پیش آتی ہے لیکن چلنے سے نہ رکیں ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

۶۹۔ ایک طالب نے فضول گوئی کا مرض لکھا اور اس کا سبب یہ لکھا کہ جب مجھ کو کوئی خوشی ہوتی ہے یا کوئی فکر نہیں ہوتا تو ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے اور اس میں بہت باتیں کرتا ہوں یہاں تک کہ فحش اور غیبت تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور جب تک یہ نوبت نہیں آتی وہ جوش کم نہیں ہوتا، اس کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ علاج کی حقیقت ہے ازالہ سبب مرض جب مرض کا سبب جوش ہے خوشی کا، اس کا علاج اس جوش کا فرو کرنا اور اس خوشی کو اس کی ضد یعنی فکر و غم سے مغلوب کرنا ہے اور سب سے زیادہ فکر و غم کی چیز موت و احوال بعد الموت ہیں یعنی واقعات برزخ ومحشر و صراط و عقوبات معاصی پس ایسے وقت میں ان واقعات کو مستحضر کر لیا جاوے اگر دلیسے

استحضار ضعیف ہو تو کوئی کتاب اس مضمون کی لے کر مطالعہ شروع کر دیا جاوے اور بہتر ہے کہ فوراً خلوت میں جاکر مراقبہ یا مطالعہ کیا جاوے اس کا علاج تو فوراً ہو جائے گا پھر اگر ضعف طبیعت سے ہیبت کے غلبہ سے تکلیف ہونے لگے تو رحمت و رجاء کی حدیثوں کو مستحضر کر لیا جاوے۔ بس اعتدال ہو جائے گا اور اصل خوشی رہ جاوے گی جو مامور بہ ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ اور یہ فضول حصہ خوشی کا زائل ہو جائے گا جو منہی عنہ ہے لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ، اھ۔

۰ ۷۔ ایک طالب نے لکھا کہ نماز میں باوجود بار بار توجہ کرنے کے وساوس کا ہجوم رہتا ہے جواب تحریر فرمایا کہ عبد اپنے حد اختیار ہی تک کا مکلف ہے اور اختیار اسی قدر ہے کہ حدیث النفس کو قصد و ارادہ سے نہ لاوے اور جب بلا قصد و ارادہ آجاوے اس کو دفع کر دے۔ اور دفع کی سہل صورت یہ ہے کہ دوسری ایسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاوے جس کا عبادت سے تعلق ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں ایک[۱] یہ کہ ذات حق کی طرف متوجہ ہو جاوے خواہ تصور کے درجہ میں خواہ کسی تصدیق کے درجہ میں مثلاً اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے[۲] یہ کہ حساب و کتاب کے آنے والے وقت کو مثل حاضر کے فرض کر لیا جاوے کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب کے لیے کھڑا ہوں اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ عبادت مطلوبہ کا نمونہ پیش کرو وہ اگر حسب پسند ہوئی تو حساب میں رعایت کا سبب ہو جائے گی۔

تیسرے[۳] یہ کہ یہ فرض کرے کہ یہ گویا بالکل آخری نماز ہے شاید اس کے بعد عمر ختم ہو جاوے اور پھر نماز نصیب نہ ہو۔

چوتھے[۴] یہ کہ گویا خانہ کعبہ میرے سامنے ہے اور اس پر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آرہی ہیں اور جتنی اچھی نماز پڑھوں گا وہ تجلیات زیادہ فائض ہونگی۔

پانچویں[۵] یہ کہ جو الفاظ منہ سے نکلتے ہیں ان کی طرف توجہ رکھے خواہ بلا تصور معانی کے خواہ مع تصور معانی کے اور اس توجہ کی سہل صورت یہ ہے کہ کوئی لفظ یاد سے نہ پڑھے بلکہ مستقل

ارادہ سے پڑھے یا شیخ کامل اور کسی ایسی ہی چیز کا تصور تجویز کر دے اس کا استعمال کرے ان تدبیرات سے وہ وساوس جو بلا اختیار آتے تھے دفع ہو جائیں گے اور اول اول جب تک اس طریق کی مشق نہ ہو گی کبھی کبھی یہ تصورات زائل اور وساوس پھر حاضر ہو جاتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ جب متنبہ ہو فوراً اُس توجہ کی تجدید کر لی جاوے۔ شدہ شدہ توجہ الی العبادت کو رسوخ ہو جائے گا اور اگر اس رسوخ میں دیر ہو گھبراوے نہیں اس عمل کو جاری رکھے کیونکہ یہ رسوخ کا مکلف نہیں عمل کا مکلف ہے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی رسوخ نہ ہو تو مقصود میں کوئی خلل نہیں کمال عبادت اور اجر اور قرب میں ذرا کمی نہ ہو گی۔

۱۷۔ ایک طالب کے استفسار کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ جب کبھی کسی کی شکایت زبان سے نکلے مجمع میں اُس شخص کی خوبیاں بیان کرنا چاہیے کیونکہ کوئی نہ کوئی خوبی تو ہو ہی گی، اھ۔

۲۷۔ ایک طالب نے عدم استقلال کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ العلاج بالضد اور اس ضد میں اول تکلف ہوتا ہے پھر اعتیاد پھر رسوخ بس نفس تکلف سے گھبراتا ہے یہی راز ہے عدم استقلال کا۔ ورنہ نفس اگر تکلف کی کلفت برداشت کرے تو عدم استقلال کی کوئی وجہ نہیں اور یہی علاج ہے۔

۳۷۔ ایک طالب نے حب مال کے کچھ آثار لکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور مفسدہ تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ الحمد للہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے یہ سب آثار حب مال کے تو ہیں مگر یہ حب طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حب اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے حضرت عمر رضہ نے فتح فارس و مشاہدہ غنائم کے وقت یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ آپ کا ارشاد ہے زین للناس حب الشہوات الآیۃ رجعل المزین ھو اللہ تعالیٰ وھو احد وجوہ الآیۃ) جب آپ نے یہ حب پیدا کی ہے تو فطری ہوئی اس لیے ہم اس کے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جبلیات نہیں بدلا کرتے البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حُب کو اپنے حب میں معین فرمایا کہ یہ اسباب طاعت میں سے ہو جاوے اور موانع طاعت کے لیے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سدِ باب

ہوجاوے کہ جبلیات کا اُن کے مصرف میں صرف ہونا یہی ان کی تعدیل اور یہی مامور بہ ہے (اس میں اپنے ضعف اور حکمت تخلیق مال کی طرف بھی اشارہ فرما دیا) اور یہی امر مصرح ہے۔

دوسری آیت میں قل ان کان اٰباءکم وابناءکم الیٰ قولہ تعالیٰ احب الیکم من اللہ ورسولہ (علق الوعید بالاحبیۃ لا بالحب) البتہ اس حب طبعی کے آثار بعض اوقات منجر ہوجاتے ہیں بعض غوائل کی طرف سو اس کا وہی تدارک ہے جو آپ نے کر لیا فھنیا لکم العلم والعمل واللہ اعلم۔

۴۷۔ ایک طالب نے یہ اشکال لکھا کہ جب مامورات ومنہیات شرعیہ اختیاری ہیں اور حضرت کی تصنیفات سے معلوم ہوا کہ سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے روکے تو پھر اس قاعدہ کلیہ کے علم کے بعد شیخ اور معالج کی کیا حاجت باقی رہتی ہے، جواب تحریر فرمایا کہ مامورات ومنہیات سب اختیاری ہیں پس مامورات کا ارتکاب اور منہیات سے اجتناب بھی سب اختیاری ہیں لیکن اس میں کچھ غلطیاں ہوجاتی ہیں کبھی تو یہ کہ حاصل کو غیر حاصل سمجھ لیا جاتا ہے کبھی اس کا عکس مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل بھی ہوگیا مگر ساتھ ہی ساتھ وساوس غیر اختیاری تھے مگر اسی سلسلہ میں وہ وساوس اختیاریہ کی طرف منجر ہوگئے اور یہ ابتدا کے دھوکہ میں رہ کر خشوع کو باقی سمجھا حالانکہ وہ زائل ہوچکا اور کبھی غیر راسخ کو راسخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً دو چار خفیف حادثوں میں رضا بالقضا کا احساس ہوا یہ سمجھ گیا کہ یہ ملکہ راسخ ہوگیا پھر کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا اور اس میں رضا نہیں ہوئی یا درجہ مقصود تک نہیں ہوئی مگر یہ اسی دھوکہ میں رہا کہ اس میں رُسوخ ہوچکا ہے۔ اب بھی رضا معدوم یا ضعیف نہیں ہے اور حاصل کو غیر حاصل سمجھنے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہوکر اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے پھر وہ سچ مچ زائل ہوجاتا ہے اور اس کے عکس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محروم رہتا ہے اور غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں بھی وہی خرابی عدم اہتمام تکمیل کی ہوتی ہے کبھی یہ غلطی ہوتی ہے کہ حاصل راسخ کو زائل سمجھ لیتا ہے مثلاً شہوت حرام کی

مقاومت کی اور وہ زمانہ غلبۂ آثار ذکر کا تھا اس لیے داعیۂ شہوت حرام کا ایسا مضمحل ہو گیا کہ اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا پھر اُن آثار کا جوش و خروش کم ہونے سے طبعی التفات گو درجۂ ضعیفہ میں سہی ہونے لگا۔ یہ شخص یہ سمجھ گیا کہ مجاہدہ بیکار گیا اور شہوتِ حرام کا رذیلہ پھر عود کر آیا پھر اصلاح سے مایوس ہو کر سچ مچ بطالت و خلاعت میں مبتلا ہو گیا۔

یہ چند مثالیں ہیں غلطیوں کی اور اُن کے مضار کی اگر کسی شیخ سے تعلق ہو اور اس پر اعتماد ہو تو اُس کو اطلاع کرنے سے وہ اپنی بصیرت و تجارب کے سبب حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ ان مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت و سلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے مگر ناتجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا اور مشوش ہونا مقصود میں مخل ہوتا ہے یہ تو شیخ کا اصلی منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اس کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدمہ مقصود کی تحصیل میں اور اسی طرح کسی ذمیمہ یا مقدمہ ذمیمہ کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدیدہ پیش آتی ہے گو تکرار مباشرۃ اور تکرار مجانبت سے وہ مشقت اخیر میں مبدل بہ یُسر ہو جاتی ہے لیکن شیخ تبرعاً کبھی ایسی تدابیر بتلا دیتا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی یہ ایک اجمالی تحقیق تقریب فہم کے لیے ہے باقی ضرورت شیخ کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کر کے اپنے احوال جزئیہ کی اس کو بالالتزام اطلاع کرتا رہے اور اس کے مشورہ کا اتباع کرتا رہے۔ اور یہ اتباع کامل اُس وقت ہو سکتا ہے جب اس پر اعتماد ہو اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو۔ اس وقت حسّاً معلوم ہوگا کہ بدون شیخ کے مقصود کا حاصل ہونا عادۃً متعذر ہے، الا نادراً اور النادر کالمعدوم پھر اس ضرورت میں تفاوت فہم و استعداد کے اعتبار سے تفاوت بھی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ متقدمین کو کم ضرورت تھی۔ اھ۔

۷۵۔ ایک طالب نے لکھا کہ کوئی محمود کیفیت راسخ نہیں، تحریر فرمایا کہ رُسوخ کی طرف التفات نہ فرمایا جاوے۔ رُسوخ سے مقصود عمل ہے۔ عمل سے رُسوخ مقصود نہیں۔ اگر عمل بلا رُسوخ ہوتا

رہے مقصود حاصل ہے ۔ اھ ۔

اسی طرح ایک طالب نے حصول یقین کا طریقہ دریافت کیا تو تحریر فرمایا کہ اول بہ تکلف عمل کرنا چاہیئے اس کی برکت سے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں ۔ اھ

۷۶ ۔ ایک طالب نے نفسانی شہوت کے معاصی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ علاج یہی ہے کہ بزرگوں کے تذکرہ کی کتابیں پابندی سے دیکھو اور کسی وقت خلوت میں معاصی پر جو وعیدیں اور عقاب وارد ہوا ہے اس کو سوچا کرو اور وسوسۂ معصیت کے وقت بھی ایسے ہی استحضار کی تجدید کرلو انشاء اللہ تعالیٰ نفس سے تقاضا جاتا رہے گا اور اگر خفیف میلان ہو تو اس کا مقابلہ ہمت سے کرو بدوں ہمت کے کوئی تدبیر کافی نہیں ۔ اھ ۔

۷۷ ۔ ایک طالب کو غصہ کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ مغضوب علیہ کو اپنے پاس سے جدا کر دیا جائے یا اس کے پاس سے خود جدا ہو جائیں اور فوراً کسی شغل میں لگ جائیں ۔ اھ ۔

اسی طرح ایک طالب نے غصہ کا تدارک پوچھا تو تحریر فرمایا کہ اس کا التزام کرلیں کہ جب ایسا ہو جاوے اس مغضوب علیہ کو کچھ ہدیہ دیا کریں گو قلیل ہی مقدار میں ہو ۔ اھ ۔

اسی طرح ایک طالب کو غصہ کا یہ تدارک تحریر فرمایا کہ ایسے بے جا اور بیحد غصہ پر دو وقت کا فاقہ کرو ۔ اھ ۔

اسی طرح ایک طالب کے خط میں احقر نے غصہ کا یہ تدارک حضرت والا کا تحریر فرمایا ہوا دیکھا کہ جس پر غصہ کیا جاوے بعد غصہ فرو ہو جانے کے مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑے ، پاؤں پکڑے بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پہ رکھے ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجاوے گی ۔ اھ ۔

ف : اعلیٰ درجہ کا علاج تو اخیر والا ہی ہے لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہو تو بقیہ دو کا التزام بھی انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا ۔ ۱۲

۷۸ ۔ مکتوب ملقب بہ روح الطریق

ایک ذی علم طالب نے بہت حسرت کے ساتھ لکھا کہ شاید خدام حضور والا میں ایک میں ہی

ایسا ہوں گا جس کو وصول تو در کنار وصول کی حقیقت تک کا پتہ نہیں الخ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا:

مقصود تو بحمد اللہ معلوم ہے یعنی رضا حق اب دو چیزیں رہ گئیں طریق کا علم اور اس پر عمل سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ و باطنہ کی پابندی اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں ایک ذکر جس قدر پر دوام ہو سکے جو آپ نے شروع کیا ہے وہ بھی اسی کلیہ میں داخل ہے دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدور ہو اور اگر کثرت کے لیے فراغ نہ ہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اس کا بدل ہے اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں۔ معاصی اور فضول میں مشغولی۔ اور ایک امران سب کے نافع ہونے کی شرط ہے یعنی اطلاع حالات کا التزام۔ اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے جسب اختلاف استعداد مقصود میں اوپر سویر ہوتی ہے میں سب کچھ لکھ چکا۔

مکتوب ملقب بہ فتوح الطریق

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ بزرگوں سے حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے جواب تحریر فرمایا کہ کچھ اعمال مامور بہا ہیں ظاہرہ بھی باطنہ بھی نیز کچھ اعمال منہی عنہا ہیں ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ علمی و عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مشائخ طریق طالب کے حالات سن کر اُن عوارض کو سمجھ کر ان کا علاج تبلا دیتے ہیں۔ ان پر عمل کرنا طالب کا کام ہے اور اعانت طریق کے لیے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں معلوم ہو گئے، اھ۔

مکتوب ملقب بہ وضوح الطریق

اسی طرح ایک اور طالب نے پوچھا کہ میں ایک اناڑی آدمی ہوں حضور مطلع فرمائیں کہ بزرگوں سے کیا چیز حاصل کی جاتی ہے اور اس کے مطابق مجھ عامی مشغول کو طریق تعلیم ارشاد فرمادیں، اھ۔

اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا نفس میں کچھ امراض ہوتے ہیں اُن کا علاج کتابوں میں لکھا ہے مگر جیسے جسمانی امراض کا علاج گو کتابوں میں لکھا ہے لیکن پھر بھی طبیب کی ضرورت ہوتی ہے اسی درجہ میں نفسانی امراض کے معالجہ میں شیخ یعنی معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آگئی ہو تو پھر آگے

امراض بتلاؤں گا پھر اس کے سمجھ جانے کے بعد علاج تبلاؤں گا، اھ۔

۷۹۔ مکتوب ملقب بہ تسہیل الطّریق

ایک صاحب نے لکھا کہ اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے اُدھیڑ بن کے اور کچھ نہیں۔ اس کا جواب تحریر فرمایا۔ خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اس کا تو علاج ہی نہیں باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں۔ اختیاری میں ہمت سے کام لیں اگر کوتاہی ہو جاوے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ، اھ۔

۸۰۔ مکتوب ملقب بہ الیمّ فی السّم

ایک طالب نے اپنے خط میں کوئی ایسا وظیفہ یا طریقہ پوچھا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ طاعات اور معاصی دونوں امور اختیاریہ ہیں جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں رہا طریقہ سو طریقہ امور اختیاریہ کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں سہولت اختیار کے لیے ضرورت ہے مجاہدہ کی جس کی حقیقت ہے مخالفت (معنی مقاومت) نفس۔ اس کو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے تمام فن لکھ دیا۔ آگے شیخ کے دو کام رہ جاتے ہیں ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طرق مجاہدہ کی تجویز جو کہ اُن امراض کا علاج ہے۔

مکتوب ملقب بہ الطمّ فی السّم

اسی طرح ایک اور طالب نے اپنے حالات لکھ کر اصلاح چاہی تھی جواب ارقام فرمایا کہ غیر اختیاری کے درپے نہ ہونا۔ اختیاری میں ہمت کرنا اس میں جو کوتاہی ہو جائے اس پر استغفار اور اس کا تدارک اور توفیق کی دُعا کرنا یہی اصلاح ہے۔

۸۱۔ ایک طالب نے یہ اشکال پیش کیا کہ جب کوئی وسوسہ بلا اختیار آیا تو اتنی دیر غفلت ہوئی اس سے ہر بار استغفار کرتا ہوں، اب اشکال یہ ہے کہ جب غفلت بلا اختیار ہو تو وہ گناہ نہیں

اُس سے استغفار کیسا اور جو استغفار نہ کروں تو اس کو بھی طبیعت نہیں مانتی الخ

جواب تحریر فرمایا کہ وسوسہ اور اس کا جو لازم ہے غفلت جب اختیاری ہو باین معنی گناہ نہیں کہ اس پر مواخذہ نہیں لیکن اپنی ذات میں نقص اور قبیح ہے اور استغفار جیسا رافع ذنب ہے ایسے ہی جابر نقص بھی ہے اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غین کے بعد جو آپ کے مذاق میں کمال سے متنزل تھا استغفار فرماتے تھے، اھ۔

۸۲۔ ایک طالب نے توکل و تفویض کا فرق دریافت کیا، جواب تحریر فرمایا کہ توکل بعض کے لیے مطلق تدبیر ظنی کو ترک کرنا ہے اور بعض کے لیے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کر دے اور تفویض یہ کہ اس کے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے۔

تنبیہ:۔ اس خط میں کئی جگہ تفویض کی وہ تفسیر کی گئی ہے جو رضا کی مشہور ہے سو یہ تفسیر باعتبار حقیقت کے نہیں بلکہ باعتبار اثر کے ہے حقیقت تو تفویض کی توکل کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس درجہ علیا کا اثر یہ رضا ہے۔ بعض اور بزرگوں نے بھی اس کی تفسیر میں اس رضا کا اعتبار کیا ہے کما فی القشیریہ سمعت الاستاذ اباعلی الدقاق یقول التوکل ثلث درجات التوکل ثم التسلیم ثم التفویض فالمتوکل لیسکن الی وعدہ وصاحب التسلیم یکتفی بعلمہ وصاحب التفویض یرضی بحکمہ وسمعتہ یقول التوکل بدایۃ والتسلیم اوسطہ والتفویض نہایۃ، اھ۔ جواب لکھتے وقت ذہن میں یہ تفصیل حاضر نہ ہوئی۔ رفع غلط کے لیے اب تنبیہ کر دی گئی، اھ۔

۸۳۔ ایک طالب نے یہ لکھا کہ معصیتوں کا تقاضا عرصہ تک نفس کے مضمحل رہنے کے بعد اب پھر اُسی شدت اور جوش و ہیجان کے ساتھ ہونے لگا جس سے سخت حیران ہوں جواب تحریر فرمایا کہ اکثر اہل طریق کو یہی حالت پیش آتی ہے کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ اس وقت جو نفس کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ مجاہدہ ثانیہ کہلاتا ہے اور اس مجاہدہ کا اثر انشاء اللہ تعالیٰ راسخ ہوگا اور شاذ و نادر

کسی امر طبعی کا خفیف تقاضا یہ منافی رسوخ کا نہیں۔ اس تغیر و تبدل کی مثال حسیات میں ایسی ہے جیسے شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کاذب کہتے ہیں۔ ناواقف خوش ہوتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دفعتاً وہ نور زائل ہوجاتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے مگر تھوڑے ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں وہ قائم بلکہ ترقی پذیر ہوتا ہے۔

انھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نفس کو روکنے میں سابق جیسی دشواری اور تنگی پیش نہیں آتی اس پر تحریر فرمایا کہ یہی علامت ہے کہ یہ عود الی الطبیعات ضعیف ہے ورنہ مقاومت دشوار ہوجاتی جیسے پہلے تھی، اھ۔

انھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حیرانی یہ ہے کہ معمولات بجالانے میں نفس مخالفت نہیں کرتا البتہ معاصی کا تقاضا پیدا کرتا ہے نہ جانے یہ کیا مخفی چال ہے اور اس کی احقر کیا تدبیر کرے۔ احقر سابقہ ارشاد فرمودہ معالجات پر بدستور عمل کرتا ہے۔ تحریر فرمایا کہ بس یہی تدبیر ہے اسی سے انشاء اللہ تعالیٰ سب شکایتیں دور ہوجاویں گی اور جب کبھی ایسا ہو یہی علاج ہے۔ فارغ ہونے کا قصد ہی نہ کیا جاوے بخار کے موسم میں بعض کو ہمیشہ موسمی بخار ہوتا ہے مگر علاج اس کا یہی ہے کہ بخار کا نسخہ پیا جاوے اس کی سعی بیکار ہے کہ بخار ہی نہ آوے، اھ۔

۸۴۔ ایک تنگ دست طالب نے اپنے بہت سے وساوس واہیہ لکھ کر علاج پوچھا جن میں یہ وسوسہ بھی لکھا کہ راحت دنیا کا مدار اعمال صالحہ نہیں ہیں بلکہ آخرت کی راحت بھی فضل پر موقوف ہے پھر اعمال صالحہ مثلاً ذکر و تہجد وغیرہ کی مشقت اگر نہ بھی ہو صرف ارکان اسلام پر قائم رہے تو کیا حرج ہے الخ اور یہ بھی لکھا کہ دعا مانگنے کو طبیعت نہیں چاہتی کہ اتنی مدت ہوگئی کوئی قبول بھی ہوتی ہو بس جو اللہ تعالیٰ چاہیں دہی ہوگا لیکن میں بحر مناجات مقبول کی منزل پڑھ لیتا ہوں اسی طرح ایک ہفتہ سے ذکر میں طبیعت نہیں لگتی محض تعداد پوری کرلیتا ہوں الخ روزگار کا بھی وظیفہ پوچھا تھا۔ ان سب باتوں کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

علاج کلی اور مفید تو یہی ہے کہ ان وساوس کو اعتقاداً برا سمجھا جاوے اور ان کے مقتضا پر

عمل نہ کیا جاوے یہ از خود دفع ہوجاویں گے اور اگر دفع بھی نہ ہوں تو کچھ مضر نہیں بلکہ یہ ایک گونہ مجاہدہ ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے لیکن اگر ان وساوس کی وجہ فسادی معلوم کرنے کا شوق ہو تو مجملا اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ مقصود اعمال صالحہ سے راحت دنیا نہیں ہے بلکہ راحت آخرت ہے اور اس کا مدار جو فضل ورحمت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اعمال کو دخل نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ملے گا تو عمل ہی سے لیکن جتنا ملے گا اُتنا اثر اعمال میں نہیں وہ فضل ورحمت کا اثر ہے لیکن جو عمل ہی نہ کرے گا وہ قانوناً اس فضل ورحمت سے بھی محروم رہے گا باقی طبیعت کا لگنا یہ شرط قبول نہیں ہے اگر دوا پینے میں طبیعت نہ لگے تب بھی اس کی خاصیت یعنی صحت مرتب ہوگی رہی دعا وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر اس کے قبول ہونے کی وہ حقیقت ہے جو مریض کی اس درخواست کی منظوری کی حقیقت ہے کہ کسی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے اور وہ فوراً علاج شروع کر دے مگر مسہل اس کی حالت کے مناسب نہ تھا اس لیے دوسرے طریق سے علاج شروع کر دیا، اس کو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ طبیب نے جب مسہل نہیں دیا تو مریض کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔ اسی طرح اصل مطلوب دعا سے حق تعالیٰ کی توجہ خاص ہے اور عبد نے جو طریق معین اختیار کیا ہے یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا محض ایک طریق ہے جیسے اس مقصود کے اور بھی طریق ہیں لہٰذا وہ جس طریق سے توجہ خاص فرماویں وہ اجابت دعا ہی ہے خواہ وہ عبد کا مجوزہ طریق ہو یا حق تعالیٰ کا مجوزہ طریق ہو یہ تو طاعات وحاجات میں کلام ہے باقی معاصی کا ارتکاب جو موصل الی النار ہو وہ ایسا ہے جیسے مریض کو بدپرہیزی سے لذت ملتی ہے اور اس سے صبر کرنے میں لذت فوت ہوتی ہے لیکن جو شخص جانتا ہے کہ لذت مقصود نہیں صحت مطلوب ہے وہ صبر کرے گا اسی طرح جس شخص کو نجات آخرت مقصود ہے وہ راحت دنیا کو مقصود نہ سمجھے گا، رہی سزا گناہ کی کسی کو یہاں ملتی ہے کسی کو وہاں اور تجویز مناسب بلکہ واجب یہی ہے کہ طاعات میں حتی الامکان مشغول ہوں. معاصی سے مجتنب رہیں اور مقصود صرف رضائے حق کو سمجھیں خواہ اس کا ظہور یہاں ہو یا وہاں ہو اور ایسی حالت میں روز گار کا وظیفہ پڑھنا وساوس میں اضافہ کرنا ہے، اھ۔

۸۵ - ایک صاحب نے جو سلسلہ بیعت میں داخل نہیں یہ لکھا کہ کبر کی مذمت اور اس کا علاج تو جناب کی تحریروں اور مواعظ میں جابجا کثرت سے ملا لیکن کبر کی حقیقت کبھی نظر سے گذرنا یاد نہیں پڑتا نیز یہ بھی لکھا کہ اپنے ماتحتوں پر اگر زیادتی ہو جاوے تو اُن سے معافی مانگنے میں مصالح فوت ہوتی ہیں اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا ۔ ممکن ہے نہ لکھی ہو اگر یہ صحیح ہے تو وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حقیقت اس کی ظاہر ہے کہ اپنے کو دوسرے سے بڑا سمجھنا آگے اس میں دو درجے ہیں ایک بلا اختیار خیال بڑائی کا آنا اور ایک بالاختیار ایسا کرنا ، پھر اول میں دو درجے ہیں ۔ اس خیال کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا پس یہ بھی بالکل مذموم نہیں دوسرے عمل کرنا یہ مذموم و معصیت ہے اسی طرح قصداً بڑا سمجھنا یہ بھی علی الاطلاق مذموم ہے گو اس کے مقتضاء پر عمل بھی نہ ہو ۔ آپ نے جس غلطی میں ابتلاء عام لکھا ہے صحیح ہے مگر اس میں قدرے تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ہم صریح الفاظ سے معافی مانگیں گے تو یہ گستاخ ہو کر زیادہ نافرمانی کرے گا ، بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شرمندہ ہو گا اور یہ اس وقت تک عذر ہے جب اس سے تعلق رکھنا چاہیں ۔ ان صورتوں میں تو صرف اُس کا خوش کر دینا امید ہے کہ قائم مقام معافی کے ہو جائے گا اور بعض اوقات اُس سے تعلق ہی رکھنا نہیں جیسے ملازم کو موقوف کر دیا وہ خود چھوڑ کر جانے لگا اس وقت ضروری ہے کہ زیادتی ہو جانے کی صورت میں اُس سے صریح معافی مانگی جاوے کیونکہ یہاں دونوں عذر نہیں اس میں اگر رکاوٹ ہو تو میرے نزدیک اس کا سبب ضرور کبر ہے گو اپنے کو بڑا نہ سمجھے مگر کبر کے مقتضاء پر عمل تو ہوا غایت سے غایت کبر اعتقادی نہ ہو گا مگر کبر عملی ضروری ہے ، اور اگر کوئی کبر کی تقسیم کو تسلیم نہ کرے تب بھی ظلم تو ہوا جس سے معافی مانگنا واجب ہے تو معافی نہ مانگنے میں اگر کبر کا گناہ نہ ہوا تو ظلم کا تو ہوا ، اھ ۔

۸۶ - ایک طالب نے لکھا کہ نماز یا تلاوت میں جب یہ خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو قرآن شریف سنا رہا ہوں تو پھر اس تخیل سے قوت فکر بہ انتقال کر کے ادھر متوجہ ہو جاتی ہے کہ حق تعالیٰ حاضر ناظر ہیں غرض سکون فکر کے متعدد طرق ہیں اسی تعدد کی وجہ سے سکون نہیں ہوتا بلکہ سکون

حاصل کرنے میں تشتت ہو جاتا ہے، اھ۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ جو تشتت تحصیل جمعیت میں ہو وہ اثر میں جمعیت ہی ہے مضر نہیں، اھ۔

۸۷۔ ایک طالب نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات کے حوالہ سے لکھا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ باطنی امراض کا سردار ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے اور دل کے گرفتار نہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر فراموش کر دے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتیٰ کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئیں، یہاں تک کہ ماسوائے حق کا خطور قلب پر ناممکن ہو جائے اھ۔ اس معیار پر نظر کرتا ہوں تو اس سے اپنے کو کورا پاتا ہوں۔ الحمد للہ جذر قلب میں تو ماسوا کا گذر نہیں مگر حوالی قلب میں غیر کا خطور بھی ہے اور یاد بھی ہے، اھ۔

اس کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا:

اکثر اہل مقام پر بھی کسی وقت حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اُس وقت مسائل کی تعبیر میں بھی جوش کا اثر ہوتا ہے۔ میرے نزدیک عنوان تیز ہے مگر معنون وہی ہے جو نصوص سے مستفاد ہوتا ہے میں اس کو ایک اور سہل عنوان سے تعبیر کرتا ہوں جو حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام کی قریب تفسیر ہے اور مشہور تعبیر سے قدرے واضح ہے وہ یہ ہے کہ گرفتاری سے مراد مطلق تعلق نہیں کیونکہ تعلق مغلوب مذموم نہیں بلکہ ایسا تعلق مراد ہے کہ محل تعلق کے بعد یا فوت سے قلب پر ایسا اثر ہو کہ قلب کو ایسا بے چین کر دے کہ اسی کے تصور و حسرت میں اشتغال ہو جاوے اور اسی اشتغال سے طاعات میں قلت وضعف آجاوے اور اگر یہ نوبت نہ پہنچے تو محض حزن کا اثر مانع نہیں ہے کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے حزن شدید کا کوئی انکار کر سکتا ہے اور کیا ان کی حالت کو کوئی مانع عن الحق کہہ سکتا ہے اھ

انھیں صاحب نے اس سے قبل یہ لکھا تھا کہ عرصہ سے اس کی طلب ہے کہ ذکر حق قلب میں ایسا پیوستہ ہو کہ بھولنے کی کوشش بھی کروں تو بھول نہ سکوں اور غیر کا خطور قلب میں ناممکن ہو جائے الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ یہ تو مجھ کو بھی نصیب نہیں نہ جی چاہتا ہے کیونکہ اس صورت میں مختار نہ رہوں گا مضطر ہو جاؤں گا۔ الخ

اس کے بعد انھوں نے مذکورۂ بالا عریضہ لکھا جس کا جواب اوپر نقل کیا گیا۔

۸۸۔ ایک طالب نے لکھا کہ میرے اندر حب جاہ ہے جی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کیا کریں تعریف سے ایک فرحت اور خوشی ہوتی ہے اگر کوئی مذمت کرے یا تعریف سے خاموش رہے تو یہ نفس پر نہایت ناگوار گذرتا ہے الخ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ ہر علاج میں مجاہدہ کی ضرورت ہے یعنی داعیہ نفس کے ذم کا استحضار اور اس داعیہ کی عملی مخالفت۔ اس مرض کا علاج بھی مرکب ہے انہی دو جزو سے اول اُس رذیلہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں اُن کا ذہن میں حاضر کرنا بلکہ زبان سے بھی اُن کا تکرار کرنا، بلکہ ان مضامین سے اپنے نفس کو زبان سے خطاب کرنا کہ تجھ کو ایسا عقاب ہونے کا اندیشہ ہے اسی کے ساتھ اپنے عیوب کا استحضار اور نفس کو خطاب کہ اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہو جاوے تو کتنا ذلیل وحقیر سمجھیں تو یہی غنیمت سمجھ کر لوگ نفرت وتحقیر نہیں کرتے نہ کہ ان سے توقع تعظیم ومدح کی رکھی جاوے اور عملی جزو یہ ہے کہ مدّاح کو زبان سے منع کر دیا جاوے اور اس میں ذرا اہتمام سے کام لیا جاوے۔ سرسری لہجہ سے کہنا کافی نہیں اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کیے جاتے ہیں ان کی تعظیم کی جاوے گو نفس کو گراں ہو اس پر عمل کر کے ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دی جائے، اھ۔

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ میں کچھ عرصہ سے اپنے اندر ترفع کے آثار پاتا ہوں، جواب تحریر فرمایا کہ انسان صرف مکلف اس کا ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے رہا یہ کہ اقتضایات ہی زائل یا ضعیف ہو جاویں اس کا نہ انسان مکلف ہے نہ یہ بسہولت میسر ہو سکتا ہے ع

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اور نہ بوجہ تحصیل علوم کے آپ کے لیے اُس کا یہ وقت ہے بس آپ جس قدر مکلف ہیں آپ اُس پر

اکتفا کیجیے یعنی دل میں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں اور اس اعتقاد کے لیے اپنے معائب کا استحضار معین ہوگا اور جن کی بے وقعتی ذہن میں آوے اُن کی خوب تکریم کیجیے اور تکلف سے اُن سے سلام کیجیے گو نفس کو ناگوار ہونا گواری غیر اختیاری ہے اُس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے اس میں اخلال موجب مواخذہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے خود منشاء فساد بھی ضعیف ہو جاوے گا۔ واللہ الموفق۔

۸۹۔ ایک طالب نے لکھا کہ رضا بالقضاء کے حصول کے لیے کوئی علاج تحریر فرمایا جاوے اور اُس کا معیار اور مقدار بھی کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کا مکلف ہے جواب تحریر فرمایا کہ رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اور اول حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے تدبیر اس کی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت الٰہیہ کا واقعات خلاف طبع میں، اھ۔

۹۰۔ ایک طالب نے لکھا کہ جو باتیں اپنے اندر خلاف شرع ہیں ان کو بھی بُرا اور قابل ترک سمجھتا ہوں لیکن اپنے نفس سے اُتنی نفرت اپنے دل میں نہیں پاتا جتنی اور لوگوں سے ان کی خلاف شرع باتوں پر ہوتی ہے اس وجہ سے اندیشہ کبر ہوتا ہے، اھ۔ اس کا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا

نفرت میں تفاوت ہونا کبر نہیں نفرت اعتقادی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور عبد اسی کا مامور ہے اور یہ تفاوت نفرت طبعی میں ہے جیسے انسان کو اپنے پائخانہ سے نفرت کم ہوتی ہے اور دوسرے کے پائخانہ سے زیادہ ہوتی ہے اور راز اس تفاوت کا تفاوت فی المحبت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت غیر کے اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچہ کے پائخانہ سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جتنی غیر محبوب کے پائخانہ سے سو اس کا کبر سے کوئی تعلق نہیں، اھ۔

 ۹۱۔ ایک طالب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی کہ نسبت کے لغوی معنی ہیں

لگاؤ اور تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی اطاعت دائمہ و ذکر غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسا عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے اور صاحب نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرت و نفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیا داروں کی کم مگر یہ پہچان خصوص اس کا جزو اول عوام محجوبین کو کم ہوتی ہے اہل طریق کو زیادہ ہوتی ہے۔

اور اس استفسار کا جواب کہ فاسق اور کافر بھی صاحب نسبت ہوتا ہے یا نہیں یہ تحریر فرمایا کہ جب نسبت کے معنی معلوم ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتا بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدہ کا سمجھتے ہیں یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے مگر یہ اصطلاح جہلا کی ہے۔

۹۲ - ایک ذی علم طالب نے صدق و اخلاص کے حقائق شرعیہ اور ان کے حصول کے لیے علاج اور معین دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا یہ صدق ہے اور اس طاعت میں غیر طاعت کا قصد نہ کرنا یہ اخلاص ہے اور یہ موقوف ہے مابہ الکمال کے جاننے پر اسی طرح غیر طاعت کے جاننے پر اس کے بعد صرف نیت اور عمل جزو اخیر رہ جاتا ہے یہ دونوں اختیاری ہیں، طریق تحصیل تو اسی سے معلوم ہو گیا آگے رہا معین وہ استحضار ہے وعدہ و وعید کا اور مراقبہ نیت کا۔

مثال صدق کی نماز کو اسی طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آداب ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا علیٰ ہذا تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے مثال اخلاص کی نماز میں ریا کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے رضائے غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے اور اس کے متعلقات ظاہر ہیں۔

۹۳ - ایک طالب کی درخواست پر حسد کا یہ علاج ارقام فرمایا کہ جس پر حسد ہوتا ہے اس کی مدح

مجمع میں کرنا وہ سامنے آجاوے تو اس کی تعظیم کرنا اور اس کے لیے گاہ گاہ ہدیہ بھیجنا اس سے محسود کو محبت ہوجاتی ہے پھر حاسد کو محسود کی محبت ہوجاتی ہے اور محبوب پر حسد نہیں ہوتا یہ ایک کلی علاج ہے جو جزئی معالجات سے سہل الوصول اور سریع الحصول ہے اور حرص کا مستقل علاج بعد میں پوچھ لیا جاوے۔

۹۴ - ایک طالب نے زہد کی ماہیت اور اس کا طریق تحصیل و تسہیل دریافت کیا تھا تحریر فرمایا کہ قلت رغبت فی الدنیا اس کی ماہیت ہے طریق تحصیل مراقبہ اس کے فانی ہونے کا اور امور غیر ضروری کی تحصیل میں انہماک نہ کرنا اور طریق تسہیل صحبت زاہدین کی اور مطالعہ حالات زاہدین کا۔

۹۵ - ایک طالب نے شکایت لکھی کہ نہ طاعات کی طرف طبعی رغبت ہے نہ معاصی سے طبعی نفرت تحریر فرمایا کہ رغبت و نفرت طبعیہ غیر مطلوب ہے رغبت و نفرت اعتقادی کافی ہے یہی مامور بہ ہے اس کے مقتضا پر بار بار عمل کرنے سے اکثر طبعی رغبت و نفرت بھی ہوجاتی ہے اگر نہ ہو تو بھی مضر نہیں۔

۹۶ - ایک طالب نے اپنے حالات لکھ کر نہایت حسرت سے لکھا کہ حضور کب تک راستہ ہی پڑا رہوں مجھے بھی پہنچا دیجیے جواب تحریر فرمایا کہ الحمد للہ تمکین کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے۔ اس مکتوب کے مضامین سے بہت مسرت ہوئی انشاء اللہ یوماً فیوماً مقصود سے قرب ہوتا جائے گا ؎

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست

سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

باقی اہل طریق کے یہاں مقرر ہے کہ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں شرح اس کی یہ ہے کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا نہ رکھے کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس تقاضے سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت و تفویض ہے اور جمعیت و تفویض ہی شرط وصول ہے اس کو خوب راسخ کر لیا جاوے کہ روح سلوک ہے وھو من خصائص المواھب الامدادیة فلما تنبہ لہ شیخ من مشائخ الوقت، اھ۔

۹۷ ۔ ایک طالب نے لکھا کہ منگل کی رات کو دورانِ ذکر دوازدہ تسبیح میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساری مسجد روشن ہوگئی، آنکھ کھول کر جو دیکھا تب بھی روشن معلوم ہوئی، جواب تحریر فرمایا کہ ایسے حالات اس مصلحت کے لیے بھی پیش آجاتے ہیں کہ سالک کو نشاط ہو اور طریق میں مشغولی سہل ہو، اھ۔

۹۸ ۔ ایک طالب نے اپنے حالات لکھے جن میں یہ بھی تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ سے خوف کم اور رجا کی اُمید قوی تھی اور اب اس کا عکس اور حضور والا سے پہلے خوف زیادہ تھا اور اب اس کا عکس ہے یہ تغیر و تبدل کیوں ہوا، اس میں تردد ہے تشفی فرماویں، اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا

دونوں کا سبب ترقی و زیادت معرفت ہے مگر حق تعالیٰ کے کمالات غیر محدود و غیر متناہی ہیں لہٰذا اُنس و ہیبت میں تعاقب ہوتا رہتا ہے گا ہے ایک ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے انس ہوتا ہے اس کے بعد ایسی تجلّی ہوتی ہے جس سے ہیبت ہوتی ہے پھر ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے انس ہوتا ہے مگر پہلی تجلّی اُنسی سے تفاوت ہوتا ہے گو تفاوت لطیف ہو پھر ہیبت کی تجلی ہوتی ہے اور اسی طرح پہلی تجلّی ہیبت سے متفاوت ۔ اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور مخلوق کے کمالات محدود و متناہی ہیں معرفت ہوتے ہوتے اُن کا احاطہ ہو جاتا ہے اور احاطہ کا خاصہ ہے اعتیاد اور اعتیاد کا خاصہ ہے ہیبت کی کمی، اھ۔

۹۹ ۔ ایک طالب نے لکھا کہ ذکر لسانی پہلے سے کم اور قلبی پہلے سے بہت زیادہ ہوتا رہا ہے۔ ذکر قلبی اکثر اوقات بہ آسانی جاری رہتا ہے، مشغولی کار کے ساتھ بھی جاری رہتا ہے لیکن اکثر دماغی مصروفیت کے وقت بند ہو جاتا ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ ایسے وقت بھی بے تکلف جاری رہ سکے۔ جواب تحریر فرمایا کہ نہیں رہ سکتا کیونکہ ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہوتی۔ لیکن اس جاری نہ رہنے سے کچھ ضرر نہیں باقی ذکر قلبی سو اگر اُس وقت ذکر لسانی دشوار ہو تو اس پر اکتفا کا مضائقہ نہیں ورنہ محض قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے ذکر لسانی بھی اس کے ساتھ ضروری ہے خواہ قلبی میں اس سے کچھ کمی ہی ہو جا دے، اھ۔

۱۰۰ ۔ ایک صاحب اجازت نے ایک طویل عریضہ لکھا جو اپنی نااہلی اور حالت زار کے حسرتناک حالات

سے پُر تھا جن کا حاصل یہ تھا کہ عمر قریب ختم پہنچی لیکن دین کے کسی ایک شعبہ کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صحیح ہے۔ کس کس حالت کی اصلاح کروں بالخصوص جو شعبہ مشکل اور زیادہ قابل اہتمام ہے یعنی تکمیل اخلاق اس کا تو نام ہی لینا فضول ہے۔ اخلاق کا تو علم بھی پورا نہیں تا بہ عمل چہ رسد بعض وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ جانے دل میں ایمان بھی ہے یا نہیں اور نہ معلوم حق تعالیٰ کا ارادہ میرے ساتھ کیا ہے۔ اگر خدانخواستہ خدانخواستہ کچھ اور ارادہ ہوا تو کیا ہوگا۔ بعض وقت تو یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ اگر کچھ اور ارادہ نہ ہوتا تو اعمال حسنہ اور اصلاح کی توفیق کیوں نہ ہوتی کم سے کم کوئی ایک شعبہ تو دین کا درست ہوتا۔ راتوں کو میری نیند اُڑ جاتی ہے جس وقت یہ خیال آتا ہے کہ آخر اس کا انجام کیا ہوتا ہے اُس وقت سوائے اس کے کہ اس دُعا پر اکتفا کرتا ہوں اور کچھ نہیں بن پڑتا۔ اللھم لا تفعل بنا ما نحن له اھل وافعل بنا ما انت له اھل الخ

عرض کیا: ایک بہت طویل اور دردناک داستان غم وحسرت تھی جس کو مکتوب مقرح القلوب کہنا چاہیے (مقرح بالقاف) اور آخر میں درخواست تھی کہ للہ کوئی ایسی بات ارشاد فرمادیں جو اطمینان بخش ہو۔ حضرت والا نے حسب ذیل جواب ارقام فرمایا جس کو مکتوب مفرح القلوب کہنا زیبا ہے (مفرح بالفاء)

مکتوب مفرح القلوب

پورا کامل بجز انبیاء کے کوئی نہیں اور وہ کاملین بھی اپنے کو کامل نہیں سمجھتے سب کو اپنے نقص نظر آتے ہیں خواہ وہ نقص حقیقی ہوں یا اضافی اور نقص نظر آنے سے مغموم بھی ہیں اور مغموم بھی ایسے کہ اگر ہم جیسوں پر وہ غم پڑ جاوے تو کسی طرح جانبر نہیں ہو سکتے۔ کمال کی تو توقع ہی چھوڑنا واجب ہے

اس کا یہی رنگ ہوگا جو آپ مشاہدہ کر رہے ہیں اس کی مثال وہ مریض ہے جس کی تندرستی سے تو مایوسی ہے مگر فکر صحت اور اس کی تدبیر کا ترک جائز نہیں سمجھا جاتا اور نجات بلکہ قرب بھی کمال

پر موقوف نہیں مگر تکمیل پر موعود ہے و اللہ لا یخلف المیعاد، بس اسی طرح سے عمر ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے، وھذا ھو معنی ما قال الرومی ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش

تادم آخر دمے فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود

کہ عنایت با تو صاحب سر بود

سب سے اخیر میں خواہ اس کو اظہارِ حال کہیے یا آپ کی ہمدردی یا رفع التباس جو چاہے نام رکھیے، یہ کہتا ہوں کہ میں بھی اسی کشمکش میں ہوں مگر اس کو مبارک سمجھتا ہوں جس کا یہ اثر ہے کہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ خوف کو غالب کہوں یا رجا کو مگر مضطر ہو کر اس دُعا کی پناہ لیتا ہوں: جس سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے، اللھم کُن لی و اجعلنی لک:

٭٭٭٭٭٭٭

باب ۱۴

مدارج علمیہ

زمانہ طالب علمی

حضرت والا کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن تھانہ بھون ہی میں ہوئی۔ قرآن شریف ختم کرنے کے بعد فارسی کی کتابیں کچھ تو شروع میں مولانا فتح محمد صاحب سے پڑھیں بعد میں خاص خاص اور اہم کتابیں اپنے ماموں صاحب سے پڑھیں۔ حضرت والا کو ادب فارسی میں بڑا عبور حاصل ہو گیا تھا۔

دیوبند میں طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار مرض خارشت میں مبتلا ہوئے تو چھٹی لیکر وطن آ گئے، اس زمانہ میں ایک مثنوی زیر و بم فارسی میں تصنیف کر ڈالی جس سے حضرت والا کا ذوق شاعرانہ اور موزونیت طبع کی لطافت واضح ہوتی ہے۔

پھر ۱۲۹۵ھ سے ۱۳۰۱ھ تک مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں نصاب عربی کی تکمیل فرمائی

حضرت کے بعض طالبعلمانہ ذوق

طالب علمی کے زمانہ میں حضرت والا کو معقولات سے بہت دلچسپی تھی اور اس قدر مناسبت تھی کہ "صدرا" اور "شمس بازغہ" جیسی مشکل کتابوں کا اکثر حصہ بے ترجمہ پڑھتے چلے جاتے اور بڑے بڑے مشکل مسائل کو نہایت آسانی سے حل فرما دیتے تھے۔ گو عموماً معقولات سے اس قدر مناسبت اور دلچسپی رکھنے والے بس معقولات ہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن باوجود اس کے الحمدللہ حضرت والا کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی سلامتی اور اس قدر اعتدال کی کیفیت رکھی تھی کہ ہر شے کو اس کے مرتبہ پر رکھتے تھے، چنانچہ باوجود خاص مناسبت ہونے کے معقولات کو ہمیشہ دینیات کے لیے بطور علوم آلیہ ہی سمجھا۔

قرأت

حضرتؒ والا نے قرات کی مشق مشہور آفاق جناب قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکی سے بمقام مکہ المعظمہ فرمائی تھی۔ رفتہ رفتہ اس قدر مشق اور مہارت ہوگئی تھی کہ لہجہ میں اپنے یگانہ فن استاد سے اس قدر مشابہت پیدا ہوگئی تھی کہ سننے والوں کو دونوں کے لہجہ میں تمیز نہ ہوسکتی تھی۔

حضرتؒ والا نے اپنے استاد معظم کا ایک نہایت مجرب اصول نقل فرمایا ہے کہ لہجہ کی طرف مطلق التفات نہ کیا جائے بس ساری توجہ مخارج کی تصحیح میں صرف کی جائے کیونکہ تصحیح مخارج کے بعد جو لہجہ بھی پیدا ہوگا مستحسن ہی ہوگا۔

منطق

مہارت منطق کے متعلق خود حضرتؒ والا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے منطق میں مہارت حاصل ہے اور میں سچی بات کیوں نہ کہوں کیونکہ نہ میں متواضع ہوں اور نہ متکبر، جو چیز اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کا کیوں انکار کروں، اللہ تعالیٰ کا دین ہے میرا کوئی کمال نہیں اور میں اس کو درحقیقت کوئی کمال بھی نہیں سمجھتا کیونکہ بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کی برکت سے یہ اچھی طرح ذہن نشین ہوگیا ہے ؎

فہم و دانش تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

مناظرہ

حضرتؒ والا طالب علمی کے زمانہ میں اپنے ہم سبقوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے اس زمانہ میں بھی حاضر جوابی، لطافت لسانی اور ذہانت و فطانت اور منطق میں کمال مہارت کا وہ عالم تھا کہ دیوبند میں جہاں کوئی غیر مذہب والا بغرض مناظرہ آتا تو حضرتؒ والا اس کے مقابلہ کے لیے فوراً پہنچ جاتے۔

حضرت رحؒ والا فرماتے تھے کہ جتنا مجھ کو اُس زمانہ میں مناظرہ کا شوق تھا اب بوجہ مضرتوں کے اتنی ہی اس سے نفرت ہے کیونکہ اس میں کج بحثی اور ہٹ دھرمی کی عادت پڑ جاتی ہے اور حق شناسی کی استعداد برباد ہو جاتی ہے۔

فن طب کی طرف توجہ

جامع العلوم کے درس و تدریس کے زمانہ میں حضرت رحؒ والا کو خیال ہوا کہ اس پر معاوضہ لینا مناسب نہیں، اس لیے آئندہ ذریعہ معاش کے لیے شعبہ طب کو اختیار کر لیا جاوے چنانچہ مدرسہ کی ملازمت ترک کر کے دہلی کے مشہور حکیم جناب عبدالمجید صاحب کے درس طب میں داخل ہو گئے مگر ابھی زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ کانپور کے جامع العلوم سے متعلق چند معزز لوگوں نے دہلی جا کر حضرت کو کانپور واپس آنے پر مجبور کیا۔

حضرتؒ کو اپنے ارادہ کے بدلنے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ حضرتؒ کے ایک مشفق محب نے یہ حضرت کو نصیحت کی کہ درس و تدریس کا شغل اور مطب کبھی ایک ساتھ نہیں چل سکتے، اس لیے حضرت رحؒ والا اس طرف سے یکسو ہو کر درس و تدریس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

احترام دین

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دین کی باتوں کا بچپن ہی سے بہت شوق تھا یہاں تک کہ بہت چھوٹی عمر میں بھی جبکہ عربی کی محض ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا اور صرف ۱۲-۱۳ برس کی عمر تھی پچھلی رات تہجد کو اٹھتا اور نوافل و وظیفہ پڑھتا تھا میری نانی صاحبہ کو میری یہ مشقت گوارا نہ ہوتی اور فرماتیں ابھی تیری عمر ہی کیا ہے کیوں تکلیف اٹھاتا ہے خصوصاً سردی کے زمانہ میں ان کا جی بہت کڑھتا تھا۔

مجھے دین کا شوق جس کی ایک فرع تہجد بھی ہے میرے ابتدائی استاد حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ کے فیض سے پیدا ہوا تھا۔ وہ بڑے ہی بابرکت بزرگ تھے۔ مجھے بچپن ہی سے وعظ کہنے

کا بہت شوق تھا چنانچہ اگر کبھی بازار سودہ وغیرہ لانے کے لئے جاتا اور کچھ راستہ میں کوئی مسجد پڑتی اور اس وقت نماز کا وقت نہ ہوتا تو سیدھا منبر پر پہنچتا اور کھڑے ہو کر خطبہ کی طرح پڑھ پڑھا کر وہاں سے چلا آتا۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے صرف درسیات کی کتابیں پڑھی ہیں اور ان میں بھی بعض کتابیں پوری نہیں پڑھیں، میری نظر زیادہ تر درسی کتابوں پر ہے بھی نہیں"۔ مگر حالت یہ تھی کہ تفسیر و احادیث تصوف و فقہ کے بڑے بڑے عمیق و دقیق علوم کو انتہائی سہل انداز میں بیان فرما دیا۔ لطیف نکات کی ایسی غائر تحقیقات فرمائیں کہ ایک دنیائے اہل علم انگشت بدنداں ہے۔ نظر ایسی نکتہ رس اور عارفانہ کہ بڑے بڑے صوفیا اور عارفین کی نظر بھی وہاں نہ پہنچ سکی، بڑے بڑے غامض مضامین کو مثالوں سے پانی کر دیتے متبحر علماء اور بڑے بڑے اہل فضل و کمال بھی حضرتؒ کی تحقیق اور تبحر علمی سے حیران رہ جاتے اور اس وقت حضرتؒ کی یہ شان معلوم ہوتی ؎

دید کے قابل ہے یہ منظر کہ ان کے روبرو
اہلِ دل اہلِ نظر کی بےبسی ہوتی ہے کیا

ہمارے حضرتؒ کو اللہ جل شانہٗ نے عالم ربانی و عارف حقانی کا منصب عطا فرمایا تھا حضرتؒ کا ہر وعظ اور ہر ملفوظ الہامی ہوتا تھا۔ شریعت و طریقت حضرتؒ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ ابتداء ہی میں جو ذوق سلیم تھا وہی آخر عمر تک قائم رہا جو کہہ دیا یا لکھ دیا حجت ہو گیا کیونکہ جو بات بھی کہی وہ اللہ اور اللہ کے رسول ہی کی بات تھی ؎

درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاذِ ازل گفت ہماں می گویم

جو بات کہی بلا تکلف کہی اور جو کہا وہ معیار بن گیا۔ ہر ملفوظ بحرِ بیکراں ہے اور ہر وعظ بحرِ ذخار۔ حق تو یہ ہے کہ وعظ کیا ہیں الہامات ہیں۔ حقائق ہیں۔ ان میں کیا ابتداء اور کیا انتہا۔

حضرتؒ ہمیشہ اپنے آپ کو ایک ادنیٰ طالب علم ہی کہتے رہے۔ کبھی کسی کمال کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ حضرت فرماتے تھے۔

مجھے اس کی بہت مسرت ہوتی ہے کہ اپنے قول کی تائید سلف کے اقوال میں مل جائے بعض لوگ تو سلف سے اپنا علم منقول دیکھ کر افسردہ ہوجاتے ہیں کہ ہائے ہمارا تفرد باطل ہوگیا۔ اور میں خوش ہوتا ہوں، کہ الحمد للہ وہیں ذہن گیا، جہاں مقبولانِ الٰہی کا ذہن گیا تھا۔ اکابر کے علوم سے اپنے علوم کی موافقت بڑی دولت ہے، جو نعمت صحت مذاق وسلامت فہم کی علامت ہے (اجر الصیام حصہ دوم ص ۲۲)

نکات سے جواب دینا میرے مذاق کے خلاف ہے گو بعض دفعہ مخاطب ان سے بھی چپ ہوجاتا ہے (اجر الصیام حصہ دوم ص ۲۵)

علماء اور صوفیا کی قدر ومنزلت

فرمایا کہ مجھے پیر جیون والی درویشی نہیں آتی میں تو ایک طالب علم ہوں۔ مجھ سے تو قرآن وحدیث کی باتیں پوچھی جائیں مجھے تو سیدھا سادہ قرآن وحدیث ہی آتا ہے اور میں تو اسی کو اصل درویشی سمجھتا ہوں نیز علماء کی اشد ضرورت ہے کہ انہیں کے وجود باجود پر دین کا دارومدار ہے بلکہ صوفیہ سے زیادہ علماء کی ضرورت ہے کیونکہ انہیں کی بدولت انتظام دین قائم ہے ورنہ کسی کو احکام دین اور ان کے حدود ہی کا پتہ نہ چلے درویشی تو اس کے بعد کی چیز ہے۔ میرے قلب میں محبت تو درویشوں کی زیادہ ہے مگر عظمت علماء کی ہے۔ اور حضرات صوفیہ کا تو ادب بڑے بھائی کا سا اور حضرات فقہاء کا ادب باپ کا سا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا معاملہ بھی حضرات صوفیہ کے ساتھ چھوٹے بچے کا سا معلوم ہوتا ہے اور حضرات فقہاء کے ساتھ بڑے لڑکے کا سا، کہ حرکتیں تو بچہ کی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اس کو بہت سی باتوں میں غیر مکلف بھی سمجھا جاتا ہے لیکن کام بڑے لڑکے ہی سے لیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ حضرات

فقہاء کو جزائے خیر مرحمت فرمائے دین کی بڑی ہی خدمت کی ہے اور امت کے لئے دین کا راستہ بالکل صاف فرما گئے ہیں ورنہ تاریک رہتا۔ قرآن وحدیث سے مستنبط کر کے ایسے ایسے اصول مقرر فرما گئے ہیں کہ قیامت تک کے لئے کافی ہو گئے ہیں اور کوئی کیسی ہی صورت پیش آئے اس کا حکم انھیں اصولوں پر بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ بس دو جماعتیں امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی رحمت ہیں حضرات فقہاء اور حضرات صوفیاء۔ یہ حضرات حکمائے امت ہیں۔ (اشرف السوانح)

ایک بار نہایت منکسرانہ انداز میں فرمایا کہ اگر تمام عالم دین متفق طور پر مجھ پر کفر کا فتویٰ لگائیں تو مجھ کو مطلقاً شکایت نہ ہو گی، بلکہ میں انشاء اللہ ان کی بقاء اور ان کے تحفظ وقار کے لئے دعا کرتا رہوں گا کیونکہ وہ عالم دین ہیں، حامل دین ہیں، عاملان دین ہیں، محافظ دین ہیں، مبلغان دین ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ہی مرتبہ ومقام عطا فرمایا ہے میری کیا ہستی ہے، میرے کسی عقیدہ یا عمل ہی کی وجہ سے اُن کا فتویٰ ہو گا۔ میں آن واحد میں اپنے عقیدہ اور عمل سے توبہ کر سکتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پھر تجدید ایمان کر سکتا ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فقہی مسائل میں عوام کے عمل کے لئے جہاں تک گنجائش ہوتی ہے میں ضرور کوئی آسان راستہ نکال لیتا ہوں تاکہ عام طبائع پر مسائل شرعیہ شاق نہ ہوں کیونکہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو امور شرعیہ میں تاویلات اور دنیاوی مصالح کی آمیزش سے بالطبع نفرت تھی۔

فرماتے تھے کہ میں عذر کی حالت میں عزیمت کی بجائے رخصت پر عمل کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں اس میں اپنے عجز کا احساس ہوتا ہے اور اس کے خلاف کرنے سے عجب پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ناقدری معلوم ہوتی ہے۔

میں اپنے نجی معاملات میں کبھی شریعت کے فتوے کے مقابلے میں اپنے تقوے

کی ادنیٰ حیثیت نہیں سمجھتا۔ جب کوئی معاملہ ہوتا ہے اہل علم سے مشورہ کر لیتا ہوں اور ان سے فقہی مسئلہ معلوم کر کے عمل کرتا ہوں۔ بطور خود کبھی عمل نہیں کرتا ہیں الحمدللہ کبھی طبیعت کو عقل پر غالب آنے نہیں دیتا اور کبھی عقل کو شریعت پر غالب آنے نہیں دیتا۔

مجھے اعتدال اور حفظ مراتب کا بڑا اہتمام ہے ہر شخص سے اس کے درجے کے موافق معاملہ اور برتاؤ کرتا ہوں بلکہ طبیعت میں یہاں تک احتیاط ہے کہ اگر کسی وقت مختلف قسم کی چند کتابیں جمع ہو جائیں تو ان کے رکھنے میں سب سے اوپر حدیث پھر اس کے نیچے فقہ پھر تصوف پھر اور کوئی کتاب۔ اسی طرح پہلے عربی پھر فارسی پھر اردو کی کتابیں رکھتا ہوں۔

اگر کہیں دینی کتاب رکھی ہو تو اس کے اوپر کوئی استعمالی چیز کا رکھنا بھی خلاف ادب سمجھتا ہوں۔

فرمایا کہ الحمدللہ میں نے اپنے بزرگوں کے ساتھ کبھی ظاہراً یا باطناً اختلاف نہیں کیا اور ہر طرح ادب ملحوظ رکھا حالانکہ مجھے سینکڑوں احتمالات سوجھتے تھے لیکن میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ ہم کیا جانیں اور اگر کبھی کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تب بھی دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ کوئی بات بلا سمجھے نہ رہے۔ سو واقعی طالب تحقیق کو بیشتر تقلید ہی ضروری ہے بعد کو بہ برکت تقلید کے تحقیق کا درجہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ ترتیب بھی ہے دیکھئے اگر کوئی بچہ اپنے استاد کی تقلید نہ کرے اور پڑھاتے وقت کہے کہ کیا دلیل ہے کہ یہ الف ہے ب نہیں تو بس وہ پڑھ چکا۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پڑھنے میں کبھی محنت نہیں کی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ادب و محبت کا تعلق رکھنے کی بدولت عطا فرمایا اور الحمدللہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا اور جتنا میرے قلب میں بزرگان دین کا ادب ہے۔ آج کل شاید کسی کے دل میں اتنا ہو۔

ایام مرض الموت میں ایک دن آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے تھے۔ آنکھیں کھولیں اور فرمایا "اگر تمام دنیا کے ایک ہزار منتخب عقلاء کسی ایک شرعی مسئلہ پر اشکال یا اعتراض لے کر آئیں۔ تو الحمد للہ یہ ناکارہ پانچ منٹ میں سب کو لاجواب کر سکتا ہے اور میں تو ایک معمولی طالب علم ہوں علماء کی تو بڑی شان ہے۔"

اللہ تعالےٰ نے حضرت کو علوم ظاہری و باطنی میں ایک خاص درجۂ کمال عطا فرمایا تھا۔ مگر سامنے علوم و معارف اور حقائق کا ایک ناپیدا کنار بحرِ ذخار تھا جس پر نظر پڑ رہی تھی اسی لئے علم کے جو مراتب حاصل کر چکے تھے اُن پر نظر نہ تھی اور فرما رہے تھے "میں تو ایک معمولی طالب علم ہوں" گویا حضرت کو ہر مقام پر یہی آواز آئی ؎

اے برادر بے نہایت درگہے ست
ہر کہ بر وے می رسی بر وے مایست

حضرتؒ یہ تواضعاً نہیں فرما رہے تھے بلکہ حقیقت کا اظہار فرما رہے تھے جس کی نظر حقیقت پر ہو گی تواضع تو اس میں خود بخود پیدا ہو گی تو حضرتؒ کی یہ تواضع بھی غیر اختیاری اور امرِ طبعی تھی۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی اور منجانب اللہ تعالیٰ فراستِ علوم ربانی کے متعلق اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامہ خدمات علوم دینیہ کے سلسلہ میں حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مضمون قلمبند فرمایا ہے وہ آگے صفحات پر ملاحظہ ہو۔ یہ مضمون "حکیم الامۃ کے آثار علمیہ" کے نام سے رسالہ معارف اعظم گڑھ کے ۱۳۶۳ھ (۱۹۴۴ء) کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

حکیم الامتہ کے آثارِ علمیہ

از جناب مولانا سید سلیمان ندوی خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز

حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و دینی فیوض و برکات اس قدر مختلف الانواع ہیں کہ ان سب کا احاطہ ایک مختصر سے مضمون میں نہیں ہوسکتا اور یہی ان کی جامعیت ہے جو ان کے اوصاف و محامد میں سب سے اوّل نظر آتی ہے وہ قرآن پاک کے مترجم ہیں، مجوّد ہیں، مفسّر ہیں، اس کے علوم و حکم کے شارح ہیں، اس کے شکوک و شبہات کے جواب دینے والے ہیں، وہ محدث ہیں، احادیث کے اسرار و نکات کے ظاہر کرنے والے ہیں، وہ فقیہ ہیں، ہزاروں فقہی مسائل کے جوابات لکھے ہیں۔ نئے سوالوں کو حل کیا ہے۔ نئی چیزوں کے متعلق انتہائی احتیاطوں کے ساتھ فتوے دیئے ہیں۔ وہ خطیب تھے خطب ماثورہ کو یکجا کیا ہے وہ واعظ تھے ان کے سینکڑوں وعظ چھپ کر عام ہو چکے ہیں۔ وہ صوفی تھے، تصوف کے اسرار و غوامض کو فاش کیا ہے۔ شریعت و طریقت کی ایک مدت کی جنگ کا خاتمہ کر کے دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آغوش کیا ہے۔ ان کی مجلسوں میں علم و معرفت اور دین و حکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے۔ اور یہ موتی جن گنجینوں میں محفوظ ہیں، وہ ملفوظات ہیں جن کی تعداد بیسیوں تک پہنچ چکی ہے، وہ مرشدِ کامل تھے، ہزاروں مسترشد مستفیدان کے سامنے اپنے احوال و واردات پیش کرتے تھے اور وہ ان کے تسکین بخش جوابات دیتے اور ہدایات کرتے تھے۔ جن کا مجموعہ تربیۃ السالک ہے۔

انھوں نے بزرگوں کے احوال وکمالات کو یکجا کیا اور اس ذخیرہ سے سب کو آشنا کیا، ان کی متعدد کتابیں اس مضمون پر ہیں۔ انھوں نے حضرات چشت کے احوال واقوال میں سے بظاہر اعتراض کے قابل باتوں کی حقیقت ظاہر کی اور ان کی تاویلات کیں ان کی کتابوں کے خلاصے، اقتباسات اور تسہیلات ان سے الگ ہیں جن کی ترتیب ان کے مسترشدین نے کی ہے وہ مصلح امت تھے، امت کے سینکڑوں معائب کی اصلاح کی، رسوم وبدعات کی تردید، اصلاح رسوم اور انقلاب حال پر متعدد تصانیف کیں وہ حکیم الامت تھے، مسلمانوں کے علاج اور نشأۃ واحیاء پر حیوۃ المسلمین وغیرہ رسائل تالیف فرمائے، غرض ان کی زندگی میں مسلمانوں کی شاید کوئی مذہبی ضرورت ہوگی۔ جس کا مداوا اس حکیم الامۃؒ نے اپنی زبان اور قلم سے نہیں فرمایا اور جس کی وسعت کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی نظر آسکتا ہے۔

ان کی تصنیفات ہندوستان کے پورے طول وعرض میں پھیلیں اور ہزاروں مسلمانوں کی صلاح وفلاح کا باعث ہوئیں، اردو اور عربی کے علاوہ مسلمانوں نے اپنے ذوق سے ان کی متعدد تصانیف کا ترجمہ غیر زبانوں میں بھی کیا چنانچہ ان کی متعدد کتابوں کے ترجمے انگریزی بنگالی، گجراتی اور سندھی میں شائع ہوئے۔

ان کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہیں آٹھ سو کے قریب ہیں ۱۳۵۴ھ میں ان کے ایک خادم مولوی عبدالحق صاحب فتحپوری نے ان کی تصنیفات کی ایک فہرست شائع کی تھی جو بڑی تقطیع کے پورے ۸۶ صفحوں کو محیط ہے، اس کے بعد کے نو برسوں میں جو رسائل یا تصانیف ترتیب پائیں وہ ان کے علاوہ ہیں کہا جاتا ہے کہ ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے اگر یہ سچ ہے تو یہ صدی جو مطبوعات ومنشورات کے کمالات سے مملو ہے اور جس کا اہم کارنامہ خواہ حق کے اثبات واظہار میں ہو یا باطل کی نشر واشاعت میں، پریس اور مطبع ہی کے برکات ہیں، زبان و

قلم اس صدی کے مبلغ ہیں اور رسائل و منشورات دعوت کے صحیفے ہیں اس بنا پر مناسب تھا کہ اس صدی کے مجدد کی کرامت بھی انہی کمالات میں جلوہ گر ہو۔

علمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جن کی تصانیف کے اوراق اگر ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیئے جائیں تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے۔ امام جریر طبری، حافظ خطیب بغدادی، امام رازی، حافظ ابن جوزی، حافظ سیوطی وغیرہ متعدد نام اس سلسلہ میں لئے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کے نام بھی اس سلسلہ میں داخل ہیں، اس سلسلہ کا اخیر نام حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کا ہے۔

تصانیف کے انواع

مولانا کے رسائل اور تصانیف کی تعداد گو آٹھ سو کے قریب ہے، مگر ان میں چھوٹے چھوٹے رسالے بھی جن کو نئی اصطلاح میں مضامین و مقالات کہتے ہیں داخل ہیں، ان میں بعض اتنے مختصر ہیں کہ صرف صفحے دو صفحے میں ہیں۔ بعض ایسی ضخیم ہیں کہ کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ بیشتر تصانیف نثر میں اور اردو زبان میں ہیں البتہ بارہ تیرہ رسائل و کتب عربی زبان میں ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ سبق الغایات فی نسق الآیات[۱]، انوار الوجود[۲]، التجلی العظیم[۳]، حواشی تفسیر بیان القرآن[۴]، تصویر المقطعات[۵]، التلخیصات العشر[۶]، مأۃ دروس[۷]، الخطب الماثورہ[۸]، وجوہ المثانی[۹]، سبع سیارہ[۱۰]، زیادات[۱۱]، جامع الآثار[۱۲]، تائید الحقیقۃ اور تین فارسی میں ہیں، مثنوی زیر و بم[۱]، تعلیقات فارسی[۲]، عقائد بانی کالج[۳]۔

نظم و نثر: نظم میں مولانا کی تصنیف یہی ایک مثنوی زیر و بم ہے اور یہ طالب العلمی کے بعد ہی لکھی ہے۔ بظاہر اس میں ایک بیوقوف عاشق اور چالاک معشوق کا قصہ ہے مگر درحقیقت یہ نفس انسانی کی بصیرت افروز حکایت ہے ایک اور نظم اوراد رحمانی کے آخر

ہیں ہے مولانا کو فارسی کے بے شمار اشعار یاد تھے ۔ حافظ اور مولانا رومی کے اشعار بیشتر نوک زبان تھے اور نظم کا ملکہ اور سلیقہ بھی تھا، مگر کبھی اس سے کام نہیں لیا ۔ ایک دفعہ میں نے اپنے برادر گرامی قدر مولوی مسعود علی صاحب کو جو تھانہ بھون میں مقیم تھے ۔ اپنے حاضر ہونے کے قصد سے مطلع کیا اور ریاض مرحوم کا یہ مصرع لکھ دیا :۔

زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

برادر موصوف نے یہ اطلاع مولانا کو دی اور یہ مصرع بھی سنا دیا تو فوراً فقیروں کو بدل کر یوں فرمایا ۔

زندگی ہے تو سلیماں کا بھی پھیرا ہوگا

ایک دفعہ حضرت نے خاکسار کو ایک تسبیح عنایت فرمائی، تو خاکسار نے ایک بیت کہی

؎ خواجہ بخشید مرا سبحہ، صد دانہ بلطف ؛ دانہ انداخت و در حلقہ مرا کرد اسیر

وصل مرحوم نے موقع سے حضرت کو یہ سنا دیا تو فرمایا" تو بھئی مجھے بھی اس کا جواب کہنا پڑے گا" مگر کچھ فرمایا نہیں، سب سے آخر میں جب خاکسار نے از خود حضرت کی تحریک و اشارہ کے بغیر اپنے احساس سے مجبور ہو کر رجوع و اعتراف کا مضمون معارف میں شائع کیا اور ملاحظہ کے لئے بھیجا تو بہت مسرت ظاہر فرمائی اور مثنوی کے وزن پر دس بارہ شعر لکھ کر بھیجے جو اس ہیچ میرز کے لئے وجہ سعادت ہیں یہ غالباً آخری نظم کی تصنیف ہے اور اس کا ایک نام بھی حضرت نے رکھ دیا ہے ۔

موضوعاتِ نثر

تصانیف کا بیشتر حصہ اصلاحی اور فقہی ہے اور کم تر کتب درس کے متعلق، تاہم دو چار درسی کتابوں پر بھی رسائل ہیں ۔ مذہبی تصانیف میں علوم القرآن، علوم الحدیث، کلام و عقائد، فقہ و فتاوٰی اور سلوک و تصوف اور مواعظ اکثر ہیں ۔

قرآنِ پاک کی خدمت

اسلام میں علم کا سب سے پہلا سفینہ خود اسلام کا صحیفہ ہے، یعنی قرآن پاک، مولانا نے اس کی خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی وہ بجائے خود ان کی ایک علمی کرامت ہے کانپور کے زمانۂ قیام میں مطبع انتظامی میں تشریف رکھتے تھے۔ وہاں پر امت کے اولین مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الکتاب کی دعا دی تھی اور بشارت سنائی تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ اس رویا کے بعد سے میری مناسبتِ قرآنی بہت بڑھ گئی تھی اور یہ رویا اسی کی طرف اشارہ تھا۔

قرآن پاک کی خدمت کی یہ سعادت نہ صرف معنوی حیثیت سے حاصل فرمائی بلکہ لفظ و معنیٰ دونوں حیثیتوں سے وہ حافظ تھے اور بڑے جید حافظ و قاری تھے اور فنون تجوید و قرات کے بڑے ماہر اخیر زمانہ میں پانی پت کے قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ کی برکت سے قراءت سے ایک خاص مناسبت حاصل ہو گئی تھی۔ مولانا ایک دفعہ جب پانی پت گئے تو لوگوں نے ان کو بالقصد کسی جہری نماز میں امام بنا دیا۔ مولانا نے بے تکلف کسی تصنع کے بغیر ایسی قرارت فرمائی کہ قاریوں نے تعریف کی کہ صحتِ مخارج کے ساتھ تکلف کے بغیر اس قدر مؤثر قرارت نہیں سنی، مولانا کی قرارت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مخارج کی پوری صحت ہوتی تھی لیکن لہجہ میں عام قاریوں کی طرح بناوٹ نہ تھی اور نہ تحسین آواز کے لئے بتکلف اتار چڑھاؤ ہوتا تھا بلکہ فطری آواز بلا تکلف حسبِ موقع گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور تاثیر میں ڈوب کر نکلتی تھی کہ ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

ا۔ تجوید و قرارت و متعلقاتِ علوم قرآنی

علوم القرآن میں سے یہ پہلا فن ہے مولانا نے اس فن پر حسب ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں

۱۔ جمال القرآن یہ فنِ تجوید کا رسالہ ہے جس میں قرآن مجید کو ترتیل اور تجوید سے پڑھنے کے مسائل ہیں، مخارج اور صفاتِ حروف، اظہار واخفاء، ابدال وادغام تفخیم و ترقیق اور وقف و وصل کے مسائل درج فرمائے ہیں۔

۲۔ تجوید القرآن اس مختصر منظوم رسالہ میں بچوں کی یاد کے لئے تجوید کے عام مسائل لکھے ہیں۔

۳۔ رفع الخلاف فی حکم الاوقاف، اوقافِ قرآنی کے بارے میں قاریوں میں جو اختلاف ہے اس رسالہ میں اس کی توجیہ و تطبیق کی صورت بیان کی گئی ہے۔

۴۔ وجوہ المثانی، اس میں قرآن شریف کی مشہور قراءتوں کے اختلافات کو قرآنِ پاک کی سورتوں کی ترتیب سے سلیس عربی میں جمع فرمایا ہے اور اخیر میں تجوید و قراءت کے کچھ قواعد تحریر فرمائے ہیں،

۵۔ تنشیط الطبع فی اجراء السبع، قراءت سبع اور اس فن کے رواۃ کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

۶۔ زیادات علی کتب الروایات، اس میں قراءت کی غیر مشہور روایتوں کی سندیں ہیں، یہ وجوہ المثانی کے اخیر میں بطور ضمیمہ ہے۔

۷۔ ذنابات لما فی الروایات۔ یہ اگلے رسالہ کا ضمیمہ ہے۔

۸۔ یادگار حق القرآن اس میں قرآن مجید کے آداب اور تجوید کے مسائل کا مختصر بیان ہے، یہ تجوید القرآن کا اختصار اور ضمیمہ ہے۔

۹۔ متشابہات القرآن للتراویح۔ رمضان میں قرآن پاک کے حفاظ کو تراویح میں قرآن سنانے میں بعض مشہور مقامات پر جو متشابہات لگتے ہیں، ان سے بچنے کے ان میں چند قواعد کلیہ یعنی گر بعض آیات کے ضبط فرمائے گئے ہیں۔

۱۰۔ آداب القرآن۔ قرآن پاک کی تلاوت کے آداب، اور تلاوت کرنے والوں کی کوتاہیوں

کی اصلاح کے لئے ہدایات و تنبیہات ہیں۔

۲۔ ترجمہ و تفسیر قرآن

ا۔ ترجمہ ، قرآن پاک کا سلیس و با محاورہ اردو ترجمہ جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی ہے جس سے حقیر کی منظر میں بڑے بڑے ترجمے خالی ہیں، قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے، لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے، اس لئے عام اردو خوانوں کی فہم سے باہر ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ میں دونوں خوبیاں یکجا ہیں، یعنی ترجمہ اور زبان فصیح ہے، اس ترجمہ میں ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اس زمانہ میں کم فہمی یا ترجموں کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں ان کا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی ان ترجموں کے پڑھنے سے پیش نہ آئیں، اور پھر قرآن پاک کے لفظوں سے عدول بھی ہونے نہ پائے۔ اسی لئے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین میں ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہیں، یہ مولانا کی عظیم الشان خدمت ہے۔

۲۔ تفسیر بیان القرآن ، یہ بارہ جلدوں میں قرآن پاک کی پوری تفسیر ہے جس کو ڈھائی سال کی مدت میں مولانا نے تمام فرمایا ہے، اس تفسیر کی حسب ذیل خصوصیتیں ہیں۔
سلیس و بامحاورہ حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ، نیچے ف کے اشارہ فائدہ سے آیت کی تفسیر میں روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے، فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے لغات اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق فرمائی گئی ہے، شبہات اور شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کئے گئے ہیں، تمام کتب تفسیر کو سامنے رکھ کر ان میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے، ذیل میں اہل علم کے لئے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات

حل کئے گئے ہیں، اور حاشیہ پر عربی میں اعتبارات وحقائق اور معارف الگ لکھے گئے ہیں، ماخذوں میں غالباً سب سے زیادہ آلوسی بغدادی حنفی کی تفسیر روح المعانی پر اعتماد فرمایا گیا ہے، یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقتۃً مفید ہے کہ تیرھویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے، اس لئے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے، اور مختلف ومنتشر تحقیقات اس میں یکجا مل جاتی ہیں۔

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اردو تفسیریں صرف عوام اردو خوانوں کے لئے علماء لکھتے ہیں یہی خیال مولانا کی اس تفسیر کے متعلق بھی علماء کو تھا، لیکن ایک دفعہ اتفاق سے مولانا کی یہ تفسیر مولانا انور شاہ صاحب نے اٹھاکر دیکھی تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اردو میں یہ تفسیر عوام کے لئے ہو گی، مگر یہ تو علماء کے دیکھنے کے قابل ہے، خود میرا خیال یہ ہے کہ قدیم کتب تفسیر میں راجح ترین قول مولانا کے پیش نظر رہا ہے، ساتھ ہی ربط آیات وسور کا ذوق مولانا کو ہمیشہ رہا ہے، اور اس کا لحاظ اس تفسیر میں بھی کیا گیا ہے، مگر چونکہ ربطِ آیات کے اصول سب کے سامنے یکساں نہیں، اس لئے وجوہ ربط میں قیاس اور ذوق سے چارہ نہیں، اس لئے ہر مستند ذوق والے کے لئے اس میں اختلاف کی گنجائش ہے، اسی طرح مفسرین کے مختلف اقوال میں سے کسی قول کی ترجیح میں زمانہ کی خصوصیات اور ذوق ووجدان کا اختلاف بھی امر طبعی ہے، اس لئے اگر کلام سلف کے اصول متفقہ سے دور نہ ہو تو تنگی نہ کی جائے۔

۳۔ چونکہ مسلمانوں پر شفقت اور ان کی اصلاح کی فکر مولانا پر بہت غالب تھی، اس لئے وہ ہمیشہ ان کو گمراہیوں سے بچانے میں بجان ودل ساعی رہتے تھے، اردو میں شاہ عبد القادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے جو ترجمے شائع تھے، وہ بالکل کافی تھے، مگر نئے زمانہ میں پہلے سر سید نے بضمن تفسیر اور پھر شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے نئے اردو ترجمے شائع کئے، تو انہوں نے پہلی دفعہ یہ کوشش کی کہ اپنے جدید عقائد کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کریں اور اولین توجہ زبان کی طرف رکھیں، اور اقوالِ سلف کی پروا نہ کریں، اس طرز عمل نے علماء کو مضطرب کر دیا، اور ان کو ضرورت محسوس ہوئی، کہ اس کی اصلاح کی جائے، مولانا نے اپنا ترجمہ اسی ضرورت

سے مجبور ہو کر کیا۔ مگر اسی پر کفایت نہیں کی، بلکہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ کو بغور پڑھا، اور اس کے اغلاط پر نشان دے کر ایک رسالہ اس ترجمہ کی اصلاح پر لکھا جس کا نام اصلاح ترجمہ دہلویہ ہے۔

۴۔ مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی عام اشاعت نے دہلی کے ایک بلند بانگ اخبار نویس مرزا حیرت کو حیرت میں ڈال دیا، اور انہوں نے پہلے تو ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ پر اعتراضات شروع کئے اور پھر اپنا ترجمہ چھپوایا، جس کی نسبت عام طور سے مشہور ہے کہ وہ لکھنؤ کے ایک عالم کا کیا ہوا ہے، لیکن نام سے وہ مرزا صاحب کے چھپا ہے، کیونکہ مرزا صاحب خود عربی سے نابلد تھے، بہر حال مولانا نے اس ترجمہ کے اغلاط کی اصلاح پر بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام اصلاح ترجمہ حیرت ہے۔

۵۔ بعض معاصر علماء نے اردو میں قرآن شریف پر حواشی لکھے ہیں، جن میں ربط آیات کا خاص طور سے اظہار کیا گیا ہے، اور آیات کو بتاویل و اعتبار سیاسی مسائل پر منطبق کیا ہے اور اس تاویل و اعتبار میں کہیں کہیں حد اعتدال سے قلم باہر نکل گیا ہے، مولانا نے ان تاویلات بعیدہ پر تنبیہات لکھیں، جن کا نام التقصیر فی التفسیر ہے۔

۶۔ لاہور کے ایک بزرگ نے قرآنی مطالب کو کئی جلدوں میں تفصیل البیان فی مقاصد القرآن کے نام سے جمع کیا ہے، اس کے مؤلف کی درخواست پر اس میں جو شرعی نقائص نظر آئے وہ مولانا نے الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان کے نام سے ظاہر فرمائے۔

۷۔ مولانا کے خاندان کی بعض لڑکیوں نے مولانا سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا، اور اکثر آیات کی تفسیر و تقریر کو تحریر میں ضبط کر لیا تھا، وہ ایک مجموعہ ہو گیا اور اس کا نام تقریر بعض البنات فی تفسیر بعض الآیات رکھا مگر چھپا نہیں۔

۸۔ رفع البناء فی نفع السماء اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً کی تفسیر ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے کیا کیا فائدے ہیں، یہ درحقیقت ایک سوال کے جواب میں ہے۔

۹۔ احسن الاثاث فی النظر الثانی فی تفسیر المقامات الثلث۔ سورۂ بقرہ کی تین آیتوں کی تفسیر پر نظر ثانی فرمائی ہے۔

۱۰۔ اعمالِ قرآنی، قرآن مجید کی بعض آیات کے خواص جو بزرگوں کے تجربوں میں آئے، ان کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۱۔ خواص فرقانی۔ اس کا موضوع بھی وہی ہے، اس کا ایک اور حصہ ہے، جس کا نام آثار تبیانی ہے، ان رسائل سے مقصود عوام کو ناجائز غیر شرعی تعویذ گنڈوں اور عملیاتِ سفلی سے بچاکر قرآنی آیات کے خواص کی طرف ملتفت کرنا ہے۔ اور اس قسم کے بعض خواص احادیث میں بھی مروی ہیں۔

۳۔ علوم القرآن

علوم القرآن کے متعلق مختلف مباحث و مسائل تو مولانا کی ساری تصانیف، مواعظ ملفوظات اور رسائل میں ملتے ہیں، اگر ان کو کوئی یکجا کر دے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو جاوے مگر ان پر مستقل طور پر بعض کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں سے اول سبق الغایات ہے۔

۱۔ سبق الغایات فی نسق الآیات، یہ قرآن پاک کے آیات و سور کے ربط و نظم پر عربی میں ۱۵۶ صفحوں کی کتاب ہے جس کو ۱۳۱۶ھ میں ڈھائی مہینوں میں تصنیف فرمایا، اس میں مولانا نے سورۂ فاتحہ سے سورۃ الناس تک تمام سورتوں اور ان کی آیتوں کے ربط پر کلام فرمایا ہے، اور اس کا بڑا حصہ امام رازی کی تفسیر کبیر اور مفتی ابو السعود بغدادی المتوفی ۹۵۱ھ کی ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا القرآن الکریم سے ماخوذ و مستنبط ہے، جس کی تصریح کتاب کے دیباچہ میں کر دی گئی ہے، ان دو کے علاوہ مولانا نے خود اپنے اضافوں کو "قال المسکین" کہہ کر بیان فرمایا ہے، یہ حصہ بھی اچھا خاصہ ہے، اور اخیر کی سورتوں میں زیادہ تر اضافات ہی ہیں۔

جن میں مؤلف نے ان سورتوں کے موضوع اور عمود کی تعیین فرمائی ہے، چونکہ یہ امور زیادہ تر ذوقی ہیں، اس لئے ان ذوقیات کی نسبت ہمیشہ رائیں مختلف ہوسکتی ہیں، تاہم ان سے مولانا کے ذوقِ قرآنی کا اندازہ بہت کچھ ہوسکتا ہے۔

تفسیر البیان میں بھی ربط ونظم پر گفتگو التزام کے ساتھ کی گئی ہے۔

۲۔ اشرف البیان لما فی علوم الحدیث والقرآن، مولانا کے چند مواعظ سے اُن کے ایک معتقد وخادم نے ان اقتباسات کو یکجا کر دیا ہے جن میں آیاتِ قرآنی اور احادیث کے متعلق لطیف نکات وتحقیقات ہیں، افسوس ہے ورنہ اس کام کو اگر زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کیا جاتا تو اس کے کئی حصے مرتب ہوسکتے تھے۔

۳۔ دلائل القرآن علی مسائل النعمان، مولانا کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا، وہ ظاہر ہے، ان کا مدت سے خیال تھا کہ احکام القرآن ابوبکر جصاص رازی اور تفسیراتِ احمدیہ ملاجیون کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوقِ قرآنی سے ان آیات اور ان کے متعلق مباحث ودلائل کو یکجا کردیں جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط واخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پاسکا، آخر میں یہ خدمت انھوں نے اپنے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ ان کی ہدایات کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں، چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہوگئے جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے، تو خانقاہ امدادیہ میں جا کر خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکتے ان کو یاد آجاتے تھے، بیان فرماتے اور جناب مفتی صاحب اس کو اپنے مقام پر آکر قلمبند فرمالیتے، یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی، کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا، اور کام ناتمام رہ گیا[1]۔

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی روایت میں نے سنی ہے جن کو خود بھی ماشاء اللہ قرآنِ پاک کے فہم کا ذوق ہے، وہ نقل کرتے تھے کہ مجلس میں مولانا ان آیات پر جب گفتگو فرماتے تھے۔

---

[1] (حضرتؒ کی وفات کے بعد یہ کتاب چار جلدوں میں شائع ہوئی)

اور فقیہانہ دقتِ نظر سے کسی حنفی مسئلہ کی صحت پر استدلال کرتے تھے تو اچنبھا ہوتا تھا، کہ یہ مسئلہ اس میں موجود تھا، لیکن اب تک اُس پر اس حیثیت سے نظر نہیں پڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا۔ اسی کے ساتھ وہ مفتی صاحب موصوف کے حافظہ کی تعریف کرتے تھے، کہ مولانا سے سُن کر اپنے مستقر پر پہونچ کر اس کو بعینہٖ اسی طرح قلمبند کر لیتے تھے، جس طرح مولانا نے اس کی تقریر فرمائی تھی۔

۴۔ تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبادات، تفسیر بیضاوی میں حروفِ مقطعات کا جو مجمل و مغلق بیان ہے، اس رسالہ میں بزبان عربی اس کو آسان کر کے بیان کیا گیا ہے۔ جس سے حروف مقطعات کی تاویل کا ایک طریق معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ ۶ مولانا کے دو رسالے علم القرآن سے متعلق اور ہیں اور ان دونوں کا تعلق سلوک سے ہے ایک کا نام مسائل السلوک من کلام ملک الملوک اور دوسرے کا نام تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ ہے۔ ان دونوں رسالوں کا موضوع قرآن پاک کی ان آیتوں کی تفسیر ہے، جن سے سلوک کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، اس دوسرے رسالہ کی بنا ایک سابق مؤلف کی تالیف ہے جس کا قلمی رسالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۲۷ھ میں بہاولپور میں ملا تھا، اس پر مزید اضافہ کر کے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے۔

۳۔ علوم الحدیث

حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کو علوم الحدیث میں جو مہارت حاصل تھی، اس کی شہادت ان کے مواعظ و رسائل اور تالیفات کے ہزاروں صفحات دے رہے ہیں، جن میں بے شمار احادیث کے حوالے، اشارے اور تلخیصات، ان کے مشکلات کی شرح، ان کے دقیق مطالب کے حل اور ان کے نکات و لطائف کا بیان ہے، خصوصیت کے ساتھ شیخ کے مواعظ میں جو زبانی تقریریں ہیں، برمحل حدیثوں کے حوالے اور اکثر احادیث کے بعینہٖ الفاظ مع ان کی

تخریجات اور کتابوں کے حوالوں کے، اس کثرت سے ہیں، کہ ان کو دیکھ کر کسی انصاف پسند کو ان کے حافظ الحدیث ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد اُن کی اُن تصانیف کو لیجئے جو گو فقہ و فتاویٰ اور احکام و مسائل یا اصلاحِ رسوم اور سلوک میں ہیں، لیکن ان کی بنیاد احادیث پر ہے، اُن میں احادیث کے حوالے دلائل کی مضبوطی اور صحتِ بیان کی تائید و شہادت کے لئے آئے ہیں، جو مؤلف کے علم و معرفت پر دلیلِ قاطع ہیں۔

حضرت حکیم الامۃ کو فنِ سلوک کی تجدید کی جو توفیق عنایت ہوئی تھی، اس کا ایک مبارک اثر یہ ہے کہ حضرت نے احادیث کی کتابوں سے ان تمام حدیثوں کو یکجا فرمایا جن میں اس فنِ شریف کے مسائل متفرق تھے، اگرچہ بعض حضرات محدثین نے اپنی کتابوں میں بعض ابواب زہد و رقاق کا تذکرہ کیا ہے، تاہم ان کی حیثیت فن کی نہیں، قدماء میں سے صرف ایک بزرگ حضرت امام عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ کا نام ہم کو معلوم ہے، انھوں نے کتاب الزہد و الرقاق کے نام سے مستقل تصنیف فرمائی ہے، مگر یہ ہیچمدان اس کی زیارت سے محروم رہا ہے اس لئے اس کی نسبت کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مگر قیاس یہ ہے کہ وہ ابن ابی الدنیا کی کتاب کی طرح زہد و رقاق اور مذمتِ دنیا کے مضامین کی احادیث پر مبنی ہوگی۔

اہلِ سلوک نے جن روایات احادیث سے کام لیا ہے وہ عموماً ضعیف بلکہ موضوع تک ہیں، اسی لئے علمائے سلوک کو اس فن میں کمزور سمجھا گیا ہے، اور اسی بناء پر اہلِ حدیث و روایت نے یہ بر خود غلط خیال قائم کر لیا ہے کہ فنِ سلوک اور اس کے مسائل احادیثِ نبویؐ سے ثابت نہیں، اور صدیوں سے ان کا یہ اعتراض قائم تھا، گو بعض محدثین نے ادھر توجہ فرمائی، اور اس سلسلہ میں کچھ کام انجام دیا، مثلاً امام ابن ابی جمرہ اندلسی المتوفی ۶۹۹ھ نے صحیح بخاری کی شرح بہجۃ النفوس کے نام سے لکھی، جس کی پہلی جلد چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس میں اس کا التزام کیا ہے کہ احادیث کی شرح میں سلوک کے مسائل و نکات کی طرف بھی اشارے

کرنے جائیں، حضرت حکیم الامۃ نے اس کام کو مستقل طور سے انجام دیا، اور حقیقۃ الطریقہ من السنۃ الانیقہ، التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف کے نام سے دو کتابیں تالیف کیں۔

حقیقۃ الطریقۃ

۱۳۲۷ھ میں تالیف فرمائی ہے، اور یہ درحقیقت حضرت کی کتاب التکشف بمہمات التصوف کا آخری جزء ہے، اور ساتھ ہی مستقل تصنیف بھی ہے، اس میں تین سو احادیث سے جو عموماً صحاح میں مذکور ہیں سلوک و تصوف کے مسائل کو مستنبط کیا گیا ہے، اور ان کو اخلاق، احوال، اشغال، تعلیمات، علامات، فضائل، عادات، رسوم مسائل، اقوال، توجیہات، اصلاح اور متفرقات کے دس ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، یہ اہلِ علم کے مطالعہ کی خاص چیز ہے۔

التشرف

یہ کتاب چار حصوں میں ہے، ان میں اُن احادیث کی تحقیق ہے جو تصوف کی کتابوں میں یا صوفیہ کے کلام میں آتی ہیں، اور یہ دکھایا ہے کہ اصول و فن حدیث کے رو سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے، اور حدیث کی کس کتاب میں ہے اور جو روایات ان میں دراصل حدیث نہ تھیں، بلکہ عوام نے غلط فہمی سے ان کو حدیث سمجھ رکھا ہے، اگر وہ اقوال نتیجہ کے طور پر کسی دوسری حدیث یا آیت پاک سے ثابت ہیں تو ان احادیث و آیات اور اُن سے ان اقوال کی صحت کے طریق و استنباط پر گفتگو فرمائی۔

حصہ اوّل تشرف میں امام غزالی کی احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج ہے، اس حصہ کا ماخذ زیادہ تر امام عراقی کی تخریج احیاء العلوم ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ احادیث کی دوسری کتابیں ہیں، جن کا ماخذ ہر روایت کے ساتھ بتایا گیا ہے، یہ حصہ ۱۳۴۱ھ میں لکھا گیا ہے، حصہ دوم میں دفتر اوّل مثنوی مولانا روم اور اس کی شرح کلید مثنوی میں آئی ہوئی احادیث و روایات کی تخریج کی گئی ہے، ان احادیث کی تحقیقات زیادہ تر امام سخاوی

کی المقاصد الحسنہ سے التقاط کی گئی ہیں۔ یہ حصہ ۱۳۴۹ھ میں زیر قلم آیا، حصہ سوم وچہارم ان دونوں حصوں میں حافظ سیوطی کی جامع صغیر سے جو احادیث کی ساری کتابوں کا بہ ترتیب حروف تہجی مجموعہ ہے، ان احادیث کو یکجا کیا گیا ہے جن سے مسائلِ سلوک مستنبط ہیں، اور ان کو بہ ترتیب حروفِ تہجی ترتیب دیا گیا ہے، ساتھ ہی تحقیقات خاصہ کا جا بجا اضافہ اور احادیث کے مطالب کی تشریح و تطبیق اور بعض مشکلات کا حل کیا گیا ہے، حصۂ سوم صرف الف کی روایتوں پر مشتمل ہے، اور ۱۳۵۰ھ میں ترتیب پایا ہے، اور حصۂ چہارم میں بقیہ حروف کی روایتیں ہیں، اور وہ محرم ۱۳۵۲ھ میں تکمیل کو پہنچا ہے۔

جامع الآثار

حضرات اہلِ حدیث کے اس فرقہ کی طرف سے جو غالی ہے، اکثر حضراتِ حنفیہ پر یہ طعن کیا گیا ہے کہ حنفی مسائل کی تائید میں احادیث بہت کم ہیں، اور چونکہ کتبِ حدیث زیادہ تر محدثین اور حضرات شوافع کی تالیف ہیں، اس لئے ان میں حنفیہ کی مؤید حدیثیں یکجا نہیں ہیں، گو امام محمد کی مؤطا اور آثار اور قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار اور مسند ابی حنیفہ مرتبہ خوارزمی اور امام طحاوی کی تصانیف سے ان کا جواب دیا جاتا رہا ہے، مگر کتبِ صحاح و مسانید و مصنفات سے جو رائج اور محدثین میں مقبول ہیں چن کر ان احادیث و روایات کو یکجا نہیں کیا گیا تھا جن سے مسائل حنفیہ کی تائید ہوتی تھی،

یہ ضرورت گو ہمیشہ سے تھی، مگر اس زمانہ میں اہلِ حدیث کے ظہور و شیوع سے اس ضرورت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، چونکہ اس تحریک کا آغاز پورب (عظیم آباد پٹنہ) سے ہوا۔ اسی لئے اس ضرورت کا احساس بھی پہلے یہیں کیا گیا، چنانچہ حضرت مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد بن علی ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی نے آثار السنن کے نام سے کتبِ حدیث سے التقاط کر کے اس قسم کی حدیثوں کو شائع کیا، اس کے دو ہی حصے شائع ہو سکے، اس کا دوسرا حصہ ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوا،

علمائے احناف نے اس کتاب کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا، یہاں تک کہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ میں مدرسۂ امینیہ دہلی میں مدرس تھے، اس کی مدح میں عربی قصیدے لکھے، افسوس ہے کہ مولانا نیموی کی وفات سے ان کا یہ کام ناتمام رہا۔

احیاء السنن

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور احیاء السنن کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر رکھی لیکن افسوس کہ اس کا مسودہ ضائع ہو گیا۔

جامع الآثار

کچھ دنوں کے بعد پھر اس موضوع کا خیال آیا، اور دوبارہ ایک جدید اسلوب پر اس قسم کی حدیثوں کا مجموعہ جامع الآثار کے نام سے مرتب فرمایا، لیکن یہ سلسلہ ابواب الصلوٰۃ سے آگے نہیں بڑھا، تاہم جتنا مرتب ہو گیا، وہ چھپ کر شائع ہو گیا۔

تابع الآثار

یہ بھی اسی موضوع پر ہے، اور اس کو جامع الآثار کا ضمیمہ بنایا گیا

احیاء السنن کا احیاء

۱۳۳۱ھ میں یہ خیال ہوا کہ یہ کام اتنا بڑا ہے، کہ حضرت والا خود اس کام کو تنہا انجام نہیں دے سکتے، اس لئے یہ قرار پایا کہ اس کے لئے بعض مستعد علماء کو رکھ کر کام لیا جائے، چنانچہ مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا، انھوں نے کام شروع کیا، جو کام وہ کرتے جاتے مولانا کی نگاہ سے گزارتے جاتے تھے، اس طور سے کتاب الحج تک کام ہوا، اور اس کا نام دوبارہ احیاء السنن رکھا گیا تاکہ مرحوم احیاء السنن کی یادگار ہو، اس کے دو حصے شائع ہوئے تھے کہ بعض اسباب سے اس کتاب کے بعض مضامین سے مولانا کی تشفی نہیں ہوئی، اور اس پر استدراک لکھوانے کا خیال ہوا، اور آئندہ کام کے لئے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا انتخاب ہوا ہے

الاستدراک الحسن

مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ کے زیرِ ہدایت اس کام کو بڑی دیدہ ریزی، وسعتِ نظر اور تحقیق و تنقید کے ساتھ انجام دینا شروع کیا، سب سے پہلے احیاء السنن کے شائع شدہ حصہ پر دوبارہ نظر کر کے اس کو الاستدراک کے نام سے شائع کیا گیا۔

اعلاء السنن

اس کے بعد احیاء السنن کے نام کو بدل کر اعلاء السنن کے نام سے اس کام کو شروع کیا گیا، اور اس وقت تک اس کی بارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں[1] جن میں مذہب حنفی کی مؤید حدیثوں کو بڑے استیعاب کے ساتھ جمع کیا گیا، اور محدثین اور اہلِ فن کی تحقیقات اس کے شروح و حواشی میں یکجا کئے گئے ہیں۔

الخطب الماثورہ من الآثار المشہورہ

جمعہ و عیدین کے خطبوں میں اس درجہ تکلف و تصنع اور مضامین کے ابتذال سے کام لیا گیا ہے، کہ یہ بازاری خطبے زبان اور طرزِ ادا اور مضامین و مطالب کے لحاظ سے عہد نبوت اور خلافتِ راشدہ کے اسلوب سے ہٹ کر بلغاء اور خطباء کے اظہار قابلیت کا دنگل بن کر رہ گئے ہیں، حکیم الامۃ کی اصلاحی نظر سے محراب و منبر کا یہ گوشہ بھی مخفی نہیں رہا، چنانچہ الخطب الماثورہ من الآثار المشہورہ کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبات کو احادیث صحیحہ سے انتخاب فرما کر ایک جگہ جمع کر دیا، تاکہ خطبائے مساجد ان مسنون خطبوں کو پڑھ کر ان تکلفاتِ باردہ کے گناہ سے محفوظ رہیں۔

خطبات الاحکام

جمعہ اور عیدین کے پچاس خطبوں کا یہ مجموعہ تالیف فرمایا، جس میں احادیث و آثار و آیات سے ترغیب و ترہیب کے مضامین کے علاوہ عقائد و اعمال و اخلاق کے مضامین درج فرمائے۔

مناجاۃ مقبول:۔ احادیث میں وارد شدہ اوراد و اذکار مسنونہ کے لئے حصن حصین و حزبِ اعظم ملا علی قاری

---

[1] بعد میں یہ کتاب اٹھارہ جلدوں میں بزبان عربی طبع ہو کر شائع ہوئی۔

وغیرہ کتابیں رواج پذیر ہیں، مگر وہ طویل ہونے کی وجہ سے سب کے کام کی نہیں، حضرتؒ نے عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ان سب سے تلخیص کر کے مناجات مقبول قربات عند اللہ وصلوات الرسول کے نام سے ایک مختصر مجموعہ تالیف فرمایا ہے جو اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بیحد مقبول ہے۔

۵ علوم الفقہ

حضرت حکیم الامتؒ کو مسائل فقہیہ کی تلاش و تحقیق کا خاص ذوق تھا، اور یہ ذوق ان کو اپنے شیوخ و اساتذۂ کرام سے ورثہ میں ملا تھا، چنانچہ ابھی وہ تعلیم سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے، کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فتوٰی نویسی کی خدمت لینی شروع کردی تھی، اگر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات کا آغاز ۱۳۰۱ھ سے بھی کیا جائے تو ۱۳۶۲ھ تک بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے ساٹھ سال اس فن شریف کی خدمت میں بسر کئے، اس طویل عرصہ میں ہزاروں مسئلوں کے جواب دیئے، ہزاروں فتوے اور سینکڑوں چھوٹے بڑے فقہی رسالے لکھے، متعدد ضخیم جلدوں میں امداد الفتاوٰی اور تمتہ امداد الفتاوٰی کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوٰی کے مجموعے جمع کئے گئے، جس کی نظیر ہندوستان میں کم از کم نہیں ملتی، ذالك فضل الله يؤتيه مَنْ يّشاءُ

حوادث الفتاوٰی کے نام سے اُن فتاوٰی کا مجموعہ ہے جو اس زمانہ کے نئے مسائل اور نئے موضوعات سے متعلق ہیں، جن کے جوابات گذشتہ کتب فتاوٰی سے بآسانی حاصل نہیں کئے جاسکتے۔

بہشتی زیور کی دس جلدیں جو گو عورتوں کی ضروریات کے لئے ہیں، مگر ان میں تمام ابواب فقہیہ کے مسائل مندرج ہیں، جن کے جوابات ہندوستان کے حالات اور ضروریات اور اصلاحات کے مطابق صرف انہی کتابوں سے معلوم ہوسکتے ہیں۔

ترجیح الراجح، یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلف صالحین میں تو ملے گی، مگر متاخرین کے یہاں یہ سلسلہ بالکل مسدود ہے، اس مجموعہ میں حضرت حکیم الامت نے اپنے ان مسائل کو جمع فرمایا ہے، جن میں از خود یا کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامح نظر آیا، تو اس سے رجوع فرما کر

مسئلہ کی مزید تحقیق فرماکر تصحیح کر دی، یہ سلسلہ حضرت کی انصاف پسندی، تواضع اور عدم نفسانیت کا بیّن ثبوت ہے، یہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات تابعین و تبع تابعین، اور مجتہدینِ عظام کا طریق تھا، جس کو اس زمانہ میں حضرت حکیم الامۃ نے زندہ کیا، اور اپنے کو بارِ آخرت سے بچایا۔

فتاویٰ اشرفیہ کے نام سے مسائل دینیہ کے تین حصّے الگ شائع ہوئے جو مختصر رسائل ہیں۔

بہشتی گوہر، بہشتی زیور کے سلسلہ کا مردانہ حصہ ہے جس میں خاص طور سے ان مسائل کا بیان ہے جو مردوں سے خاص ہیں، جیسے جمعہ، جماعت، عیدین وغیرہ۔

ان کے علاوہ مسئلۂ حجاب، مسئلۂ ربا، مسئلۂ رشوت، مسئلۂ بنک، سینما اور فلم اور ریڈیو وغیرہ کے مسائل پر فقہی تحقیقات ہیں، اور بعض موضوعات پر بار بار کئی رسالے تالیف فرمائے۔

۶۔ علم کلام

علم کلام و عقائد اور توحید پر متعدد رسالے قلم بند فرمائے، جو شائع و ذائع ہیں، خاص نئے زمانہ کے حالات کا خیال کر کے خود چند کتابیں تالیف فرمائیں، اور دوسروں سے ترجمہ کرائیں، مثلاً

اسلام اور سائنس کے نام سے الحصون الحمیدیہ کا مولانا اسحاق صاحب سے ترجمہ کرایا، یہ عربی کی ایک جدید کلامی تصنیف ہے، اس کے مصنف علامہ جسری ہیں، جنھوں نے سلطان عبد الحمید خاں کے عہد میں اس کو ملک شام میں تصنیف فرمایا تھا، اور جو نئے حلقوں میں بہت پسند کیا گیا تھا، اس کی خاص صفت یہ ہے کہ اس میں تاویل فاسد کا دروازہ نہیں کھولا گیا ہے،

المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ تین حصوں میں ترتیب پایا ہے، جس میں اسلامی احکام و مسائل کے مصالح و حکم بیان کئے گئے ہیں، پہلے حصہ میں نماز و زکوٰۃ، دوسرے میں روزہ، عیدین،

صدقۂ فطر، قربانی، حج، نکاح وطلاق اور غلامی وغیرہ کے مسائل کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں تیسرے حصّہ میں خرید وفروخت ومعاملات، حدود وقصاص، فرائض، عذابِ قبر اور معاد کے متعلق اسلامی تعلیمات کے مصالح ہیں۔

الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ۔ یہ بھی علم کلام ہی کا باب ہے، اس میں جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے مذہبی خدشوں اور وسوسوں کے تشفی بخش جوابات درج ہیں[1]۔

اشرف الجواب بھی اسی قسم کا ایک مجموعہ ہے جو مواعظ وملفوظات سے جمع کیا گیا ہے جس میں بہت سے نئے اور پرانے شبہات اور خطرات کے جوابات فراہم کئے گئے ہیں۔

۷۔ علم سلوک وتصوف

علم سلوک وتصوف روح شریعت کا نام ہے جس میں اخلاص دین اور اعمال قلب کے احکام اور دقائق سے بحث کی جاتی ہے، قدماء صوفیہ نے اس فن پر جو کتابیں لکھی ہیں، مثلاً رسالۂ قشیریہ امام قشیری، قوت القلوب ابوطالب مکی، کتاب اللمع ابونصر عبداللہ بن علی سراج الطوسی، کتاب الصدق ابوسعید خزار، فتوح الغیب شیخ سہروردی اور غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی اور متاخرین میں تصانیفِ امام شعرانی، ان کو پڑھنے سے اس فن کی جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے افسوس ہے کہ مصنوعی اور دکاندار صوفیہ اور مبتدعہ کی تلبیس نے اس پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ بدعات کا مجموعہ، بلکہ بطلان وضلالت کا ذخیرہ معلوم ہوتا ہے، پھر ہندوستان میں ہندوؤں کے جوگ اور ویدانت کے اثر سے اس میں بہت سے ایسے مسائل شامل ہو گئے جو اسلام کی روح کے تمام تر منافی ہیں، حتّٰی کہ وحدتِ وجود، وحدتِ شہود ولطائف ودوائر کے مباحث واعمال بھی اصل فن سے قطعاً الگ ہیں، جو یا تو علم کلام وفلسفہ یا اوہام وخیالات واحوال سے وابستہ ہیں جن کا تعلق نفسیات سے ہے۔

---

[1] آجکل کے تعلیم یافتہ حضرات کے مطالعہ کیلئے بےنظیر کتاب ہے اس کا انگریزی ترجمہ بھی اب شائع ہو گیا ہے۔

اصل شئے جو اخلاص فی الدین، طلب رضا حصول قرب اور اعمال و اخلاق قلب و مقامات ہیں اور جن سے مقصود رذائل سے پاکیزگی اور فضائل سے آراستگی ہے تمام تر متروک ہو گیا تھا صدیوں کے بعد حضرت حکیم الامۃؒ کے تجدیدی مساعی نے اس فن کو پھر سلف صالحین کے رنگ میں پیش کیا، اور ہر قسم کے اضافوں اور آمیزشوں سے پاک کر کے کتاب و سنت کے نور میں اس تاریک زمانہ کے اندر پھر ظاہر کیا اور زبان و قلم سے ان مسائل پر اتنا کچھ لکھا اور بیان فرمایا کہ اب طالب پر اصل طریق کا کوئی گوشہ اندھیرے میں نہیں رہا و للہ الحمد !

اس سلسلے میں پہلی چیز قصد السبیل ہے جو پچاس ساٹھ صفحوں کا مختصر رسالہ ہے لیکن اس کوزہ میں دریا بند ہے، فن سلوک کے وہ تمام حقائق و تعلیمات جو سالہا سال میں معلوم ہو سکتے ہیں اور جن کے نہ جاننے سے سالکین و طالبین غلط راستوں پر پڑ کر منزل مقصود کو گم کر دیتے ہیں اس میں لکھ دیئے گئے ہیں، اگر کوئی طالب صادق صرف اسی ایک رسالہ کی تعمیل و تکمیل میں عمر صرف کر دے تو اس کے لئے انشاء اللہ کافی و وافی ہے۔

جاہل پیروں اور دکاندار صوفیوں نے ایک مسئلہ یہ گھڑا ہے، کہ شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں، اور اس زور شور سے اس کو شہرت دی ہے کہ عوام تو عوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا ہے حالانکہ یہ تمامتر لغو اور بے معنی ہے، حضرت حکیم الامۃ نے تمام عمر لوگوں کو یہی تلقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے، احکام الٰہی کی باخلاص تمام تعمیل و تکمیل ہی کا نام طریقت ہے، اور یہی خواص امت کا مذہب ہے، اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فن سلوک سے ناآشنا ہے، اس بارگاہ کے ایک حلقہ بگوش کا شعر ہے۔

اب تو مے نوشی ہے عین شرع بر فتوائے شیخ
اب وہی ہوگا فقیہ شہر جو مے نوش ہے

حضرت حکیم الامۃؒ نے اس فن کے مسائل کو سب سے پہلے کلام پاک سے مستنبط فرمایا، اور اس کے متعلق مسائل السلوک من کلام ملک الملوک اور تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ نام کے دو رسالے

تالیف فرمائے ہیں، جن کا ذکر اوپر گذر چکا، پھر ان مسائلِ سلوک کی تشریح فرمائی جن کا ماخذ احادیث نبوی اور سنتِ صحیحہ ہے، اور یہ التشرف اور حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقۃ میں مدون ہیں، اہلِ تحقیق کے لئے اس فنِ شریف پر ایک جامع کتاب التکشف عن مہمات التصوف تالیف فرمائی، جو پانچ حصوں میں منقسم ہے، یہ حقیقتِ طریقت، حقوقِ طریقت، تحقیق کرامت اور دیگر مضامین تصوف پر مشتمل ہے۔

طریق اور سلوک کے اسرار و رموز اس قدر دقیق اور نازک ہیں کہ ذرا ان کے سمجھنے میں بے احتیاطی کی جائے، تو ہدایت کے بجائے وہ ضلالت کا ذریعہ بن جائیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی "مثنوی معنوی" جو سرود نواز حقیقت ہے، خاص اہمیت رکھتی ہے، اور اسی لئے وہ اس سلسلہ کے اکابر کے خانقاہی درس میں رہی ہے، حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ کو اس سے خاص ذوق تھا، اور وہ بھی خاص خاص لوگوں کو اس کا درس دیتے تھے، چنانچہ حضرت حاجی صاحب کے ایما سے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری نے بڑے اہتمام سے اس کا حاشیہ لکھا، اور منشی رحمت اللہ رعد مرحوم کے مطبع نے اس کو چھاپا، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا بحر العلوم کے بعد مثنوی کی حکیمانہ شرح اس سے بہتر نہیں لکھی گئی۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے حضرت حکیم الامۃؒ نے اس مثنوی کی خدمت محض فن کی حیثیت سے فرمائی، سلوک کے مسائل، طریقت کی تعلیمات اور مثنوی کے بیانات کی قرآن وحدیث سے اس خوبی کے ساتھ کلید مثنوی میں تطبیق فرمائی کہ اب فن کا مبتدی بھی چاہے، تو اس کلید کے ذریعہ سے مثنوی کے خزانہ کو کھول سکتا ہے۔

دیوان حافظ کی پر جوش و مرد افگن شراب نے بھی بہت سے بے احتیاط مے نوشوں کو راہ سے بے راہ کر دیا تھا، بد گمانوں کو تو اس شرابِ معرفت پر شیراز کے بادۂ انگور کا شبہ ہوا، اور بے احتیاط خوش گمانوں نے اس سے اباحت کی تعلیم حاصل کی کہ

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ⁂ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

حضرت حکیم الامتؒ کی معرفت اس تیز و تند شراب کے "منافع واثم" سے پوری طرح باخبر تھی، حضرت نے عرفانِ حافظ کے نام سے اس کی ایسی شرح لکھی، کہ اس پھول سے ہر کانٹا الگ ہو گیا۔

ساقی پلا پھول تو کانٹا نکال کے

طالبین وسالکین کی تعلیم وتربیت کے لئے تربیۃ السالک وتنجیۃ الہالک کا سلسلہ الگ مرتب فرمایا جس میں سالکین کے مشکلاتِ راہ، ذاکرین وشاغلین کے شبہات وخطراتِ راہ کے لئے ہدایات مندرج ہیں، یہ کہنا بے جا نہیں کہ علوم مکاشفہ ومعاملہ کے متعلق کلیات وجزئیات اور احوال شخصی پر ایسی حاوی کتاب کی نظیر تصوف کے سارے دفتر میں موجود نہیں، ۱۲۷۲ صفحوں میں یہ کتاب تمام ہوئی ہے۔

ایک دوسرا اہم سلسلہ ملفوظات کا ہے، بزرگوں کے ملفوظات مرتب کرنے کی رسم قدیم زمانہ سے قائم ہے، یہاں تک کہ چشتیہ حضرات میں حضرت سلطان خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی رحمہم اللہ تعالےٰ کے ملفوظات بھی موجود ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اہلِ شوق اس کام کو پورے استیعاب سے نہ کر سکے، کیونکہ ان اکابر کے جو ملفوظات قلم بند ہو سکے، وہ چند سال بلکہ چند ماہ سے زیادہ کے نہیں ہیں، اور نہ ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ لکھنے والوں نے ان کو ان بزرگوں کی نظر کیمیا اثر سے گذارا بھی تھا، تاہم چونکہ لکھنے والے خود اہلِ کمال واہلِ احتیاط تھے، اس لئے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا، اور وہ اس اختصار پر بھی ہمارے لئے بڑی خیر وبرکت کی چیزیں ہیں۔

حضرت حکیم الامتہ کے ملفوظات کا سلسلہ تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل میں مدوّن ہوا ہے، اور ان میں سے ہر ایک ان کی نظر سے گذار کر چھاپا گیا ہے، اور جن میں سے اکثر حسن العزیز وغیرہ ناموں سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، ان ملفوظات میں بزرگوں کے قصے،

سنجیدہ لطیفے، قرآن وحدیث کی تشریحات، مسائل فقہیہ کے بیانات، سلوک کے نکتے
اکابر کے حالات، طالبوں کی ہدایات وتنبیہات، آداب واخلاق کے نکات، اصلاحِ نفس و
تزکیہ کے مجربات وغیرہ اس خوبی ودلچسپی سے درج ہیں کہ اہلِ شوق کے دل اور دماغ دونوں
اس آبِ زلال سے سیراب ہوتے ہیں۔

۸- اصلاحات

حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کے معارف کا یہ آخری باب ہے، اور خاصہ اہم باب ہے،
مسلمانوں کی اصلاح کی جو دقیق نظر اُن کو بارگاہِ الہٰی سے عنایت ہوئی تھی، اس کا اندازہ ان
کی اصلاحی کتابوں سے بخوبی ہوسکتا ہے، اصلاح کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بچوں، طالب علموں
اور عورتوں سے لے کر مردوں اور علماء وفضلاء کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے اور سب کے لئے
مفید ہدایات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، دوسری طرف ان اصلاحات کی وسعت یہ ہے کہ
مجالس ومدارس اور خانقاہوں سے شروع ہوکر شادی وغمی کے رسوم اور روزمرہ کی زندگی
تک کو وہ محیط ہیں، غرض ایک مسلم جدھر اپنی زندگی میں رخ کرے ان کے قلم نے شریعت کی
ہدایات کا پروگرام تیار کر رکھا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت کی سب سے اہم چیز مواعظ ہیں، واعظ تو بحمد اللہ زبانۂ خیر کے بعد
اسلام کی دس بارہ صدیوں میں بے شمار گذرے ہوں گے، مگر شاید واعظین میں ابن نباتہ اور
ائمۂ سلوک میں حضرت شیخ الشیوخ عبد القادر جیلانیؒ کے مواعظ کے سوا کوئی دوسرا مستند اور
مفید مجموعہ موجود نہیں، لیکن یہ ان بزرگوں کے صرف چند مواعظ پر مشتمل ہیں، اللہ تعالیٰ نے
اس اخیر دور میں امتِ اسلامیہ کی اصلاح کے لئے بہت بڑا فضل یہ فرمایا، کہ حضرت کے
مستفیدین کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ حضرت کے مواعظ کو جو مشتہر ہوئے ہیں عین وعظ
کے وقت لفظاً بہ لفظ قید تحریر میں لائیں، اور حضرت کی نظر سے گذار کر ان کو دوسرے مسلمانوں

کے عام فائدہ کی غرض سے شائع کریں، چنانچہ اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ تقریباً چار سو مواعظ جو احکام اسلامی، ردّ بدعات، نصائح دلپذیر اور مسلمانوں کی مفید تدابیر و تجاویز پر مشتمل ہیں اور جن میں حقائق کے ساتھ ساتھ دلچسپیوں کی بھی کمی نہیں مرتب ہوئے، اور اکثر شائع ہوئے اور مسلمانوں نے ان سے فائدے اٹھائے۔

سلسلۂ اصلاح و تربیت میں حضرت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً واعظین صرف عقائد و عبادات پر گفتگو فرماتے ہیں، حضرت ان چیزوں کی اہمیت کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق و معاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر زور دیتے ہیں، بلکہ اپنی تربیت و سلوک کی تعلیم میں بھی ان پر برابر کی نظر رکھتے تھے، حالانکہ عام مشائخ نے اس اہم سبق کو صدیوں سے بھلا دیا تھا۔

حیات المسلمین

مواعظ کے علاوہ اس سلسلہ کی اہم کڑی ان کی کتاب حیٰوۃ المسلمین ہے، جس میں قرآن پاک و احادیث نبویہ کی روشنی میں مسلمانوں کی دینی دنیاوی ترقی و فلاح کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ انھوں نے اپنی ساری تصنیفات میں اس کتاب کی تالیف میں جو محنت اٹھائی، وہ کسی میں نہیں پیش آئی، اور اسی لئے یہ بھی ارشاد ہے کہ میں اپنی ساری کتابوں میں اس کتاب کو اپنے لئے ذریعۂ نجات گمان کرتا ہوں۔

اس سلسلہ کی دوسری کتابیں اصلاح الرسوم، صفائی معاملات، اصلاح امت، اصلاح انقلاب امت وغیرہ ہیں، اور ہر ایک کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کی اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی زندگی، خالص اسلامی طریق اور شرعی نہج پر ہو، اور ان کے سامنے وہ صراط مستقیم کھل جائے، جو ہدایت کی منزلِ مقصود کی طرف جاتا ہے۔

افسوس کہ اس مضمون کو جس استیعاب اور اہتمام کے ساتھ یہ ہیچمدان لکھنا چاہتا تھا، اپنی علالت و عدم صحت کی سبب سے اس کو اس طرح پورا نہ کرسکا، تاہم جو کچھ ہوا وہ اگر مسلمانوں کے لئے فائدہ بخش ثابت ہو تو بہت ہے۔

طوفانِ اشک لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

ہیچمدان سلیمان ندوی
"معارف" اعظم گڈھ

---

[1] علامہ سید سلیمان ندویؒ کا یہ معرکۃ الآرا مضمون رسالہ معارف اعظم گڑھ کے سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق سنہ ۱۹۴۴ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

باب ۱۵

فیضانِ تصانیف

اللہ جل شانہٗ نے ہمارے حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کو اس دورِ حاضر میں مجددیت و مجتہدیت کے منصب پر فائز فرمایا تھا حضرتؒ نے مسلمانوں کی ہر شعبۂ زندگی میں بڑھتی ہوئی دینی و دنیوی تباہیوں اور بربادیوں کو محسوس فرمایا اور ان کی دین سے مغایرت کے اسباب پر نظر ڈالی اور دینی شعور کے بڑھتے ہوئے فقدان کا اندازہ کیا۔ پھر اپنی تمام زندگی مسلمانوں کے رشد و ہدایت اور تبلیغ دین کے لئے وقف کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت واعانت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہمیشہ شامل حال رہی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی حیات ہی میں اپنی مساعی اور کارنامۂ تبلیغ میں نمایاں کامیابی نصیب ہوئی اور ملک کے گوشہ گوشہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تحریری و تقریری فیوض و برکات سے مسلمانوں میں ایک حیاتِ تازہ پیدا ہوگئی جذبۂ اسلامی بیدار ہوگیا اور اکثر و بیشتر مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی میں ایک بہتر انقلاب پیدا ہوگیا۔ اب تک تمام معتبر و مستند علوم دینیہ، عربی و فارسی زبان میں مدوّن تھے مگر اس مجدّدِ وقت کے فیضانِ ایمانی و روحانی سے اردو لٹریچر دینِ مبین کی حیات افروز دولت سے مالامال ہوگیا۔ اور اس کا وقار و معیار معتبر و مستند ہوگیا۔

حضرت والا قدس سرہٗ العزیز کی تصانیف کثیرہ۔ تفسیر واحادیث اور فقہ و تصوف پر مشتمل ہیں اور ملفوظات و مواعظ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ دورِ حاضر کے خاص دینی علوم و فنون کے مبصروں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دینی کارناموں کے پیشِ نظر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کے مجدد ملت، حکیم الامت و حجۃ اللہ فی الارض تھے چنانچہ اظہر من الشمس ہے کہ خواص و عوام کے لئے، علماء و صلحاء کے لئے طالبین و سالکین کے لئے مفید و کارآمد اور بصیرت افروز اعجازی و الہامی مضامین مدتوں تک منجانب اللہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے قلم و زبان سے جاری رہے۔ شریعت و طریقت کے دقائق و حقائق کی تشریح و وضاحت ہوتی رہی الحمد للہ علی ذلک

مسلمانوں کے لئے دین و دنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی سیر حاصل مستند و معتبر تصانیف اور مواعظ و ملفوظات نہ ہوں۔ نصائح و وصایا کا بھی نہایت جامع و نافع مکمل دستور العمل مرتب فرما دیا ہے۔ خود بھی بار بار ارشاد فرمایا ہے۔ بحمد اللہ و بفضلہ تعالےٰ سب ضروری کام ہو گیا ہے۔ صدیوں تک کے لئے دین کا راستہ بے غبار ہو گیا ہے۔ آئندہ نسلوں کے لئے انشاء اللہ تعالےٰ میری ہی تصانیف۔ ملفوظات و مواعظ سے ضروری کام چلتا رہے گا یہ سب حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کا فیض و برکت ہے۔

بعض اہم تصانیف

حضرت قدس سرہ العزیز کی یوں تو تقریباً ایک ہزار تصانیف ہیں اور ہر تصنیف اپنے مقام پر نہایت دقیع، جلیل القدر اور معتبر و مفید ہے مگر میں صرف چند ضروری کتابوں کی طرف توجہ مبذول کراتا ہوں جن کے مطالعہ سے انشاء اللہ تعالیٰ دین کا بہت ضروری علم حاصل ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ چند کتابیں ایسی ہیں جن کے لئے ضروری ہے کہ کسی معتبر عالم سے سبقاً سبقاً استفادہ کیا جائے۔ سب سے زیادہ اہم اور ضروری کتابیں جن کا شروع ہی میں مطالعہ کیا جائے تو بہت مناسب ہے وہ اشرف السوانح ہر چہار حصہ ہے یہ کتاب اپنی نافعیت میں لاجواب ہے۔

یوں تو اس کتاب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارک کے مفصل حالات ابتداء سے تا آخر مذکور ہیں مگر اس کے حصہ دوم میں حضرتؒ کا تمام کارنامہ تبلیغ دین نہایت جامعیت و نافعیت کے ساتھ افادیت عام کے لئے بہترین ہدایت نامہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں تفسیر بیان القرآن اور کلید مثنوی جیسی مہتم بالشان اور عظیم المرتبت کتابیں اردو میں تصنیف فرمائی ہیں۔ اور التکشف نیز بوادر النوادر میں معارف و حقائق کی نہایت سلیس اردو میں وضاحت

فرمائی وہاں روزمرہ کی دینی ضروریات کے لئے چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابیں بھی تحریر فرمائیں جن سے مسلمانوں کے بچے اور عورتیں تک مستفیض ہوئیں اور انشاءاللہ تعالےٰ ہوتی رہیں گی۔

چنانچہ بہشتی زیور اور بہشتی گوہر ان کی ایک زندہ وتابندہ مثال ہے یہ اردو میں دین کی ایسی بے مثال اور شہرۂ آفاق کتاب ہے جس میں حضرتؒ نے تمام قرآن وحدیث کے مضامین کے بحر ذخار کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں دین و دنیا کی کوئی ایسی ضروری بات نہیں جو اس میں مذکور نہ ہو گویا دین اسلام کی یہ ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا ہے۔ آج تک کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں خاص طور پر عورتوں کے لئے تمام دینی معلومات اور ضروریات دنیوی کے لئے تمام مسائل اور علوم نہایت سہل طریقے سے اُردو زبان میں جمع کر دیئے گئے ہوں۔ اس کتاب میں جہاں عقائد، ایمان، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات کے نہایت سہل زبان میں مضامین ہیں۔ وہاں پند و نصائح بھی ہیں۔ علاج معالجہ کی تدبیریں بھی ہیں۔ صنعت وحرفت جو گھریلو زندگی میں ممکن ہے اس کا بھی ذکر ہے مختلف بیماریوں اور مشکلات کے لئے ضروری تعویذ اور مسنون عملیات و دعائیں بھی ہیں۔ مزید تفصیل تو مطالعہ ہی سے واضح ہو گی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مختصر مختصر کتابیں حضرتؒ کی تصانیف میں ہیں، اہلِ ذوق ان کو فراہم کریں اور مطالعہ سے فائدہ حاصل کریں۔ حضرتؒ نے عام مسلمانوں خصوصاً دنیوی مشاغل میں مصروف رہنے والوں کے لئے شریعت وطریقت کا ضروری علم حاصل کرنے کے لئے چند کتابیں تجویز فرمائی ہیں جن کی فہرست میں آئندہ پیش کر دوں گا۔ ہر شخص ان کو پڑھ کر اپنی ظاہری و باطنی زندگی اللہ اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق آسانی سے سنوار سکتا ہے اور تمام مکروہات ومنکرات اور ضلالت وگمراہی سے بچ سکتا ہے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں چند بزرگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے اقتباسات وانتخابات

مناسب ترتیب و تبویب کے ساتھ جمع کر کے شائع کئے ہیں جو اپنی نوعیت میں بہت ہی کارآمد ہیں[1]۔ اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو پسند بھی فرمایا ہے اور خود بھی اپنے مجددانہ انداز کے الہامی مضامین کا انتخاب مرتب کر کے شائع کیا ہے اس مجموعہ کا نام "بوادر النوادر" ہے، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق چمن بندیٔ علوم کا آئینہ دار ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخری ملاقات میں علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ) سے ارشاد فرمایا تھا کہ میری تصانیف سے انتخابات شائع کرتے رہنا۔ اتنے بڑے علامہ سے یہ فرمائش بڑی معنی خیز ہے۔

بظاہر اس ارشاد گرامی کی اہمیت اس طرح مفہوم ہوتی ہے کہ چونکہ حضرت رح کو اپنی تصانیف و مواعظ و ملفوظات پر منجانب اللہ پورا یقین تھا کہ اس میں شریعت و طریقت کی اس طرح کامل وضاحت ہوئی ہے کہ وہ آئندہ نسلوں کے لئے بہت ہی کافی و شافی ہوگی اور جب ان کے مضامین علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر عالم و صاحب ظاہر و باطن کے ذریعہ سے اشاعت پذیر ہوں گے تو نہایت پُراثر اور مستند و معتبر ہوں گے۔ مگر کچھ ایسے حالات و واقعات درپیش ہوتے رہے کہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس سعادت کے حاصل کرنے کا موقع نہ ملا۔ ان کے پیش نظر "سیرتِ اشرف" کے مرتب کرنے کا بھی ارادہ تھا، اس کی تکمیل بھی نہ ہو سکی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تمنا بعض دوسرے خدام کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً پوری ہوتی ہی رہتی ہے۔ فقط

مولٰنا عبدالباری صاحب رح (خلیفۂ راشد حضرت رحمۃ اللہ علیہ) نے ایسا ہی کام سرانجام دیا ہے اور متعدد کتابیں مختلف عنواناتِ مفیدہ کے تحت میں شائع کی ہیں[2] جو ان کی بڑی قابل قدر یادگار اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رکھنے والے صاحبان علم کے لئے بہت

---

[1] انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ۔ الرفیق سواء الطریق۔ اشرف المسائل وغیرہ۔

[2] تجدید دین کامل۔ تجدید تصوف و سلوک۔ تجدید تعلیم و تبلیغ۔ تجدید معاشیات وغیرہ۔

سبق آموز اور رہنما ہیں۔ کاش حضرتؒ سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم حضرات اس طرف توجہ فرماتے حصولِ سعادت کے لئے انسب و انفع طریقہ تو یہ تھا کہ اپنی تصانیف کے ساتھ ساتھ سالکین و طالبین کو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ہی کی طرف متوجہ کیا جاتا حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کی دل نشین تشریح کی جاتی۔ تاکہ لوگوں کے امور زندگی کی اصلاح ہوتی۔ ملفوظات کی وضاحت کی جاتی۔ تاکہ زندگی کے ہر شعبہ پر روشنی پڑتی اور بہتر تغیر پیدا ہوتا۔ کیونکہ یہ مضامین تمام تر صلاح و فلاح دارین کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہیں اور ان میں دین و دنیا کی ہر قسم کی ضرورت اور ہر طرح کی مشکل اور ہر ممکن شک و شبہ، اعتراض اور اشکال کا حل موجود ہے۔

فساد عقائد۔ مذمومات عبادات و طاعات۔ رسوم و بدعات کی خرابیاں، معاملات میں منکرات کی آمیزش معاشرہ میں فسق و فجور کا طغیان، اخلاق باطنیہ میں نفسانیت کی آلودگی کا مؤثر معالجہ اور ان سے نجات کے لئے مفید اور آسان تدابیر کا کافی و شافی ذخیرہ ان مضامین میں موجود ہے۔

ملفوظ بابت تفسیر بیان القرآن

ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تفسیر بیان القرآن میں سب الہامی مضامین ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو الفاظ و معانی الہام فرمائے بعینہٖ میں نے وہی لکھے۔ بجز دو ایک مقام کے جن کی میں نے نشاندہی کر دی ہے۔ یہ تفسیر میں نے کامل شرح صدر کے ساتھ لکھی ہے اس کی قدر تو ان لوگوں کو ہوگی جنہوں نے کم از کم بیس معتبر تفسیروں کا مطالعہ کیا ہو وہ دیکھیں گے وہ مقامات جہاں سخت اشکالات و اختلافات واقع ہوئے ہیں ان کا حل کیسی سہولت کے ساتھ قوسین کے اندر صرف چند الفاظ بڑھا دینے سے ہو گیا یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے۔

حضرتؒ والا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بیان القرآن میں یہ بھی التزام کیا ہے کہ تفسیر

تو وہی لکھی جو میری سمجھ میں آئی لیکن جب تک اس کی تائید سلف صالحین کی تفاسیر سے نہیں ملی اُس پر اطمینان نہیں کیا۔ اس صورت میں تفسیر بظاہر تو سلف کی تفاسیر سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت وُہ سرتا سر خود حضرت والا ہی کی تفسیر ہے، نیز اس التزام میں وقت بھی بہت صرف ہوا اور ہر مقام کے لیے بہت سی تفاسیر کو دیکھنا پڑا اور دیکھنے والوں کو اس کی خبر بھی نہیں اور جہاں اپنی تفسیر کی کوئی صریح تائید سلف سے باوجود تلاش کے نہیں ملی وہاں بھی رکھا میں نے اپنی ہی تفسیر کو لیکن اُس کے آگے یہ لکھ دیا کہ ہذا من المواہب۔ اھ

حضرت فرماتے ہیں کہ تفسیر بیان القرآن کے بعض بعض مقامات کی تفسیر لکھنے کے قبل میں آدھ آدھ گھنٹہ ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا تب کہیں جا کر شرح صدر ہوا اور جن بعض مقامات کے متعلق پھر بھی شرح صدر نہ ہوا۔ وہاں اس کا صاف اظہار فرما دیا اور لکھ دیا کہ اگر اس سے بہتر تفسیر کہیں مل جائے تو اسی کو اختیار کیا جائے۔ چنانچہ تفسیر میں دو مقامات ایسے ہیں۔ ایک سورۂ براءت میں ایک سورہ حشر میں اور یہ حضرت والا کی خصوصیات خاصہ میں سے ہے ورنہ اکثر اہل علم کو اپنے عجز و نقص کے اظہار سے عار مانع ہوتی ہے۔

ملفوظ بابت نشر الطیب و تعلیم الدین

نشر الطیب جو کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مختصر و جامع کتاب ہے اس کے متعلق فرمایا کہ جس گھر میں اس کا مطالعہ شوق و محبت سے کیا جاوے گا انشاء اللہ وہاں ہر طرح سے خیر و برکت ہو گی۔

کتاب تعلیم الدین ایسی کتاب ہے جس میں دین کے پانچوں شعبے یعنی عقائد، عبادات و معاملات، معاشرات، اخلاقیات کے متعلق تمام مضامین کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ہی سے اخذ کر کے جمع کئے گئے ہیں اور تصوف کی اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے اگر کم فرصت اصحاب صرف

اپنے مطالعہ کو اسی پر منحصر کرلیں تو انشاء اللہ دنیا و آخرت کے لئے بڑا جامع و نافع، کافی و شافی ذخیرہ موجود ہے۔

حیات المسلمین۔ اس کے متعلق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ملاحظہ ہو!

ملفوظ بابت حیات المسلمین

فرمایا مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میرا سرمایۂ نجات ہے۔ البتہ حیوٰۃ المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال یہی ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی۔ اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں مگر لوگ اس کو اردو میں دیکھ کر بے وقعت سمجھتے ہیں اس کی قدر ان علماء کو ہوگی جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ کون اشکال کہاں پر کس ذرا سے لفظ سے حل ہو گیا ہے اور پھر یہ کتاب گویا ایک فہرست ہے ان اعمال کی کہ جن سے یقینی طور پر دنیا کی بھی فلاح حاصل ہوگی اور دین کی بھی۔ میں نے اس کو بہت سوچ سوچ کر لکھا ہے اس کے لکھنے میں مجھ کو تعب ہوا ہے میں اول اس کے مضامین لکھتا تھا پھر ان کو سہل کرتا تھا اس کے بعد دیکھتا تھا اگر کم سہل ہوئے تو پھر دوبارہ سہل کرتا تھا اور میں ہر ماہ اس کے دو۲ ورق لکھا کرتا تھا اور وہ دو۲ ورق بھی بعض مرتبہ کئی کئی بار کے مسودہ میں لکھے جاتے تھے۔ (حاضرین میں سے ایک صاحب نے بہشتی زیور کے سہل ہونے کی تعریف فرمائی) اس پر فرمایا کہ اس کے اندر تو مسائل ہیں۔ اس کی تسہیل تو چنداں دشوار نہیں اور اس کے اندر احادیث کی شرح کی گئی ہے مگر ایسی شرح کی گئی ہے کہ جس سے سارے اشکالات کا حل ہو گیا ہے اگر کسی کے ذہن میں کوئی اشکال ہو تو وہ اس کے پڑھنے سے حل ہو جائے گا اور اس کی اسی شخص کو قدر ہوگی ورنہ اور کوئی کیا قدر کر سکتا ہے۔ میرا تو ارادہ تھا کہ میں ایک بار حیوٰۃ المسلمین کو خود پڑھ دوں گا مگر ہجوم کے احتمال پر موقوف کر دیا مسلمانوں کو جتنی ذلت اور پریشانی آج کل ہو رہی ہے اس کتاب میں ان سب کا علاج ہے۔

پھر ایک صاحب نے ملفوظ مسمیٰ بہ السلسبیل کی تعریف کی پھر اس کے بعد اس میں سے مختصر ملفوظ "الیم فی الیم" کی بھی تعریف فرمائی تو حضرت نے ہنس کر ارشاد فرمایا کہ میں اس ملفوظ کو ایک رسالہ کہا کرتا ہوں! ایک رسالہ تو میرا بارہ جلدوں میں ہے یعنی تفسیر "بیان القرآن" اور ایک رسالہ میرا بارہ سطروں میں ہے یعنی "الیم فی الیم" مگر یہ میزان کل ہے تمام سلوک کی لیکن اس میزان کل کی قدر اس کو ہوگی جس نے پوری چھان بین کی ہو، اور پوری تفصیل دیکھی ہو ورنہ کوئی کیا قدر کر سکتا ہے اس میں کوئی بات سلوک کی رہی نہیں۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بعض تصانیف میں کسی بہت ہی مختصر سی بات کے معلوم کرنے کے لیے بعض کتب کو دوسرے مقامات سے بڑا اہتمام اور خرچ کر کے منگوایا گیا اور اس کی مدد سے ایک ذرا سی عبارت لکھ کر اُن کو فوراً واپس کر دیا گیا۔ اب اُس ذرا سی عبارت کو دیکھنے والا یوں ہی پڑھتا چلا جائے گا لیکن اس کو کیا خبر کہ اس کے لکھنے میں کتنا اہتمام کیا گیا تھا۔

فرمایا۔ جب قصد السبیل لکھی ہے رمضان شریف کا مہینہ تھا مجھ کو بھی بہت مسرت ہوئی تھی اگر مناسبت ہو جائے تو انہیں کتابوں کو لے کر بیٹھ جائیے عمر بھر کی رہبری کے لئے کافی ہیں مثلاً قصد السبیل، تعلیم الدین، تربیت السالک وغیرہ۔

ایک مشورہ

فرمایا گو مجھ سے کوئی بیعت نہ ہو۔ لیکن عقیدت کے ساتھ میری کتابیں لے کر کونے میں بیٹھ جائے ان شاء اللہ تعالیٰ واصل الی المقصود ہو جائے گا۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا کہ جو طالب علم کسی بزرگ سے بھی مناسبت نہ رکھتا ہو اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ کتاب و سنت پر عمل کرتا رہے اور اپنی اصلاح و ہدایت کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا رہے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی واصل الی المقصود ہو جائے گا۔

*****

اشرف النصاب

حضرت والاؒ نے ان لوگوں کے لئے جو دنیاوی مشاغل کی وجہ سے دین کا ضروری علم حاصل کرنے سے بھی محروم رہتے ہیں۔ احکامات شریعت وسنت کے ضروری علوم جن کو ہر مسلمان کے لئے حاصل کرنا ضروری ہے ان کے لئے چند خاص خاص کتابوں کا ایک نصاب مقرر فرمایا ہے جس کے مطالعہ سے تمام ضروری فرائض و واجبات اور اوامر ونواہی کا علم ہر شخص کو حاصل ہوسکتا ہے ورنہ بغیر اس علم کے حاصل کئے ہوئے نہ دنیا ہی کی فلاح مل سکتی ہے نہ آخرت کے مواخذہ سے نجات ممکن ہے وہ نصاب ذیل میں درج ہے۔ کتابوں کا مطالعہ اسی ترتیب سے کیا جائے۔

۱۔ بہشتی زیور اور بہشتی گوہر	۲۔ حقوق الاسلام
۳۔ فروع الایمان	۴۔ جزاء الاعمال
۵۔ صفائی معاملات	۶۔ اصلاح الرسوم
۷۔ تعلیم الدین	۸۔ حیٰوۃ المسلمین
۹۔ آداب المعاشرت	۱۰۔ قیامت نامہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ
۱۱۔ تبلیغ دین	۱۲۔ نشر الطیب
۱۳۔ قصد السبیل	۱۴۔ شوقِ وطن
۱۵۔ الانتباہات المفیدہ اس کی تسہیل حل الانتباہات	۱۶۔ تسہیل المواعظ کے وعظ جس قدر مل سکیں

ھدایت:۔

۱۔ اگر تسہیل المواعظ نہ مل سکیں تو ان کے بجائے اصل مواعظ کا مطالعہ کیا جائے اس کے بعد مزید ترقی وبصیرت کے لئے جس قدر ممکن ہو دوسرے مواعظ اشرفیہ (بالخصوص مواعظ ہفت اختر، طریق القلندر اور محاسن الاسلام) اور ملفوظات اشرفیہ کا مطالعہ مناسب ہے۔

۲۔ مناسب یہ ہوگا کہ اس نصاب کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق تین سبق ساتھ ساتھ شروع کئے جاویں۔

۱۔ بہشتی زیور مع بہشتی گوہر

۲۔ مواعظ میں سے کوئی وعظ

(جب ایک وعظ ختم ہوجائے تو دوسرا وعظ شروع کردیا جائے) اور

۳۔ باقی چودہ کتب میں سے کوئی کتاب (ترتیب مذکورہ کے مطابق)

نصاب تصوّف

حضرت والاؒ نے اہلِ تصوف اور سالکین طریق کے لئے بھی چند کتابوں کا ایک نصاب مقرر فرمایا ہے جس کا پڑھنا اور سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا نہایت ضروری ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ سے سالکین کو نفس و شیطان کے مکائد معلوم ہوں گے اور ہر طرح کی بدعات وضلالت باطنیہ کی ضروری اور تفصیلی معلومات حاصل ہوگی۔

اگر کسی اہلِ علم سے سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

جس طرح کتابوں کی نمبروار ترتیب دی گئی ہے اسی طرح پڑھنے کی ہدایت ہے۔

۱۔ آداب المعاشرت	۲۔ معمولات خانقاہ	۳۔ رحمۃ المتعلمین حصہ اوّل
۴۔ تعلیم الدین باب اول و دوم	۵۔ التکشف حصہ اوّل	۶۔ فروع الایمان
۷۔ نُزہۃ البساتین	۸۔ وعظ راحت القلوب	۹۔ تبلیغ الدین
۱۰۔ جہاد اکبر	۱۱۔ قصد السبیل	۱۲۔ بقیہ تعلیم الدین
۱۳۔ التکشف حصہ دوم سوم	۱۴۔ مسائل السلوک	۱۵۔ کلید مثنوی دفتر ششم
۱۶۔ تربیت السالک (تمام)	۱۷۔ عوارف یا اس کا ترجمہ	۱۸۔ الدر المنضود
۱۹۔ ترجمہ آداب العبودیۃ	۲۰۔ ترجمہ تنبیہ المغترین	۲۱۔ اکمال الشیم
۲۲۔ رفع الضیق	۲۳۔ اصول الوصول	۲۴۔ الابتلاء لاہل الاصطفاء

دین کے ہر شعبہ میں خاص تصانیف

۱۔ عقائد — تعلیم الدین ۔ فروع الایمان ۔ اکسیر فی اثبات التقدیر الانتبہات المفیدہ ۔ المصالح العقلیہ ۔ حفظ الایمان شوق وطن ۔ احکام تجلّی ۔ اشرف الجواب ۔

۲۔ عبادات — خطب ماثورہ ۔ مناجات مقبول ۔ جزاء الاعمال

۳۔ معاملات — تعدیل حقوق الوالدین ۔ حقوق زوجین ۔ حقوق اسلام جماعت المسلمین ۔ حقوق البیوت ۔ اصلاح انقلاب امت

۴۔ معاشرت — صیانۃ المسلمین ۔ اغلاط العوام ۔ صفائی معاملات اصلاح الرسوم ۔ آداب المعاشرت

۵۔ اخلاقیات — التکشف ۔ کلید مثنوی ۔ بوادر النوادر ۔ قصد السبیل اشرف المسائل ۔ البدائع ۔ الرفیق فی سواء الطریق مسائل السلوک ۔ التشرف ۔ تربیت السالک ۔

۶۔ سیرت النبی ﷺ — نشر الطیب ۔ زاد السعید

۷۔ علوم القرآن — تفسیر بیان القرآن

۸۔ علوم حدیث — اعلاء السنن

۹۔ علوم فقہ — بہشتی زیور ۔ امداد الفتاویٰ ۔ ترجیح الراجح رفع الضیق ۔ وعظ راحت القلوب ۔ الابتلاء لاہل الاصطفا

ضابطۂ تصنیف و تالیف

حضرتؒ والا کا ذہن کبھی فارغ نہیں رہتا تھا اکثر مسائل مشکلہ پیش آمدہ میں غور و خوض

ہی فرماتے رہتے تھے اور جب کوئی بات سمجھ میں آئی تو اس کو یادداشت میں تحریر فرما لینے کا فورًا انتظام فرماتے تاکہ ذہن سے نکل نہ جائے، اس کا یہ بھی سبب تھا کہ حضرت والا رحؒ اپنے دماغ پر کسی بات کے یاد رکھنے کا بار بلا ضرورت کبھی نہیں ڈالتے تھے۔ اور کوئی کام ادھار نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ اکثر فرمایا کرتے کہ جس وقت جو کام پیش آتا ہے میں اس کو دوسرے وقت پر نہیں ٹالتا فورًا کر ڈالتا ہوں، گو اس میں اس وقت تو تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے لیکن بعد فراغ بس بالکل بےفکری ہو جاتی ہے اور پھر بڑی راحت ہوتی ہے۔ ورنہ ٹالنے سے اکثر کام پھر ہوتے ہی نہیں اور اگر ہوئے بھی تو برابر فکر دامن گیر رہتی ہے اور جتنا وقت گذرتا ہے وہ کلفت ہی میں گذرتا ہے پھر اس سے تھوڑی دیر کی تکلیف ہی کیوں نہ گوارا کر لی جایا کرے۔ پھر چاہے فراغ کا وقت کم ہی ملے مگر وہ راحت اور بےفکری سے تو گذرے گا جس سے دماغ کو سکون ہوگا اور قلب کو فرحت حاصل ہوگی۔ حضرت والا رحؒ تصنیف کے معمولات کو بیان فرما کر فرمایا کرتے کہ ایسی حالت میں اگر کوئی خادم دین معاش کا شغل کرے تو وہ دین کی خدمت کما حقہٗ کیوں کر کر سکتا ہے۔

حضرت والا رحؒ کی کثرت تصانیف اور وقت میں برکت ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حضرت والا رحؒ نہایت منضبط الاوقات تھے۔ چنانچہ حضرت والا رحؒ فرمایا کرتے کہ اگر میں انضباط اوقات نہ کرتا تو دین کی جو کچھ تھوڑی بہت مجھ سے خدمت ہو سکی ہے وہ ہرگز نہ ہو سکتی۔

کیونکہ حضرت والا رحؒ نے محض خدمت دین سمجھ کر خالصًا لوجہ اللہ کتابیں تصنیف فرمائیں، اور مقصود اشاعت دین تھا۔ اس لیے حضرت والا رحؒ نے اپنی کسی تصنیف کی نہ خود رجسٹری کرائی، نہ کسی دوسرے کو رجسٹری کرانے کی اجازت دی کیونکہ رجسٹری کرنا اور رجسٹری کرانا شرعًا بالکل ناجائز ہے۔ چنانچہ بہ ضرورت شرعیہ حضرت والا رحؒ نے اس کے متعلق ایک اعلان بھی تتمہ رابعہ تنبیہات وصیت مطبوعہ الامداد بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ میں شائع

فرمایا تھا، جو یہاں اطلاع عام کے لیے بفضلہٖ نقل کیا جاتا ہے، وہ اعلان یہ ہے۔

"چونکہ یہاں کی تصانیف پر کسی سے کچھ حق تصنیف وغیرہ نہیں لیا جاتا اس لیے اُن کی رجسٹری کرانے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ فقط یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ"

حضرت والا مثل دیگر امور ضروریہ کے اپنی تصانیف کے متعلق بھی نہایت احتیاط اور اہتمام کا التزام رکھتے ہیں، چنانچہ اپنی ہر چھوٹی بڑی تصنیف یا تحریری مضمون کے ناموں کی بالالتزام اپنے پاس یادداشت رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہتے ہیں، اس میں علاوہ مکمل فہرست محفوظ رہنے کی مصلحت کے بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ اس صورت میں کوئی تصنیف غلط طور پر حضرت والا کی طرف منسوب نہ کی جاسکے، چنانچہ حضرت والا نے ایک یہ عام اطلاع بھی شائع فرمادی تھی کہ جس مسودے پر میرے دستخط نہ ہوں، یا جابجا میرے ہاتھ کی اصلاح بنی ہوئی نہ ہو وہ میرا نہ سمجھا جائے۔ اھ

سب سے بڑی احتیاط جو حضرت والا کی اعظم خصوصیات سے ہے، یہ ہے کہ اپنی تصانیف کے تسامحات اتفاقی کو جن کا علم خود یا کسی دوسرے کے ذریعے سے ہوتا رہتا اُن سے رجوع فرماتے رہتے تھے اور اس رجوع کو شائع بھی فرمادیتے تھے۔ اور اس سلسلہ کا ایک خاص لقب "ترجیح الراجح" تجویز کیا تھا جو مستقل طور پر جاری رہا۔ اس سلسلہ میں حضرت والا کو جہاں اپنے تسامح پر شرح صدر ہوجاتا وہاں رجوع فرمالیتے اور جہاں تردد رہتا وہاں جواب لکھ کر یہ تحریر فرمادیتے کہ دیگر علماء سے بھی تحقیق کرلیا جاوے۔ اس سلسلے کے متعلق، حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ ترجیح الراجح اس زمانے میں ایک بالکل نرالی چیز ہے۔ یہ سلف صالحین کا معمول تھا۔ مولانا تھانوی (یعنی حضرت والا) کی امتیازی شان اور کمال صدق واخلاص کے ظاہر کرنے کے لیے بس یہی کافی ہے۔ اھ

حضرت والا نے بعض فضلاء سے اپنی تصانیف بہشتی زیور، امداد الفتاویٰ اور تفسیر بیان القرآن پر نظر ثانی بھی کرائی اور جن تسامحات پر شرح صدر ہوگیا اُن کو اصل میں درست

فرما کر شائع کرا دیا۔

غرض حضرت والا اس کی بہت ہی احتیاط فرماتے کہ میری کسی تحریر سے کسی کو کسی زمانہ میں کسی قسم کا بھی ضرر دینی نہ پہنچنے پائے اور غلط فہمی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت والا کے رسالہ تنبیہات وصیت کی تنبیہ دہم متعلقہ تالیفات خود میں بھی اور اس رسالہ کے تتمات میں بھی بعض احتیاطیں مذکور ہیں جو وہاں یا اشرف السوانح کے باب وصایا میں تلاش سے مل سکتی ہیں۔

حضرت والا کی تصانیف کی بعض خصوصیات فہرست تالیفات میں بھی مذکور ہیں جو اشرف السوانح کے آخر میں ملحق ہیں، ان کو بھی ملاحظہ فرما لیا جائے (اشرف السوانح جلد ۳)

حضرت والا کسی کتاب پر تقریظ محض اجمالی مطالعہ پر نہیں تحریر فرماتے کیونکہ اس کو ناجائز سمجھتے تھے اور اگر تفصیلی مطالعہ کی فرصت نہیں ہوتی تھی اور اکثر ہوتی بھی نہیں تھی تو کسی ایک مقام کی تعیین کرا لیتے اور اس کے متعلق تقریظ تحریر فرما دیتے اور اس صورت میں جس پر اطمینان ہوتا، اس مقام کی تقریظ میں یہ بھی اضافہ فرما دیتے کہ امید ہے کہ بقیہ کتاب بھی ایسی ہی ہوگی اور قبل تجربہ احیاناً اس معمول کے خلاف بھی ہو گیا مگر بعد کو اس کتاب کی غلطیوں پر مطلع ہونے پر بہت افسوس ہوا اور اپنی تقریظ سے رجوع کا اعلان شائع فرما دیا۔

اپنی تصانیف کے متعلق حضرتؒ کا یقین

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک بار کچھ مخالفین کی حضرتؒ کی تصانیف کے متعلق مخالفانہ کارروائیوں کا ذکر تھا۔ اس وقت حضرت نے بہت جوش کے ساتھ فرمایا کہ مخالفین سب اپنی اپنی کوششیں کر لیں آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میری کتابیں ایسی پھیلیں گی کہ کسی کے روکے نہ رکیں گی (بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہو رہا ہے) (اشرف السوانح)

بعض خاص مضامین

اصلاح انقلاب امت

اُمتی مِن حَیثُ ھُو اُمتی کے اعتبار سے دنیوی انقلاب تو مطمح نظر ہو نہیں سکتا گو اس سے بحث کرنے کو بھی بیکار نہیں سمجھتا مگر حیثیت مذکورہ سے بحث مقصود نہیں ، بلکہ انقلاب دینی سے بحث مقصود ہے اسی کی نسبت اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں ، افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ جس مرتبہ کا انقلاب عظیم اکثر آحاد امت میں واقع ہوا ہے اس کو دیکھتے ہوئے بے اختیار یہ زبان پر آتا ہے۔

اے بسرا پردہ یثرب بہ خواب   خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

اس انقلاب کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہاتھ میں ایک کتاب تفاصیل احکام شرعیہ کی لے لیجئے اور ایک نظر سے ایک ایک حکم جزئی کو دیکھتے جائیے اور ایک نظر سے کسی غیر مطیع امتی کی ایک ایک حالت کو جو اس جزئی کا محل اور متعلق ہے دیکھتے جائیے اور دونوں کو ملاتے جائیے تو ایک حیرت عظیم ہوگی کہ یا اللہ ان حالتوں کے مرتکب کو کیا ان احکام سے کچھ مس معلوم ہوتا ہے۔

دین کے یہ اجزاء ہیں۔ عقائد۔ دیانات[۲] (مثل نماز، روزہ۔ طلاق۔ نکاح وغیرہ) معاملات[۳] (مثل بیع، شراء وغیرہ) معاشرات[۴] (مثل طعام۔ لباس۔ کلام و سلام) اخلاق باطنہ[۵] (مثل ریا، اخلاص و کبر و تواضع وغیرہ) عقائد میں مسلمانوں نے غنیمت ہے "انکار کا انقلاب" نہیں پیدا کیا۔ گو ان میں تدین ہی کے رنگ میں کچھ تغیر و تبدیل ہوا ہے جس سے وہ حد بدعت میں داخل ہو گئے اور جس نے اہل باطل کو اسی تغیر کی اصلاح کے سبب سے اہل حق کا مخالف بنا دیا غرضیکہ

نصوص کا انکار نہیں کیا گیا۔ البتہ تاویلِ باطل کی گئی، یہ حالت عام مسلمانوں کی ہے مگر خاص خاص جدید تعلیم یافتوں نے انکار کا انقلاب بھی اختیار کیا بلکہ انکار سے تجاوز ہو کر جمہور کے عقائد کے ساتھ استہزاء اور تمسخر سے پیش آنے لگے جس پر حافظانِ حدود دین نے کفر کا فتویٰ لگا دیا اور اس فتوے کی بدولت دوسری طرف سے ان کو متعصب کا لقب عطا ہوا، گو جو شخص کفر کی حقیقت سمجھے گا وہ ان علماء کو اس فتوے میں نہ صرف معذور بلکہ خود اس میں ان کے ساتھ بالاضطرار اتفاق کرے گا۔

یہ تو پہلے جزو کے انقلاب کی کیفیت تھی، رہا دوسرا جزء یعنی دیانات اس میں عام مسلمانوں نے درجہ بدعت کا بھی تغیر و تبدل نہیں کیا مگر ترک و اہمال کا انقلاب البتہ اختیار کیا کہ کسی نے نماز روزہ کو اس طرح خیر باد کہا گویا اس کے ذمہ فرض ہی نہیں، کسی نے نکاح و طلاق کے ساتھ یہی معاملہ کیا کہ عقیدے میں تو یہی سمجھا کہ مسائل نکاح و طلاق کے دین میں داخل ہیں ہماری رائے و اختیار پر نہیں ہیں اور ہیں بھی اسی طرح جس طرح علماءِ دین بتلاتے ہیں اور اسی لئے احکام دین کے مقابلے میں اور احکام مخترع نہیں کئے گئے مگر عمل اس کے ساتھ یہ رکھا کہ جہاں نفس کا غلبہ ہوا وہاں تمتع کے لئے نکاح کا بھی انتظام نہیں کیا جہاں کوئی دنیوی ننگ و ناموس کے باقی رکھنے میں مصلحت دنیوی دیکھی وہاں باوجود طلاق کے بدستور بیوی کو گھر میں رکھا اور اس سے متمتع ہوتے رہے اور بچے جنواتے رہے اور خاص خاص جدید تعلیم یافتوں کو تو یہاں بھی انکار میں تردد نہیں ہوا بہر حال عام مسلمانوں میں جزءِ اول میں انقلابِ تغیر ہوا تھا اور یہاں جزو ثانی میں انقلاب ترک و اہمال ہوا ہے۔

اب رہ گئے بقیہ اجزائے ثلثہ یعنی معاملات و معاشرت۔ اخلاق ان میں ان دونوں مذکورہ انقلابوں سے بڑھ کر انقلاب ہوا ہے یعنی عام مسلمانوں نے بھی اپنی بے خبری سے ان کو جزو دین نہیں سمجھا۔ بلکہ دنیوی کارروائی سمجھ کر اس کے دستور العمل کو اپنی رائے و اختیار پر مفوض سمجھا اور چونکہ اغراض فاسد تھے اور رائے میں زیغ تھا۔ اس لئے ثمرہ اس کا یہ ہوا کہ ہر ہر حکم شرعی

کے مقابلہ میں ایک ایک کارروائی اور ایک ایک رسم اور ایک ایک عادت اختراع کی اور اس مجموعہ کو اپنا دستور العمل قرار دیا اور اس قرارداد میں ذرا بھی اپنے کو قصوروار یا خطاکار نہیں سمجھا بلکہ بعض امور کو الٹا ہنر اور فخر سمجھا اس طرح سے کہ مجموعی حالت کے دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے قصداً ہر ہر حکم رحمانی کے مقابلے میں ایک ایک حکم نفسانی مستحسن سمجھ کر ایجاد کیا ہو اور استحسان کی یہ علامت ہے کہ ان امور میں احکام حقہ کے داعی سے سخت مزاحمت کی جاتی ہے۔

سو در حقیقت یہ انقلاب بہت ہی بڑا انقلاب ہوا کیونکہ اوّل کے دو انقلابوں میں اجزائے دین کو دین سے خارج نہیں کیا گیا تھا اور نہ ان اجزاء کے مقابلے میں دوسرے امور کو من حیث الاستحسان تجویز کیا گیا تھا۔ گو ایک جگہ تغیر وہ بھی من حیث التدین اور دوسری جگہ ترک وہ بھی باعتقاد تقصیر واقع ہوا تھا اور ان تینوں میں اجزائے دین کو دین سے خارج کر دیا گیا اور ان اجزاء کے دوسرے احکام اختراع کئے گئے اور ان مخترعات کو اصل پر ترجیح دی گئی تو ظاہر ہے کہ یہ انقلاب اجزائے ثلثہ آخرہ کا ان انقلابین اوّلین سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے اور وقوع میں اظہر و اکثر بھی اجزائے ثلثہ اخیرہ ہیں۔ کیونکہ عقائد کا حصہ گو الزم ہے مگر اظہر نہیں اور دیانات کا حصہ خاص خاص اوقات میں ظاہر ہوتا ہے پس وقوع میں اکثر نہ ہوا اور یہ ثلثہ اخیرہ اظہر بھی ہیں، اکثر بھی ہیں اور ان ہی میں یہ انقلاب عظیم واقع ہوا۔

پس اس بنا پر دیکھنے والوں کو اکثر آحاد امت میں ہر وقت یہ انقلاب عظیم ہی نظر آوے گا تو جو شخص ہر وقت انقلاب عظیم دیکھے اور پھر یہ دعویٰ بھی سنے کہ اَنَا مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ تو وہ سخت تحیر میں مبتلا ہو جاوے گا کہ یا اللہ یہ شخص کس امر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے جو ایسا دعویٰ کرتا ہے۔

مسلمانو! اب بھی اپنی حالت پر آپ کو تنبہ ہوا، اگر نہیں ہوا تو اِنَّا لِلّٰہ۔ اگر ہوا ہے تو کیا اس کی اصلاح ضروری نہیں ہے۔ اگر ہے تو کب اصلاح شروع ہوگی۔ کیا ان میں سے کسی چیز

کا انتظار ہے شغل مانع، مرض معطل، موت، یا دجی حدید سو اس کی تو امید نہیں فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ط (اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لاؤ گے) اور امور بالا کا واقع ہونا مستبعد نہیں بلکہ موت تو متیقن ہے مگر کیا اس وقت کچھ کر سکو گے؟

مسلمانو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی انقلاب کی جس کا اس زمانہ میں وقوع ہو رہا ہے بطور پیشین گوئی خبر دی تھی کہ اَلنَّاسُ کَاِبِلٍ مِائَۃٍ لَاتَجِدُ فِیْھَا رَاحِلَۃً عوام سو اونٹوں جیسے ہیں کہ تم ان میں ایک بھی سواری کے قابل نہ پاؤ گے ورنہ وہ زمانہ تو خیریت کا تھا۔ واللہ اعلم وہو الموفق۔

حوالہ (اشرف السوانح حصہ سوم)

آداب المعاشرت

اس وقت دین کے پانچ اجزاء میں سے عوام نے تو صرف دو ہی جزو کو داخل دین سمجھا یعنی عقائد و عبادات کو اور علماء ظاہر نے تیسرے جزو کو بھی دین اعتقاد کیا یعنی معاملات کو اور مشائخ نے چوتھے جزو کو بھی دین اعتقاد کیا یعنی اخلاق باطنی کی اصلاح کو لیکن ایک پانچویں جزو کو کہ وہ ادب معاشرت ہے۔ قریب قریب ان تینوں طبقوں نے الا ماشاء اللہ اکثر نے تو اعتقاداً اور بعض نے عملاً دین سے خارج اور بے تعلق قرار دے رکھا ہے اور اسی وجہ سے اور اجزاء کی تو کم و بیش خاص طور پر یا عام طور پر یعنی وعظ میں کچھ تعلیم و تلقین بھی ہے لیکن اس جزو کا کبھی زبان پر نام تک بھی نہیں آتا اسی لئے علماً و عملاً یہ جزو بالکلیہ نسیاً منسیاً ہو چلا ہے اور میرے نزدیک باہمی الفت و اتفاق میں جس کی شریعت نے سخت تاکید کی ہے اور اس وقت عقلاء بھی اس کی بہت کچھ چیخ پکار کر رہے ہیں، جو کمی ہے اس کا بڑا سبب معاشرت کی خرابی بھی ہے کیونکہ اس سے ایک کو دوسرے سے تکدر و انقباض ہوتا ہے جس سے باہمی انشراح و انبساط جاتا رہتا ہے، اور محبت باقی نہیں رہتی۔ حالانکہ خود اس خیال کو کہ اس کو دین سے کچھ مس نہیں، آیات و احادیث د

اقوالِ حکماءِ دین کے رد کرتے ہیں چنانچہ ان میں سے بعض بطور نمونہ کے پیش کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کو فراخ کر دو تو جگہ کو فراخ کر دیا کرو اور جب تم سے کہا جاوے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو اور ارشاد ہے کہ دوسرے کے گھر میں (گو وہ مردانہ ہو مگر خاص خلوت گاہ ہو) بے اجازت لئے مت جایا کرو۔ دیکھئے اس میں اپنے جلیسوں کی راحت کی رعایت کا کس طرح حکم فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک ساتھ کھانے کے وقت دو دو چھوارے ایک دم سے نہ لینا چاہیئے تاوقتیکہ اپنے رفیقوں سے اجازت نہ لے لے دیکھئے اس میں ایک نہایت خفیف امر سے محض اس وجہ سے کہ بدتمیزی ہے اور دوسروں کو ناگوار ہوگا، ممانعت فرما دی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ جو شخص لہسن اور پیاز (یعنی خام) کھائے تو ہم سے (یعنی مجمع سے) علیحدہ رہے۔ دیکھئے اس خیال سے کہ دوسروں کو ایک خفیف سی اذیت ہو گی منع فرمایا اور ارشاد فرمایا ہے کہ مہمان کو حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اس قدر قیام کرے کہ وہ تنگ ہو جاوے۔ اس میں ایسے امر سے ممانعت ہے جس سے دوسرے کے قلب میں تنگی ہو۔

ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ کھانے کے وقت گو پیٹ بھر جاوے مگر جب تک کہ دوسرے لوگ فارغ نہ ہو جاویں ہاتھ نہ کھینچے کیونکہ اس سے دوسرا کھانے والا شرما کر ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور شاید اس کو ابھی کھانے کی حاجت باقی ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کام نہ کرے جس سے دوسرا آدمی شرما جائے۔ بعض آدمی طبعی طور پر مجمع میں کسی چیز کے لینے سے شرماتے ہیں اور ان کو گرانی ہوتی ہے یا ان سے مجمع میں کوئی چیز مانگی جاوے تو انکار و عذر کرنے سے شرماتے ہیں گو پہلی صورت میں لینے کو جی چاہتا ہو اور دوسری صورت میں دینے کو جی نہ چاہتا ہو۔ ایسے شخص کو مجمع میں نہ دے نہ مجمع میں ان سے مانگے۔

حدیث میں وارد ہے کہ ایک بار حضرت جابرؓ در دولت پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا

آپؐ نے پوچھا کون ہے ۔ انھوں نے عرض کیا میں ہوں ۔ آپؐ نے ناگواری سے فرمایا میں ہوں ، میں ہوں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بات صاف کہے کہ جس کو دوسرا سمجھ سکے ۔ ایسی گول بات کہنا جس کے سمجھنے میں تکلیف ہو الجھن میں ڈالنا ہے اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا مگر آپ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہ ہوتے تھے کہ جانتے تھے کہ آپؐ کو ناگوار ہوتا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی خاص ادب و تعظیم یا کوئی خدمت کسی کے مزاج کے خلاف ہو تو اس کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے گو اپنی خواہش ہو مگر دوسرے کی خواہش کو اس پر مقدم رکھے ۔ بعضے لوگ جو بعض خدمات میں اصرار کرتے ہیں بزرگوں کو تکلیف دیتے ہیں ۔

ارشاد ہے کہ (ایسے) دو شخصوں کے درمیان میں (جو قصداً پاس پاس بیٹھے ہوں) جا کر بیٹھنا حلال نہیں بدون ان کے اذن کے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی ایسی بات جس سے دوسروں کو کدورت ہو نہ کرنا چاہیئے اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو اپنا منہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور آواز کو پست فرماتے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جلیس کی اتنی رعایت کرے کہ اس کو سخت آواز سے بھی اذیت و وحشت نہ ہو ۔ اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو جو شخص جس جگہ پہنچ جاتا وہاں ہی بیٹھ جاتا ۔ یعنی لوگوں کو چیر پھاڑ کر آگے نہ بڑھتا ۔ اس سے مجلس کا ادب ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اتنی ایذا بھی نہ پہنچاوے ۔

حضرت عباسؓ سے موقوفاً اور حضرت انسؓ سے مرفوعاً اور حضرت سعید بن المسیب سے مرسلاً مروی ہے کہ عیادت میں بیمار کے پاس زیادہ نہ بیٹھے ۔ تھوڑا بیٹھ کر جلدی اٹھ کھڑا ہو اس حدیث میں کس قدر دقیق رعایت ہے اس امر کی کہ کسی کی ادنیٰ گرانی کا سبب بھی نہ بنے کیونکہ بعض اوقات کسی کے بیٹھنے سے مریض کو کروٹ بدلنے میں یا پاؤں پھیلانے میں یا بات چیت کرنے میں ایک گونہ تکلف ہوتا ہے البتہ جس کے بیٹھنے سے اس کو راحت ہو وہ اس

سے مستثنیٰ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے غسل جمعہ کے ضروری ہونے کی یہی علت بیان فرمائی ہے کہ ابتدائے اسلام میں اکثر لوگ غریب مزدوری پیشہ تھے۔ ان کے میلے کپڑوں میں پسینہ نکلنے سے بدبو پھیلتی اس لئے غسل واجب کیا گیا تھا پھر بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس کی کوشش واجب ہے کہ کسی کو کسی سے معمولی اذیت بھی نہ پہونچے اور سنن نسائی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ شب برأت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر سے آہستہ اٹھے اور اس خیال سے کہ حضرت عائشہ سوتی ہوں گی بے چین نہ ہوں آہستہ نعل مبارک پہنے اور آہستہ سے کواڑ کھولے اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے کواڑ بند کئے اس میں سونے والے کی کس قدر رعایت ہے کہ ایسی آواز یا کھڑکا بھی نہ کیا جائے جس سے سونے والا دفعتہً جاگ اٹھے اور پریشان ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت مقداد بن اسودؓ سے ایک طویل قصہ مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور آپ ہی کے ہاں مقیم تھے۔ بعد عشاء آ کر لیٹ رہتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دیر میں تشریف لاتے تو (چونکہ مہمانوں کے سونے اور جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا اس لئے اسلام (تو) کرتے کہ شاید جاگتے ہوں اور ایسا آہستہ سلام کرتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے اس سے بھی وہی اہتمام معلوم ہوا جو اس سے پہلے حدیث میں معلوم ہوا تھا اور بکثرت حدیثیں اس باب میں موجود ہیں۔ روایات فقہیہ میں ایسے شخص کو جو طعام وغیرہ یا درس یا اوراد میں مشغول ہو سلام نہ کرنا مصرح ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت کسی مشغول بہ شغل ضروری کے قلب کو منتشر اور دو جانب کرنا شرعاً ناپسند ہے اسی طرح گندہ دہنی کے مرض میں جو شخص مبتلا ہو اس کو مسجد میں نہ آنے دینا بھی فقہاء نے نقل کیا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اذیت کے اسباب کا انسداد نہایت ضروری ہے۔

ان دلائل میں مجموعی طور پر نظر کرنے سے بہ دلالت واضح معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے نہایت درجہ پر اس کا خاص طور سے اہتمام کیا ہے کہ کسی شخص کے لئے ادنیٰ درجے میں بھی کسی قسم کی تکلیف و اذیت یا ثقل و گرانی یا ضیق و تنگی یا تکدر و انقباض یا کراہت و ناگواری یا تشویش و پریشانی یا توحش و غلیان کا سبب و موجب نہ ہو اور شارع علیہ السلام نے صرف قول اور اپنے فعل ہی سے اس کے اہتمام کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خدام کے قلت[1] اعتناء کے موقع پر ان کو ان آداب کے عمل کرنے پر بھی مجبور فرمایا اور ان سے کام لے کر بھی بتلایا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی رضؓ ایک ہدیہ لے کر آپؐ کی خدمت میں بدون سلام و بدون استیذان[2] داخل ہو گئے آپؐ نے فرمایا باہر واپس جاؤ اور بعد السلام علیکم کیا میں حاضر ہوں، کہہ کر پھر آؤ اور فی الحقیقت حسن[3] اخلاق مع الناس کا راس و اساس یہی ایک امر ہے کہ کسی کو کسی سے ایذاء و تکلیف نہ پہنچے جس کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جامع الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (رواہ البخاری)

جس امر سے اذیت ہو گو وہ صورۃً خدمت مالی یا جانی ہو یا ادب و تعظیم ہو جو عرف میں حسن خلق سمجھا جاتا ہے مگر اس حالت میں وہ سب سوء خلق میں داخل ہے کیونکہ راحت کی جان خُلق ہے جو مقدم ہے خدمت پر کہ پوست خُلق ہے اور قشر[4] بلا لب کا بیکار ہونا ظاہر ہے اور گو شعائر ہونے کے مرتبہ میں باب معاشرت مؤخر ہے۔ باب عقائد و عبادات فریضہ سے لیکن اس اعتبار سے کہ عقائد و عبادات کے اخلال سے اپنا ہی ضرر ہے اور معاشرت کے اخلال سے دوسروں کا ضرر ہے (دوسروں کو ضرر پہونچانا اشد ہے اپنے نفس کو ضرر پہونچانے سے) اس درجے میں اس کو ان دونوں پر تقدم ہے آخر کوئی بات تو ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں اَلَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ

---

[1] کم پرواہی [2] اندر آنے کی اجازت لینا [3] لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا [4] نرا چھلکا بلا مغز

قَالُوْا سَلَامًا کو جو دال ہے حسن معاشرت پر ذکر میں مقدم فرمایا صلوٰۃ وخشیت و اعتدال فی الانفاق وتوحید پر جو کہ باب طاعات مفروضہ وعقائد سے ہیں اور یہ تقدم علی الفرائض تو محض بعض وجوہ سے ہے لیکن نفل عبادت پر اس کا تقدم من کل الوجوہ ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو دو عورتوں کا ذکر کیا گیا ایک تو نماز روزہ کثرت سے کرتی تھی یعنی نوافل کیونکہ کثرت اسی میں ہو سکتی ہے مگر اپنے ہمسایوں کو ایذا پہونچاتی تھی اور دوسری زیادہ نماز روزہ نہ کرتی تھی (یعنی صرف فرائض پر اکتفا کرتی تھی) مگر ہمسایوں کو ایذا نہ دیتی تھی۔ آپ نے پہلی کو دوزخی اور دوسری کو جنتی فرمایا۔ اور باب معاملات سے گو اس حیثیت مذکورہ سے یہ مقدم نہیں کیونکہ اس کے اخلال سے بھی سے دوسروں کو ضرر پہونچتا ہے مگر ایک دوسری حیثیت سے یہ اس سے بھی اہم ہے وہ یہ کہ گو عوام نہ سہی مگر خواص باب معاملات کو داخل دین سمجھتے ہیں اور باب معاشرت کو بجز اخص الخواص کے بہت سے خواص بھی داخل دین نہیں سمجھتے اور جو بعض سمجھتے ہیں مگر معاملات کے برابر اس کو مہتم بالشان اعتقاد نہیں کرتے اور اسی وجہ سے عملاً بھی اس کا اعتناء کم کرتے ہیں اور اخلاق باطنی کی اصلاح عبادات مفروضہ کے حکم میں ہے جو حیثیت تقدم معاشرت علی العبادات کی اوپر مذکور ہو چکی ہے وہ یہاں بھی جاری ہے۔

غرض اس جزو یعنی باب معاشرت کا سب اجزاء دین سے مقدم و مہتم بالشان ہونا کسی سے من وجہ اور کسی سے من کل وجہ ثابت ہو گیا مگر باوجود اس کے عوام کا تو بکثرت اور خواص میں بھی بعض کا اس کی طرف خود عملاً بھی التفات کم ہے اور جو کسی نے خود عمل بھی کیا۔ مگر وہ دوسروں کو خواہ احباب ہوں یا اپنے متعلقین ہوں روک ٹوک یا تعلیم واصلاح کرنا تو مفقود محض ہے اس وجہ سے مدت سے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ کچھ ضروری آداب معاشرت جن کا اکثر اوقات موقع اور اتفاق پڑتا ہے تحریراً ضبط کر دیئے جائیں اور گو یہ احقر مدتوں سے اپنے متعلقین کو ایسے مواقع پر زبانی احتساب کرتا رہتا ہے گو اس میں میری اتنی خطا ضرور ہے

کہ بعض وقت مزاج میں حدت (تیزی) پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرکے اصلاح فرمادیں۔
اور اکثر وعظ میں بھی ایسے امورِ تعلیم و تبلیغ کرتا ہوں مگر بحسب قول مشہور العلم صید و
الکتابۃ قید جو بات تحریر میں ہے تقریر میں کہاں اس لئے تحریر کرنے کی ضرورت معلوم
ہوتی تھی۔ مگر اتفاق سے دیر ہوتی گئی خدا تعالے کے علم میں اس کا یہی وقت مقدر تھا۔ الحمد للہ
کہ اب اس کی نوبت آئی۔ اس کتاب کا نام آداب المعاشرت ہے۔ اگر یہ رسالہ بچوں کو بلکہ بڑوں
بھی پڑھا دیا جاوے تو انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں لطفِ جنت کا نصیب ہونے لگے گا جیسا
کہا گیا ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

واللہ ولی التوفیق و ہو خیر رفیق

(اشرف السوانح حصہ سوم)

تفسیر تقلید و اجتہاد

تقلید کی تفسیر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وارشادات پر عمل
کرتے ہیں اس تفسیر پر جو امام ابو حنیفہؒ نے بیان فرمائی ہے کیونکہ وہ ہمارے نزدیک درایت
وفقہ و حدیث میں اعلیٰ پایہ پر ہیں اور اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ امام صاحب کا فقیہ الامت
ہونا تمام امت کو تسلیم ہے اور ان کے علوم اس پر شاہد عادل ہیں اب بتائیے اس تفسیر کی بنا
پر تقلید میں شرک فی النبوۃ کیونکر ہو گیا اس لئے کہ جس کے نزدیک تقلید کا یہ درجہ ہوگا اس کے
نزدیک اتباعِ حدیث مقصود بالذات ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ محض واسطہ فی التفہیم ہوں گے۔ جو
شخص بلا واسطہ عمل بالحدیث کا دعویٰ کرتا ہے وہ حدیث کا اتباع اپنی ہی فہم کے درجہ سے کرتا
ہے اور جو شخص کسی امام مسلّم کا مقلد ہے وہ ایک بڑے شخص کی فہم کے واسطے سے حدیث کا اتباع
کرتا ہے اور یقیناً سلف صالحین کی فہم و عقل و ورع و تقویٰ و دیانت و امانت و خشیت و

احتیاط ہم سے اور آپ سے زیادہ تھی تو بتلایئے عمل بالحدیث کس کا کامل ہوا۔ آپ کا جو اپنے فہم کے ذریعہ سے حدیث پر عمل کرتے ہیں یا مقلد کا جو سلف کے ذریعہ سے حدیث پر عمل کرتا ہے اس کا فیصلہ اہلِ انصاف خود کریں۔ بہرحال تقلید کی تقسیم جو میں نے کی ہے۔ وہ علمِ عظیم ہے اس کو یاد رکھیئے۔

مدعیان عمل بالحدیث کا یہ اعتراض کہ تمہارے سامنے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے اور تم اس کو نہیں مانتے محض اس وجہ سے کہ تمہارے امام کا قول اس کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو تقلیدِ حدیث بالذات نہیں بلکہ تقلید قول امام مقصود ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا ہے اس میں احادیث مختلف ہوتی ہیں جس حدیث کو تم ہمارے سامنے پیش کرتے ہو ہمارا عمل اگر اس پر نہیں تو اس مسئلہ میں دوسری حدیث پر ہمارا عمل ہے اور تم اس حدیث کو نہیں مانتے جس کو ہم مانتے ہیں پھر ہمارے ہی اوپر کیا الزام ہے۔ تم پر بھی تو الزام ہے۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہماری حدیث راجح ہے اور تمہاری مرجوح۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طریق ترجیح کا مدار ذوق پر ہے۔ تمہارے ذوق میں ایک حدیث راجح ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے ذوق میں دوسری راجح ہے اور ہمارے نزدیک امامؒ کا ذوق تمہارے ذوق سے اسلم وارجح ہے۔ پھر تمہارا اپنے آپ کو عامل بالحدیث کہنا اور مقلدین کو عامل بالحدیث نہ کہنا محض ہٹ دھرمی ہے اس کو دوسرے عنوان سے کہتا ہوں کہ عمل بالحدیث کے معنیٰ آیا عمل بکل الاحادیث (کل حدیثوں پر عمل کرنا) ہے یا عمل ببعض الاحادیث (کچھ حدیثوں پر عمل کرنا)۔ کیونکہ اگر عمل بکل الاحادیث (سب حدیثوں پر عمل) مراد ہے سو یہ تم بھی نہیں کرتے اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ آثار مختلفہ اور احادیث متعارضہ میں سب احادیث پر عمل نہیں ہوسکتا یقیناً بعض پر عمل ہوگا اور بعض کا ترک ہوگا اور اگر عمل ببعض الاحادیث (یعنی بعض حدیثوں پر عمل کرنا) مراد ہے تو اس معنیٰ کو ہم بھی عامل بالاحادیث (حدیثوں پر عمل کرنے والے) ہیں۔ پھر تم اپنے ہی کو عامل بالاحادیث کدھر سے کہتے ہو۔

۲۲

دوسری بات یہ ہے کہ مسائل منصوصہ تو بہت کم ہیں۔ زیادہ مسائل اجتہادیہ ہیں اور ان میں مدعیان عمل بالحدیث بھی حنفیہ کی کتابوں سے فتویٰ دیتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں یا کسی اور امام کے قول کو لیتے ہیں، تو اکثر مسائل میں آپ بھی مقلد ہوئے۔ تو یہ کیا بات ہے کہ تقلید کرنا تو حرام نہیں صرف تقلید کا نام لینا ہی ناجائز اور شرک ہے اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ وہ تمام مسائل میں احادیث منصوصہ ہی پر عمل کرتا اور فتویٰ دیتا ہے تو وہ ہم کو اجازت دیں کہ معاملات وعقود وفسوخ وشفعہ ورہن وغیرہ کے چند سوالات ہم ان سے کریں اور وہ ان کا جواب ہم کو احادیث منصوصہ صریحہ صحیحہ سے دیں۔ قیامت آجائے گی اور احادیث سے وہ کبھی جواب نہ دے سکیں گے۔ اب وہ یا تو کسی امام کے قول سے جواب دیں گے جو تقلید ہوئی۔ یا یہ کہیں گے کہ شریعت میں ان مسائل کا کوئی حکم نہیں اور یہ الیوم اکملت لکم دینکم کے خلاف ہوگا اور یہیں سے قیاس واستنباط کا جواز بھی معلوم ہوگیا۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دین کو کامل کردیا گیا تو چاہیئے کہ کوئی صورت ایسی نہ ہو جس کا حکم شریعت میں نہ ہو اور ظاہر ہے کہ احکام منصوصہ بہت کم ہیں تو اب تکمیل دین کی صورت بجز اس کے کیا ہے کہ قیاس واستنباط کی اجازت ہو کہ ان ہی مسائل منصوصہ پر غیر منصوصہ کو قیاس کرکے ان کا حکم معلوم کریں۔ یہاں سے ان مدعیان عمل بالحدیث کی غلطی بھی ظاہر ہوگئی جو قیاس واستنباط کو مطلقاً رد کرتے ہیں۔

اور بعض احادیث میں جو قیاس کی مذمت ہے وہ وہ قیاس ہے جو اصول شریعت کے خلاف ہو یعنی جس کی اصل نص میں موجود نہ ہو بلکہ جس کا مبنیٰ محض اپنی رائے پر ہو اور جس قیاس کی اصل نص میں موجود ہو اس کی مذمت ہرگز نہیں ورنہ دین کا نقص لازم آئے گا۔

(وعظ۔ ارضاء الحق۔ اوّل)

حکمت درود شریف

حکمت اوّل: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات امت پر بے شمار ہیں

کہ صرف تبلیغ مامور بہا پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ان کی اصلاح کے لئے تدبیریں سوچیں ان کے لئے رات رات بھر کھڑے ہو کر دعائیں کیں ان کے احتمالی مضرت سے دلگیر ہوئے اور تبلیغ گو مامور بہ بھی لیکن تاہم اس میں واسطۂ نعمت تو ہوئے بہر حال آپ محسن بھی ہیں اور واسطۂ احسان بھی، پس اس حالت میں مقتضا فطرتِ سلیمہ کا یہ ہوتا ہے کہ ایسی ذات کے واسطے دعائیں نکلتی ہیں خصوصاً جبکہ مکافاۃ بالمثل نہ ہو سکے اور ہمارا عاجز ہونا اس مکافات سے ظاہر ہے کیونکہ ان انعام کا افاضہ غیر نبی سے نبی پر محالات سے ہے اور دعائے رحمت سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں اور اس میں بھی رحمت خاصہ کاملہ کی دعا جو کہ مفہوم ہے درود کا اس لئے شریعت نے اسی فطرتِ سلیمہ کے مطابق درود شریف کا امر کہیں وجوباً کہیں استحباباً فرمایا (ونحوہ فی المواہب)

حکمت دوم۔ چونکہ آپ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور محبوب کے لئے کسی چیز کی درخواست کرنا گو محبوب کو بوجہ اس کے کہ جس سے درخواست کی جاوے وہ خود بوجہ محبت کے وہ خیر اس محبوب کو پہنچا دے گا اس خیر کے ملنے میں اس درخواست کی حاجت ہی نہ ہو لیکن ایسی درخواست کرنا خود سبب ہوتا ہے اس درخواست کرنے والے کے تقرب کا، پس درود شریف میں چونکہ درخواستِ رحمت ہے محبوبِ حق کے لئے اس لئے یہ ذریعہ ہو جاوے گا خود اس شخص کو حق تعالیٰ کی رضا و قرب میسر ہونے کا (ونحوہ فی المواہب)

حکمت سوم۔ نیز اس درخواست میں اظہار ہے آپ کے شرفِ خاص عبدیتِ کاملہ کا کہ رحمتِ الٰہی کی آپ کو بھی ضرورت ہے (وہذا من سوانح سائف الوقت)

حکمت چہارم۔ چونکہ آپ بھی بشریت میں، مادیت میں، عنصریت میں امت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض امور زائدہ مثل کثرت مال وغیرہ میں اوروں کے ساتھ مساوی بھی نہیں اور یہ اشتراک اور عدم مساوات بسا اوقات منجر ہو جاتا ہے استنکاف کی طرف اعتقادِ عظمت و اتباعِ ملت سے جیسا امم ضالہ کو پیش آیا بعضوں نے یوں کہا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ اور بعض نے کہا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا

لَفِی ضَلَالٍ وَّ سُعُرٍ کسی نے کہا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ اس لئے درود شریف میں اس کا پورا علاج ہے کیونکہ اس میں دعا ہے رحمت خاصہ کی تو اس سے استحضار ہوا اس کا کہ آپ رحمتِ خاصہ کے مستحق ہونے میں سب سے ممتاز ہیں تو اس اشتراک کے ساتھ اس امتیاز کو بھی تو دیکھو جس کے سامنے دوسروں کا امتیاز مالی وغیرہ گرد ہے۔ اور نیز اس میں حکمتِ اول کے لحاظ سے استحضار ہے اس کا کہ ہم لوگ آپ کے ممنون ہیں اور عظمت اور منت کا استحضار رافع ہوتا ہے استنکاف کا بالخصوص جب نام مبارک کے قبل لفظ سیدنا و مولانا وغیرہ بھی بڑھا دیا جاوے اور نام مبارک کے بعد ایسے صفات بڑھا دیئے جاویں جن میں تصریح ہو آپ کے جد وجہد کی اشاعت دین کے لئے جو اعظم احسانات سے ہے۔ ہم پر اور رفع استنکاف سے افتقار و انکسار حادث ہو گا جو کہ اعظم مقامات مقصودہ سے ہے خصوص اس محل میں جس کے متعلق ہونے کا نصوص میں اہتمام کیا گیا ہو جیسے مقبولانِ الٰہی بالخصوص حضرات انبیاء علیہم السلام پھر خصوص سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کی طرف افتقار کا استحضار عین مرضی حق اور آپ سے اباء و استغنا بغایت نامرضی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

حکمت پنجم۔ بعض طبائع میں غلبۂ مذاقِ توحید کے سبب وسائط کے ساتھ کہ ان وسائط میں انبیاء بھی ہیں دل زیادہ آویختہ نہیں ہوتا گو بعد حصول قدر واجبِ اعتقاد و انقیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زیادت کا انتفاء مضر نہیں جیسا کہ مواہب کے مقصد سابع میں امام قشیری سے ابوسعید خراز کی حکایت نقل کی ہے کہ انھوں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ کو معذور رکھیئے کہ خدا تعالیٰ کی محبت مجھ کو آپ کی محبت میں مشغول نہیں ہونے دیتی۔ آپ نے فرمایا اے مبارک جو شخص حق تعالیٰ سے محبت کرتا ہے

وہ مجھی سے محبت کرتا ہے (کیونکہ یہ تو وہ جانتا ہی ہے کہ میرے توسط سے تو یہ بات نصیب ہوئی اور اس جاننے کے بعد ممکن نہیں کہ واسطہ سے محبت نہ ہو گو التفات نہ ہو سو امر ضروری محبت ہے نہ کہ التفات دائم) اور بعض نے کہا کہ یہ واقعہ ایک انصاری عورت کو سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاگنے میں پیش آیا لیکن کمالِ حال یہ ہے کہ جس واسطہ کی طرف اسی واحدِ حقیقی نے التفات کرنے کو اپنی رضا کا ذریعہ فرمایا ہے اس کی طرف التفات کرنے کو ذوقاً بھی شاغل عن التوحید نہ سمجھے بلکہ مکمل توحید جانے جیسا کوئی اپنے معشوق کے پاس جانا چاہے اور وہ معشوق اپنا ایک مقرب خاص اس کے پاس بھیج دے کہ اس کو اپنے ہمراہ لے آوے تو قضیۂ عقل یہ ہے کہ جس قدر اپنے محبوب کی مقصودیت حقیقیہ اس کے دل میں بسی ہوگی اسی قدر ہر قدم پر اس موصل الی المقصود کے قدم اور زبان پر اس کی توجہ ہوگی کیونکہ اس میں کمی ہونے سے خود وصول الی المقصود ہی مشکوک ہو جاوے گا جس کو یہ ناگوار اور محبوب بالذات کی مقصودیت حقیقیہ کے خلاف سمجھے گا اسی طرح جب اس عاشق کو معلوم ہوگا کہ میں جس قدر اس کا اکرام و مدارات وخدمت کروں گا میرا محبوب اسی قدر زیادہ خوش ہوگا تو وہ اور بھی اس میں مشغول رہے گا اور یہ شغل مانع عن الاشتغال بالمحبوب نہ ہوگا بلکہ اس اشتغال میں اور زیادہ معین ہوگا پس جس طرح اس مثال میں جس درجہ کی مقصودیت محبوب بالذات کی اس محبوب کی نظر میں ہوگی، اسی درجہ کا التفات موصل کی حرکت وسکون پر ہوگا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جس قدر التفات ہو وہ عین علامت ہوگی واحد تعالیٰ کے مطلوب وملتفت الیہ ہونے کی پس دونوں التفاتوں میں تزاحم نہ ہوا بلکہ تلازم ہوا پس اس ذوقی نقص کے رفع کرنے کے لئے درود شریف مشروع ہوا گویا صلوا علیہ وسلموا تسلیما میں حکم ہوا کہ اس واسطہ کی طرف توجہ بالاحترام کرنے سے ہم خوش ہوتے ہیں پس اگر کوئی ہمارا اور ہماری رضا کا طالب ہے تو اس واسطہ کی طرف توجہ بالاحترام کرے اور اس کو اشتغال بالغیر نہ سمجھے کیونکہ اشتغال بالغیر بالمعنی الاعم منافی توحید نہیں بلکہ اشتغال بالغیر بایں معنیٰ کہ وہ غیر حاجب ہو مقصود سے منافی توحید ہے اور جو غیر کہ خود موصل ہو اس کی طرف توجہ کرنا تو لوازم توحید سے ہے کہ

بدون اس کے توحید ہی تک وصول نہیں ہوتا (وہاتان الحکمتان من سوانح سائف الوقت)

شبِ قدر و معراج

ایک عبادت رمضان میں قابلِ اہتمام یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی تلاش کی جائے حدیث میں آیا ہے کہ عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کرو۔ اگر کسی کو شب میں جاگنے کی ہمت نہ ہو تو کم از کم ستائیسویں رات میں تو ضرور جاگ لے تمام رات جاگنا شرط نہیں اور اس میں جس قدر ہو سکے نمازیں پڑھتا رہے جب اس سے تھک جائے تلاوت قرآن پاک یا ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے۔

ستائیسویں رات کے متعلق بہت سے حضرات صحابہؓ کا جزم ہے کہ لیلۃ القدر یہی ہے مگر اس کے متعلق بعض لوگوں کو شاید فلسفیانہ شبہ پیدا ہو گا وہ یہ کہ چاند میں آج کل اختلاف ہے، تو جو رات یہاں ستائیسویں ہو گی وہ بعض جگہ اٹھائیسویں ہو گی تو کیا لیلۃ القدر دو ہوں گی اور ایک ہوئی تو کس کی روایت کا اعتبار ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو بھی خبر ہے کہ وہاں رات دن نہیں ہیں اور یہ تو خود سائنس والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ لیل و نہار کرۃ النسیم (کرۂ ہوائی) سے نیچے ہی نیچے ہیں۔

کرۃ النسیم کے اوپر رات دن نہیں بلکہ یکساں حالت ہے۔ یہ جواب جب میرے دل میں آیا بڑی خوشی ہوئی اور اس سے ایک بات ابھی اور دل میں آئی ہے وہ یہ کہ معراج کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر بیان فرمائی ہے سیر سمٰوات کا ذکر نہیں فرمایا جس سے بعض اہل باطل نے سیرِ سمٰوات کی نفی پر استدلال کیا ہے کہ وہاں سیر سمٰوات کا ذکر اس واسطے نہیں کیا گیا کہ وہاں لیلاً کی قید بھی مذکور ہے پس ضروری ہوا کہ اس قدر سیر بیان کی جائے جو لیل کے اندر واقع ہوئی اور ظاہر ہے کہ سیر سمٰوات لیل و نہار سے باہر ہوئی ہے۔ سمٰوات میں لیل و نہار کا تحقق ہی نہیں تو اس سے سیر سمٰوات کی نفی پر استدلال

محض لغو ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیر سمٰوات رات میں نہیں ہوئی سو یہ مسلم ہے بلکہ ہم تو یوں کہتے ہیں کہ وہ تو نہ دن میں ہوئی نہ رات میں۔ وہ تو ایسے مقام پر ہوئی جہاں رات ہے نہ دن۔ بہر حال وہاں لیل ونہار نہیں ہے اس واسطے لیلۃ القدر کی جو شان وبرکات ہیں وہ لیل ونہار کے ساتھ مقید نہیں بلکہ ارادہ حق کے تابع ہیں۔

اس کی مثال بارش کی طرح ہے کہ یہاں کے کرۃ النسیم کے نیچے آج بارش ہے اور کلکتہ کے کرۃ النسیم کے نیچے کل بارش ہے اگر شب قدر بھی ایسی ہے کہ یہاں آج ہے اور کلکتہ میں کل ہے تو اس میں اشکال کی کیا بات ہے آخر دنیا میں کیا ایسا اختلاف نہیں ہوتا پھر معنوی بارش برکات میں ایسا اختلاف ہو تو کیا تعجب ہے اس لئے بے فکر ہو کر آپ اپنی (مقامی) تاریخوں کے حساب سے کام کیجئے۔ اللہ تعالیٰ تو سب کی نیتوں کو اور کام کو دیکھتے ہیں وہ سب کو ان کے حساب کے موافق لیلۃ القدر کی برکات عطا فرمادیں گے۔

توسل کی حقیقت

توسل لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے۔ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ بعض حضرات نے بلا دلیل اَلْوَسِیْلَةَ کی شیخ ومرشد کے ساتھ بالتخصیص تفسیر کی ہے حالانکہ اس خصوصی تفسیر کی کوئی ضعیف دلیل بھی موجود نہیں۔ ہاں شیخ وسیلہ کے عموم میں آسکتا ہے کیونکہ وسیلہ کے معنی ہیں مَا یُتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَی اللہِ یعنی ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو اور چونکہ شیخ سے بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کو بھی وسیلہ کے عموم میں داخل کیا جاسکتا ہے کہ اسباب قرب میں سے ایک شیخ بھی ہے باقی بالتخصیص شیخ کے ساتھ تفسیر کرنا صحیح نہیں اور بعض نے تو اس سے بھی زائد غضب کیا اور کہا کہ وسیلہ سے بیعت شیخ مراد ہے یہ تو بالکل تحریف ہی ہے ہاں وسیلہ کے عموم میں شیخ کی تعلیم وتلقین اور اصلاح داخل ہو سکتی ہے۔ باقی بیعت وہ صرف

اس تعلیم وتلقین کی اتباع کا معاہدہ ہے خود وہ اسباب قرب سے نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ وسیلہ کے حاصل معنیٰ حق تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے ہیں باقی اس توسل کی ایک خاص صورت یہ دعا کرنا بھی ہے کہ یا اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے ہماری فلاں مراد پوری کر۔ اس کو جمہور جائز کہتے ہیں اور ابن تیمیہؒ منع کرتے ہیں اور چونکہ اس کی ممانعت کی دلیل نہیں چنانچہ عنقریب اس کی تحقیق آتی ہے۔ اس لئے اس توسل کو منع کرتے ہیں جو استعانت واستغاثہ تک پہنچ جائے کیونکہ اس سے شرک لازم آتا ہے اور ایسے توسل کو سب علماء منع کرتے ہیں اب میں توسل کی اس خاص صورت کی حقیقت بیان کرتا ہوں۔ اس کے متعلق مجھ کو بہت دنوں تردد رہا کہ ان الفاظ کے کیا معنیٰ ہیں۔

اول میں ابن تیمیہؒ کا مذہب بیان کئے دیتا ہوں پھر توسل کی حقیقت عرض کروں گا ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ توسل اعمالِ صالحہ سے تو مطلق جائز ہے اور اعیان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر زندہ ہوں تو بایں معنیٰ جائز ہے کہ ان سے دعا کی درخواست کی جائے اور اموات سے ناجائز ہے کیونکہ وہاں یہ معنیٰ متحقق نہیں ہوتے اور اس پر احادیث سے استدلال کیا ہے چنانچہ توسل بالاعمال کے جواز پر بخاری کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تین آدمی ایک غار میں بند ہو گئے تھے تو تینوں میں سے ہر ایک نے اپنے ایک ایک عمل سے توسل کیا یعنی اس کا واسطہ دے کر نجات کی دعا کی اور وہ دعا قبول ہو گئی۔ پھر توسل بالاعیان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ انھوں نے استسقاء میں حضرت عباسؓ سے تو توسل کیا جس کے وہی معنیٰ ہیں کہ ان سے دعا کی درخواست کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل نہیں کیا۔ اگر غیر احیاء سے توسل جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے توسل کو اختیار فرماتے۔ جمہور علماء نے اس آخر جزو کے متعلق بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے اس لئے توسل کیا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ حضورؐ کے ساتھ تو جائز ہی ہے۔ غیر نبی کے ساتھ بھی جائز ہے نہ یہ کہ

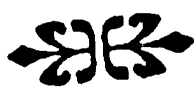
موتی کے ساتھ توسل ناجائز ہے۔ غرض ابن تیمیہؒ موتیٰ کے ساتھ توسل کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں اور جس طرح ابن تیمیہؒ نے اس کی ممانعت میں غلو کیا ہے اسی طرح بعض جاہل صوفیوں نے جانب جواز میں افراط سے کام لیا ہے وہ مردہ کو مخاطب کر کے اس سے حاجتیں مانگتے ہیں اور ایک درجہ بین بین ہے کہ مردہ سے حاجت تو نہ مانگے مگر اس سے کہے کہ تم ہمارے واسطے دعا کرو سو اس کا بھی کہیں ثبوت نہیں اور میں اس کو ناجائز تو نہیں کہتا لیکن چونکہ ثبوت نہیں ہے اس لئے احتیاطاً احتراز ہی چاہیئے۔

توسل بالاعمال کو تو ابن تیمیہؒ بھی جائز کہتے ہیں اس لئے میں اگر ان کے زمانہ میں ہوتا تو میں نہایت ادب سے عرض کرتا کہ حضرت اس توسل بالاعمال کی حقیقت ہے کیا؟ میری سمجھ میں تو اس کی حقیقت یہ آئی ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ فلاں عمل کے طفیل صدقہ میں یہ کام کر دے تو اس کے یہ معنیٰ ہوتے ہیں کہ اے اللہ یہ عمل آپ کے نزدیک محبوب ہے اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے عمل محبوب سے جس کو تلبس ہو اس پر خاص رحمت ہوتی ہے اور اس عمل کے ساتھ ہم کو بھی کسب و صدور کا تلبس ہے لہٰذا اس تلبس پر جو وعدہ رحمت کا ہے ہم آپ سے اس رحمت کو طلب کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اگر کوئی توسل بالاعیان بھی کرے تو توسل بالاعیان اور توسل بالاعمال میں کیا فرق ہے؟ پھر خواہ وہ اعیان احیاء ہوں یا اموات۔ کیونکہ اب اس توسل بالاعیان کا حاصل یہ ہوگا کہ اے اللہ یہ بزرگ زندہ یا مردہ آپ کے محبوب ہیں اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے محبوب سے جس کو تلبس ہوگا اس پر رحمت ہوتی ہے اور ہم کو ان بزرگ کے ساتھ عقیدت و محبت کا تلبس ہے اس لئے ہم آپ کی اس رحمت موعودہ کے طلب گار ہیں۔ اب فرمایئے کہ اس میں احیاء و اموات کا کیا فرق رہ گیا؟ مجھ کو یقین ہے کہ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ابن تیمیہؒ اگر زندہ ہوتے تو علی الاطلاق توسل بالاعیان الموتیٰ کی ممانعت سے رجوع فرما لیتے! مگر اب بھی ان کے قول کی یہ توجیہ کرتا ہوں کہ توسل ممنوع سے مراد ان کی وہ توسل ہے جو فریادو

استغاثہ تک پہنچا ہوا ہو اور مطلقاً توسل بالموتیٰ کی ممانعت نہیں کرتے یا یہ توجیہ کی جائے کہ توسل ممنوع تو وہی توسل ہے جو فریاد و استغاثہ کی شکل میں ہو مگر انھوں نے سدًا للباب مطلقاً ممانعت کر دی تاکہ عوام جائز توسل سے بڑھ کر ناجائز توسل میں نہ پھنس جائیں کیونکہ توسل صرف مباح وجائز ہی ہے (مقاصد و واجبات سے تو ہے ہی نہیں اور جائز امر سے فتنہ و گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہو اور اہلِ علم اس سے روک دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نہ مطلقاً توسل بالموتیٰ کی ممانعت ہے اور نہ یہاں تک جواز کہ ان سے حاجات یا بدرجۂ احتیاط دعا کی درخواست کی جائے۔ بین بین درجہ یہ ہے کہ ان کے طفیل سے دعا کر لی جاوے جس کی حقیقت طلب رحمت موعودہ بالتلبس ہے پس اعتدال پر رہ کر افراط و تفریط سے بچنا چاہیئے۔

(ملفوظات الفصل للوصل ۔ اسعد الابرار)



باب ۱۶

حضرتؒ کے مواعظ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ فرمانے کا یہ طریقہ تھا کہ خطبۂ ماثورہ کے بعد کلام اللہ کی کوئی ایک آیت یا کوئی حدیث شریف تلاوت فرماتے اور پھر اس کی تشریح کے لئے کئی کئی گھنٹے تک تقریر فرماتے بعض اوقات کئی کئی ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ سامعین میں ہر طبقے کے لوگ ہوتے۔ اہل علم، اہل باطن، موافق و مخالف، خواص و عوام، انگریزی تعلیم یافتہ، جج، وکلاء، تجارت پیشہ، دفتری لوگ، شہری، دیہاتی، بوڑھے، جوان بچے سب طرح کے لوگ ہوتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تخاطب ایسا دلکش اور دلنشین ہوتا کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ میرے دل کی بات کہہ رہے ہیں۔

اگر روئے سخن علماء کی طرف ہو گیا تو گو بیان میں عالمانہ نکات ہوتے مگر عامی اور عالم دونوں سر دھنتے۔ صوفیاء کی طرف متوجہ ہوتے تو مشکل سے مشکل معارف و حقائق بیان فرماتے اور رفتہ رفتہ تقریر کو آسان کرتے کرتے عوام کے ذہنوں تک پہنچا دیتے۔

حضرتؒ کی نظر دل کی گہرائیوں تک پہنچتی اور ان کے شبہات و اعتراضات و اشکالات حضرتؒ خود ہی سامنے لاتے اور خود ہی جواب دیتے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے سامنے عقل کو مغلوب اور کالعدم کر دیتے پھر جو کچھ کہنا چاہتے، اجمال سے یا تفصیل سے حکایتوں سے روایتوں سے اشعار سے دل میں اتار دیتے، یہ کرامت ہے ہمارے حضرتؒ کی کہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو، دہریوں کو، فلسفیوں کو اور بدعتیوں کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی بات سمجھا گئے اور عمل کرنے کے لئے آسان تدابیر بتا گئے۔

حضرت والا کا ایک ملفوظ ہے، فرمایا کہ الحمد للہ میری یہ عادت نہیں ہے کہ مسلمانوں کی حالت کا تجسس کروں نہ فرمائشی مضمون کبھی بیان ہو سکے بلکہ توکلاً علی اللہ بیان شروع کر دیتا

ہوں اور جو باتیں اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتے ہیں بیان کر دیتا ہوں اور وہ اکثر سامعین کی ضرورت وحالت کے مطابق ہوتی ہیں اس سے لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ کسی نے ہماری حالت اس سے کہہ دی ہے ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کو کشف سمجھیں مگر مجھے تو عمر بھر بھی کشف نہیں ہوا اور اس میں کشف کی کیا بات ہے بس حق تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتے ہیں، لے لیتے ہیں اتنی بات تو ہے کہ بحمد اللہ بیان کے وقت یہ نیت ضرور ہوتی ہے کہ اے اللہ ایسا مضمون بیان ہو جو ان لوگوں کی ضرورت کا ہو جس سے ان کی اصلاح ہو جائے، خدا تعالیٰ کو تو علم غیب ہے، وہ سب کی حالت جانتے ہیں وہ اس نیت کے بعد ضرورت وحالت کے مطابق مضمون دل میں ڈال دیتے ہیں کہ آج کی مجلس میں یہ بیان کرو۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ میں کسی کے فرمائشی مضمون پر کبھی وعظ نہیں کہتا بلکہ وقت اور حالات کی ضرورت کے مطابق جب منجانب اللہ میرے دل میں تقاضا پیدا ہوتا ہے، اسی وقت میری زبان کھلتی ہے۔ حضرتؒ کے مواعظ پڑھنے تو اندازہ ہو گا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دین کے ہر شعبہ پر کس قدر مصلحانہ اور مجددانہ گہری نظر ڈالی ہے اور ان میں جو غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کو کس قدر حسن وخوبی کے ساتھ رفع کرنے کی تدابیر بتائی ہیں مثلاً مغربی تعلیم وفلسفہ سے نوجوانوں میں الحاد وزندقہ کے رجحانات پیدا ہو گئے تھے۔ اسلامی شعائر سے مغایرت پیدا ہو رہی تھی۔ امور آخرت میں اوہام وشکوک پیدا ہو گئے تھے۔ پھر عبادات میں افراط وتفریط کی طرف مسلمانوں کی طبیعتیں مائل ہو گئی تھیں، بدعات ورسومات دین میں شامل کر لی گئی تھیں، یا احکامات شریعت وسنت میں تاویلات پیدا کی جا رہی تھیں۔

اسی طرح معاملات میں اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑا جا رہا تھا اپنے مقاصد اور اغراض نفسانی کے لئے ہر ناجائز چیز کو جائز اور ہر حرام چیز کو حلال کرنے کی تاویلیں جاری ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے کاروباری زندگی اور خانگی زندگی بالکل درہم برہم ہو کر رہ گئی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں کا معاشرہ، مغربی تہذیب وتمدن سے بری طرح مسموم اور مجروح ہو رہا تھا اور احساس

شرافت ہی ختم ہوتا جارہا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اخلاق باطنی کا تو کیسر فقدان ہی فقدان پیدا ہوگیا تھا۔ نفسانی و شہوانی لذتوں کی فراوانی نے مسلمانوں کو مدہوش کرنا شروع کر دیا تھا تعلقات باہمی میں ریاکاری، منافقت اور فریب دہی، بے مروتی نے زندگی کو بالکل بے کیف بنا دیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انھی تمام باتوں کے لئے اصلاحی مضامین اپنے مواعظ میں بیان فرمائے ہیں۔ میں نے چند خاص خاص باتوں کی طرف آپ کی توجہ اس لئے مبذول کرائی ہے کہ آپ اس دَور کے مجدّد و مصلح امت کے مواعظ پڑھیں اور اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

چونکہ اللہ تعالٰے کو حضرتؒ سے دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام لینا منظور تھا، اس لئے حضرتؒ نے تحصیل علوم سے فراغت کے بعد جب درس و تدریس کا کام شروع کیا تو ابتدائے سن ہی سے وعظ کہنا شروع کر دیا تھا۔ اور وہ وعظ اہلِ ذوق قلم بند کرنے لگے، چنانچہ حضرتؒ کے اسی ابتدائی زمانے کے جو وعظ ہیں وہ آج بھی اسی طرح نافع اور عقدہ کشائے باطن ہیں جیسے کہ اس وقت تھے۔ یوں تو حضرتؒ نے اپنی تریسٹھ سالہ مدت تبلیغ میں ہزاروں وعظ فرمائے ہیں لیکن جس قدر قلم بند ہوگئے ان کی تعداد بھی تقریباً ساڑھے تین سو یا کچھ زائد ہے اور بہت سے قلم بند شدہ وعظ ایسے بھی ہیں جو شائع نہ ہوسکے۔

حضرتؒ کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ اشاعت سے پہلے ہر قلمبند شدہ وعظ کو خود بہ نظر اصلاح دیکھ لیتے تھے پھر شائع ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ اس طرح ہر وعظ گویا حضرت کی خود ایک مستقل تصنیف ہے۔ حضرت نے اس بات کی بھی تاکیداً وصیت فرمائی ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں جن تصانیف، مواعظ و ملفوظات پر نظر کر لی ہے بس وہی معتبر ہیں۔ میرے بعد جو بھی تصنیف میری طرف منسوب کی جائے گی میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

حضرتؒ کے وعظ میں خداداد والہانہ انداز ہوتا تھا۔ سننے والوں کے دل روشن ہونے ذوق بدلتے، دین کی فہم پیدا ہوتی۔ حق و باطل میں امتیاز، عقائد کی پختگی دین کی صحیح نظر اور پہچان

ایسی پیدا ہوتی کہ بڑے سے بڑے زندقہ والحاد کے پردے چاک ہو جاتے۔ اوہام و شکوک سے ذہن پاک و صاف ہو جاتے اور شیاطین و رہزنان طریق کی فریب کاری کا راز فاش ہو جاتا۔ الفاظ و انداز تقریر۔ مخلوق کی دلسوزی اور خدا تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوتے اس لئے دل میں اتر جاتے اور ؎

از دل خیزد بر دل ریزد

کا مصداق ہوتے کبھی دوران وعظ فرماتے "صاحبو! کس طرح اپنے دل کی بات آپ کے دل میں ڈال دوں اور کس طرح اطمینان دلاؤں۔ قسم سے زائد کوئی ذریعہ اطمینان کا اس وقت میرے پاس نہیں۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں واللہ ثم واللہ ثم واللہ اگر تم خدا تعالیٰ کے دین کی رسی کو مضبوط پکڑ لو تو پھر تم سلف کی طرح تمام دنیا کے مالک بن جاؤ۔"

کبھی فرماتے " اے لوگو اگر ہم کو حق پر ثابت قدم رہنے میں استقلال ہو جائے تو ہمارا کام بن جائے"۔ اچھے اخلاق کی تحصیل کی اس طرح تعلیم فرماتے:۔

"صاحبو! رحمت خدا تعالیٰ وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے لوگوں نے سلطنتیں چھوڑ دیں مال و دولت تو کیا چیز ہے ایک حسن خلق کا پیدا ہو جانا بندگان خدا کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔

کبھی پر جوش مشفقانہ لہجے میں فرماتے کہ میری باتیں سن لو اور محفوظ کر لو کبھی شاید کوئی ایسا وقت آئے کہ تم کو دین کی صحیح اور معتبر باتیں بتانے والا باوجود طلب و تلاش کے نہ ملے تو انشاء اللہ تعالیٰ میری یہی باتیں تمہاری رہنمائی اور حصول مقصد کے لئے کافی و شافی ہوں گی۔

کبھی دوران وعظ اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے کے طریقے کے متعلق فرماتے!

رہ قلندر کی حقیقت تو بیان ہو چکی ہے، مگر اس کا طریق عمل بیان کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ محض حقیقت کا معلوم ہو جانا عمل کے لیے کافی نہیں، لہٰذا رہ قلندر کی تحصیل کا طریق بھی بیان کرتا ہوں

اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسا طریق ہے جو محبت اور عمل دونوں کا جامع ہے پس ان دونوں چیزوں کی تحصیل کا طریق معلوم ہونا چاہیے۔ عمل کے متعلق تو خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمت کرو عمل ہو جائے گا پس اس کا یہی طریق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیونکر پیدا ہو لیجیے میں اس کا ایک نسخہ لاکھوں روپے کا مفت بتلائے دیتا ہوں، وہ نسخہ مرکب ہے چند اجزاء سے وہ سب چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں، غور سے سُنیں وہ چند چیزیں یہ ہیں۔ سب سے اوّل ہے عمل کیونکہ میں اول ہی تقریر میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ عمل میں خاصیت ہے محبت پیدا کر دینے کی اور اس کو بہت بڑا دخل ہے محبت پیدا کرنے میں چاہے تجربہ کر لو، روز روز کسی کے پاس جایا کرو، دیکھو محبت ہو جائے گی، پہلے تھوڑی ہوگی، پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جائے گا کہ بہت ہی زیادہ، غرض یہ مسلّم امر ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہوگا اُتنی ہی زیادہ محبت ہوگی، وہ جو کہتے ہیں پالے کی محبت اس کی یہی تو اصل ہے۔ غرض نیک عمل میں یہ برکت ہے کہ اُس سے محبت حق پیدا ہو جاتی ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو مدت سے نیک عمل کر رہے ہیں مگر محبت پیدا نہیں ہوئی جواب یہ ہے کہ نیک عمل کے مفہوم میں ایک ہی چیز تو نہیں کہ بس عمل کر لیا۔ بلکہ وہ مرکب ہے اور اجزاء سے بھی، ایک جزء تو عمل کرنا ہے، دوسرا جزء ہے کہ عمل کو اس کے طریق کے مطابق کیا جائے۔ مثلاً صرف ٹکریں مارنے کو نماز نہیں کہتے، نیک عمل جس طرح کیا جاتا ہے اور جو اُس کا مامور بہ طریق ہے اُس طریق سے اُس کو کرو۔ پھر دیکھو محبت کیسے پیدا نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہے کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا، اس نیت سے نہیں کیا کہ اللہ کی محبت بڑھ جاوے، عمل میں یہ نیت نہیں کی کہ اے اللہ آپ کی محبت پیدا ہو جائے، سو اس نیت سے عمل کر دیکھو ان شاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے بہرحال ایک جزء تو اس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت ازدیادِ محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو۔ دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ کا نام لو جی لگا کر یعنی تھوڑا تھوڑا

اللہ اللہ بھی کرو تیسری بات یہ ہے اور یہ بہت ہی ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اوّل تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جاکر رہیں، بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل مکمل ہو گئے۔ بھلا تری کتابوں سے بھی کوئی مکمل ہوا ہے۔ ارے بھائی موٹی بات ہے کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتیٰ کہ اگر بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جا سکے گا، بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی کے پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے ہوئے اور بلا قلم کی گرفت اور خط کی کشش کو دیکھے ہوئے ہرگز خوش نویس نہیں ہو سکتا۔ غرض بدون صحبت کامل کے کوئی کامل نہیں بن سکتا۔ لہٰذا پیر کامل کی صحبت لازمی ہے، پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ کبھی مرید پیر سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ مگر ابتدا میں تو کسی شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں۔ اور آج کل اسی کی ضرورت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی کسی مصلح کے پاس گئے بھی تو وہاں تو ہوتی ہے اصلاح پہنچتے ہی لتاڑ پڑنا شروع ہو گئی۔ تو اب یہ حضرت گھبرائے کہ میاں کس مصیبت میں آ پھنسے ہم تو آئے تھے بزرگ سمجھ کر انھوں نے لتاڑنا ہی شروع کر دیا، یہ کیسے بزرگ ہیں، یہ کیسے اللہ والے ہیں۔

حضرت اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقے سے ہوتی ہے۔ تم جو شیخ کے پاس اصلاح کی غرض سے آئے ہو تو اس کی سختی اور لتاڑ کو برداشت کرو اور اگر برداشت نہیں ہے تو اصلاح کی درخواست ہی نہ کرو، بھائی وہاں تو اصلاح اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوگی، پھوڑا لے کر گئے ہو تو نشتر لگے ہی گا، اب وہاں تو نشتر لگانا ضروری اور یہاں یہ حال ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق
تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

بس نام ہی نام ہے عشق کا ایک ہی زخم لگا تھا کہ بھاگے۔

تو حضرت نرا وظیفہ اصلاح کے لیے ہرگز کافی نہیں، نرے وظیفے والے پیروں سے واللہ ثم واللہ ہرگز کبھی اصلاح ہو۔ اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقہ سے، تو اہل محبت کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں وہ کرو۔ تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور ہو جائیگا اور خدا کی قسم اس قدر محظوظ ہو گے کہ تمہاری نظر میں پھر سلطنت کی بھی کچھ حقیقت اور وقعت نہ رہے گی۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

چو بشنو دگشت حافظ کے تشمارد بہ یک جو مملکت کاؤس کے را

جناب میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں، اے صاحب میں مکرر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرے گا وہ ایسا ہی ہو جائے گا کہ پھر اس کو نہ موت کا خوف ہوگا، نہ ذات الجنب کا نہ نمونیہ کا نہ بخار کا، نہ قحط کا نہ وبا کا، کوئی غم نہ رہے گا۔ بس بالکل جنت کی سی حالت ہو جائے گی۔ ہاں غم ہوگا تو ایک کہ اللہ میاں تو ناراض نہیں۔ خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں، نہ جانے وہ مجھ سے راضی ہیں یا ناراض بس اس غم کے سوا اور کوئی غم نہ ہوگا۔ مگر یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ہزاروں خوشیاں اس پر نثار اس شخص سے اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا یہ غم تو ہم لے لیں اور اس کے عوض اپنی ساری خوشیاں تمہیں دے دیں تو کبھی نہ بدلے گا تو حضرت یہ دولت ملے گی اہل اللہ کے پاس جانے اور ان کا اتباع کرنے سے تو حاصل طریق یہ ہے کہ اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو ظاہراً و باطناً اور اللہ اللہ کرو۔ کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں، ان کو پڑھا کرو۔ جی یہ چار چیزیں ہیں میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ جو ان چار پر عمل کر کے دکھلا دے گا وہ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ کا مصداق یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور محب ہو جاوے گا، ضرور ہو جاوے گا، ضرور بالضرور ہو جاوے گا۔

لو صاحب اب اختیار ہے جو چاہے عمل کر کے دیکھ لے اور تجربہ کر لے اور اس کی ضرورت نہیں کہ مرید ہو جاوے، اجی کس کی پیری مریدی لیے پھرتے ہو یہ تو ہتکھنڈا ہے بیعت کی

صورت ضروری نہیں۔ اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کر دو بس ہو گیا تعلق۔ واللہ وہی نفع ہو گا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے۔ اب لوگوں کا عجب حال ہے کہ کام بتاؤ تو نہ کریں بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں، بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے۔ چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کر لیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے اُن سے تو لوگ بہت خوش ہیں اور میں مرید تو کرتا نہیں لیکن کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں۔ یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہیں فقیری کے وہ جو انچھر ہیں پریم کے وہ مریدوں ہی کو بتائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مرید کرتے ہی پیر بس پریم کے دو انچھر بتا دے گا اور اللہ والے ہو جائیں گے۔ دھرے تھے انچھر دھرے تھے بھید ڈلے پتھر میاں خدا رسول کا نام لو اور احکام بجا لاؤ بس یہی انچھر ہیں۔ اصلاح نفس کے طریقے پیر سے پوچھو یہی بھید ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ کیا باطنی طریق بس یہی ہے تو ہم بآواز دہل کہیں گے کہ ہاں یہی ہے اور اس طریق میں کبھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئیں گے بڑی بڑی کیفیات بھی طاری ہوں گی یہ سب ہو گا مگر یہ مقصود نہیں ہے۔

بھائی حالات تو سڑک کے پھولدار درخت ہیں نظر آئے تو کیا نہ نظر آئے تو کیا سڑک تو بہر حال قطع ہو گی، درختوں اور پھولوں کا نظر آنا نہ آنا سڑک کے قطع ہونے کے لیے ضروری نہیں نظر پڑیں گے تب قطع ہو گی نہ نظر پڑیں گے تب قطع ہو گی بس چلتے رہنا شرط ہے اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر بھی نظر نہیں آتے، واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہیں طریق میں بس ایسے ہیں جیسے سڑک پر دو طرفہ گلاب اور بیلے کے درخت لگے ہوں۔ کبھی نیچے نظر کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر پڑیں یا نہ پڑیں۔

افسوس تصوف کا ناس کر دیا ہے ان جاہل صوفیوں نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ چلّے کھینچو، بیوی کو طلاق دیدو، اولاد کو عاق کر دو، دروازہ کو تیغا کر دو۔ چالیس چنے رکھ لو اور ایک چنا روز کھاؤ بدون اس کے فقیری ملتی ہی نہیں، میں کہتا ہوں واللہ دو شالوں میں۔ گدے تکیوں میں سلطنت میں، مرغن کھانوں میں فقیری ملتی ہے مگر گھر میں نہیں شیخ کامل کی خدمت میں ملتی ہے۔

ایک وعظ کے سلسلہ میں فرمایا اس زمانے کے نو تعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ دین کو ظاہری ترقی سے کیا تعلق

ہے گویا بہ الفاظ دیگر دین کی پابندی کو دنیاوی ترقیات میں حائل سمجھتے ہیں، ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دین اور ترقی کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ یہ تعلق بہت زیادہ ظاہر ہے۔ صدیوں تک مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ کفار نے بھی مشاہدہ کیا ہے کہ دین کی پابندی نے مسلمانوں پر ہر قسم کی ترقیات کے دروازے کھول دیئے تھے ادھر مسلمانوں نے دین کی پابندی چھوڑنا شروع کردی ادھر ترقی نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ان لوگوں کا یہی دستور ہے کہ جو بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی فوراً اس کا انکار کر دیتے ہیں صرف ظاہر اور مادہ پر ان کی نظر ہے باطن اور روحانیت سے بالکل غافل ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

عقل در اسباب می دارد نظر عشق می گوید مسبّب را نگر

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مذہب سے اکتا گئے ہیں اور مذہب کے ساتھ کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ کا سلوک کرنا چاہتے ہیں اسلامی احکام، اسلامی تہذیب، اسلامی اخلاق خواہ کتنے ہی اعلیٰ اور افضل کیوں نہ ہوں پسند نہیں آتے، طبائع بالکل مسخ ہوتی جارہی ہیں نیک و بد کا امتیاز ہی اٹھتا جاتا ہے، کاش مسلمان ہوش میں آئیں اور اسلام جیسی نعمتِ عظمیٰ کی قدر پہچانیں۔

صحابۂ کرام اپنی تدبیروں پر کبھی بھروسہ نہ کرتے تھے بلکہ ہر قسم کی تدبیر مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا اور طلب نصرت اور تفویض الی اللہ کرتے تھے۔ یہ راز ہے ان کی کامیابی کا اور یہ وہ زبردست ہتھیار ہے جس کو مادہ پرست نہیں سمجھ سکتے۔

اے مسلمانو! یاد رکھو تم کو جب کامیابی ہوگی، خدا تعالیٰ سے علاقہ جوڑنے کے بعد ہوگی اور جب تک تم اپنی کامیابی کو مادی اسباب اور ظاہری طاقت کے حوالے کرتے رہوگے، کبھی کامیاب نہ ہوگے۔ کیوں کہ اس قوت میں دیگر اقوام ہم سے ہمیشہ آگے رہیں گی، تم ان کے برابر کبھی نہیں ہو سکتے۔ تمہارے پاس رضائے الٰہی اور اتفاق و جمعیت کے ساتھ دعا کا ہتھیار بھی ہو تو کوئی قوم تم پر غالب نہیں آسکتی۔

ایک وعظ کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ گناہوں کے متعلق ایک بڑی مفید بات آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ بات آپ مجھ ہی سے سنیں گے کہ "اول تو

جہاں تک ہوسکے ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچو اور اگر گناہ کرتے ہی ہو تو اس کو گناہ اور حرام ہی سمجھنا اور دوسری بات یہ ہے کہ سوتے وقت دن بھر کے گناہوں کا حساب کر لیا کرو کہ صبح سے اس وقت تک کیا کیا گناہ کئے خصوصاً وہ گناہ جو معاش کے متعلق ہیں کیونکہ مال حرام سب سے بُری چیز ہے یہ تخم ہے تمام گناہوں کا۔ سو اس طرح گناہوں کو یاد کر لیا کرو اور تخلیہ میں زبان سے کہا کرو کہ اے اللہ میں بڑا نالائق ہوں اور اس قابل ہوں کہ غرق کر دیا جاؤں۔ کوئی عذر میرے پاس نہیں ہے۔ میں نے بہت ہمت کی، مگر کامیابی نہیں ہوئی آپ مدد فرمایئے اور مجھے اس خباثت سے نجات عطا فرمایئے۔

میں یہ ایسی کام کی بات بتاتا ہوں کہ اوّل تو اس سے وہ گناہ ہی چھوٹ جائے گا اور اگر بالفرض نہ چھوٹا اور ساری عمر اسی میں مبتلا رہا۔ تب بھی اتنا فائدہ پہونچے گا کہ مرتے وقت صرف ایک گناہ ہی سر رہے گا کیونکہ جب روز توبہ کی جاتی ہے تو اس سے ماضی کا تو کفارہ ہو جاتا ہے تو بجائے اس کے کہ سو دن کے گناہ سر ہوتے ایک ہی دن کے رہ جائیں گے۔

جو تدبیر میں نے بتائی ہے اس سے آپ کے ذمہ صرف ایک دفعہ رہ جاتی ہے اور بغیر اس کے بہت سی دفعات لگی ہوئی ہیں یعنی بے فکری کا گناہ، غفلت کا گناہ، روزانہ کی بد اعمالیوں کا گناہ۔ اگر یہ تدبیر کروگے تو صرف ایک ہی عمل کا گناہ رہ جائے گا اور ان گناہوں کے لئے ایک اور کام کی بات عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ گناہ جن کو چھوڑنے میں ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی اور ایک وہ جن کو چھوڑنے میں کسی قدر تکلیف ہوتی ہے۔ اوّل کی مثال مردوں کے لئے ریشم پہننا، داڑھی منڈوانا وغیرہ۔ ان کے چھوڑنے میں کیا تکلیف ہوتی ہے ان کو تو فوراً چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس کے لئے کوئی معتدبہ دواعی بھی نہیں سوائے لاپرواہی کے۔ دوسری قسم گناہ کی یہ ہے مثلاً ناجائز ملازمت۔ رشوت لینا، عورتوں کا نامحرم کے سامنے آنا۔ باریک لباس پہننا۔ ننگے سر رہنا وغیرہ، تو ایسے گناہوں کے متعلق کہہ دیتا ہوں کہ رفتہ رفتہ چھوڑ دو۔ نیت یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح تو چھوڑیں جن سے ایک دم چھوڑنے کی امید

نہیں۔ بلکہ اگر ان پر زور ڈالا جائے تو عمر بھر بھی نہ چھوڑیں۔ اس کے لئے وہی طرز عمل رکھو جو میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ رات کو وہ گناہ یاد کیا کرو۔ اور اپنی خطا کا اعتراف کر کے زبان سے کہو کہ " اے اللہ میں بڑا نالائق ہوں۔ گندہ ہوں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں، اسی طرح اور سخت سخت الفاظ اپنے متعلق استعمال کرو اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ میں عاجز ہوں، آپ میری مدد فرماویں۔ میرا قلب ضعیف ہے گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں ہے آپ ہی میری نجات کا سامان فرما دیجئے۔ یا اللہ اب تک جو میں نے گناہ کئے ہیں اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے بس یہ نہیں کہتا کہ میں پھر گناہ نہ کروں گا (اس لئے کہ مجھے اپنی ہمت اور نیت پر بھروسہ نہیں ہے اور بری عادت کا چھوٹنا آسان نہیں ہے) اگر گناہ ہوگا تو پھر آپ سے معاف بھی کرالوں گا (آپ اس طرح عمل شروع کر دیں) اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ اوّل تو گناہ چھوٹ جائے گا اور اگر ساری عمر بھی نہ چھوٹا تو صرف ایک دفعہ کے آپ مجرم رہیں گے۔

لیجئے میں نے ایسی آسان تدبیر بتلا دی ہے جس کی نسبت میرا دعویٰ ہے کہ اس سے زیادہ تخفیف دس برس تک بھی کسی مصلح سے نہ سنیئے گا اور اس بیان پر شاید بعض طبیعتوں میں شبہ پیدا ہو کہ یہ تو گناہ کی تعلیم کی جا رہی ہے۔ سو سمجھ لو کہ یہ گناہ کی تعلیم نہیں ہے **ترک گناہ** کی تعلیم ہے ہاں اس کے لئے سہولت کی شکل نکالی گئی ہے۔ (وعظ جلاء القلوب)

ایک سلسلۂ وعظ میں فرمایا کہ انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے حق تعالیٰ سے اچھی امید رکھنا چاہیئے، وہ بندے کے ظن کے ساتھ ہیں۔ جیسا بندہ ان کے ساتھ گمان کرتا ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ فرماتے ہیں۔ بڑی رحیم کریم ذات ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ طلب ہو اور کام میں لگا رہے جو بھی ہو سکے کرتا رہے پھر وہ اپنے بندہ کے ساتھ رحمت اور فضل ہی کا معاملہ فرماتے ہیں۔ وہ کسی کی محنت اور طلب کو رائیگاں یا فراموش نہیں فرماتے۔ ایک شخص کا مقولہ مجھ کو بہت پسند آیا کہ کئے جاؤ اور لئے جاؤ۔ واقعی ایسی ہی ذات ہے، اس

قائل نے (کہنے والے نے) بہت بڑے اور اہم مضمون کو دو لفظوں میں بیان کر دیا۔ ہاں لگا رہنا شرط ہے۔ اور ایک یہ ضروری بات ہے کہ ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہ پڑے اس سے بھی انسان بڑی دولت سے محروم رہتا ہے کیونکہ یہ بھی تو ماسوا اللہ ہی کی مشغولی ہے خلاصہ میرے مضمون کا یہ ہے کہ قصد سے ماضی و مستقبل کے مراقبے کی ضرورت نہیں ہے، اگر بغیر قصد کے خیال آجائے تو ماضی کی کوتاہیوں پر توبہ و استغفار کر لیا کرے بس کافی ہے پچھلے معاصی کا کاوش کے ساتھ استحضار بھی کبھی حجاب بن کر خسران کا سبب ہو جاتا ہے اور اس طرح نہ آئندہ کے لئے تجویزات کی ضرورت ہے کہ یہ بھی ضرر رساں ہے نہ اس کی ضرورت کہ میں نے پہلے کیا کیا تھا اور اب کیا ہوگا اور میں کچھ ہوا یا نہیں۔ کن جھگڑوں میں وقت ضائع کرتے ہو۔ کام میں لگو۔ ان فضولیات کو چھوڑ دو۔ کسی حالت میں بھی مایوس نہ ہو، وہ تو دربار ہی عجیب ہے کوئی شخص کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو ایک لمحہ، ایک منٹ میں کایا پلٹ ہو جاتی ہے بشرطیکہ خلوص کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو کر رجوع کرے اور آئندہ کے لئے استقلال کا عزم کرے۔ پھر تو جس نے کبھی ساری عمر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا ہو اور اپنی عمر کا تمام حصہ معاصی اور لہو لعب میں برباد کیا ہو اس کے لئے بھی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔

؎ باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ ناامیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

جو بندے کے لئے مشکل ہے وہ خدا تعالیٰ کے لئے آسان ہے اسی کو فرماتے ہیں

؎ تو مگو ما را بداں شہ بار نیست — با کریماں کارہا دشوار نیست

رحمت حق ہر وقت اپنے بندوں کے لئے بخشش کا بہانہ ڈھونڈتی ہے فی الحقیقت حق تعالیٰ ادنیٰ بہانے سے بندوں پر رحم فرما دیتے ہیں۔ نجات تو چھوٹی سی بات پر ہو جاتی ہے، مگر چھوٹی بات پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ یہ بالکل غلط مشہور ہے کہ مواخذہ بھی چھوٹی سی بات پر ہو جاتا ہے مواخذہ تو بڑی ہی بات پر فرماتے ہیں۔ اب رہا یہ کہ کوئی بڑی بات کو چھوٹی بات

خیال کرلے اسی کا کسی کے پاس کیا علاج۔

ایک وعظ کے سلسلہ میں فرمایا کہ وہ دستور العمل جو دل پر سے پردہ اٹھاتا ہے اس کے چند اجزاء ہیں۔ ایک تو دین کی کتابیں دیکھنا یا سننا۔ دوسرے مسائل دریافت کرتے رہنا۔ تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا اور اگر ان کی خدمت میں آمد و رفت نہ ہو سکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات و ملفوظات ہی کا مطالعہ کر و یا سن لیا کرو اور اگر تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کرلیا کرو، تو یہ تو اصلاح قلب میں بہت ہی معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ کے لئے نکال لو جس میں اپنے نفس سے اس طرح باتیں کرو کہ :۔

اے نفس ایک دن دنیا سے جانا ہے۔ موت بھی آنے والی ہے۔ اس وقت یہ سب مال و دولت یہیں رہ جاوے گا۔ بیوی، بچے سب تجھے چھوڑ دینگے اور خدا تعالےٰ سے واسطہ پڑے گا۔ اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں ہے اس لئے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لئے کچھ سامان کر۔ یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے۔ اس کو فضول و رائیگاں نہ جانے دے مرنے کے بعد تُو اس کی تمنا کرے گا کہ کاش میں کچھ نیک عمل کر لیتا جس سے مغفرت ہو جاتی مگر اس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہوگی۔ پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کرلے ۔"

یہ تھا حضرتؒ کا انداز بیان جس کے دو ایک نمونے ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیئے ورنہ حضرتؒ کا تو ہر وعظ ہر ملفوظ اسی طرح ناصحانہ و مشفقانہ انداز میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا چونکہ حضرت منجانب اللہ رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ایک منصب خاص پر فائز تھے اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے دل میں یہی جذبہ موجزن رہتا تھا کہ اپنے مخاطبین اور سامعین

کے دل میں وہ بات اتار دیں جو اللہ اور اس کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلق اللہ کے لئے پسند فرمائی ہے اور جو ان کے دین و دنیا کے لئے ضروری ہے جس سے مسلمانوں کو حیاتِ طیبہ نصیب ہو اور ان میں آخرت کے لئے فکر و اہتمام پیدا ہو جائے۔

آپ حضرات میرے اس مضمون کو حسنِ بیان یا جوشِ عقیدت پر محمول نہ کریں بلکہ میں صاحبانِ ذوق و طلب کو دعوتِ فکر و نظر دیتا ہوں کہ وہ حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ و ملفوظات کا خود مطالعہ فرمائیں اور پھر خود اپنے تاثرات کی منفعت اور لذت کا اندازہ لگائیں مطبوعہ مواعظ میں بھی ایسی جاذبیت ہے کہ ایک دفعہ پڑھنا شروع کیا جائے تو درمیان میں چھوڑنا مشکل ہوتا ہے جی چاہتا ہے کہ کسی طرح ختم ہی نہ ہو۔

یہ سب کچھ منجانب اللہ حضرتؒ کی محبوبیت اور مقبولیت کی دلیل ہے۔ فقط ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

آپ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ ضرور پڑھیں ان میں مسلمانوں کی صلاح و فلاحِ دارین کے لئے بہت مضامین ہیں۔ ہر وعظ ایک مستقل تصنیف ہے۔ جن لوگوں کو قرآن و حدیث، شریعت اور طریقت کا علم حاصل کرنے کا موقع نصیب نہیں ہے جو تاریخِ اسلام اور حالاتِ سلف سے ناواقف ہیں ان کو ان مواعظ میں سب ہی کچھ ملے گا۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ کلام اللہ میں کیا مضامین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی کیا ہیں صحابہ کرام کے کیا کارنامے ہیں۔ مفسرین، محدثین، فقہاء و صوفیا کون لوگ ہوتے ہیں اور ان کی خصوصیات کیا ہیں۔ مذاہب کا اختلاف کیا معنی رکھتا ہے۔ فلسفۂ اسلام کیا ہے۔ نفس و شیطان انسان کی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی سیاست و حکومت کا کیا انداز ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے تجارت و سیاحت کس طرح کی۔ علوم و فنون میں کیا کیا ایجادات کا اضافہ کیا۔ مسلمانوں کی تعلیم گاہیں اور خانقاہیں کس طرح مسلمانوں کے لئے رشد و ہدایت کا مرکز بنیں۔ مسلمانوں کی خانگی زندگی اور قرابت و رشتہ داری کی زندگی کیسی ہونی چاہیئے۔

رسومات و بدعات نے مسلمانوں کو کس طرح نقصان پہنچایا۔ انگریزی تعلیم و تمدن اور تہذیب سے مسلمانوں کے اخلاقیات کس طرح مسموم اور مجروح ہوئے غرضکہ تمام عالمگیر اور ہمہ گیر معلومات اگر حاصل کرنا ہے تو آپ کم از کم حضرتؒ کے چالیس وعظوں کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کریں مجھے اپنے ذاتی تجربے سے یہ یقین ہے کہ انشاء اللہ پھر آپ تمام دوسری کتابیں پڑھنے سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ فقط وما توفیقی الا باللہ

چند مواعظ جو حسب ذیل مضامین پر مشتمل ہیں

۱۔ سیرۃ النبوی صلی اللہ علیہ وسلم	النور ۔ الحبور ۔ مورد الفرحی
۲۔ ترجیح آخرت	نفی الحرج ۔ الباب ، ترجیح الآخرہ
۳۔ تصوف	اول الاعمال ۔ الغضب ۔ آخر الاعمال
۴۔ علم دین	مفتاح الخیر ۔ طلب العلم ۔ فضل العلیم
۵۔ تبلیغ	آداب التبلیغ ۔ دعوۃ الی اللہ
۶۔ رسومات تقریبات شادی و اموات	تجارت آخرت ۔ الباقی ۔ عضل الجاہلیہ
۷۔ معاشرت	حقوق البیت ، حقوق المعاشرت ، منازعۃ الہوی
۸۔ تربیت باطن	راحت القلوب
۹۔ تمدن اسلام	تکمیل الاسلام ۔ العزۃ ۔ ملت ابراہیم
۱۰۔ عبادات	العبادہ ، خیر الحیات ، الفاظ القرآن
۱۱۔ عقائد	طریق النجاۃ ، شرط الایمان ، آثار العبادۃ
۱۲۔ معاملات	اسباب الفتنہ ۔ اسباب الغفلۃ ۔ خیر الارشاد
۱۳۔ عورتوں کے متعلق	اصلاح النساء ۔ تفصیل الذکر العفۃ
۱۴۔ امور شرعیہ شریعت اسلام	الاتفاق ۔ المباح ۔ اسلام الحقیقی
۱۵۔ احوال آخرت	السوق لاہل الشوق ، شوق اللقاء ، رجاء اللقاء

باب ۱۷

حضرتؒ کے ملفوظات

"حضرت حکیم الامت کے ملفوظات کا سلسلہ تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل میں مدون ہوا ہے اور ان میں سے ہر ایک ان کی نظر سے گذار کر چھاپا گیا ہے اور جن میں سے اکثر حسن العزیز وغیرہ ناموں سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ ان ملفوظات میں بزرگوں کے قصے سنجیدہ لطیفے، قرآن و حدیث کی تشریحات، مسائل فقہ کے بیانات، سلوک کے نکتے، اکابر کے حالات، طالب علموں کے لئے ہدایات و تنبیہات، آداب و اخلاق کے نکات، اصلاح نفس و تزکیہ کے خبریات وغیرہ اس خوبی اور خوش اسلوبی سے درج ہیں کہ اہل شوق کے دل و دماغ دونوں اس آب زلال سے سیراب ہوتے ہیں"۔ (مجربات سید سلیمان ندویؒ)

چونکہ ہمارے حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے حکیم الامۃ، قطب الارشاد و حجۃ اللہ فی الارض کے مناصب پر فائز فرمایا تھا اس لئے آپ دیکھیں گے کہ حضرت کی تمام تصانیف و تالیفات خصوصاً مواعظ و ملفوظات حضرت کے ان ہی مراتب کی طرف نشاندہی کرتے ہیں ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ہر شعبۂ زندگی میں دینا و آخرت کے تمام امور میں شریعت و طریقت کے ہر مسئلہ میں جو دشواریاں اور اشکالات پیدا ہوتے رہتے ہیں ان سب کا حل اور آسان طریقۂ عمل حضرتؒ کے ملفوظات میں موجود ہے اور اس قدر تنوعات ہیں کہ جس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

میں حصول سعادت کے لئے حضرتؒ کے چند بصیرت افروز ملفوظات اور بعض مواعظ و مضامین سے اقتباسات اس مقالہ میں شامل کر رہا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ ان سے میرے سابقہ مضامین کی بھی وضاحت ہو گی اور ناظرین کے ایمان میں تازگی اور حیات طیبہ میں شگفتگی بھی پیدا ہو گی، اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین۔

شریعت و طریقت

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے عمل ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ اور جیسے نکاح و طلاق و ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارۂ قسم وغیرہا اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و کلام و طعام و مقام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہا ان مسائل کو **فقہ** کہتے ہیں۔

اور بعض حکم متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا تعالیٰ سے محبت رکھنا۔ خدا تعالیٰ سے ڈرنا۔ خدا تعالیٰ کو یاد رکھنا۔ دنیا سے محبت کم ہونا۔ خدا تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہنا۔ حرص نہ کرنا۔ عبادت میں دل کا حاضر رکھنا۔ دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا۔ کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا۔ غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان کو **سلوک** کہتے ہیں۔

نسبت و مقام کی تعریف

ایک غلبۂ ذکر کہ غفلت میں وقت کم گذرے دوسرے دوام طاعت کہ نافرمانی بالکل نہ ہو۔ اصل مامور بالتحصیل یہی چیزیں ہیں اور اسی کے لئے سب مجاہدات و معالجات اختیار کیے جاتے ہیں جن پر حسب سنت الٰہیہ وہ مقصود مرتب ہو جاتا ہے اولاً قدرے تکلف ہوتا ہے بعد چندے (جس کی مدت معین نہیں استعداد پر ہے) مثل امر طبعی کے ہو جاتا ہے گو احیاناً ضد کا تقاضا بھی ہوتا ہے مگر ادنیٰ توجہ سے وہ ضد مغلوب ہو جاتی ہے اس رسوخ و ثبات کو **مقام** کہتے ہیں پس یہ فی نفسہٖ غیر اختیاری ہے لیکن باعتبار اسباب کے اختیاری ہے اور یہی رسوخ و ثبات اس حیثیت سے کہ غلبۂ ذکر و دوام طاعت کا ملزوم ہے نسبت کہلاتا ہے (یعنی حضرت حق سے ایسا تعلق قوی جس پر غلبۂ ذکر اور دوام طاعت کا ترتب لازم ہو) اور اس نسبت من العبد پر ایک دوسری نسبت من الحق موعود ہے یعنی رضا و قرب پس اہل طریق جب لفظ نسبت کا اطلاق کرتے ہیں مراد ان ہی دو نسبتوں کا مجموعہ ہوتا ہے نہ کہ صرف

ملکہ یا دداشت جس میں بہت سے غیر محقق دھوکہ میں ہیں۔

تعلق مع اللہ کی علامات

تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امراض سے شفا ہوگئی اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہوگیا یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے۔ موانع مرتفع کر دیئے۔ معالجۂ امراض سے واقف ہو گئے۔ نفس کی اصلاح ہوگئی۔ اخلاقِ رذیلہ زائل ہو گئے اور اخلاق حمیدہ اور، انوار ذکر سے قلب آراستہ ہوگیا۔ اعمالِ صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اعمال و عبادات میں سہولت ہوگئی۔ نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہوگیا تو سیر الی اللہ ختم ہوگئی اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا۔ تعلق سابق میں ترقی ہوئی اسرار و حالات کا ورود ہونے لگا

یہ غیر محدود ہے یہ وہ تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے ؎

بحر یست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جز این کہ جاں بسپارند چارہ نیست

عدم حصول کا احساس نعمت ہے

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کو ساری عمر کی محنت و کوشش کے بعد یہ معلوم ہوجائے کہ مجھ کو کچھ حاصل نہ ہوا تو اس کو سب کچھ حاصل ہوگیا۔ اگر مقامات طے بھی ہو گئے تو ان کے طے ہونے میں وہ حظ نہیں جو اس سمجھنے میں ہے۔ کہ ہم نے ابھی کچھ بھی راستہ قطع نہیں کیا گویا تیلی کے بیل کی طرح ہیں اور یہ حظ ہے انکسار و افتقار اور عجز و عبدیت کا۔

مقصود و طریق

ارشاد۔ کچھ اعمال مامور بہا ہیں ظاہرہ بھی باطنہ بھی نیز کچھ اعمال منہی عنہا ہیں ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ عملی و علمی غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ مشائخ طریق طالب کے حالات اور عوارض

کو سمجھ کر ان کا علاج بتلا دیتے ہیں ان پر عمل کرنا طالب کا کام ہے اور اعانت طریق کے لئے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں واضح ہو گئے۔ یہ اعتقاد کہ میرے پاس کوئی عمل نہیں کیا تھوڑا عمل ہے۔

حقیقت تصوف کی

صرف علم باعمل ہے اور عمل بھی وہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اور جو سالک کے اختیار میں ہے اس کے علاوہ سب چیزیں زائد ہیں، اگر وہ عطا ہو جاویں اور شیخ ان کو محمود تبلا دے تو وہ بھی نعمت اور قابل شکر ہیں اور اگر عطا نہ ہوں، یا عطا ہو کر زائل ہو جاویں تو ان کی تحصیل کی فکر یا ان کے زوال پر قلق، طریق میں ناجائز اور باطن کے لئے سخت مضر ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔

سالک کے لئے ادائیگی حقوق کا اہتمام

اہل حقوق کے حقوق شرعیہ معینہ میں غفلت یا کوتاہی کرنا معصیت ہے جو مقصود کے لئے رہزن ہے ان لزوجك حقًا الخ

طریق میں حرص و ہوس مضر ہے

فرمایا کہ سالک کو کسی چیز کی ہوس نہ چاہیئے۔ کوئی ذوق و شوق کا متمنی ہے کوئی رقت قلب کی خواہش کرتا ہے کسی کو کشف و کرامات کی تمنا ہے۔ کوئی جنت کو مقصود سمجھ کر اس کا طالب ہے حالانکہ کسی چیز کی بھی طلب و ہوس نہ کرنا چاہئیے کیونکہ عبدیت کے معنی ہیں مالک کے سامنے سر جھکا دینے کے اور جو حکم ہو اس کو بسر و چشم قبول کر کے عمل کر لینے کے پھر عبد ہو کر کسی چیز کی ہوس کرنا کہ مجھے یہ ملے وہ ملے۔ یہ ہوس حقیقت میں فرمائش ہے مالک سے جو کیوں کر جائز ہوگی اگر کوئی شبہ کرے کہ حدیث شریف میں آیا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّۃَ۔ یہاں پر جنت کا سوال کیا گیا ہے۔

(ترجمہ) اے اللہ! بے شک میں آپ سے آپ کی رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں۔

جواب یہ ہے کہ اس سوال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوال کرے کہ فلاں صاحب سے کہاں

ملاقات ہوگی جواب ملے کہ باغ میں اس پر وہ شخص باغ میں جانے کا آرزومند ہو تو حقیقت میں وہ باغ مقصود بالذات نہ ہوگا، بلکہ مقصود وہ صاحب ہیں۔ مگر وہ باغ میں ملیں گے اس لئے اس کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اس مقام پر رہتے ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں مقصود رضا ہے جس کو جنت پر مقدم فرمایا ہے مگر چونکہ اس کا حصول جنت میں ہوگا لہٰذا جنت کا بھی سوال کیا گیا حق تعالیٰ سبحانہ ارشاد فرماتے ہیں وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ یہاں پر رضا کو جنت سے اکبر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ بڑی چیز یہی ہے۔ پھر یہ نکتہ بیان کیا کہ اس اکبر کی تحصیل کے لئے ذریعہ بھی اکبر ہی ہونا چاہیئے سو فرماتے ہیں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے تمام احکام پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔

توبہ کے ساتھ تلافیٔ حقوق ضروری ہے

فرمایا اگر کسی بندہ کے حقوق ذمہ ہوں تو ان کو ادا کرے یا معاف کرا لے اور خدا کا حق ہو جیسے نماز روزہ قضا ہو گیا ہو تو اس سے توبہ کر کے ان کی قضا شروع کر دے اس طرح توبہ کرنے سے نفس گناہوں سے بالکل پاک ہو جائے گا کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ہر قسم کے عیب سے سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔

مجاہدے کی حقیقت

فرمایا مجاہدہ کہتے ہیں نفس کی مخالفت کرنے کو یعنی اس کے اقتضاءات کے روکنے کو مثلاً باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے تو مجاہدہ یہ ہے کہ خاموش رہے کسی وقت خاموشی کو جی چاہتا ہے اس وقت مجاہدہ یہ ہے کہ باتیں کرے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نفس کے ہر تقاضے کی مخالفت کرو یہاں تک کہ کسی وقت کھانے پینے کو جی چاہے تو بھوکے پیاسے مرنے لگو، نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اقتضائے نفس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو یقیناً مذموم ہیں یعنی خلاف شرع ہیں۔ ان کی مخالفت تو ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جو یقیناً محمود ہیں جیسے فرض نماز روزہ

اور بقدر ضرورت کھانا پینا کپڑا پہننا۔ ان کی مخالفت ضروری کیا ہوتی بلکہ موافقت ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جو نہ یقیناً مذموم ہیں اور نہ یقیناً محمود ہیں بلکہ دونوں کو محتمل ہیں جیسے مباحات بلکہ بعض دفعہ مستحبات بھی۔ ان میں شیخ محقق سے رجوع کیا جائے۔ اگر وہ کہدے کہ تقاضا محمود ہے تب تو مخالفت کی ضرورت نہیں اور اگر وہ کہے کہ یہ تقاضا مذموم ہے تو اس کی مخالفت کی جائے۔

پس خلاصہ مجاہدہ کا یہ ہوا کہ محرمات و مباحات میں نفس کی مخالفت کی جائے مباحات میں تو اس طرح کہ ہر بات پر تو عمل نہ کیا جائے بلکہ تقلیل کی جائے اور محرمات میں اس کی مخالفت اس طرح کہ ان کو بالکل ترک کیا جائے اور مجاہدہ کا یہ درجہ تو سب کے نزدیک واجب ہے یعنی محرمات سے بچنا اور اس کی ضرورت ہر مسلمان کے نزدیک مسلّم ہے بلکہ اصل حالت کے اعتبار سے تو اس کو مجاہدہ میں داخل کرنا بھی ٹھیک نہیں بھلا زہر سے بچنا بھی کوئی مجاہدہ ہے۔
مجاہدہ تو اسے کہتے ہیں جس میں نفس پر مشقت و گرانی ہو اور ظاہر ہے کہ اصل مشقت فطرتاً ان ہی کاموں کے ترک میں ہوتی ہے جن کی فی الجملہ اجازت ہے اور جن کا حرام ہونا معلوم ہے ان کے ترک میں مجاہدہ ہی کیا ہوتا ہے
مگر چونکہ قریب قریب ہر شخص محرمات میں مبتلا ہے اس لئے ترک محرمات میں بھی مجاہدہ ہوگا ورنہ اصل فطرت کے اعتبار سے تو اصل مجاہدہ یہی ہے کہ مباحات میں بھی نفس کی مخالفت کی جائے کہیں انہماک میں کہیں نفس فعل میں بھی کیونکہ بعض مواقع میں جب نفس کو مباحات سے روکا جاوے گا اسی وقت وہ محرمات سے بچ سکے گا۔ کیونکہ مباحات کی سرحد محرمات سے ملی ہوئی ہے اور قاعدہ ہے کہ جس جنگل میں شیر رہتا ہو اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی سرحد کے پاس بھی نہ جاؤ۔
اگر کوئی شخص جنگل کی حدود میں رہ کر شیر سے بچنا چاہے یہ اس کی حماقت ہے ممکن ہے کبھی غلطی سے حد کے اندر داخل ہو جائے اور شیر کا سامنا ہو جائے۔
اس لئے سالکین کو مباحات میں انہماک سے بہت ہی احتراز چاہیے اور یہاں سے معلوم

ہو گیا کہ بیوی بچوں کو چھوڑنا اور گھر کو تالا لگانا یہ مجاہدہ نہیں ہے کیونکہ بیوی بچوں کی خبر گیری شرعاً فرض ہے اور مجاہدہ ترک فرائض کا نام نہیں بلکہ ترک محرمات اور کہیں ترکِ مباحات کا نام ہے۔

اگر کسی شخص کو بیوی سے محبت ہو جائے تو اس کے ازالہ کا حکم نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ محبت خلافِ شرع نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے واسطے تمھاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

انسان صرف طلب و فکر اور سعی کا مکلّف ہے

ارشاد۔ کمال کسی کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ انسان اس کا مکلف ہے انسان کا کام طلب و فکر اور سعی ہے اگر طلب کے ساتھ ساری عمر بھی ناقص رہے تو وہ انشاء اللہ کاملین ہی کے برابر ہو گا بلکہ ممکن ہے بعض باتوں میں ان سے بھی بڑھ جائے یعنی مشقت کے ثواب میں کیونکہ کاملین کو نفس کی مخالفت گراں نہیں ہوتی اور دلیل اس کی یہ حدیث ہے وَالَّذِیْ یَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَ عَلَیْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ۔ اور جو شخص اس (تلاوت قرآن) میں اٹکتا ہو اور وہ اس پر شاق ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔

کام کرنا شرط ہے خواہ بے نظمی سے ہو

ارشاد۔ کام کرنے کا طریق یہ ہے کہ کام شروع کر دے کسی امر کا انتظام نہ کرے، اگر بعض حالات میں انتظام سے کام نہ بھی ہو بلا سے۔ بے انتظامی پھر بھی بیکاری سے اچھی ہے ؎

دوست دارد دوست این آشفتگی کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی

غرضیکہ کسی طرح ہو کام کرتے رہیں اور شیخ کو اطلاع کرتے رہیں۔ اسی بے نظامی سے جبکہ دھن لگی رہے انشاء اللہ تعالیٰ نظام پیدا ہو جائے گا اور ہمت میں قوت اور طبیعت میں تقاضا پیدا ہونے لگے گا انشاء اللہ

۲۴

جبلّی رذائل کی اصلاح

اگر یہ شبہ ہو کہ جبلّت تو کسی کی بدل نہیں سکتی، پھر جبلّی صفات رذیلہ کی اصلاح کیوں کر ہو سکتی ہے تو خوب سمجھ لو کہ مادہ جبلّی ہوتا ہے مگر فعل اختیار میں ہے پس مادہ بے شک زائل نہیں ہوتا مگر اس کے مقتضاء پر عمل کرنا نہ کرنا اختیار میں ہے اور اسی کا نام تکلیف ہے اور بار بار اس مقتضاء کی مخالفت کرنے سے وہ مادہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے۔

عقل و ایمان کی سلامتی

فرمایا کسی حال کا طاری ہونا اور چندے جاری رہنا یہ بھی بڑی دولت ہے ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل و ایمان ہے باقی سب میں آمد و رفت رہتی ہے۔

اتباع سنت کی برکت

فرمایا ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں بہت ہی جلد نفع شروع ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بطریق جذب نفع پہنچتا ہے نہ بطریق سلوک، اور اس جذب کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اتباع سنت کا بڑا اہتمام ہے جب حق تعالیٰ کے محبوب کا اتباع کیا جاتا ہے تو محبوب کا اتباع کرنے والا بھی محبوب ہو جاتا ہے تو محبت کا خاصہ ہے انجذاب پس حق تعالیٰ فوراً اس کو اپنی طرف منجذب فرما لیتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ط
آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالے تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

کبر اور تحدّی کی تعریف

ارشاد۔ نعمت پر فخر کرنا اور اس کو اپنی عقل و دانش اور سعی و کوشش کا ثمرہ سمجھنا کبر ہے اور اس کو عطائے حق سمجھنا اور اپنی نا اہلی کو مستحضر رکھنا شکر ہے۔

اہلِ سلوک کا کبر اور تواضع مفرط

ارشاد۔ کام کرنے والوں کو دین کا کام کرنے سے دو مرض پیدا ہوتے ہیں ایک کبر

دوسرا تواضع مفرط ۔ کبر تو یہ ہے کہ وظیفہ پڑھ کر اپنے اوپر نگاہ کرنے لگے ۔ نماز پڑھ کر بے نمازیوں کو حقیر سمجھنے لگے اس کا علاج یہ سمجھتے رہنا ہے کہ تکبر کی وجہ سے بڑے بڑے عابدوں کے قدم توڑ دیئے گئے ہیں کہ منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکے شیطان اور بلعم باعور کی حکایت اس کی نظیر ہے ۔

تواضع مفرط یہ ہے کہ اس حد تک تواضع کرے کہ اپنے اعمالِ صالح کی بے قدری کرنے لگے مثلاً اس طرح کہے کہ اگرچہ ہم نماز پڑھتے ہیں مگر اس میں خشوع تو ہے نہیں ذکر کرتے ہیں مگر انوار تو بالکل نہیں ۔ گویا در پردہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کر رہے ہیں علاج اس کا یہ کہنا ہے کہ خداوندا آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہم کو ذکر و نماز کی توفیق دی ورنہ ہماری کیا مجال تھی جو آپ کی بندگی کر لیتے ۔ اس نعمت کی توفیق بھی آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل میں ملی جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا ؎

وَاللّٰہِ لَوْلَا اللّٰہُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

مشائخ بھی اپنی اصلاح سے مستثنیٰ نہیں

ارشاد ۔ جو شیخ صاحب نظرِ صحیح ہو وہ اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کرے کہ اپنے احوالِ خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کیا کرے اپنی رائے سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنے خیالات و واقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے اور دوسروں کی نظر ہر پہلو پر جاتی ہے ، اور جس شخص کو دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے ۔ اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا ۔ جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنا دیں اور اپنے معاملاتِ خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کیا کریں تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے اور اسی پر کفایت کرے اور مبتدیان سلوک اور متوسطین کے لئے تو یہ بہت ہی مضر اور سدِ راہ ہے ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہیئے ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

مجاہدۂ اضطراریہ کا نفع و ادب

جس طرح وضو کا بدل تیمّم ہے اور اجر میں اس سے کم نہیں اسی طرح مجاہدۂ اختیاریہ یعنی اعمال و اوراد کا بدل مجاہدۂ اضطراریہ یعنی تشویشات و بلیات ہیں اور اجر میں ان کے برابر بلکہ بعض منافع میں ان سے اقویٰ ہیں ان کو نعمت سمجھ کر اطمینان سے کام میں بقدر وسع مشغول رہنا چاہیئے البتہ دعا کرتے رہیں کہ وہ مبدل بہ راحت وجمعیت ہوں کہ دعا مسنون ہے غرض کہ جب تک وہ تشویشات و بلیات باقی رہیں تفویض تو فرض ہے اور دعا مسنون اور جبکہ وہ زائل ہوجائیں شکر واجب ہے اور دونوں حالتوں میں بقدر وسع مشغول رہنا ادب طریق ہے۔

عدمِ زوالِ پریشانی ومصیبت کا علاج

تنگی اور مصائب کے دور ہونے کا ارادہ ہی چھوڑ دیا جائے بلکہ موجودہ پریشانی ہی کے لئے اپنے کو آمادہ کر لیا جاوے۔ بس دو چیزوں کا التزام کر لیا جائے۔ دعا زوالِ مصیبت کی اور استغفار۔ اور ثمرات کو آخرت تک ملتوی سمجھا جاوے۔ بس یہ علاج ام العلاج ہے جس میں علاج ہی مقصود ہے صحت مقصود نہیں۔

طبعی غم اور کسبی غم میں فرق

ارشاد۔ فرمایا کہ میں ایک بات لاکھوں کی بتاتا ہوں وہ یہ کہ طبعی غم اور ہے اور کسبی غم اور طبعی غم کی مدت بہت کم ہے وہ تو خود بخود بہت جلد زائل ہوجاتا ہے ہاں کسبی غم جو خود سوچ سوچ کر پیدا کیا جاتا ہے اور تذکرہ کر کر کے بڑھایا جاتا ہے۔ وہ البتہ اشد ہے مگر اس کا حدوث و بقا اختیاری ہے۔ سوچنا موقوف کرو، تذکرہ نہ کرو تو کسبی غم پاس بھی نہ آئے گا۔ رہا طبعی غم وہ غیر اختیاری ہے مگر وہ نہ تحمل سے باہر ہے نہ اس کی مدت زیادہ ہے۔ شریعت نے تو اس کی مدت بس تین روز رکھی ہے۔ چنانچہ تعزیت حاضرین بلد کی تین دن کے بعد ناجائز ہے۔

پھر اس کی حکمت میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ نے یہ غم بھی محض رحمت کی وجہ سے دیا ہے، یعنی ایک دولت دینا چاہتے ہیں جس کا آلہ غم کو بنایا ہے۔ غم کی حکمت یہ ہے کہ انسان متمدن ہے اور تمدن موقوف ہے ہمدردی پر اور ہمدردی موقوف ہے رقتِ قلب پر۔ پس رقت کو تازہ کرنے کے لئے بعض دفعہ اسباب رقت یعنی غم وغیرہ نازل ہوتے ہیں۔ اگر اس کی تجدید نہ کی جاوے تو یہ قوت بالکل معطل ہو جاتی ہے چنانچہ اطباء نے تصریح کی ہے کہ جس قوت سے کام نہ لیا جاوے وہ بیکار ہو جاتی ہے۔ بہرحال غم کی حکمت یہ ہے کہ اس سے قلب کی رقت اور صفتِ رحمت تازہ ہو جاتی ہے اور یہ بڑی دولت ہے جو دین میں بھی کارآمد ہے اور دنیا میں بھی۔

سلوکِ کامل

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ غیر اختیاری کاموں کے پیچھے پڑنے سے وقت خراب ہوتا ہے اور کام نہیں ہوتا ہے اور کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ غیر اختیاری ہے، انسان اختیاری کام کو کرے، غیر اختیاری کو چھوڑ دے۔ یہی کام کرنے کا سہل طریق ہے۔ اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ میں نصف سلوک ہے اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ کل سلوک ہے حقیقت کی بے خبری کے سبب لوگ مشکلات اور دشواریوں میں پڑ گئے۔ چنانچہ ایک شعبہ اس کا غیر اختیاری کاموں کے درپے ہونا ہے، حالانکہ تصوف سے سہل اور آسان کوئی چیز بھی نہیں۔

معصیت باعث ہلاکت ہے

یہ کم بخت نہایت ہی بری اور مہلک چیز ہے اس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے۔ وہ ذلت اور وہ گھڑی بندہ کے لئے نہایت ہی مبغوض اور منحوس ہے جس میں یہ اپنے خدا کا نافرمان ہوتا ہے اگر حس ہو تو فوراً معصیت کرنے کے بعد قلب پر ظلمت محسوس ہوتی ہے۔ بعض نافرمانیوں کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے عمل کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے

جو بڑے خوف کی بات ہے اور معصیت میں ایک اور خاصیت بھی ہے کہ اس کے محکوم اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہوئے وہ شوخی کرنے لگا فرمایا آج ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے یہ ہماری نافرمانی کرتا ہے۔

توہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید — ترسد از وے جن وانس و ہر کہ دید

اور ایک خاصیت معصیت کی سب سے شدید ہے وہ یہ کہ کبھی بے فکری اور بے خیالی سے صغیرہ سے کبیرہ صادر ہو جاتا ہے کر وہ سبب کفر کا بن جاتا ہے۔ اس لئے انسان کبھی گناہ کر کے بے فکر نہ ہو توبہ و استغفار کرتا رہے مگر یہ بھی نہیں کہ اس کو مشغلہ بنالے اور اس مراقبہ میں رہا کرے بلکہ ایک بار خوب باقاعدہ توبہ کر کے کام میں لگے اور اس کے بعد پھر جب کبھی خیال آجایا کرے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کہہ کر پھر آگے چلے کام میں لگے۔

زیارتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

وظائف کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ارادہ کرنا بڑی ہی ناواقفیت کی بات ہے اگر ایسا ہی ذوق وشوق ہے تو اتباع کرو اس پر بھی اس مقصود کا ترتب لازم نہیں مگر بہ نسبت اوراد کے اس میں توقع زیادہ ہے۔

پریشانی کا علاج

فرمایا پریشانی کی طرف التفات کرنا سبب زیادہ پریشانی کا ہو جاتا ہے۔ جب پریشانی ہو بجائے اس کی طرف متوجہ ہونے کے حق تعالیٰ کی طرف خیال کر کے متوجہ ہو جائے کہ وہ ان سب امور میں ہم کو کافی ہیں اور انہیں سے تعلق بڑھانا سب بلیات کا دافع ہے بس اس طریق سے آنا فانا پریشانی کا اثر گھٹتا جاوے گا حتیٰ کہ بالکل نابود ہو جاوے گی کر کے دیکھیے اور آرام لے۔

فرمایا کہ ذاکر مریض کو چاہیئے کہ جب تک کامل طور پر صحت وقوت نہ ہو جائے معمولات

شروع نہ کرے البتہ بلا کسی قید کے زبان سے یا قلب سے جو ذکر سہل معلوم ہو اس کا خیال رکھے۔

شیخ کے پاس رہنے کے منافع

شیخ کے پاس رہنے کے منافع حسبِ ذیل ہیں (۱) جو ارشادات زبانی سننے میں آتے ہیں وہ خلاصہ ہوتے ہیں تحقیقات و مسائل کے جس سے اپنی حالت بھی وضوح کے ساتھ منکشف ہوتی ہے (۲) اور ان اہل صحبت میں جو بابرکت ہوتے ہیں وہاں ایک نفع صحبت کی برکت اور ان کے طرز عمل سے سبق لینا ہوتا ہے (۳) عمل کا شوق بڑھتا ہے (۴) اپنے عیب معلوم ہوتے ہیں (۵) اپنی استعداد معلوم ہوتی ہے لہٰذا اس زمانہ میں یہ صحبت کتابوں میں دیکھ کر عمل کرنے سے بدرجہا انفع ہے۔

اہل اللہ کی صحبت

اہل اللہ کی صحبت کے موثر ہونے کا سبب یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب کان میں پڑیں گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ ایک وقت چوکو گے دو وقت چوکو گے تیسری دفعہ تو اصلاح ہو ہی جائے گی اور ایک سبب باطنی بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو ان کو تم سے محبت ہو جائے گی تو اس سے دوسری اصلاح ہو گی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرماویں گے اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذنِ حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا کا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم کا وقت آ گیا دوسری وجہ خفی یہ ہے کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہو گی اور جلد جلد ترقی ہو گی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔

توسل کی حقیقت

ارشاد۔ توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدۂ رحمت ہے "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ"

پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں۔ پس توسّل میں یہ شخص اپنی محبت اولیاء اللہ کیساتھ ظاہر کرکے اس محبت پر رحمت وثواب مانگتا ہے اور محبت اولیاء اللہ موجب رحمت وثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے چنانچہ مُتَحَابِّیْنَ فِی اللّٰہِ کے فضائل سے احادیث بھری ہوئی ہیں اب یہ اشکال جاتا رہا کہ بزرگی اور برکت کو رحمت حق میں کیا دخل ہے۔ دخل یہ ہوا کہ اس بزرگ سے محبت رکھنا حُبٌّ فِی اللّٰہِ کی فرد ہے اور حُبٌّ فِی اللّٰہِ پر ثواب کا وعدہ ہے

تعلق مع الخلق

ارشاد۔ تعلق مع الخلق کو مطلوب کون سمجھتا ہے اور کون نہیں سمجھتا۔ یہی تعلق مع الخلق کے محمود و مذموم ہونے کا معیار ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی کو دوستوں کے ساتھ باتوں میں مشغول ہونے سے دلچسپی نہ ہو بلکہ جی گھبراتا ہو اور نماز و ذکر میں مشغول ہونے کو جی چاہتا ہو، اور باتوں میں مشغول ہوتے ہوئے یہ تقاضا ہو کہ جلدی سے بات ختم ہو تو میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگوں، تو یہ شخص واقعی تعلق مع الخلق کو مطلوب نہیں سمجھتا اور اس کے لئے اس تعلق کو مذموم نہیں کہا جائے گا۔

اور جس شخص کا نماز میں یہ جی چاہتا ہو کہ جلدی نماز سے فارغ ہو تاکہ دوستوں سے باتیں کرے اور ان کی باتوں کی وجہ سے معمولات میں ناغہ کر دیتا ہو۔ نہ اشراق ہے نہ تہجد نہ ذکر ہے نہ تلاوت، ان کی وجہ سے محض فرائض پر اکتفا کرتا ہو۔ اور اس سے بھی جلد فارغ ہونے کا تقاضا ہو تو یہ شخص تعلق مع الخلق کو مطلوب سمجھتا ہے اس لئے یہ تعلق مذموم ہے۔

حق تعالیٰ کے اسم مُبارک کی عظمت

ارشاد۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک جب لیا جائے یا سُنا جائے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہنا واجب ہے اگر نہ کہے گا تو گناہ ہوگا۔ ایسے ہی حق تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ "جلّ جلالہٗ"، یا "تعالیٰ" یا اور کوئی لفظ مشعرِ تعظیم کہنا واجب ہے، ورنہ گناہ ہوگا۔ لیکن اگر ایک مجلس میں چند بار نام لیا جاوے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر صلی اللہ علیہ وسلم

اور حق تعالیٰ کے نام پر جل جلالہٗ یا تعالیٰ کہنا ایک بار واجب ہے اور ہر بار کہنا مستحب ہے مگر محبت وعشق کا مقتضا یہی ہے کہ ہر بار درود پڑھا جائے۔

درود کا مخفف (صلعم) مناسب نہیں

ارشاد۔ درود کا مخفف جو لوگ (صلعم) لکھتے ہیں یہ مناسب نہیں گویا یہ درود سے ناگواری اور تنگی کی دلیل ہے۔ اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لکھے اور نہ زبان سے درود پڑھے اور نہ پورا درود کا صیغہ لکھے تو "صلعم" کا لکھنا بالکل ناکافی ہے بلکہ پورا درود لکھنا یا زبان سے کہنا واجب ہے۔

جنت کی وسعت

ارشاد۔ جنت میں مومن کو اتنی بڑی سلطنت ملے گی جس کی شان یہ ہوگی اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا ط "اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے"۔

اور جس کی حالت یہ ہے

اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ط "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے قلب میں ان کا خیال آیا"۔

اس سلطنت کے حصول کے لئے یہ عمل کیا چیز ہیں جو ہم کر رہے ہیں۔ اتنی بڑی جزا محض عنایت ہے لیکن یہ عنایت ہوگی اس عمل کی بدولت گو وہ ناچیز ناقص حقیر ہے چنانچہ ارشاد ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ "بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں کے۔

مسلمان کو مرنے کے وقت بشارت۔ ارشاد۔ مسلمان جب مرنے لگتا ہے تو

فرشتے اس کو رضوان و کرامت کی بشارت سناتے ہیں۔ اس وقت وہ حق تعالیٰ کی لقاء کا مشتاق ہو جاتا ہے اور کافر کو عذاب کی دھمکی دیتے ہیں۔ وہ اس وقت خدا تعالیٰ کے پاس جانے سے گھبراتا ہے۔

الفاظ قرآن کا ایک عظیم ترین نفع

ارشاد۔ صاحبو! اس سے بڑھ کر الفاظِ قرآن کا نفع اور کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی قرارت کی طرف بہت توجہ فرماتے ہیں اور نہایت توجہ سے سنتے ہیں۔

جملہ آدابِ تلاوت کا خلاصہ

فرمایا۔ آدابِ تلاوت تو بہت ہیں مگر میں ایک ہی ادب بیان کرتا ہوں جس میں سب آجائیں وہ یہ ہے کہ یوں خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائش فرمائی ہے کہ تم پڑھو اور ہم سنتے ہیں۔ تو جس طرح کسی کو سنانے کے وقت خاص اہتمام سے سنوار کر پڑھتا ہے ویسا پڑھنا چاہیے۔ تلاوت قرآن عزیز کا یہ ادب مجھ کو بہت عرصہ کے بعد معلوم ہوا، پھر اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح سنوار کر پڑھنے سے جلد تلاوت نہ ہو سکیگی تو تلاوت کی مقدار کم ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ پڑھنے والا یوں خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یوں فرمایا ہے کہ جلدی جلدی پڑھو یعنی بدون ترتیل کے خواہ ترتیلاً خواہ حدراً (ترتیل کے معنیٰ ہیں خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا)۔

عورتوں کے عمل کا ثواب

ارشاد۔ اگر عورتیں ذرا صبر و تحمل سے کام لیں تو ان کو مردوں سے ثواب زیادہ ملے، کیونکہ ضعیف و کمزور ہیں اور ضعفاء کا تھوڑا سا عمل بھی قوی آدمی کے بہت سے عمل سے بڑھ جاتا ہے۔

عبادت کے بارے میں عجیب تعلیم

ارشاد۔ "وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا" اس تعلیم کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو عبادت کو

ایسا کامل سمجھو کہ ناز کرنے لگو نہ ایسا ناقص سمجھو کر بے کار سمجھنے لگو۔

احکام شرعیہ کو اپنا رہنما بناؤ

ارشاد۔ مسلمانوں کو ہر حال میں احکام شرعیہ کو اپنا رہنما بنانا چاہیئے۔ خواہ دنیا ملے یا نہ ملے۔ جاہ حاصل ہو یا نہ ہو۔ طعنے سننے پڑیں یا تعریف ہو۔ کسی بات کی پروا نہ کرنا چاہیئے۔ کسی کے برا کہنے سے انسان برا نہیں ہو جاتا۔ کسی کے بھلا کہنے سے بھلا نہیں ہو جاتا اگر تم خدا تعالیٰ کے نزدیک اچھے ہو، ساری مخلوق تم کو کافر و فاسق اور زندیق کہے کچھ اندیشہ کی بات نہیں اور اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک مردود ہو تو چاہے ساری دنیا تم کو غوث و قطب کہے اس سے کچھ بھی نفع نہیں۔

مرض میں طاعات کا اجر کامل ہوتا ہے

عذر میں استحضار ممکن ہی کامل ہے۔ فرمایا کہ حالت مرض میں قلب کے اس (مرض) کی طرف مشغول ہونے کی وجہ سے استحضار معتاد میں اگر کمی ہو جائے تو اس وقت جتنا استحضار ہے وہی کامل ہے اس کو یوں سمجھ لیا جاوے کہ جیسے مرض کی وجہ سے کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا بیٹھ سکتا ہے بیٹھ کر پڑھتا ہے تو اس کی وہی نماز جو بیٹھ کر پڑھی ہے وہ کامل ہے یا جیسے ایک شخص مرض کی وجہ سے وضو نہیں کر سکتا تیمم کرتا ہے تو اس کی وہی طہارت کامل ہے، حاصل یہ ہے جتنا اس وقت مامور بہ ہے وہی کامل ہے ناقص نہیں۔

مرتے وقت وساوس بے وقعت ہوتے ہیں

مرتے وقت وسوسوں سے مطلق خوف نہ کرنا چاہیئے بعضے لوگ کہتے ہیں کہ شیطان مرنے کے وقت پیشاب پلاتا ہے میں کہتا ہوں، اگر مومن جانتا ہے تو پیئے گا کیوں اور اگر نہیں جانتا تو ضرر کیا ہے بلکہ مرتے وقت ایمان بہت زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ وسوسہ سے زائل نہیں ہوتا اس لئے ایسے امور سے ہرگز پریشان نہ ہونا چاہیئے کیوں کہ دو حال سے خالی نہیں اگر انسان کے ہوش و حواس درست ہیں تو مومن کفر کو کیوں پسند کریگا اور اگر درست

نہیں تو مرفوع القلم ہے معاف ہے۔ نہ معلوم لوگ اس کمبخت شیطان سے کیوں اس قدر ڈرتے ہیں یہ تو کوئی ڈرنے کی چیز نہیں۔

فَاِنَّ فَقِیْهًا وَّاحِدًا مُّتَوَرِّعًا
اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

تحقیق ایک متقی فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

سفر میں سنتوں کا حکم۔

فرمایا کہ سفر شرعی کے اندر اگر مشغولی زیادہ ہو یا ریل میں کثرت سے زیادہ بھیڑ ہو تو سوائے فجر کی سنتوں کے باقی وقتوں کی سنتیں چھوڑ دینے کی بھی گنجائش ہے مگر اطمینان کی حالت میں کبھی نہ چھوڑنا چاہیئے مجبوری میں ایسا کرے تو مضائقہ نہیں۔

واقعۂ غم کے تذکرے میں اعتدال اور اس کی تائید بالنص

واقعۂ غم کا بالکل تذکرہ نہ کرنا اور ضبط میں مبالغہ کرنا بھی تجربہ سے مضر ثابت ہوا ہے کہ سب غبار اندر ہی اندر رہنے سے طبیعت گھٹ جاتی ہے اور اس کی قوت تحمل گھٹ جاتی ہے، اس لئے مصلحت یہ ہے کہ شروع شروع میں گاہ گاہ اپنے کسی دیندار ہمدرد سے اعتدال کے ساتھ حدود شرعیہ میں رہ کر اس واقعۂ غم کا کسی قدر تذکرہ بھی کر لیا کرے اس کی تائید بھی نص سے ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات پر روئے بھی اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ

اے ابراہیم! تحقیق ہم تیرے فراق میں غمگین ہیں۔

موت کے بعد دائمی مسرت

ارشاد۔ احادیث اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ساتھ کے ساتھ ہی تنہائی ختم ہو جاتی ہے اور مسلمان کی روح عالم ارواح میں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے دیدار سے مشرف ہوتی ہے اور اپنے عزیزوں کی ملاقات سے مسرور ہوتی ہے۔ غرضیکہ وہاں ہر وقت خوشی ہی خوشی رہے گی۔ اور ایسی خوشی ہو گی کہ دنیا میں اس کا خواب بھی نہیں دیکھا گیا۔

بزرگوں کیساتھ غلط عقیدہ کا فساد

ارشاد۔ بزرگوں کے متعلق اگر کسی کا عقیدہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ان کو ایسا اختیار دیا ہے کہ جب چاہیں اس اختیار سے تصرف کر سکتے ہیں اور حق تعالیٰ کی مشیتِ جزئیہ کی حاجت نہیں رہی۔ یعنی یہ اعتقاد ہو کہ وہ بزرگ اگر کسی کام کو کرنا چاہیں اور حق تعالیٰ نہ اس کام کو روکیں نہ اس کام کا ارادہ کریں تو ایسی حالت میں اگر وہ بزرگ چاہیں تو اس کام کو کر سکتے ہیں یہ یقینی کفر اور شرکِ اکبر ہے۔

اور اگر ان بزرگ کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ وہ مشیت ایزدی کے محتاج تو ہیں اور اذنِ جزئی کی بھی ان کو ضرورت تو ہوتی ہے مگر ان کے چاہنے کے وقت مشیت ایزدی ہو ہی جاتی ہے تو گو یہ شرک و کفر تو نہیں مگر کذب فی الاعتقاد معصیت اور شرکِ اصغر ہے۔

رسومِ قدیمہ کو نہ چھوڑنے کی ذلت

ارشاد۔ رسومِ قدیمہ کے چھوڑنے میں ذلت اور طعن کی پروا کرنا محض اس وجہ سے ہے کہ دین کی وقعت نہیں یا دیندار بننے کی خواہش نہیں کیونکہ مشاہدہ ہے کہ جس چیز کی وقعت انسان کی نظر میں ہو یا اس سے محبت ہو تو اس کی تحصیل میں ذلت و طعن کی ہرگز پرواہ نہیں ہوتی۔ پھر جو لوگ برادری کی ملامت کا بہانہ کرتے ہیں ان کے واسطے ایک اور جواب ہے وہ یہ کہ جیسے تمھارے دنیا کی ایک برادری ہے دین کی بھی ایک برادری ہے یعنی علماء و صلحاء ہم نے مانا کہ اس کے چھوڑنے میں دنیا کی برادری تم کو برا کہے گی مگر دینی برادری تم کو اچھا کہے گی اور دعا دیگی اور اس سے بڑھ کر ایک اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں گے۔

مزاروں پر پھول چڑھانا غلطی ہے

ارشاد۔ اولیاء اللہ کے مزاروں پر پھول چڑھانا بڑی غلطی ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ان کی روح کو ادراک ہے یا نہیں۔ اگر ادراک نہیں تو پھول چڑھانے سے کیا نفع، اور اگر ادراک ہے تو جو شخص جنت کی شمائم و روائح اور عطریات کو سونگھ رہا ہو اس کو ان پھولوں کی خوشبو سے کیا راحت پہنچ سکتی ہے بلکہ اس کو تو الٹے ایذا ہوگی۔

مجبور کے لئے ادائیگی حقوق کا طریقہ

ارشاد۔ اگر کوئی شخص عمر بھر اس فکر میں لگا رہے کہ میرے ذمہ جو حقوق دوسروں کے ہیں کسی طرح ادا ہو جائیں مگر افلاس یا کسی عذر کی وجہ سے مجبور رہا تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم خود حقوق ادا کر دیں گے اور اس شخص پر اصلاً مؤاخذہ نہ ہوگا۔

ایک خط:۔ ایک عورت نے تمام عمر رمضان کے روزے نہیں رکھے اب بڑھاپے میں ہوش آیا اب رمضان میں تو بمشکل ادا کرتی ہے مگر قضا رکھنے کی ہمت اور طاقت نہیں بتلاتی، چاہتی ہے کہ فدیہ سے ادائیگی ہو جاوے کیا کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ جواب:۔ ایسی حالت میں فدیہ دیدینا جائز ہے۔

وضو میں شک

ارشاد۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب تک قسم کھا کر یہ نہ کہہ سکے کہ میرا وضو ٹوٹ گیا اس وقت تک وہ باوضو ہے۔ اسی طرح کپڑوں کا حکم ہے کہ جب تک یقین نہ ہو جائے کہ ان میں ناپاکی لگ گئی ہے اس وقت تک کپڑوں کو پاک سمجھنا چاہئیے خواہ کیسے ہی جہاز کے پاخانے غلیظ ہوں۔ احتیاط کر کے بیٹھو اور احتیاط کر کے اٹھو جب تک ناپاکی کپڑوں پر نظر نہ آوے ان کو پاک ہی سمجھو۔ اگر چکر آتا ہو کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو نماز بیٹھ کر یا لیٹ کر ہی پڑھ لے اگر دوران سر کی وجہ سے کپڑوں کے پاک کرنے اور دھونے کی طاقت نہ ہو تو اسی ناپاک کپڑے سے نماز پڑھ لے۔

غیر اللہ سے دل برداشتہ ہونے کا سامان

ارشاد۔ اگر اعزہ و اقربا اور احباب محبت نہ رکھیں تو اس سے راحت ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے غیر اللہ سے دل برداشتہ ہونے کا سامان فرمایا۔

عورتوں کا دنیا سے بے خبر ہونا ہی کمال ہے

ارشاد۔ عورتوں کا دنیا سے بے خبر ہونا ہی کمال ہے۔ یہ اعتراض کہ عورتیں پردہ ہی کی وجہ سے بہت سے منافع علمیہ وعملیہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پردے کی وجہ سے جو نقائص رہ جاتے ہیں ان کی اصلاح آسان ہے اور پردہ دری میں جو مفاسد ہیں ان کی اصلاح بہت دشوار ہے۔

کبھی اپنی حالت پر ناز اور دوسرے کی حالت پر طعن نہ کرے۔

فرمایا۔ یہ بہت ہی نازک بات ہے اور بہت ہی ڈرنے کا مقام ہے اپنی کیسی ہی اچھی حالت ہو ہرگز ناز نہ کرے اور دوسرے کی کیسی ہی بُری حالت ہو اس پر طعن ہرگز نہ کرے کیا خبر ہے کہ اپنی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے۔

اوہام باطلہ

فرمایا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کا قہر ہوتا ہے تو باطل چیزیں بھی حق نظر آنے لگتی ہیں اور اوہام باطلہ بھی حقائق کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

اعمال صالحہ کے فوت ہونے کے غم میں اعتدال

فرمایا۔ اعمالِ صالحہ کے فوت ہونے کا عوام تو جس قدر چاہیں قلق کریں ان کو تو مفید ہے اور سالکین زیادہ اس کا بھی قلق نہ کریں بلکہ تھوڑی دیر تک رنج کر لیں۔ پھر جی بھر کے توبہ کر لیں اور اپنے کام میں لگیں اور ماضی کی فکر میں نہ پڑیں کہ ہائے یہ کام کیوں فوت ہوا ہائے یہ خطا کیوں ہوئی۔ ہر وقت یہ شغل رکھنا سالک کو مضر ہے کیونکہ یہ فکر ترقی تعلق مع اللہ میں حجاب ہو جاتی ہے۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ تعلق مع اللہ بڑھتا ہے نشاطِ قلب سے اور یہ قلق نشاط کو کم کر دیتا ہے لیکن تھوڑی دیر تک تو قلق کرنا چاہیئے اور خوب رونا دھونا چاہیئے تاکہ نفس کو کوتاہی کی سزا ملے پھر توبہ کر کے اور اچھی طرح استغفار کر کے اس سے التفات کو قطع کر کے۔ کام میں لگ جانا چاہیئے۔

ایک آیت کی تفسیر

فرمایا۔ مُسَلَّمَۃٌ لَّا شِیَۃَ فِیۡھَا میں اس طرف اشارہ ہے کہ نفس مجاہدہ سے پہلے تمام معاصی سے پاک وصاف ہو جائے ہر قسم کے عیب سے سالم ہو (اور) اس میں کوئی داغ نہ ہو یعنی معاصیِ سابقہ سے توبہ صادق کر کے مجاہدہ کرے۔

انسان کا کام صرف عمل میں کوشش کرنا ہے

فرمایا۔ انسان کا کام ہر شئے میں کوشش وسعی اور جد وجہد کرنا ہے اگر خدانخواستہ ناکامی ہو تو صبر کرے اور عمل اور کوشش کو نہ چھوڑے ہم نتائج اور غایات کے ترتب کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ شرعی ہدایات کے مطابق کوشش میں لگے رہیں خواہ کامیابی ہو یا ناکامی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

دوست دارد دوست ایں آشفتگی
کوشش بے ہودہ بہ از خُفتگی

دیکھیے اگر کوئی شخص بیماری میں مایوسی کی حالت تک پہنچ جائے تب بھی اس کی دوادارو نہیں چھوڑی جاتی سینہ تک بلکہ ناک تک دم آجاتا ہے مگر کوشش جاری رہتی ہے۔ تیماردار اور اعزہ آرام سے نہیں بیٹھتے۔ بس یہی حال قوم کے ساتھ بھی ہونا چاہیئے کہ اس کی خیر خواہی اور ترقی کے لئے اخیر دم تک کوشش میں لگے رہنا چاہیئے اور اگر کسی کو قوم سے اس قدر تعلق نہیں ہے تو وہ محب قوم نہیں کہلا سکتا۔

نائب کامل

فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب کامل وہ شخص ہو سکتا ہے جس میں حضور کے ساتھ کامل تشبہ ہو (گو کیفیت میں فرق عظیم ہو گا) معاملات میں صفائی اور تیقظ ہو۔ اتباع کے لئے احتساب اور دار وگیر ہو معاشرت سادہ اور پاکیزہ ہو، مخلوق پر شفقت ہو اگر یہ نہیں تو وہ نائب کامل نہ ہو گا۔

کونسی مصیبت امتحان یا گناہوں کے سبب سے ہے

فرمایا۔ کہ جس مصیبت یا انقباض سے پریشانی اور مصیبت بڑھے، وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو تسلیم و رضا زیادہ ہو وہ حقیقت میں مصیبت نہیں گو صورتاً مصیبت ہو اور صورتاً مصیبت رفعِ درجات اور امتحانِ محبت کے واسطے بھی ہوتی ہے۔

تمام تدبیروں کے اختتام کے بعد گرہ کھلنا

ارشاد۔ بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں تمام تدبیریں ختم ہو جاتی ہیں اور کام نہیں ہوتا بس گرہ اس وقت کھلتی ہے جب بندہ یوں کہتا ہے کہ اے اللہ! آپ ہی اس کام کو پورا کریں گے تو پورا ہو گا میں تو عاجز مجبور ماندہ ہوں۔

مصیبت کو ہلکا کرنے کی چند تدابیر

ارشاد۔ مصیبت کو ہلکا کرنے کی ایک تدبیر یہ ہے۔

۱۔ اپنے گناہوں کو یاد کرے۔

۲۔ دوسری تدبیر یہ ہے کہ مصیبت کے ثواب کو یاد کرے

۳۔ تیسرے یہ سمجھے کہ مصیبت سے ایمان کی آزمائش ہے کہ آیا اس میں ایمان ہے یا نہیں۔

۴۔ چوتھے یہ کہ عبدیت غالب ہو جاتی ہے اور دعوٰی اور عزور و تکبر کا میل کچیل کم ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت منکشف ہو کر سمجھ میں آجاتا ہے، کہ آدمی کو کبھی دعوٰی نہ کرنا چاہیے۔

۵۔ پانچویں یہ کہ مصیبت میں استحضارِ عظمتِ الٰہی کا ہوتا ہے اور اس کے مقابل اپنا عجز زیادہ منکشف ہوتا ہے پس مصائب سے انسان پر عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے اور عبدیت اعلیٰ مقام ہے ۵

اہلِ کاراں بوقت معزولی — شبلیؒ وقت و بایزیدؒ شوند
باز چوں می رسند بر سر کار — شمر ذی الجوشن و یزید شوند

رونا منافیٔ صبر نہیں

ارشاد- آنسو بہنا، آہ آہ منہ سے نکلنا خلاف صبر نہیں بلکہ رو لینے سے صبر حقیقی زیادہ آسان ہو جاتا ہے، کیوں کہ دل کا غبار نکل جاتا ہے

بیماری میں آہ آہ مظہر عبودیت ہے

ارشاد- بعض لوگوں کو تقویٰ کا ہیضہ ہو جاتا ہے وہ بیماری میں آہ آہ کرنے کو خلاف صبر سمجھتے ہیں۔ اس لئے اللہ اللہ کرتے ہیں تاکہ قوتِ قلب ظاہر ہو مگر یہ معرفت کے خلاف ہے کیونکہ اللہ اللہ مظہر الوہیت ہے اور آہ آہ مظہر عبودیت ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر حضرت خضر علیہ السلام کی تسلّی

ارشاد- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر حضرت خضر علیہ السلام نے صحابہ کو اس طرح تسلّی فرمائی تھی۔

اِنَّ فِی اللّٰہِ عَزَاءً مِّنْ کُلِّ مُصِیْبَۃٍ وَّ خَلَفًا مِّنْ کُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰہِ فَثِقُوْا وَاِیَّاہُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمَحْرُوْمُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ ؎

(ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہر مصیبت سے تسلّی ہے اور ہر فوت ہونیوالے کا عوض ہے پس اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید رکھو کیونکہ پورا محروم تو وہی ہے جو ثواب سے محروم رہے۔ اور مسلمان تو کسی مصیبت میں ثواب سے محروم نہیں رہتا۔

توبہ کے بعد گناہ کو قصداً یاد نہ کرنا

ارشاد- شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ گناہ پر ایک دفعہ خوب رو دھو کر توبہ کرے پھر قصداً اس کو یاد نہ کرے کیونکہ مقصود بالذات خدا تعالیٰ کی یاد ہے نہ کہ گناہوں کی یاد۔ گناہوں کی یاد سے تو یہی (خدا تعالیٰ کی یاد) مقصود ہے جب وہ حاصل ہے تو اب قصداً

گناہ کو یاد کر کے اس کی یاد کو مقصود بالذات نہ بناؤ اور اگر خود بخود بلا قصد یاد آجائے تو پھر توبہ و استغفار کر لے جیسے حدیث میں ہے، کہ مصیبت خود بخود یاد آجاوے تو اِنَّا لِلّٰہِ الخ پڑھ لے کہ اس وقت بھی اتنا لِلّٰہِ پڑھنے کا ثواب بھی وہی ہوگا جو عین مصیبت کے وقت پڑھنے کا ثواب ہے۔

موت کے آسان ہونے کا طریق

ارشاد۔ اگر یہ چاہو کہ موت آسان ہوجائے اور اس سے وحشت نہ رہے اس کا اشتیاق ہوجاوے تو خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کیجئے۔ اکثر طبائع پر موت کا خوف ہی غالب ہے اور اس سے طبعاً وحشت ہوتی ہے اور طبعی وحشت میں کوئی گناہ ہی نہیں۔ مگر اس کی ضرور کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ طبعی وحشت موت کے وقت نہ رہے۔ اس وقت اشتیاق موت ولقاء اللہ کی تمنا پیدا ہونے کی تدبیر کثرتِ ذکر و کثرت طاعت اور اجتناب معصیت ہے۔

گناہوں کے بعد دو رکعت نماز توبہ پڑھنے کے مصالح

ارشاد۔ اگر گناہ ہوجائے تو فوراً دو رکعت توبہ کی نیت سے پڑھو پھر توبہ کرو اس طرح توبہ کرنے سے ظاہر میں متعدد مصلحتیں ہیں۔

۱۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو، نیکیاں گناہوں کو زائل کرتی ہیں)۔

۲۔ نماز کے بعد توبہ کرنے میں دل حاضر ہوگا اور قبولِ توبہ کے لئے حضورِ قلب ضروری ہے۔

۳۔ چونکہ نفس پر نماز شاق ہے اس لئے نفس گناہوں سے گھبرائے گا کہ کہاں کی علت سر لگی بلکہ شیطان بھی گناہ کرانا چھوڑ دے گا کہ میں اس سے دس گناہ کراؤں گا تو یہ بیس رکعتیں پڑھے گا گناہ تو توبہ کرنے سے معاف ہوجاوے گا اور یہ بیس رکعتیں اس کے پاس نفع میں رہیں گی۔

سود لینے سے بخل بڑھتا ہے

ارشاد ۔ سود لینے سے بخل بڑھتا ہے کیوں کہ سود لینے کا سبب بخل ہی ہے جتنا سود لیتا ہے بخل اتنا ہی بڑھتا ہے یہاں تک کہ اپنے تن پر بھی خرچ نہیں کر سکتا ۔

اسراف سے بچنے کا سہل علاج

ارشاد ۔ خرچ کرنے کے قبل دو امر کا التزام کرلیں ، ایک یہ کہ پہلے سوچا کریں کہ اگر اس جگہ خرچ نہ کروں تو آیا کچھ ضرر ہے یا نہیں ، اگر ضرر نہ ہو تو اس کو ترک کر دیں اور اگر ضرر معلوم ہوتا ہو تو پھر کسی منتظم سے مشورہ کریں کہ یہ خرچ خلاف مصلحت اور نامناسب تو نہیں ۔ وہ جو بتلا دے اس پر عمل کریں ۔ ضرر سے مراد ضرر واقعی اور حقیقی ہے جس کا معیار شریعت ہے وہمی وخیالی ضرر مراد نہیں ۔

قرض جلد ادا ہونے کا ایک عمل

فرمایا ۔ کہ قرضدار کو پڑھنے کے لئے بتادیا کرتا ہوں کہ یَا مُغْنِیُ بعد نماز عشاء گیارہ سو بار پڑھا کرے اول و آخر درود شریف گیارہ بار ۔ یہ عمل حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز بتایا کرتے تھے ۔

جمعہ اور عیدین میں عطر لگانے کی نیت

ارشاد ۔ جمعہ و عید کے دن عطر اس نیت سے لگا تا کہ ہم اللہ میاں کو اچھے لگیں عین عبادت ہے مَنْ تَطَیَّبَ لِلّٰہِ فَلَہٗ اَجْرُہٗ جو شخص اللہ کے لئے خوشبو لگائے گا تو اسے اس کا اجر ملے گا ۔

صحت کی دعا سنت اور علامت عبدیت ہے ۔

ارشاد ۔ صحت کی دعا تو سنت اور علامت عبدیت کی ہے مگر یہ کہنا کہ اے پروردگار عالم ساتھ ایمان کے بلا لیں ، بلا بصارت زندگی بے کار ہے ۔ یہ نہایت بے ادبی ہے اور بعید از عبدیت ہے ہم کو رائے زنی کا کیا حق ہے حضرت حق تعالیٰ سے جو پیش آوے

خیر ہے۔ تلاوت و کتب بینی میں ثواب اور رضا منحصر نہیں۔

اول تو صحت کی حالت میں تطوع پر مداومت کرنے والے کو مرض میں بدون عمل کئے بھی ثواب عمل سابق کا ملتا ہے۔ دوسرے بعض اوقات صبر کا اجر عمل کے اجر سے بڑھ جاتا ہے۔ البتہ بینائی کی دعا خود رائی نہیں اس کی اجازت ہے۔ دعا مانگنے اور دل سے مانگے اور ساتھ میں یہ سمجھے کہ اگر اس کے خلاف واقع ہوا تو وہ بھی خیر ہے اس پر بھی راضی رہے۔

درود شریف ہمیشہ مقبول ہوتا ہے

ارشاد۔ درود شریف ایسی طاعت ہے جو کبھی رد نہیں ہوتی کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درخواستِ رحمت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالے کے محبوب ہیں اور جو محبوب کے لئے درخواست کی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم بادشاہ سے شاہزادہ کے متعلق ایسی بات کی سفارش کریں جو بادشاہ خود اس کے لئے کرنیوالا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی سفارش کیوں رد ہوگی۔

نماز پڑھتے وقت عبدیت کی نیت نافع ہے

ارشاد۔ نماز پڑھتے ہوئے یہ ارادہ ہو کہ ہم نماز اس واسطے پڑھتے ہیں تاکہ عبدیت ہو۔ ذکر اللہ اس واسطے کرتے ہیں کہ محبت حق پیدا ہو تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ قصد اثر سے جو عمل کیا جاوے گا وہ ضرور موثر و نافع ہوگا خواہ اس میں یکسوئی حاصل ہو یا نہ ہو دل لگے یا نہ لگے وساوس آئیں یا نہ آئیں۔

دوستوں کی دلجوئی بھی عبادت ہے

ارشاد۔ عبادت صرف نفلیں ہی پڑھنے کا نام نہیں ہے دوستوں کی دلجوئی اور ان کے ساتھ باتیں کرنا بھی عبادت ہے۔

ذاکر کو ذکر موقوف کرکے اذان کا جواب دینا چاہئے

ارشاد۔ ذکر کی حالت میں اگر اذان ہونے لگے تو ذکر موقوف کرکے جواب ہی دینا

زیادہ مناسب ہے اور اس کو مخل ذکر نہ سمجھا جاوے سنن کی برکت سے ذکر کا معدن منور ہوتا ہے تو اس سے زیادہ اعانت ہوتی ہے۔

درود شریف کا حکم

ارشاد۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر صلی اللہ علیہ وسلم کہنا ایک مجلس میں ایک ہی بار فرض ہے اس کے بعد پچاس دفعہ بھی اگر آپ کا نام مبارک زبان پر آئے یا کان میں پڑے تو بار بار درود فرض نہیں ہاں محبت کا مقتضا یہ ہے کہ ہر بار صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے۔

درود شریف حق اللہ بھی ہے اور حق العبد بھی

ارشاد۔ درود جیسا حق اللہ ہے ویسا ہی حق العبد بھی ہے اسی واسطے اس میں کوتاہی کرنے کا گناہ صرف توبہ کرنے سے معاف نہ ہوگا بلکہ اس کی تلافی توبہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے سے ہوگی جس کا طریقہ یہ ہے کہ کوتاہی ہوجانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے توبہ بھی کرے اور آئندہ درود کی خوب کثرت کرے یہاں تک کہ دل گواہی دے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوگئے ہیں۔

ذکر کے منافع

ارشاد۔ ذکر میں لطف و لذت کا حاصل ہونا ایک نعمت ہے اور نہ ہونا دوسری نعمت ہے جس کا نام مجاہدہ ہے یہ اول سے انفع ہے گو الذ نہ ہو۔

قوی اور ضعیف کے عمل کے اثر میں فرق

ارشاد۔ قوی کے عمل کثیر میں جو اثر ہے ضعیف کے عمل قلیل میں وہی اثر ہے ضعیف کو عمل قلیل ہی سے انشاء اللہ مقصود میں کامیابی ہوجاتی ہے۔

اپنی اصلاح کی فکر کی زیادہ ضرورت ہے۔

فرمایا۔ کہ ضرورت اس کی ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے اور اپنے اعمال کی اصلاح

کرے۔ آج کل یہ مرض عام ہو گیا ہے عوام میں بھی خواص میں بھی کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر ہے اور اپنی خبر نہیں۔ دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی بدولت اپنی گٹھڑی اٹھوا دینا کیسی حماقت ہے۔

باوضو ذکر کرنے سے زیادہ برکت ہوتی ہے۔

ارشاد۔ باوضو ذکر کرنے سے برکت زیادہ ضرور ہوتی ہے لیکن وضو رکھنا ضروری نہیں اس لئے اس لئے اگر کسی کا وضو نہ ٹھہرتا ہو اور وضو بار بار کرنے سے تکلیف ہو تو تیمم کر لیا کرے مگر اس تیمم سے نماز و مس مصحف جائز نہیں۔

پریشانی کے رفع ہونے کی امید منقطع کرنی چاہیے

ارشاد۔ پریشانی کے رفع ہونے سے تو امید ہی منقطع کر لینی چاہیے کیونکہ آپ تو پریشانی کے لئے پیدا ہوئے ہیں یہ تو جنت میں پہنچ کر ختم ہوگی۔

جو چیز اختیار میں نہ ہو وہ مذموم نہیں

ارشاد۔ حدیث میں ہے کہ جب جہاد میں مومن کا قلب کانپنے لگے مگر جہاد کو ترک نہ کرے تو اس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے کھجور کی شاخ خشک ہو کر جھڑ جاتی ہے، اس بزدلی پر بھی اجر ملنے سے معلوم ہوا کہ جو چیز اختیار کے تحت میں داخل نہ ہو وہ مذموم نہیں ہے۔

تمام اخلاق رذیلہ کا علاج

ارشاد۔ تمام اخلاق رذیلہ کا علاج تامل اور تحمل ہے یعنی جو کام کرے سوچ کر کرے کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے کیا کرے۔

حسنِ اخلاق کی بھی ایک حد ہے

ارشاد۔ حدیث میں ہے کہ جب تم سائل کو تین بار (عذر سمجھا کر) جواب دیدو اور وہ پھر بھی نہ جائے (لپٹ کر جم ہی جائے جس سے ایذا ہونے لگے) تو پھر اس کے جھڑک دینے میں

کچھ ڈر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حسنِ اخلاق کی بھی ایک حد ہے اور بندہ اس کا مکلف نہیں کہ اس حد سے آگے اس کا تحمل کرے۔

بدنگاہی کا علاج

ارشاد۔ بدنگاہی میں ایک درجہ میلان کا ہے جو کہ غیر اختیاری ہے اس پر مواخذہ بھی نہیں اور ایک درجہ اس کے مقتضاء پر عمل کرنے کا ہے یہ اختیاری ہے۔ اس پر مواخذہ بھی ہے اور اس عمل میں قصداً دیکھنا اور یہ سوچنا سب داخل ہے اس کا علاج کف اور غض بصر ہے کہ یہ بھی اختیاری ہے ہمت کر کے اس کو اختیار کرے گو نفس کو تکلیف ہو مگر یہ تکلیف نار جہنم کی تکلیف سے کم ہے اور جب چند روز ہمت سے کیا جاوے گا تو میلان میں بھی کمی ہو جاوے گی بس یہی علاج ہے اس کے سوا کچھ علاج نہیں اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہے۔

قلب کی بقصد تمنا اور اشتہاء پر مواخذہ ہے

ارشاد۔ قلب کی تمنا اور اشتہاء پر بھی مواخذہ ہے مگر وہی جو بقصد ہو اور بلا قصد تو وسوسۂ زنا کیا کفر و شرک کے وساوس بھی مضر نہیں۔

مجلس میں لایعنی کلام پر اٹھ جانا چاہیے

ارشاد۔ سالک کے سامنے کوئی عبث یا لایعنی کلام کرے اور اس کو منع پر قدرت نہ ہو تو خود اٹھ جانا چاہیے اور اس کی دل شکنی کا خیال نہ کرے کیونکہ دوسرے کی دل شکنی سے اپنی دین شکنی زیادہ قابلِ احتراز ہے۔ یوں اگر نہ اٹھ سکے کسی بہانے سے اٹھ جائے یا قصداً فی الفور کوئی مباح تذکرہ شروع کر دیا جائے تاکہ وہ قطع ہو جائے۔

غیبت کا ایک عملی علاج

غیبت کا ایک عجیب و غریب عملی علاج یہ ہے کہ جس کی غیبت کرے اس کو اپنی اس حرکت کی اطلاع کر دیا کرے تھوڑے دن اس پر مداومت کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ یہ مرض بالکل دفع ہو جائے گا۔

جو کام آخرت میں مضر ہے وہ قابلِ ترک ہے

ارشاد۔ ہر فعل کے یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو کام آخرت میں مفید ہیں ان کو اختیار کرو اور جو مضر ہیں ان کو ترک کر دو اگرچہ عبث ہے تب بھی غور کرنے سے افعال عبث کا سلسلہ انتہاءً معصیت سے ضرور ملا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کثرت عبث سے قلب کا نور بجھ جاتا ہے اور نورِ قلب ہی بڑی قیمتی چیز ہے۔ کیونکہ نورِ قلب ہی طاعات کا ذریعہ ہے اس سے قلب میں طاعات کا داعیہ اور ایک تقاضا پیدا ہوتا ہے جس سے اس کو وہ طاعات پھولوں سے ہلکی معلوم ہوتی ہیں۔ بلکہ بدون طاعت کے امتثال کے چین ہی نہیں ملتا۔

بے تحقیق بات کا نقل کرنا گناہ ہے

ارشاد۔ بے تحقیق کسی بات کا نقل کرنا اور سنی سنائی بات کو بدون تحقیق کے فوراً زبان سے نکال دینا بھی گناہ ہے۔ "کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"

جھوٹ چھوڑنے کا عملی علاج

ارشاد۔ جس کو جھوٹ بولنے کی عادت بہت ہو اس کا عجیب و غریب عملی علاج یہ ہے کہ جس سے کلام کرے اس سے پہلے کہدیا کرے کہ میری عادت کثرت سے جھوٹ بولنے کی ہے تھوڑے دنوں اس پر مداومت کرنے سے انشاءاللہ یہ عادت چھوٹ جائے گی۔

نہ سخاوت مطلقاً محمود اور نہ بخل مطلقاً مذموم ہے

ارشاد۔ مَنْ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (ترجمہ) جس نے اللہ کے لئے دیا اور اللہ کے لئے روکا پس تحقیق اس نے ایمان کامل کرلیا۔

اس میں اعطاء اور منع دونوں کے ساتھ لِلّٰہ کی قید ہے جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں نہ بخل مطلقاً مذموم بلکہ خدا تعالیٰ کے لئے ہو تو دونوں محمود، ورنہ دونوں مذموم غرض اخلاق سب فطری و جبلّی ہیں اور درجۂ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے نہ محمود بلکہ مواقع استعمال سے ان میں مدح و ذم آجاتی ہے۔

سب سے زیادہ قابلِ نفرت چیز کبر ہے

ارشاد۔ فرمایا کہ سب سے زیادہ نفرت کی چیز میرے ذہن میں تکبر ہے اتنی نفرت مجھے کسی گناہ سے نہیں جتنی اس سے ہے یوں اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جیسے زنا۔ شراب وغیرہ لیکن نفرت طبعی جیسی تکبر سے ہے کسی سے نہیں۔ بات اس میں یہ ہے کہ تکبر شعبہ شرک ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا خدا کے بڑے ہوتے ہوئے ایک درجہ کا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ متکبر آدمی ہوتے ہوئے بھی اپنے لئے وہ صفت ثابت کرتا ہے جو کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کے فیض وبرکت وتوجہ سے اس ناکارہ جامع اور دیگر احباب کے قلب ودماغ سے اس رذیلہ خبیثہ کو زائل فرماویں آمین

وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا

کبر کا آسان علاج

ارشاد۔ کسی کمال میں اپنے کو دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ اس کو حقیر وذلیل سمجھے، یہ سمجھنا اگر غیر اختیاری ہے تو اس پر ملامت نہیں بشرطیکہ اس کے مقتضاء پر عمل نہ ہو۔ یعنی زبان سے اپنی تفضیل اور دوسرے کی تنقیص نہ کرے۔ دوسروں کے ساتھ برتاؤ تحقیر کا نہ کرے اور اگر قصداً ایسا سمجھتا ہے۔ یا سمجھتا تو بلا قصد ہے مگر اس کے مقتضاء مذکور پر بلقصد عمل کرتا ہے تو مرتکبِ کبر ہے اور مستحق ملامت و عقوبت ہے۔ اور اگر زبان سے اس کی مدح وثنا کرے اور برتاؤ میں اس کی تعظیم کرے تو اعون فی العلاج ہے۔

اخفاء عن الخلق بھی ریا ہے

ارشاد۔ محققین کے نزدیک عبادت کے اخفاء کا اہتمام کرنا بھی ریا ہے کیونکہ اخفاء عن الخلق کا اہتمام وہی کرے گا جس کی نظر مخلوق پر ہو اور جس کی نظر مخلوق سے اُٹھ جاوے کہ عبادت کو اپنا عمل نہ سمجھے بلکہ محض توفیق حق سمجھے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کام لے رہے ہیں میں خود کچھ نہیں کر سکتا تھا وہ اخفاء کا اہتمام نہ کرے گا، جب وہ مخلوق کو لاشئے

محض سمجھے گا تو ان سے کیوں اخفا کرے گا اور جب اپنے عمل کو اپنا عمل ہی نہیں سمجھتا فضل حق سمجھتا ہے تو کسی کے دیکھنے سے عُجب کا اثر کیوں ہوگا۔

غصہ کے چند علاج

ارشاد۔ جس وقت غصہ آدے امور ذیل کی پابندی کریں۔

۱۔ یہ خیال کریں کہ میں بھی حق تعالیٰ کا خطاوار ہوں اگر وہ بھی اسی طرح غصہ کریں تو میرا کہاں ٹھکانہ ہو۔

۲۔ اگر میں اس کو معاف کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی معاف فرمادیں گے۔

۳۔ اس وقت بے کار نہ رہیں فوراً کسی کام میں لگ جائیں۔ بالخصوص مطالعہ کتب میں لگ جائیں۔

۴۔ اُس جگہ سے ہٹ جاویں

۵۔ اَعُوْذُ بِاللہِ پڑھنے کی کثرت کریں

۶۔ پانی پی لیویں

۷۔ وضو کر لیویں

چھوٹوں سے معافی مانگنے کا طریق

فرمایا۔ چھوٹوں سے معافی مانگنے میں بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ہم صریح الفاظ میں معافی مانگیں گے تو گستاخ ہو کر زیادہ نافرمانی کرے گا۔ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ہم معافی مانگیں گے تو یہ شرمندہ ہوگا۔ مگر یہ عُذر اس وقت ہیں جب اس سے تعلق رکھنا چاہیں۔ ان صورتوں میں تو صرف اس کا خوش کر دینا امید ہے کہ قائم مقام معافی کے ہو جائے گا اور بعض اوقات اس سے تعلق ہی رکھنا نہیں جیسے ملازم کو موقوف کر دیا۔ یا وہ خود چھوڑ کر جانے لگا۔ اس وقت ضروری ہے کہ زیادتی ہو جانے کی صورت میں اس سے صریح معافی مانگی جاوے کیونکہ وہ دونوں عذر نہیں اس میں اگر کوئی رکاوٹ ہو تو میرے

نزدیک اس کا سبب ضرور کبر ہے۔ گو اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔ مگر کبر کے مقتضا پر عمل تو ہوا۔ غایت سے غایت کبر اعتقادی نہ ہوگا مگر عملی تو ضرور ہے، اگر کوئی کبر کی تقسیم کو تسلیم نہ کرے تب بھی تو ظلم ہوا جس سے معافی مانگنا واجب ہے تو معافی نہ مانگنے میں کبر کا گناہ نہ ہوا تو ظلم کا تو ہوا۔

سائل سے کبھی تنگ دل نہ ہونا چاہیئے

ارشاد۔ سائل سے کبھی تنگ دل نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ تو محسن ہیں ہمارے لئے حمال اثقال ہیں کہ ہمارا بوجھ اٹھا کر آخرت میں پہنچاتے ہیں اگر یہ لوگ نہ ہوں تو ہمارے صدقات آخرت میں کسی طرح نہ پہنچ سکیں۔ پس اغنیاء کو چاہیے کہ سائلوں کو حقیر نہ سمجھیں نہ تنگ دل ہوں۔

اعمال ہی سراپا انعامات ہیں

ارشاد۔ حضرت! جتنے کام حق تعالیٰ ہم سے لے رہے ہیں یہ خود انعام ہے پھر انعام پر طلب انعام کیسا، انعام تو عمل پر ہوا کرتا ہے اور یہاں خود یہ اعمال ہی سراپا انعامات ہیں ورنہ ہم کس قابل تھے کہ حق تعالیٰ کی عبادت کر سکیں ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتنت

حسد کا علاج

ارشاد۔ حسد ایک کیفیت انسانیہ ہے جس میں انسان معذور ہے پھر اس کے مقتضا پر عمل اس میں انسان معذور گنہگار ہے۔ پھر مخالفت اس مقتضاء کی اس میں انسان ماجور ہے یعنی حسد کے غلبہ سے کسی کی مذمت کا تقاضا ہو اس کی مدح کرو اس سے اعراض کو دل چاہے اس سے ملو اس کی تعظیم کرو۔ اس کو پہلے سلام کرو اس کے ساتھ احسان کرو وما توفیقی الا باللہ ؛

کینہ کی حقیقت

ارشاد۔ کینہ وہ ہے جو اختیار اور قصد سے کسی کی برائی اور بدخواہی دل میں رکھی جاوے اور اس کو ایذا پہنچانے کی تدبیر بھی کرے اگر کسی سے رنج کی کوئی بات پیش آوے اور طبیعت اس سے ملنے کو نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباضِ طبعی ہے جو گناہ نہیں۔

مال کا جمع کرنا مطلقاً خلاف زہد نہیں

ارشاد۔ مال کا جمع کرنا مطلقاً خلاف زہد نہیں البتہ اس کو ذریعۂ معاصی بنانا خلاف زہد ہے بعضوں کے لئے مالدار ہونا ہی مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کو مال سے قرب ہوگا اور کس کو افلاس سے کسی کو مال دیتے ہیں کسی کو مفلس رکھتے ہیں۔

آدابِ طعام

ارشاد۔ ۱۔ جس کے پاس مہمان ہو اس کو اپنے معمولات کی پہلے ہی اطلاع کردے دسترخوان پر بیٹھ کر اپنے معمولات بیان کرنا تہذیب کے خلاف ہے۔

۲۔ میزبان کے ہاتھ شروع میں پہلے دھلائے جائیں اور کھانا بھی اول میزبان کے سامنے رکھا جائے۔

۳۔ میزبان مہمان کے اوپر مسلط ہو کر نہ بیٹھے بلکہ اس کو آزاد چھوڑ دے۔

۴۔ میزبان کھانا خود پہلے شروع کر دے اس سے مہمان بے تکلف ہو جاتا ہے۔

۵۔ میزبان کو چاہیئے کہ مہمانوں کو کھاتے ہوئے ہرگز نہ گھورے۔ بس سرسری نظر سے اتنا معلوم کرتا رہے کہ کہاں کس چیز کی ضرورت ہے باقی نہ اس سے کہے کہ آپ کم کھا رہے ہیں نہ یہ کہے کہ آپ تکلف کر رہے ہیں کیونکہ جب مہمان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میزبان میرے لقمے دیکھ رہا ہے تو اس سے بالکل نہیں کھایا جاتا۔

سماعِ اہلِ قبور

ارشاد۔ سماعِ اہلِ قبور میں تو اختلاف ہے اکثر اہلِ کشف اس کے قائل ہیں

نگران سے درخواست دعا کرنا کسی دلیل سے ثابت نہیں کیوں کہ ان کو دعا کا اختیار دیا جانا کہیں منقول نہیں البتہ اُن کے توسل سے خود دعا کرنا ثابت ہے۔

برزخ میں روح کو جسد مثالی عطا ہونا

فرمایا۔ کہ اس روح کو برزخ میں دوسرا جسد عطا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس جسد سے بھی تعلق رہتا ہے اور قبر کا سوال وجواب اس جسد مثالی کے ساتھ ہوتا ہے جو وہاں ہوتا ہے (اور جسد عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا درجہ ہے جیسے کوئی ایک رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے، تو اب چلنا پھرنا تو اس دوسری کیساتھ ہوتا ہے مگر ایک گونہ تعلق اس پہلی سے بھی رہتا ہے) تو روح گو اس جسدِ مثالی کیساتھ ہو گی مگر تعلق اس جسد عنصری کیساتھ بھی ہو گا۔ اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھالے یا بھیڑیا کھالے یا آگ میں جل جائے تو کیا تب بھی حساب ہو گا؟ سو یہ حساب اسی جسد مثالی کے ساتھ ہو گا جو عالم برزخ میں عطا ہو گا۔

نفس کے مکر نہایت خفی ہیں

فرمایا۔ کہ نفس وہ چیز ہے کہ اس کا مکر خفی اہلِ نظر کو بھی بعض اوقات محسوس نہیں ہوتا نفس کے کید نہایت ہی خفی ہیں اور پوشیدہ وساوس اگر آویں آنے دو ان کی فکر ہی میں نہ پڑو یہ بھی شیطان اور نفس کی شرارت ہے کہ اس میں مشغول کر کے اللہ کی مشغولی سے روکنا چاہتے ہیں۔ بس کام میں لگے رہو انشاء اللہ کشتی پار لگ جاوے گی۔

قضا نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ

فرمایا۔ کہ اگر کئی مہینے یا کئی برس کی نمازیں قضا ہوں تو ان کی قضا ادا کرنے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرے ایک ایک وقت دو دو چار چار نمازیں پڑھ لیا کرے۔ قضا پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں جس وقت فرصت ہو وضو کر کے پڑھ لے البتہ مکروہ وقت نہ ہو۔

جمعیتِ قلب کے اہتمام کی ضرورت

فرمایا۔ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کی زبان پر یہ لفظ

بہت آیا کرتا تھا کہ جمعیتِ قلب کا اہتمام کرنا چاہیئے، حضرت کو ہر بات میں اس کا بہت اہتمام رہتا تھا کہ قلب کی جمعیت فوت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت کو تعلقات سے بہت نفرت تھی اور صوفیاء کے اقوال واحوال میں بھی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق مع اللہ پیدا ہونے کے لئے جمعیت قلب بہت ہی ضروری ہے۔

خلوت اور ترک کلام سے نفع

فرمایا۔ تجربہ کر لو صرف خلوت اور ترکِ کلام پر اکتفاء کرے اور معاصی بھی ترک کر دے انشاء اللہ نسبت باطنی حاصل ہو جائے گی چاہے ذکر بہت ہی کم کرے۔

ہر عمل صالح کی نیت

فرمایا۔ اس نیت سے عمل کرو کہ اے اللہ! آپ کی محبت پیدا ہو جائے پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اللہ کا نام لو، جی لگا کر یعنی کسی وقت تھوڑا تھوڑا اللہ اللہ بھی کر لیا کرو۔ تیسری بات یہ ہے اور یہ بہت ہی ضروری ہے کہ اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرو۔

نفس کے تزکیہ کی دو چیزیں

فرمایا۔ اس طریق کا حاصل نفس کا تزکیہ ہے اور جس چیز سے تزکیہ کیا جاتا ہے وہ دو چیزیں ہیں شہوت اور کبر، اور ان کا علاج کسی کامل بزرگ کی صحبت ہے کیوں کہ وہ اس راہ سے گذر چکا ہے۔

غیر محرم کو دیکھنے کے نقصانات

فرمایا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی غیر محرم کو دیکھنے کا زیادہ تقاضا قلب میں ہو اس کو ہم ایک دفعہ جی بھر کر دیکھ لیں تو تسکین ہو جائے گی یہ محض غلط ہے وہ تسکین عارضی ہے اس سے جوش کم ہوتا نہیں بلکہ قعر (گہرائی) قلب میں جا کر زیادہ متمکن ہوتا ہے اس لئے محسوس نہیں ہوتا اور تسکین کا جو شبہ ہوتا ہے قصداً اس کا تصور کرنا اور ملذذ ہونا سم قاتل ہے رہزنِ دین ہے

حدیث میں ہے " اَلنَّظْرُ سَھْمٌ مِّنْ سِھَامِ اِبْلِیْسَ "۔
(ترجمہ) نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

ادبِ ظاہری اور ادبِ باطنی کا مفہوم

فرمایا۔ طالب طریقِ تصوف کو چاہیئے کہ ادب ظاہری و باطنی کو نگاہ میں رکھے، ادب ظاہری یہ ہے کہ خلق کے ساتھ بحسنِ ادب وکمال تواضع و اخلاق پیش آئے اور ادبِ باطنی یہ ہے کہ تمام اوقات و احوال و معاملات میں باحق سبحانہ' رہے حسن ادب ظاہر سرنامۂ ادبِ باطن ہے اور حسنِ ادب ترجمانِ عقل ہے بلکہ اَلتَّصَوُّفُ کُلُّہٗ اَدَبٌ

طالب کے لئے دو چیزیں سم قاتل ہیں

ارشاد۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں سب سن لیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس طریق میں دو چیزیں طالب کے لئے رہزن اور سمِ قاتل ہیں، ایک تاویل اپنی غلطی کی اور دوسری اپنے معلم پر اعتراض۔

الحزم سوء الظن کا مفہوم

ارشاد۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اعتقاد سب کے ساتھ نیک رکھے لیکن معاملہ سب کے ساتھ احتیاط کا رکھے، اعتقاد میں بدگمان نہ ہو۔ معاملہ میں بدگمان ہو مثلاً بلا اطمینان کامل کے قرض نہ دے، محرم راز نہ بنائے، کوئی خدمت سپرد نہ کرے معاملہ تو ایسا کرے باقی اعتقاد ہی رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے اور یہ جو قول مشہور ہے

اَلْحَزْمُ سُوْءُ الظَّنِّ

وہ بھی معاملہ کے متعلق ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ معاملہ ایسا کرے جیسے کوئی بدگمان معاملہ کرتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اعتقاد میں بھی بدگمانی ہو۔ اعتقاد کے درجہ میں تو نیک گمان رکھے لیکن معاملہ احتیاط ہی کا کرے گو بعض صوفیوں نے اس قول کے یہ معنی لگائے ہیں کہ اَلْحَزْمُ سُوْءُ الظَّنِّ اَیْ بِنَفْسِہٖ یعنی احتیاط یہ ہے کہ اپنے ساتھ سوءِ ظن

رکھے لیکن یہاں درحقیقت سوءِ ظن بغیرہ ہے اور اس میں وہی تفصیل ہے جو میں نے ابھی بیان کی ہے۔

اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے

ارشاد۔ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ مناسب اور غیر مناسب ہی کو لئے پھرتے ہیں میں تو اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتوٰی دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کے فرضِ عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے، اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے اس تعلق کے بعد بفضلہٖ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔

حقوق معاشرت

فرمایا۔ کہ لوگ اہل و عیال کے حقوق کی قطعاً پروا نہیں کرتے کہ جن پر حکومت کرتے ہیں ان محکوموں کا بھی کوئی حق ہمارے ذمہ ہے یا نہیں۔ معاشرت کو تو دین کی فہرست سے نکال ہی رکھا ہے۔ اس باب میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے اور اس سب گڑبڑ کا سبب دین سے غفلت ہے۔

نمازی اور بے نمازی

فرمایا کہ نمازی کے دل میں نور ہے اس کا اثر چہرے پر ظاہر ہوتا ہے اور بے نمازی کے دل میں ظلمت ہے اس کا اثر چہرے کی بدرونقی سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آگ اندر لگی ہے اس کا یہ دھواں ہے جس نے ظاہر و باطن دونوں کو سیاہ کر دیا ہے، دل کی سیاہی تو یہ ہے کہ نہ رشوت سے نفرت ہے نہ جھوٹ بولنے سے، نہ کسی پر بہتان باندھنے سے نہ کسی کی زمین دبانے سے، نہ وضع نصرانی اختیار کرنے سے وغیرہ وغیرہ۔

عذرِ صحیح سے معمولات کی کمی میں اجر کم نہیں ہوتا

فرمایا کہ اگر معمولات و اوراد و وظائف میں جو کمی یا ناغہ عذرِ صحیح سے ہو اس سے

اجر میں کمی نہیں آتی جو اصل مقصود ہے پھر تشویش کی کیا وجہ اور یہ کس نے کہہ دیا کہ ذکر و استغفار کے لئے وضو شرط ہے۔ اپنی طرف سے مسئلے گھڑ گھڑ کر اللہ کی آسان کی ہوئی چیزوں کو دشوار بناتے ہیں کیا یہ ناشکری اور بے قدری نہیں۔

شوق و ذوق وغیرہ۔

ارشاد۔ ایک بار ایک صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حق تعالیٰ رحیم و حکیم ہیں جس شوق و ذوق اور سوز و گداز کو آپ کمال سمجھتے ہیں، نہ وہ کمال ہے اور جس خشکی اور وسوسہ کو آپ نقصان سمجھتے ہیں نہ وہ نقصان ہے۔ اگر آپ کو وہ کیفیات حاصل ہوتیں جس کو آپ بڑی چیز سمجھتے ہیں ضرور عجب پیدا ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے عجب سے بچا لیا جو خدا تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس پر شکر واجب ہے نہ کہ بالعکس شکایت کی جاوے ؎

آن کس کہ تو نگرت نمی گرداند   او مصلحت تو از تو بہتر داند

اس مضمون شعر میں یہ باطنی دولت بھی داخل ہے اور جس چیز کو آپ نقصان سمجھ رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتی تو آپ میں یہ انکسار نہ پیدا ہوتا جو بڑی نعمت ہے اور اس پر بھی شکر واجب ہے البتہ چونکہ اس میں احتمال ناشکری کا ہے اس لئے اب اس کی حقیقت سمجھ لیجئے تاکہ اس پر بھی شکر کیجئے۔ وہ کلیہ یہ ہے کہ جو افعال اختیاری ہیں ان میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ کیا جائے تو پھر احوال خواہ کچھ ہی ہوں وہ چونکہ غیر اختیاری ہیں کچھ پروا نہ کرنا چاہیئے، کام کئے جائیے، آپ محروم نہیں ہیں۔ ایک وقت میں یہ امر تحقیقاً بھی معلوم ہو جاوے گا، اب تقلیداً مان لیجئے۔

سالک کو خطرات منکرہ کی پروا نہ کرنا چاہیئے۔

فرمایا کہ سالک کو خطرات منکرہ کی بناء پر اپنے کو مردود نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے لہٰذا اس کا (یعنی سالک کا) کیا قصور بلکہ اس کو جو ناگواری کی وجہ سے اذیت ہو رہی ہے اس کا اجر ملے گا۔

اصل مقصود صرف ذکر ہے

ارشاد۔ ایک طالب نے درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرمادیں کہ مجھے دو ایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرادیں۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس کی حاجت نہیں یہ قیود غیر مقصود ہیں، مقصود صرف ذکر ہے اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں تو اصل مقصود منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہوجاتا ہے۔ آگے رہی موزونیت، اس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں۔

سنت کے موافق نماز کی فضیلت

فرمایا کہ اگر نماز سنت کے طریقے پر ہو تو گو اس میں لاکھوں وساوس آویں وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے بہ نسبت اس نماز کے جو خلاف طریقہ مسنون پڑھی جائے کیونکہ پہلی نماز اوفق بالسنت ہے اور دوسری ابعد من السنت ہے۔

جھوٹ کا ایک عملی علاج

فرمایا کہ جس کو اکثر جھوٹ بولنے کی عادت ہو بہت بڑا علاج اس کا یہ ہے کہ جب کذب صادر ہو فوراً اپنی تکذیب مخاطب کے سامنے کرے کہ یہ بات میری کذب ہے فرمایا کہ غیبت کرنے سے برا بھلا کہنے سے جو نفرت اس غیبت کرنے والے سے ہوجاتی ہے اور جو انقباض اس سے ہوجاتا ہے وہ قابل ملامت نہیں کیونکہ طبعی وغیر اختیاری ہے لیکن بہ تکلف سلام وکلام کرتے رہنے سے چند روز میں وہ اثر دل میں بھی ضعیف ہوجاتا ہے۔

غصہ کا ایک مجرب علاج

فرمایا کہ غصہ کا ایک مجرب علاج یہ ہے کہ مغضوب علیہ کو اپنے پاس سے جدا کردیا جاوے یا اس کے پاس سے خود جدا ہوجائے اور فوراً کسی شغل میں لگ جاوے

اخلاقِ رذیلہ کا مختصر علاج

فرمایا اخلاق رذیلہ کا مختصر علاج یہ ہے کہ تأمل و تحمل یعنی جو کام کرے سوچ کر کرے

کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے کام کیا کرے یا اطلاع و اتباع یعنی اپنے احوال و اعمال سے شیخ کو مطلع کرتا رہے اور اس کی تجویز پر عمل کرے یا انقیاد و اعتماد یعنی اپنے شیخ کی اطاعت کاملہ کرے اور جو کچھ کہے اس پر اعتماد کرے۔

اسباب غیب سے امراض نفسانیہ کا علاج

فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتے ہیں اور مجاہدۂ اختیاریہ سے اس کو قاصر و عاجز دیکھتے ہیں تو ایسے اسباب غیب سے پیدا فرما دیتے ہیں جس سے اس کے امراض نفسانیہ حب جاہ وغیرہ کا علاج ہو جاتا ہے مثلاً اس کو کوئی مرض لاحق ہو جاتا ہے یا کوئی عدو مسلط ہو جاتا ہے جو اس کو ایذائیں بالخصوص بدنامی کی ایذا پہنچاتا ہے جس کی روایات کو اگر کوئی غلط سمجھتا ہے تو دوسرا صحیح سمجھتا ہے اور اس طرح سے وہ رسوا ہو جاتا ہے جو اول اول نفس کو بے حد ناگوار ہوتا ہے مگر جب وہ صبر و رضا اختیار کرتا ہے تو پھر اس میں ایسی قوت تحمل کی ہو جاتی ہے کہ نہایت ہمت کے ساتھ یہ کہنے لگتا ہے ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را — خاک بر سر کن غم ایام را

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں — مانمے خواہیم ننگ و نام را

پھر اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (ترجمہ بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہونیوالی ہے) کے موافق اس کو قبول عام و عزت نصیب فرماتے ہیں جس میں ان کو ناز نہیں ہوتا جس قدر رفعت بڑھتی جاتی ہے نیاز میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ بس جاہ عظیم میسر ہو جاتی ہے اور جاہ پسندی فنا ہو جاتی ہے۔

نماز میں مشغول ہونے سے رنج و فکر کم ہوتا ہے۔

فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے اِذَا حَزَبَہٗ اَمْرٌ فَزِعَ اِلَی الصَّلٰوۃِ (ترجمہ) جب آپ کو کوئی حادثہ پیش آتا تو آپ جلدی سے نماز کی طرف رجوع فرماتے) یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بڑی فکر پیش آتی تو آپ جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاتے، تاکہ

حق تعالیٰ سے باتیں کرکے دل بہلائیں اور تسلی و سکون حاصل کریں واقعی تجربہ و مشاہدہ ہے کہ رنج و فکر کی حالت میں نماز میں مشغول ہوجانے سے رنج بہت کم ہوجاتا ہے۔

ہر مسلمان سے طلب دعا کی حدیث

فرمایا کہ صوفیا ہر مسلمان سے دعا طلب کرتے ہیں جس کی سند یہ حدیث شریف ہے اِسْتَکْثِرْ مِنَ النَّاسِ مِنْ دُعَاءِ الْخَیْرِ لَكَ فَاِنَّ الْعَبْدَ لَا یَدْرِیْ عَلٰی لِسَانِ مَنْ یُسْتَجَابُ لَهٗ اَوْ یُرْحَمُ (ترجمہ) "یعنی لوگوں سے دعائے خیر کی کثرت سے طلب کیا کرو کیونکہ بندہ کو معلوم نہیں کس زبان پر اس کے لئے دعا قبول ہوجاوے یا اس پر رحمت ہوجاوے۔"

حزن سے مراتب سلوک جلد طے ہوتے ہیں

فرمایا کہ حزن سے جس قدر جلد مراتب سلوک کے طے ہوتے ہیں مجاہدہ سے اس قدر جلد طے نہیں ہوتے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔

یوم جمعہ کی فضیلت

فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جمعہ کے روز جو مرجاتا ہے اس کا حساب قیامت تک فرشتہ نہیں لیتا اس کی وجہ یوم جمعہ کی فضیلت ہے۔ نماز جمعہ سے قبل یا بعد کو کوئی دخل نہیں اس لئے جنازہ کے لئے نماز جمعہ کا انتظار خلاف شریعت و عبث ہے۔

شیخ کامل کی پہچان

فرمایا کہ شیخ کامل کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو، بدعت اور شرک سے محفوظ ہو کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو اس کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر یہ ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جاوے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جاوے اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے۔ اس علاج سے دمبدم نفع ہوتا چلا جاوے اور اس کی اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی جاوے۔

ضرورت کی قسمیں

فرمایا کہ تمام اخراجات اور سامانوں میں اختصار کرو یعنی قدر ضرورت پر اکتفاء کرو پھر ضرورت کے بھی درجے ہیں ایک یہ کہ جس کے بغیر کام نہ چل سکے یہ تو مباح کیا واجب ہے دوسرے یہ کہ ایک چیز کے بغیر کام تو چل سکتا ہے مگر اس کے ہونے سے راحت ملتی ہے اگر نہ ہو تو تکلیف ہو گی گو کام چل جائے گا مگر دقت سے چلے گا۔ ایسے سامان رکھنے کی بھی اجازت ہے۔ ایک سامان اس قسم کا ہے جس پر کوئی کام نہیں اٹکتا نہ اس کے بغیر تکلیف ہو گی مگر اس کے ہونے سے اپنا دل خوش ہو گا تو اپنا جی خوش کرنے کے لئے بھی کسی سامان کے رکھنے کا بشرط وسعت مضائقہ نہیں یہ بھی جائز ہے ایک یہ کہ دوسروں کو دکھانے اور انکی نگاہ میں بڑا بننے کے لیے کچھ سامان رکھا جائے یہ حرام ہے۔ پس جو عورتیں اپنی راحت کیلئے یا اپنا یا اپنے خاوند کا جی خوش کرنے کے لئے قیمتی کپڑا یا زیور پہنتی ہیں ان کو تو بشرط مذکور گناہ نہیں ہوتا اور جو محض دکھاوے کے لئے پہنتی ہیں وہ گنہگار ہیں۔

قرض کے لکھنے میں مصلحت

فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو قرض دیا کرو تو لکھ لیا کرو اور اس پر دو آدمیوں کو گواہ کر لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ غایت شفقت والفت ہے کہ ہمارے پیسے کا نقصان بھی گوارا نہیں کرتے تو جان کا نقصان کب گوارا ہو گا پھر وہ جنت سے محروم کر کے دوزخ میں کب ڈالنا چاہیں گے جب تک کہ تم خود نہ گھسو (معاصی کر کے) چنانچہ ارشاد ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم سپاس گذاری کرو اور ایمان لے آؤ۔

کھانے کے بعد شکر مثل چورن کے ہے

فرمایا کہ غذا کے بعد جو شکر کا حکم کیا گیا ہے تو در اصل اسی غذا کے ہضم کے واسطے چورن بتایا گیا ہے تا کہ پھر بھی غذا کھا سکے کیونکہ شکر سے نعمتیں بڑھتی ہیں جس طرح چورن سے

دوسرے وقت زیادہ کھا سکے گا اور ناشکری سے سلب ہو جاتی ہیں۔

بے موقع ذکر اللہ ممنوع ہے

فرمایا کہ بے موقع ذکر اللہ کو فقہاء نے منع لکھا ہے کہ بعض مقامات پر کفر کہا ہے جیسے حرام طعام پر بسم اللہ کہنا۔

غم سے روح میں نور پیدا ہونا

فرمایا کہ غم سے نفس کو تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن روح میں نور پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ مجاہدہ ہے گو اضطراری سہی اور مجاہدۂ اضطراری بھی موجب اجر ہے۔ حدیثیں اس میں صریح ہیں چنانچہ فرض. مکرا اور بلا پر بشارتیں وارد ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کے لئے دُعا اور تدبیر کا بھی امر ہے پس دعا و تدبیر بھی کرنی چاہیئے اور غم کے فضائل و بشارت پر نظر کر کے صبر و رضا بھی اختیار کرنا چاہیئے۔

بخل کے دو درجے

فرمایا کہ بخل کے دو درجے ہیں ایک خلاف مقتضائے شریعت اور یہ معصیت ہے دوسرا خلاف مقتضائے مروت اور یہ معصیت نہیں فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ اس کے مقتضا کی مخالفت کی جاوے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی فکر کی بات نہیں۔

روحانی نشاط کا مدار تعلق مع اللہ پر ہے

فرمایا کہ لطف زندگی کا مدار مال پر نہیں ہے بلکہ نشاط طبیعت و روح پر ہے اور روحانی نشاط کا مدار دین و تعلق مع اللہ پر ہے۔ پس دین کے ساتھ دنیا گو کم ہے مگر پر لطف ہوتی ہے اور بدون دین کے خود دنیا بے لطف ہے۔ اگر کسی دنیادار کو لطف میں دیکھا تو وہ یا تو اس حصۂ دین کا اثر ہے یا دیکھنے والے کو اس کی ظاہری حالت سے دھوکا ہو گیا ہے۔ اگر اندرونی حالت کی تفتیش کی جائے تو پریشانی ہی ثابت ہو گی یا اس نے حقیقی لطف کو دیکھا ہی نہیں۔ وہ صورت لطف کو لطف سمجھ گیا ہے اور راز اس کا وہی ہے کہ لطف د

راحت اور چیز ہے جن اسبابِ دنیا کو لوگ سامانِ راحت سمجھتے ہیں اگر حقیقی راحت نہ ہو تو حقیقت میں واللہ وہ عذاب ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تُعْجِبْكَ اموالهم واولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها في الدنيا الخ۔

پس یہ ضروری نہیں کہ جس کے پاس سامانِ راحت ہو اس کو راحت بھی حاصل ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ جس کے پاس سامانِ راحت نہ ہو اس کو راحت حاصل نہ ہو خود اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ مسلمان تارکِ دین کو راحت سے محروم کر دیتے ہیں پس دین کا ضرر ایسا ضرر ہے جس سے دنیا کی راحت بھی برباد ہو جاتی ہے۔

فرضیت زکوٰۃ دراصل ہمارے ہی نفع کے لئے ہے

فرمایا کہ جو صدقہ زکوٰۃ تم دیتے ہو وہ تو مجازاً خدا تعالیٰ کا حق کہلاتا ہے ورنہ حقیقت میں وہ تمہارے ہی نفع کے واسطے مقرر کیا گیا ہے تاکہ دنیا میں تمہارے مال میں برکت ہو اور آخرت میں تم کو ثواب ملے۔

حرام چیز جانوروں کو کھلانا بھی حرام ہے۔

فرمایا کہ جس چیز کا خود کھانا حرام ہے اسے اولاد کو کھلانا بھی حرام ہے، بلکہ جانوروں کو بھی کھلانا حرام ہے۔ جانوروں کو خود نہ کھلاؤ بلکہ ایسی جگہ رکھ دو کہ وہ خود آکر کھالیں۔ یاد رکھو کہ اپنی اولاد کو جو حرام مال کھلاتا ہے وہ ان کے اندر شرارت کا مادہ پیدا کرتا ہے

حرام چیزوں سے تداوی جائز نہیں

فرمایا کہ متقدمین میں حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ نہ حرام خالص سے تداوی (دوا کرنا) جائز اور نہ ایسی چیز سے جائز ہے جس میں کوئی حرام جزو ہو۔ جیسے گدھی کا دودھ اور حرام گوشت اور تریاق (جو سانپوں سے تیار ہوتا ہے) اور متاخرین نے ضرورت شدیدہ کے وقت تداوی (دوا کرنا) بالحرام کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔

شک اور تردد کی چیز نہ دیکھو فرمایا کہ ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد

پیدا ہو اور جو بلا قصد ایسی بات کان میں پڑجائے اور یہی حالت پیدا ہوجائے تو اسکو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس اہتمام سے پریشانی اور بڑھے گی اور ہمیشہ کے لئے ایک مستقل شغل ہوجاوے گا بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستاوے بالکل پرواہ نہ کرو البتہ دعا و تفرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہوجاوے گی اور جب یہی عادت ہوجاوے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہوجاوے گی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا۔

نافرمانیِ حق کے ساتھ مشاہدۂ جمال ناممکن ہے

فرمایا کہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ مشاہدۂ جمالِ حق کبھی نہیں ہوسکتا دل اور روح کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب نفس کی شہوت و لذت کو حرام کی جگہ سے روکا جائے

ایک حدیث کا مفہوم

فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہر آنکھ روتی ہوگی بجز اس آنکھ کے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کے دیکھنے سے روکی گئی ہو، اور وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرہ دیا اور وہ آنکھ جس میں خوف الٰہی کی وجہ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آیا۔

عقل کا کام

فرمایا کہ صاحبو! اس عقل سے جو کام لینے کا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر اعتماد و انقیاد کا اپنے کو مکلف سمجھ لے اور وحی کا اتباع کرے۔

معصیت سے بچنے کا طریق

فرمایا کہ معصیت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اول ہمت خود کرے اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ سے ہمت طلب کرے اور خاصانِ خدا تعالیٰ سے بھی دعا کرائے انشاء اللہ تعالیٰ

گناہوں سے بچنے کی ہمت ہو جائے گی۔ صاحبو! کامیابی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں ایک اپنی ہمت دوسرے بزرگوں کی دعا، ان دونوں پہیوں سے گاڑی کو چلاؤ ایک پہیہ کافی نہیں۔

لیلۃ القدر میں حصّہ

فرمایا کہ لیلۃ القدر میں جو شخص عشا اور صبح دونوں کی نماز جماعت سے ادا کرے اس کو لیلۃ القدر سے حصہ مل جائے گا یعنی یہ بھی جاگنے والوں میں شمار ہوگا گو اس رات میں عشا کے بعد صبح تک سوتا رہا ہو مگر اس کا جاگنے والوں میں شمار ہونا ایسا ہے جیسے چاندی کے چمچوں میں گلٹ کا چمچہ چاندی کی قلعی کرا کر رکھ دیا جاوے ابن المسیب کا ارشاد ہے کہ عشا کی نماز جماعت سے پڑھ لینا بھی فضیلت لیلۃ القدر کے لئے کافی ہے، کیونکہ فوتِ جماعتِ فجر غیر اختیاری ہے اس لئے یہ فوت منقص ثواب لیلۃ القدر نہ ہوگا۔

علمائے دین کی توہین کا انجام

فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں قبر میں ان کا منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے

رحمت و مغفرت کی ایک مثال

فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کی طرف سے رحمت و مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو گو اس سے مقصود کوئی خاص بزرگ ہوں لیکن حسبِ قرب و بعد آس پاس کو بھی یہ پہنچتی ہیں جیسا کہ کسی کے پنکھا جھلا جاوے تو آس پاس کے لوگوں کو بھی ہوا ضرور لگتی ہے اس لئے بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرنا عبث نہیں سلف صالحین و خلف کا (نعامل) عمل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں۔

اولاد کی موت پر آنسو نکلنا

فرمایا کہ منتہی کو اولاد کے مرنے پر آنسو ناگواری (حکم خداوندی) سے نہیں

نکلتے بلکہ ترحم سے نکلتے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے بچہ کی اس حالت کو دیکھ نہیں سکتا، اگر آنسو نہ نکلتے تو بچہ کا حق ادا نہ ہوتا کیونکہ ترحم بچہ کا حق ہے بعض بلاؤں میں خاصیت ہے کہ اس سے آنسو نکلا کرتے ہیں اور باوجود آنسو نکلنے کے وہ دل سے ناراض نہیں ہوتا جیسے مرچ کھانے والا دل سے ناراض نہیں ہوتا گو آنکھیں رو رہی ہیں پس رضا والم جمع ہو سکتے ہیں۔

شیطان کا ایک دھوکہ

فرمایا کہ درحقیقت یہ شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ گناہ کر لینے سے تقاضا کم ہو جائے گا کیونکہ ارتکاب معصیت سے فی الحال کچھ دیر کو تقاضا کم ہو جائے گا مگر اس کا اثر یہ ہوگا کہ آئندہ کے لئے مادۂ معصیت قوی ہو جائے گا اور ازالہ قدرت سے باہر ہو جائیگا

طاعات کے ساتھ تقاضائے معصیت موجب قرب ہے۔

فرمایا کہ طاعات کے ساتھ تقاضائے معصیت موجب قرب ہے اور معصیت کے ساتھ عدم تقاضائے معصیت موجب قرب نہیں ہو سکتا بلکہ ارتکاب سے پہلے جو اس تقاضہ کی وہ مخالفت کرتا تھا یہ مقاومت نفس اور مجاہدہ کی ایک فرد تھی جو موجب قرب ہے

گناہوں کو ہلکا سمجھنا نہایت برا ہے

فرمایا کہ مؤمن اپنے گناہوں سے ڈرتا ہے گو ادنیٰ ہی گناہ ہو بخلاف فاجر کے کہ وہ گناہ کو مثل مکھی کے سمجھتا ہے کہ آئی اور اڑا دیا تو معلوم ہوا کہ گناہ کو سخت سمجھ کر توبہ کرنا علامت ایمان کی ہے اور اس کا ہلکا سمجھنا علامت بے ایمانی کی ہے اور اوپر جو آیا ہے کہ گناہ کو بڑا نہ سمجھے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اتنا بڑا نہ سمجھے کہ توبہ سے مانع ہو جاوے اور یہاں بڑا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا چھوٹا نہ سمجھے کہ توبہ کی ضرورت نہ سمجھے غرض اصل چیز توبہ ہے جو اعتقاد توبہ سے مانع ہو وہ مذموم ہے خواہ بڑے ہونے کا اعتقاد ہو خواہ چھوٹے ہونے کا۔

⁂

محبت حق پیدا کرنے کا آسان طریقہ

فرمایا کہ محبت حق پیدا کرنیکا آسان طریقہ یہ ہے کہ محبت والونکے پاس بیٹھنا شروع کردے

آہن کہ بپارس آشنا شد　　فی الحال بصورت طلا شد

مجاہدہ کی تفسیر

فرمایا کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا میں جاہدوا سے مراد غور و فکر۔ دعا و التجا۔ سعی و کوشش حق تعالیٰ کے سامنے الحاح و زاری تواضع و خاکساری ہے یہ چیزیں پیدا کرو۔ رونا اور چلانا شروع کرو نخوت و تکبر کو دماغ سے نکال کر پھینک دو اس کے بعد وصول میں دیر نہیں ہوتی۔ بجز اس حالت کے پیدا کئے ہوئے کامیابی مشکل ہے

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ می نہ گیرد فضل شاہ

خبر رویت ہلال کی تشہیر

فرمایا کہ میں اس کا مخالف ہوں کہ ایک مقام کی خبر رویت ہلال دوسرے مواضع میں اس طرح اشاعت کی جاوے کہ اس میں غلو و مبالغہ ہو اور اس میں غلطیاں دبیجا رہیں جس سے اکثر تشویش و مخالفت بڑھ جاتی ہے۔

لغو اور فضول کاموں سے گرانی

فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنے فضول کاموں میں غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ لغو اور فضول کاموں سے ضرور بطور اضطرار کے گناہ تک وصول ہوگیا ہے مثلاً مجھے خود یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ بعض دفعہ کوئی شخص آکر بلاضرورت پوچھتا ہے کہ آپ فلاں جگہ کب جائیں گے۔ اس سوال سے مجھ پر گرانی ہوتی ہے اور مسلمان کے قلب پر گرانی ڈالنا خود معصیت ہے۔ اگر سوال کرنے والا مخلص ہو جب بھی مجھے گرانی ہوتی ہے کہ اس کو ہمارے ذاتی افعال کی تفتیش کا کیا حق ہے۔ غرضیکہ کوئی لغو اور فضول کام ایسا نہیں جسکی سرحد معصیت سے نہ ملی ہو پس لغو اور فضول ابتداءً تو مباح ہے مگر انتہاءً معصیت ہے۔

سجدہ میں قرب

فرمایا کہ سجدہ میں بندہ کو قرب بصورتِ نزول ہوتا ہے

دعا میں الحاح محبوب ہے

فرمایا کہ حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندہ سر (ضد کرکے) ہوکر ان سے مانگے چنانچہ حدیث میں ہے اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْمُلِحِّیْنَ فِی الدُّعَاءِ (بیشک اللہ تعالیٰ دعا میں الحاح کرنیوالوں سے محبت رکھتے ہیں)

تبرکات میں برکت اور اثر کا سبب

فرمایا کہ قلب کا اثر انسان کے کلام اور لباس تک میں ظاہر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے تبرکات میں اثر ہوتا ہے اور صحبت میں اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔

بوقتِ ضرورت رخصت پر عمل محبوب ہے

فرمایا کہ بعض لوگوں کو ہر حالت میں عزیمت ہی پر عمل کرنے کا شوق ہوتا ہے یہ کوئی کمال نہیں بلا وجہ رخص (رخصت) شرعیہ ونعم (نعمت) الٰہیہ سے باوجود ضرورت کے بھی کام نہ لینا خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ حدیث شریف میں ہے اِنَّ اللہَ یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی رُخَصُہٗ کَمَا یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی عَزَائِمُہٗ یعنی حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کی رخصتوں پر بھی ویسا ہی عمل کیا جاوے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی عزیمتوں پر عمل کیا جاوے۔

ایمان کامل کی علامت

فرمایا کہ ایمان کامل کے لئے لازم ہے کہ طبیعت اور خو بو سب مسلمانوں کی سی ہو رغبت اس چیز سے ہو جو قرآن وحدیث میں ہے وہ مستحبات پر ویسا ہی عمل کرتا ہو جیسے واجبات پر وجہ یہ ہے کہ کمال ہر کام کا ایسے ہی انہماک سے ہوتا ہے مستحب اور واجب کی تنقیح سے نہیں ہوتا۔

حرص ام الامراض ہے

فرمایا کہ حرص تمام پریشانیوں کی جڑ ہے یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو ام الامراض کہنا چاہیئے کیونکہ اسی وجہ سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں اگر لوگوں

میں حرص مال نہ ہو تو کوئی کسی کا حق نہ دبائے۔

کبر تمام اخلاقِ رذیلہ کی جڑ ہے

فرمایا کہ بدکاری اور چوری کا منشا بھی لذت کی حرص ہے۔ اخلاقِ رذیلہ کی جڑ بھی یہی ہے کیونکہ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاقِ رذیلہ کی اصل کبر ہے اور کبر حرص جاہ ہی کا نام ہے بس کبر کا منشا بھی یہی حرص ہوا۔

نماز میں بلا ضرورت غیر نماز کا خیال نہ لائے

فرمایا کہ نماز میں بلا ضرورت غیر نماز کا خیال نہ لانا چاہیئے۔ ہاں اگر کسی ضرورت کی وجہ سے مشروع یا مباح امر کا خیال قصداً لائے اور اس کو قصداً باقی رکھے تو اس میں مؤاخذہ نہیں اور اگر یہ شبہ ہو کہ اس سے صلوٰۃ میں تو خلل آئے گا اس لئے کہ غیر صلوٰۃ ہے تو یہ سمجھ لو کہ خلل کا ہر درجہ موجب مؤاخذہ نہیں۔ یہ خلل بمعنٰی نقص ثواب ہے جیسے تین بار تسبیح کہنے سے بہ نسبت پانچ بار کے کہنے کے ثواب کم ہوتا ہے بمعنٰی فساد یا کراہت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ قصداً خیالات منکرہ ومعاصی سے تو نماز میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور خیالات معروفہ وطاعات سے اگر وہ نماز ہی کے متعلق ہیں تو نور بڑھتا ہے اور اگر وہ غیر نماز ہے تو نور نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے اور جو منکر ہو نہ معروف بلکہ مباح ہو اگر بضرورات ہو اور وہ ضرورت ایسی ہے کہ اگر اس وقت اس کو مؤخر کیا جائے تو کوئی ضرر یا حرج لاحق ہو جائے گا یا کوئی ضروری منفعت فوت ہو جائے گی تو اس کا بھی یہی اثر ہے کہ نور نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے مگر ظلمت پیدا نہیں ہوتی۔

عورتوں میں ذکر اللہ کی کمی

فرمایا کہ عورتوں میں ذکر اللہ کا رواج بہت کم ہے۔ نماز روزہ کے ساتھ کچھ ذکر اللہ بھی کرنا چاہیئے اس سے دل کو خدا تعالیٰ کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے اور نماز میں دل لگتا ہے۔ حالانکہ ان کی طبیعتوں کو ذکر اللہ سے بہت مناسبت ہے کیونکہ ذکر اللہ کا اثر ان پر زیادہ ہوتا ہے جن کے قلوب میں سکون و یکسوئی کی حالت ہو اور عورتوں کو پردہ کی برکت سے یہ بات خاص درجہ میں حاصل ہے۔

مسلمان سے ایک سال تک نہ بولنے کا گناہ

فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ اگر مسلمان سے ایک سال تک نہ بولا جائے تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔

ایک حدیث

فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کے روبرو دو شنبہ اور جمعرات کے روز بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام پر اور باپوں اور ماؤں کے روبرو جمعہ کے روز پیش کئے جاتے ہیں یعنی ملائکہ پیش کرتے ہیں اور ہر نبی پر ان کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور باپوں اور ماؤں سے مراد اصول ہیں پس دادا، پردادا اور اسی طرح دادی، پردادی، نانی، پرنانی سب اس میں داخل ہو گئے۔ پس وہ (یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام اور آباؤ امہات) ان کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور خوشی سے ان کے چہروں کی چمک دمک بڑھ جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور گناہ کے کام مت کرو اور مُردوں کو ایذا مت دو۔ یعنی جس طرح وہ حسنات سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح سیئات سے آزردہ ہوتے ہیں تو ان کو آزار اپنی بداعمالیوں سے نہ پہنچاؤ۔

بزرگوں کی صحبت سے کم از کم نفع

فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت سے اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی کافی ہے اور مفتاحِ طریق ہے۔

شریعت کا کمال

فرمایا کہ کمال شریعت یہی ہے کہ اس میں تمام انسانی حالات کے متعلق مفصل قواعد موجود ہیں کوئی جزو ایسی نکلنی ممکن نہیں جس کے متعلق شریعت کا حکم نہ ہو۔

اصل مصیبت کونسی ہے

فرمایا اصل مصیبت وہ ہے جس سے دل میں پریشانی اور بے چینی پیدا ہو پس جو شخص بیمار ہوا اور دل کو پریشان پائے اس کے حق میں یہ مرض مصیبت ہے اور اگر دل پریشان نہیں بلکہ صابر شاکر ہے تو یہ ہرگز مصیبت نہیں بلکہ موجبِ رفعِ درجات ہے۔

شبِ براءت کی ایک فضیلت

فرمایا کہ شعبان کی پندرھویں رات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اور راتوں میں تو پچھلے اوقات میں حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اس شب میں شروع ہی سے نزول فرماتے ہیں۔

تہجد کی فضیلت

فرمایا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو اٹھ کر التجا کرتا ہے تو میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں اس لئے کہ میری وجہ سے اپنی بیوی اور گرم بستر کو چھوڑ دیا۔

جنت میں یہ بیبیاں حوروں سے افضل ہونگی

فرمایا کہ جنت میں یہ بیبیاں حوروں سے افضل و اجمل ہوں گی اور اجمل کی طلب نہ خلافِ عقل ہے نہ خلاف نقل۔ اس لئے اپنی بیبیوں کے ملنے کے لئے دعا کرنا نہ خلاف عقل ہے نہ خلاف نقل۔

توکل کی حقیقت

فرمایا کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے مگر شرط یہ ہے کہ وہ تدبیر مباح ہو اور اس میں انہماک نہ ہو۔ توکل بعض کے لئے مطلق تدبیر ظنی کا ترک کرنا ہے اور بعض کے لئے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کر دے اور تفویض یہ ہے کہ اس کے بعد اگر ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالےٰ پر اعتراض نہ کرے پس تفویض کی حقیقت توکل کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس درجۂ علیا کا اثر یہ رضاءِ الٰہی ہے۔

عورتیں کس طرح باعصمت رہ سکتی ہیں (حدیث)

فرمایا کہ حدیث میں ہے عفوا عن نسآء المسلمین تعف نساء کم و بروا آباءکم تبرکم ابناءکم "یعنی تم مسلمانوں کی عورتوں سے بچتے رہو تو تمہاری عورتیں باعصمت رہیں گی تم اپنے باپ کا ادب ملحوظ رکھو تو تمہاری اولاد تمہارا ادب کرے گی" اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دوسروں کی عورتوں پر نظر رکھتا ہے اور ان کی عصمت برباد کرتا ہے اس کی عورتوں کی بھی عصمت

برباد ہوجاتی ہے۔

اللہ اللہ کرنے سے ہر حال میں نفع

فرمایا کہ اللہ اللہ کہنا اگر خلوص سے بھی نہ ہو تب بھی بیکار نہیں۔ کہنے سے استعداد تو ہو جائے گی اور یہ اول بار ہی کہنا آئندہ عمل پر معین ہوجائے گا لہٰذا ادنیٰ عمل کو بھی بیکار نہ سمجھو اور کوئی ساعت کسی نہ کسی عمل سے خالی نہ رہنے دو اس لئے مشائخ نے پاس انفاس تجویز کیا ہے کہ کچھ نہ کچھ سلسلہ رہے ؎ یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی ٭ شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

زوجین کی خوش اخلاقی کا اثر

فرمایا کہ عورت کو مطیع بنانے کی یہی تدبیر کام کی ہے کہ اس کو خوش رکھے اور یہی شوہر کو راضی رکھنے کی تدبیر ہے۔

مردوں کو اپنی بیبیوں کی قدر کرنا چاہیئے۔

فرمایا کہ ہر صورت میں مردوں کو اپنی بیبیوں کی قدر کرنا چاہیئے دو وجہ سے ایک تو بی بی ہونے کی وجہ سے کہ وہ ان کے ہاتھ میں قید ہیں اور یہ بات جواں مردی کے خلاف ہے کہ جو ہر طرح اپنے بس میں ہو اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔ دوسرے دین کی وجہ سے کیونکہ جیسے تم ہو وہ بھی مسلمان ہیں۔ جیسے تم دین کے کام کرتے ہو وہ بھی کرتی ہیں اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ دین کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے۔ یہ کوئی بات ضروری نہیں ہے کہ عورتیں مرد سے گھٹی ہوئی ہو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد کی برابر بلکہ اس سے زیادہ ہو بس عورتوں کو حقیر، ذلیل نہ سمجھنا چاہیئے اللہ تعالیٰ بے کس و مجبور اور شکستہ دل کا تھوڑا سا عمل بھی مقبول فرما لیتے ہیں اور اس کے درجے بڑھا دیتے ہیں۔

ایک بہترین قابل عمل تدبیر

ارشاد۔ ایک صاحب کا لمبا خط آیا جس میں دین و دنیا دونوں کے متعلق پریشانیاں لکھی تھیں اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اپنے معاملات کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ وہ

جو کریں اس میں راضی رہے یہ بہترین تدبیر ہے کوئی کر کے تو دیکھے ۔

لایعنی کے ترک سے عظیم نفع

فرمایا کہ جس بات میں کوئی فائدہ نہ ہو اس کو ترک کر دینا چاہیے جس کا عمل اس پر ہو گا اس کی زندگی بڑی حلاوت کی ہو گی۔ خیرِ دنیا، خیرِ عقبیٰ دونوں اس کو حاصل ہوں گی۔ لایعنی باتوں میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے

دونوں خطبوں کے درمیان دل سے دعا کرنا جائز ہے

ارشاد۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ما بین الخطبتین (دونوں خطبوں کے درمیان) جب امام جلسہ کرتا ہے تو دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؛ فرمایا کہ دل سے دعا بدون حرکت لسان ہو تو جائز ہے سکوتِ واجب اور دعا اس طرح جمع ہو سکتے ہیں ۔

معمولات پر استقامت ہی فوق الکرامت ہے

فرمایا کہ معمولات کا جاری رہنا یہ ایسا حال رفیع ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی اور جدید کا نہ ہونا مضر نہیں۔ کیونکہ اس کے جاری رہنے کو استقامت کہا جاتا ہے جو بہ تصریحِ اکابر فوق الکرامت ہے ۔

استغفار کے فوائد

فرمایا کہ دنیا اور دین کی حاجتوں کے بر آنے کا ذریعہ استغفار ہے ۔

(ف) یہ حضرت والا کے علم وجامعیت پر دال ہے ۔

حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ

فرمایا کہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے کہ اخلاق رذیلہ جاتے رہیں، حمیدہ پیدا ہو جائیں طاعت کی توفیق ہو جاوے غفلت من اللہ جاتی رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو جاوے

عشق مجازی سخت ابتلاء کی چیز ہے

فرمایا کہ عشق مجازی کے تذکرے میں ایک بات بتلاتا ہوں جو مجھ سے ہی سنئے گا۔ اس سے

پہلے کبھی نہ سنی ہوگی اور اول دہلہ میں سمجھ میں نہ آئے گی لیکن سچی بات یہ ہے تجربہ کر لیا جائے فی الحال تقلیداً مان لی جاوے وہ بات یہ ہے کہ اگر عاشق کی طبیعت بالکل ہی خبیث نہ ہو تو متقی شخص کی طرف نفسانی میلان نہیں ہو سکتا کیونکہ تقوٰی کا قدرتی یہ اثر ہے کہ وہ وقایہ ہوتا ہے نفسانی میلان کا خواہ تقوٰی کا دوسرے کو علم ہو یا نہ ہو عشق مجازی ہی کے تذکرے میں فرمایا کہ یہ سخت ابتلاء کی چیز ہے اس سے بہت بچنا چاہیئے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں خود مجھ کو اپنا اعتبار نہیں اور چونکہ میں کوئی چیز نہیں اس لئے میری حیثیت سے یہ بے اعتباری کوئی ایسی اہم چیز نہیں لیکن جو شخص مجھ کو بڑا سمجھتا ہے اور مجھ سے عقیدت رکھتا ہے اس کے لئے بڑی عبرت کی بات ہے کہ جس کو ہم بڑا سمجھتے ہیں جب اس کی یہ حالت ہے تو بہت ہی احتیاط رکھنا چاہیئے۔

عبادت مالیہ کا ثواب عبادت بدنیہ سے افضل ہے

فرمایا کہ عبادت مالیہ کا ثواب بہ نسبت عبادت بدنیہ کے مردہ کے حق میں زیادہ افضل ہے کیونکہ یہ مسئلہ خود اہلِ سنت والجماعت میں مختلف فیہ ہے کہ عبادت بدنیہ کا ثواب بھی مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف عبادت مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے عبادت بدنیہ کا نہیں پہنچتا اور اماموں کے نزدیک بھی یہی بات ہے۔ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں قسم کی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے بہرحال عبادت مالیہ کے ثواب کی افضلیت مردہ کے حق میں اس وجہ سے ثابت ہے۔

بعض اوقات رخصت پر عمل عزائم سے افضل ہے

فرمایا کہ میں بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو بہ نسبت عزائم پر عمل کرنے کے افضل سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص عزائم پر عمل کرتا ہے اس کی ہمیشہ اپنے عمل پر نظر ہوتی ہے اور جو کچھ عطا ہوتا ہے اس کو بمقابلہ اپنے عمل کے کم سمجھتا ہے اس کے دل میں یہ شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو اتنے دن سے ایسی مشقت زہد و تقوٰی کی اٹھا رہا ہوں اور اتنا عرصہ ذکر و

شغل کرتے ہو گیا اور اب تک کچھ نصیب نہیں ہوا یہ کس قدر گندہ خیال ہے۔ برخلاف اس کے جو بعض دفعہ رخصتوں پر عمل کرتا ہے اس کی اپنے عمل پر نظر کبھی نہیں ہو سکتی اس کو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے اس کو مقابل اپنے عمل کے زیادہ سمجھتا ہے اور در صورت عدم ورود کیفیات وغیرہ کے بھی اس کو شکایت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں عمل ہی کیا کرتا ہوں جو ثمرات کا مستحق ہوں۔ بہرحال رخصت پر عمل کرنے والے کی نظر میں ہمیشہ حق تعالیٰ کی عطاؤں کا پلہ بمقابلہ اس کے اعمال کے بھاری رہتا ہے جس سے اس کو طبعاً حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے یہ کس قدر بڑی نعمت ہے۔

سات برس کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم

فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ ضروری چیز کے لئے کہ نماز ہے سات برس کی عمر قرار دی ہے تو میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہی عمر پڑھنے کے لئے بھی مناسب ہے البتہ زبانی تعلیم اور یاد کرا دینا یہ پہلے ہی سے جاری رکھے چار برس چار دن چار مہینے اپنی طرف سے لوگوں نے تجویز کر کے اب رسم مقرر کر لی ہے۔

دوسروں سے دعا کرانا چاہیے

فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اپنی دعا سے زیادہ اپنے بھائی مسلمان کی دعا اس کے حق میں قبول ہوتی ہے اس لئے دوسروں سے ضرور دعا کرانا چاہیئے۔

عورتوں میں خدمت گاری اور عفت کی صفات

فرمایا کہ عورتیں قابل تعریف و ترحم ہیں ان میں دو صفت تو ایسی ہیں کہ مردوں سے بھی کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ خدمت گاری اور عفت۔ عفت تو اس درجہ ہے کہ مرد چاہے افعال سے پاک ہوں لیکن وسوسوں سے کوئی بھی خالی نہیں اور شریف عورتوں میں سے اگر سو کو لیا جاوے تو شاید سو کی سو ایسی نکلیں گی کہ وسوسہ تک بھی ان کو عمر بھر نہ آیا ہو اسی کو حق تعالےٰ فرماتے ہیں (المحصنات الغافلات)۔

نماز ہر حالت میں پڑھنا چاہیئے۔

فرمایا کہ ایک بیمار صاحب نے بار بار اپنی سخت مجبوری نماز سے ظاہر کی، کہا کہ کپڑے ناپاک رہتے ہیں ! فرمایا کہ کچھ حرج نہیں . ناپاک کپڑوں ہی سے نماز ہوجاتی ہے اگر پاک کرنے میں مریض کو زیادہ زحمت ہو۔ کہا کہ حرکت بھی نہیں کی جاتی ۔فرمایا کہ اشارے سے لیٹے لیٹے پڑھا کرو۔ کہا کہ زبان سے الفاظ نہیں نکلتے ۔فرمایا کہ کچھ حرج نہیں ۔دل ہی دل میں کہہ لیا کرو نماز کسی حالت میں معاف نہیں (اگر ہوش رہے) اس کی بڑی سخت تاکید ہے یہاں تک کہ اگر سمندر میں ڈوب رہا ہو اور نماز کا وقت آگیا ہو تو نیت باندھ کر ڈوب جائے لیکن جہاں اسقدر تاکید ہے۔ وہاں سہولت بھی بے انتہا رکھی ہے ۔ان باتوں سے بھی ان مریض صاحب کو تسلی نہ ہوئی اور وہ یہی کہتے رہے کہ نماز ایسی حالت میں کیسے ہوسکتی ہے فرمایا کہ یہ رائے کی خرابی ہے ،یُوں سمجھتے ہیں کہ اس طرح نماز ناقص ہوگی ۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اس قدر ہیں کہ ان کے سامنے ہماری نماز کامل کبھی ہوہی نہیں سکتی ۔لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر کپڑے پاک صاف ہوں وضو وغیرہ سب باقاعدہ ہوں خشوع وخضوع ہو تو نماز بڑی کامل ہوگی میں کہتا ہوں کہ عظمتِ حق کے اعتبار سے وہ بھی ناقص ہی ہوگی پھر جب ہر حال میں ناقص ہی ہوئی تو اس طرح پڑھنے سے کیوں جی بھلا نہیں ہوتا ۔

دل سے مانگی ہوئی دعا ہر حال میں قبول ہوتی ہے

فرمایا کہ سچ کہتا ہوں کہ جو دعا دل سے کی کبھی نہیں یاد کہ قبول نہ ہوئی ہو ضرور قبول ہوتی ہے اور اگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی ہے تو اس میں اپنی ہی کوتاہی ہوتی ہے میں نے تو ہمیشہ تجربہ کیا ہے ۔

کھانے کی نیت سے ہاتھ دھونا سنت ہے

فرمایا کہ کھانے کی نیت سے ہاتھ دھونا سنت ہے اور دونوں ہاتھ دھونا سنت ہے اور رومال وغیرہ سے پونچھنا نہ چاہیئے البتہ بعد کھانے کے جو ہاتھ دھوئے اس کو پونچھے اور

قبل کھانے کے صرف ہاتھ دھوئے کلی نہ کرے سنت یہی ہے البتہ بعد کھانے کے ہاتھوں کو دھونے کے بعد کلی بھی کرے اور منہ کو صاف کرے۔

عورت کا مہر ادا کرنا غیرت کی دلیل ہے۔

فرمایا کہ گو عورت مہر معاف کر دے لیکن پھر بھی ادا کر دے کیونکہ یہ غیرت کی بات ہے کہ بلا ضرورت عورت کا احسان لے۔

ناجائز نوکری یک لخت نہ چھوڑی جائے

فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ناجائز نوکری میں مبتلا ہو تو اس کو یک لخت ملازمت ترک نہ کر دینا چاہیے بلکہ کسی اور ذریعۂ معاش کی فکر میں رہے اور جب کوئی حلال ذریعہ میسر آجائے فوراً چھوڑ دے اس سے پہلے ہرگز نہ چھوڑے کیونکہ اب تو ایک ہی بلا میں مبتلا ہے جب کوئی ذریعۂ معاش نہ رہے گا تو سینکڑوں بلاؤں میں مبتلا ہو جاوے گا ؎

ایں بلا دفعِ بلاہائے بزرگ

اگر برابر حلال ذریعہ کی فکر میں رہے گا اور توبہ و استغفار کرتا رہے گا تو امید ہے کہ مؤاخذہ بھی نہ ہوگا۔

طبیعت کو بالکل آزاد چھوڑنا مضر ہے

فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگی ہو جاتی ہے۔ پس نماز میں اتنی توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچ سوچ کر پڑھتا ہو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں پھر اگر اس کے باوجود بھی وساوس آویں تو ذرا بھی مضر نہیں۔

ہر کام میں اپنی مصلحت اور راحت کو دیکھنا چاہیے

فرمایا کہ آدمی سب کو خوش نہیں رکھ سکتا جب ہر حال میں اس پر برائی آتی ہے پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے۔ جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے بشرطِ اذنِ شرعی وہی کرے

کسی کی بھلائی برائی کا خیال نہ کرے۔

مطابقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل چیز ہے

فرمایا کہ بزرگوں میں یہ بات دیکھنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سے کتنا حصّہ ملا ہے اصل چیز یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ مناسبت ہے اور مناسبت بھی بے ساختگی اور پختگی کے ساتھ۔ یوں دو چار دن کو تو سب بن سکتے ہیں۔

اصل مبدءِ فیض حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہیں۔

فرمایا کہ تعلیم کنندہ تو محض بہانہ ہے اصل میں مبدءِ فیاض ہی سے فیوض و برکات نازل ہوتے ہیں۔ شیخ برائے نام واسطہ ہوتا ہے لیکن طالب کو چاہیئے کہ واسطہ کی قدر کرے کیونکہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ بدون واسطہ کے وہ فیوض و برکات نازل نہیں فرماتے۔

تنگیِ رزق کی شکایت درست نہیں

فرمایا کہ یہ انبیاء کی سنت ہے۔ رزق جتنا مقدر میں ہوتا ہے اتنا ہی ملتا ہے اس کا کوئی خاص وظیفہ نہیں۔ ہاں دعا کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ سکون دیدیں گے جب اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھ جاتا ہے پھر پریشانی نہیں ہوتی اور تعلق پیدا کرنے کی سب سے بڑی ترکیب یہ ہے کہ خوب مانگا کرے۔

ہر نیک عمل میں خاصیت مغفرت کی ہے

فرمایا کہ حدیث پاک "اے عائشہ! کسی نیک عمل کو حقیر نہ سمجھنا ہر نیک عمل میں خاصیت مغفرت کی ہے۔ اسی طرح ہر گناہ میں خاصیت عذاب کی ہے۔ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔"

پچھلی رات اٹھنا دشوار ہو تو کیا کرے۔

ارشاد۔ ایک نووارد صاحب کو حضرت نے چھ تسبیح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی بعد تہجد تعلیم فرمائیں اور یہ بھی فرمایا کہ اگر پچھلی رات اٹھنا دشوار ہو تو بعد عشا قبل وتر تہجد کی نیت سے کچھ رکعتیں پڑھ لینا کافی ہے۔ تعداد رکعتوں کی زیادہ تر آٹھ ہوتی چاہیئے۔ باقی کبھی

شوق ہو تو بارہ تک اور کبھی کسل ہو تو چار رکعت تک

ندامت بھی نفع سے خالی نہیں

ارشاد۔ ایک صاحب نے لکھا کہ معمولات علی التواتر حسب لخواہ پورے طور پر وقت پر ادا نہیں ہوتے سخت پریشانی اور ندامت ہوتی ہے۔ جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ پریشانی اور ندامت بھی نفع میں معمولات سے کم نہیں۔

قضا نماز پڑھنے والا بھی تہجد پڑھے

فرمایا۔ کہ ایسے شخص کو جس کے ذمے بہت سی قضا نمازیں ہوں یہ مشورہ دینا کہ بجائے نفل تہجد کے قضا نمازیں پڑھ لیا کرو بالکل مناسب ہے، مگر مصلحت یہ ہے کہ دو چار رکعت تہجد کا بھی مشورہ دیا جاوے ورنہ نفس یہ مشورہ دے گا کہ قضا تو دن میں بھی ممکن ہے نیند خراب کرنے سے کیا فائدہ تو اٹھنے کی عادت کبھی بھی نہ ہوگی۔

اپنے گھروں میں بھی آواز دے کر جانا چاہیئے

فرمایا کہ بعض لوگ اپنے گھروں میں بے پکارے چلے جاتے ہیں بڑی گندی بات ہے۔ نہ معلوم گھر کی عورتیں کس حالت میں ہیں یا کوئی غیر محرم عورت محلہ کی گھر میں ہو اذن لے کر جب بلایا جائے گھر میں داخل ہونا چاہیئے۔

ذکر زبان سے جاری رکھنا چاہیئے

فرمایا کہ اہل تجربہ نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ محض قلب سے ذکر کا خیال رکھا جاوے اس میں دھوکا ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ذکر زبان سے جاری رکھو خواہ قلب بھی حاضر نہ ہو کیونکہ قلب سے ذکر کا خیال رکھنا اس کا دوام مشکل ہے اور دیرپا بھی نہ ہوگا۔

زبان سے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جائے گا اور قلب چونکہ ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس لئے اس میں ذہول ہونا بعید نہیں پس زبان سے ذکر جاری رکھنا احوط واسلم ہے۔

ذکر اللہ کو اپنا اصل کام سمجھو

فرمایا کہ اگر ذکر اللہ کو اپنا اصلی کام سمجھ لو تو جو کام اس میں مخل ہوگا۔ اس سے جی گھبرائیگا اور معاصی سب اس میں مخل ہیں اس لئے ان سب سے نفرت ہوجائے گی پھر رفتہ رفتہ فضول مباحات سے بھی نفرت ہونے لگے گی۔

نیک کام ہر ممکن کرنا چاہیئے۔

فرمایا کہ نیک کام کرتے رہو جیسے بھی ہو۔ سسٹم لیسٹم کے مت جاؤ۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اول اول انتظام سے نہیں ہوتا۔ جی نہیں لگتا تو اس کی پرواہ مت کرو۔ جیسے ہو کرو۔ جس دن توفیق ہو کرو۔ یہ خیال نہ کرو کہ کل تو کیا نہیں آج کرنے سے کیا فائدہ ہوگا جیسے بھی بنے کئے جاؤ مولٰنا فرماتے ہیں ؎

دوست دارد دوست این آشفتگی کوششِ بیہودہ بہ از خفتگی

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دم آخر دمے فارغ مباش

یعنی دُھن ہونا چاہیئے اگرچہ عمل میں کوتاہی ہوجاوے ناغہ ہوجاوے ہونے دو ممکن نہیں کہ راہ پر نہ آوے۔

مصیبت اور بلا مثل آپریشن کے ہے

فرمایا کہ جس طرح والدین بچے کے دُنبل کا آپریشن کراتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قلوب کا آپریشن کرتے ہیں جبکہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کی ظلمت سے دل پر پردے پڑجاتے ہیں تو مصیبت اور بلا کے نشتروں سے دلوں کا خراب مادہ نکالا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے پس یہاں بھی بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی مگر انجام دونوں کا راحت ہے فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت قریب ہے کہ پندرہ بیس ہی دن میں دُنبل میں نشتر دینے کے بعد صحت ہوجاتی ہے اور یہاں بعید ہے کہ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا جبکہ مصائب کا ثواب ملے گا۔

دوزخ یا جنت میں جانا اختیاری ہے

فرمایا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ ایک شخص عمر بھر جنتیوں کے عمل کرتا ہے پھر اخیر میں وُہ

ایک عمل ایسا کرتا ہے جو موجب نار ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسا عمل کرتا ہے اور با اختیار خود ناری ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ کسی غیر اختیاری عمل پر اس کو دوزخ میں بھیج دیا جاتا ہے یعنی ایک تو یہ کہ وہ بات جو موجب نار ہو جاتی ہے وہ چھوٹی بات نہیں ہوتی بلکہ بہت بڑی بات ہوتی ہے دوسرے یہ کہ وہ بات غیر اختیاری نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ دوزخ میں جانا بھی اختیاری ہے اور جنت میں جانا بھی اختیاری ہے۔

حضرتِ والاؒ مجدد وقت

ارشاد۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجدد وقت ہیں۔ فرمایا کہ چونکہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لئے اس کا احتمال مجھ کو بھی ہے مگر اس سے زائد جزم نہ کرنا چاہیئے محض ظن ہے اور یقینی تعین تو کسی مجدد کا بھی نہیں ہوا۔

"الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ علیٰ ھذا الاحتمال"

اپنے محاسن وطاعات کا زبان سے اعلان نہ کرے

فرمایا کہ اسلم طریق یہی ہے کہ اپنے محاسن اور طاعات کو کبھی زبان پر نہ لاوے بس اس مثل پر عمل چاہیئے کہ نیکی کر اور کنوئیں میں ڈال۔ آدمی یہ سوچ لے کہ جس کے واسطے میں نے طاعات کی ہیں اس کو علم ہے اور وہ کبھی بھولے گا بھی نہیں، پھر کسی کو جتلانے کی کیا ضرورت ہے اپنی طاعت کو جتلانا درحقیقت غیر اللہ کو مقصود بنانا ہے یہ کیا حماقت ہے۔

ہر مجلس کے اختتام پر ذکر اللہ کی ضرورت

فرمایا کہ جب زبان کو ذرا بھی وسعت دی جاتی ہے تو گناہ میں ضرور مبتلا ہو جاتی ہے اس کی ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں ختم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ تعالیٰ اور ذکر الرسول بھی کر لیا کریں اس کی ضرورت حدیث شریف سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے

"ما جلس قوم مجلسا لم یذکروا اللہ فیہ ولم یصلوا علیٰ نبیہ،

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا کَانَتْ عَلَیْہِمْ تِرَۃً ۔ "کوئی قوم ایسی مجلس میں بیٹھی کہ انہوں نے اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو یہ مجلس ان پر خسارہ ہوگی یعنی جس مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی اور بھی کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہی کہہ لیا کریں سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ یہ لفظ جامع ہے ذکر اللہ اور ذکر رسول دونوں کو علماء نے لکھا ہے کہ یہ کفارۂ مجلس ہے ۔

محبت کے لئے سادہ زندگی ہی مناسب ہے

فرمایا کہ شریعت نے بناوٹ اور محض ظاہری محبت سے منع کیا ہے لیکن اس محبت کی تعلیم دی ہے جو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب ہر حالت میں یکساں ہو جس میں للہیت کے سوا کچھ نہ ہو ایسی محبت کی بے انتہا فضیلت حدیث میں وارد ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ندا دی جائے گی ۔

"اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ"

ترجمہ: ۔ یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو آپس میں حب فی اللہ رکھتے تھے آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جب کہ کوئی سایہ سوا میرے سایہ کے نہیں ہے ۔

اور فرمایا کہ یاد رکھئے اس محبت کے لئے سادہ ہی زندگی مناسب ہے اور جہاں تکلفات آئے بس محبت کی جڑ کٹی ۔

بیبیوں کو ایک نصیحت

فرمایا کہ اگر بیبیاں یہ طریقہ اختیار کرلیں کہ کپڑے میلے پہنے ہوئے ہوں تو بدل لیا کریں ورنہ ہرگز نہ بدلیں ۔ بلکہ جہاں جانا ہوا ایسے ہی ویسے ہی ہو آیا کریں تو بہت فتنوں سے نجات ہو جاوے گی اس پر عمل کرکے دیکھئے اس میں کتنے فائدے ہیں اس کو معمولی بات نہ سمجھیں بلکہ منجملہ ضروریات

دین کے ہے کیونکہ بناوٹ سنگھار کر کے جانے کا منشا محض کبر ہے کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں بڑا ہوں اس عادت کو بدلئے کیونکہ بڑا بننے کی عادت بہت بری ہے۔ حدیث شریف میں ہے لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ کِبْرٍ۔

(ترجمہ) یعنی جس شخص کے دل میں ذرہ برابر کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔"

مال، دنیا کی زندگی کا سہارا ہے

فرمایا کہ صاحبو! مال کی قدر کرو۔ مال دنیا کی زندگی کا سہارا ہے اس کو ہوش اور عقل کے ساتھ خرچ کرو اور اگر خرچ کرنے ہی کا جوش ہے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو اس میں حوصلہ افزائی کرو۔

بدعات کی طرف میلان کا ایک سبب

فرمایا کہ بدعات کی طرف میلان کی وجہ یہ بھی ہے کہ بدعات میں رونق خوب ہے مال خوب کھانے کو ملتا ہے اور سنت پر عمل کرنے میں سوکھے بیٹھے رہو گے۔ نفسانی کیفیات بدعات میں ہیں اور سنت میں روحانی کیفیت ہے مگر بدعات کی کیفیت سب کو محسوس ہے اور سنت کی کیفیت کی عوام کو اطلاع نہیں بلکہ بعض وقت خود اس کو بھی اس کا ادراک نہیں ہوتا جب تک کہ ادراک لطیف نہ ہو جائے۔ روحانی کیفیات جیسے حضور مع اللہ تعالیٰ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شیرہ چاٹنے والے کو قند دے تو اس کو مزہ کا ادراک نہ ہوگا۔ ہاں اس کو اتنی مدت تک پلائے کہ شیرہ کا اثر رفع ہو جاوے تو ادراک ہوگا۔

ایصالِ ثواب سے موصل کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی

فرمایا کہ ایصالِ ثواب سے موصل کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ اس ایصال کا الگ ثواب ملتا ہے۔ نیز جن جن کو ایصال کیا جاتا ہے سب کو اتنا اتنا ثواب مل جاتا ہے اس کی تائید میں مولانا رومی رح کا یہ شعر پڑھا ؎

در معانی قسمت و افراد نیست　　در معانی تجزیہ و اعداد نیست

اس کی حسی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور ایک استاد ایک وقت میں سو شاگردوں کو تعلیم دے سکتا ہے نہ اس چراغ کی روشنی میں کچھ کمی آتی ہے نہ استاد کے علم میں۔

اس پر بندہ (جامع) نے کہا کہ حضرت میں تو روزانہ ہر وقت کے اذکار و نوافل کا ثواب سب اعزہ و اقرباء و مسلمین و مسلمات احیاء و اموات کو بخش دیتا ہوں ہاں جس سے خصوصیت ہے ان کا نام بھی خاص طور پر سے لے لیتا ہوں کہ اس سے تسلی زیادہ ہوتی ہے چنانچہ حضرت والا کا نام بھی لے لیتا ہوں۔ اس پر فرمایا کہ ہاں بھائی حق تعالیٰ نے جس طرح ہمارا رزق دوسروں کے واسطہ سے رکھا ہے اسی طرح رزقِ باطنی بھی دوسروں کے ہاتھ ہے۔

ہر دعا قبول ہوتی ہے۔

ارشاد۔ دعا قبول ہونے کے متعلق فرمایا کہ کبھی جو کچھ آدمی مانگتا ہے اس سے بہتر چیز اس کو مل جاتی ہے۔ مثلاً کوئی سو روپیہ اللہ میاں سے مانگے اور دو رکعت آخر شب میں نصیب ہو جاویں اور سو روپے نہ ملیں تو دعا قبول ہو گئی کیا دو رکعت سو روپیہ سے بھی کم ہیں۔

مسلمان کی تعریف (حدیث)

فرمایا کہ حدیث اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ مسلمان وہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔ جس فعل سے مسلمان کو ایذا ہو وہ ترک دین ہے بعض موقعوں پر نماز قطع کرنا اور توڑ دینا واجب ہے۔ مثلاً تمہارے سامنے کوئی کنوئیں میں گرا جاتا ہو اور تم نماز میں ہو تو واجب ہے کہ نماز توڑ کر اس کو بچاؤ ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔

پڑھنے کا اثر تعویذ سے زیادہ ہوتا ہے

ارشاد۔ ایک صاحب نے دق کے لئے تعویذ مانگا۔ فرمایا پڑھنے کا زیادہ اثر ہوگا۔

تعویذ کا کیا اثر۔ پابندی کے ساتھ روزانہ بعد فجر ۴۱ بار الحمد شریف پانی پر دم کر کے دن بھر پلاتے رہیں جب پانی کم رہ جائے اور ملالیں۔

عمر بھر یاد رکھنے کے لئے ایک قاعدہ

پھر فرمایا کہ ایک قاعدہ کلیہ عمر بھر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو امور اختیاری ہوں اور فضول نہ ہوں ان کا تو قصد کرے اور جو اختیاری نہ ہوں ان کا ہرگز قصد نہ کرے اس طرح اگر زندگی بسر کرے تو اس کی دین و دنیا دونوں درست ہو جائیں پریشانی تو ایسے شخص کے پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ خدا تعالیٰ سے اپنا دل لگائے رکھے جس کو پریشانی نہ ہوگی دل بھی اسی کا خدا تعالیٰ کی طرف لگ سکتا ہے ورنہ پریشانی میں آدمی عبادت بھی نہیں کر سکتا جمعیت بڑی دولت ہے مگر پھر پریشانی بھی وہی مضر ہے جو اپنے اختیار سے لائی جاوے اور جس پریشانی میں اپنے اختیار کو دخل نہ ہو۔ وہ ذرا بھی مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔

غیرت قریب قریب ہر گناہ کی محافظ ہے

فرمایا کہ غیرت ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی سینکڑوں گناہوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے۔ غیرت تقریباً سب گناہوں کے لئے محافظ ہے۔ بہت سے ایسے باریک گناہ ہیں کہ جن کو عقل بھی نہیں سوچ سکتی لیکن جس میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے اسکی طبیعت میں خود بخود وہ کھٹک جاتے ہیں پھر سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ تو کھلا ہوا گناہ تھا عقل کہاں تک سوچ سکتی ہے جب ہی تو ایمان کے شعبوں میں سے افضل اور ادنیٰ کا ذکر کر کے حیا کا خاص طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ "حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے"۔ حالانکہ ضرورت نہ تھی کیونکہ اور شعبے بھی تو غیر مذکور تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا اور غیرت بڑا بھاری شعبہ ہے ایمان کا۔

کثرت ذکر اور دوام طاعت سے نسبت پیدا ہوتی ہے

فرمایا کہ کثرتِ ذکر اور دوام طاعت سے جو تعلق ہو جاتا ہے اس کا نام نسبت ہے اور یہ نسبتِ خاص دور معاصی سے زائل ہو جاتی ہے ہاں اگر توبہ کرے گا تو پھر عود کر آئے گی۔

ایک سہل، جامع و کلی علاج

ارشاد۔ ایک طالب اصلاح ان گناہوں کے بارے میں جو خیال کے متعلق ہیں سخت خلجان میں رہتے تھے یہاں تک کہ اپنے کو قریب قریب مردود ہی سمجھ لیا تھا، اور خیالات فاسدہ کے ہجوم نے زندگی تلخ کر رکھی تھی اور اپنی اصلاح سے قریب قریب مایوس ہو چکے تھے حضرت والا نے ایسا سہل، جامع اور کلی علاج تحریر فرمایا جس کو ہمیشہ کے لئے بہ آسانی دستور العمل بنایا جا سکتا ہے اور خیالی گناہوں سے مثلاً کبر، عجب۔ سوء ظن، خیالات شہوانی، حسد۔ کینہ و بغض وغیرہ وغیرہ سے نہایت سہولت کے ساتھ اپنے آپ کو بچایا جا سکتا ہے۔ بلکہ امید قوی ہے کہ جس کو ذرا بھی طریقِ باطن سے مناسبت ہو گی وہ اس کلیہ سے انشاء اللہ تعالیٰ اپنے جملہ امراض باطنی کا بسہولت علاج کر سکتا ہے وھو ہذا۔

سہل علاج یہ ہے کہ جب تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد اور اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں ان کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے بس اشتباہ رفع ہو گیا اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جاوے تو جب تنبہ ہو ذہول کا تدارک توبہ و استغفار سے کر لے، پھر اسی تدبیر پر استحضار سے کام لیا جاوے۔ یہ طریق عمل اس قدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہے ہی نہیں پس اس کو دستور العمل بنا کر بے فکر ہو جانا چاہیئے۔

اپنی حالت کو قابلِ ناز کبھی نہ سمجھنا چاہیئے۔

فرمایا کبھی کسی آدمی کو بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے کہ میری حالت اخیر تک مامون رہے گی اپنی حالت پر کیا ناز کرے کسی کو کیا حقیر سمجھے اس لئے کہ کیا خبر ہے کسی کو کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے بعض وقت فسّاق و فجّار میں بھی خود فسق و فجور کے زمانے میں ایسی بات ہوتی ہے کہ وہ بیڑا پار کردیتی ہے۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ جلّ و علا شانہٗ کے ساتھ تعلق اور محبت یہ بھی ایک عمل مخفی ہے جس کی بدولت یہ شخص قتیل محبت و ہیبت ہونے کی وجہ سے شہداء میں سے ہے تو کیا کسی کو حقیر و ذلیل سمجھا جاسکتا ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

مبیں بچشم حقارت گنہگاراں را ۔۔۔ گناہ آئینۂ عفو و رحمت است اے شیخ!

کام کرنے کا ایک آسان طریقہ

فرمایا کہ کام کرنا چاہیئے اور اس پر آمادہ رہنا چاہیئے کہ کچھ نفع ہو یا نہ ہو اور عمل بھی خواہ کبھی ہو اور کبھی نہ ہو اس کی طرف نظر ہی نہ کرے کام شروع کردے اور ایک بات کام کی اس وقت ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ ماضی کی کوتاہی کو بھلا دینا چاہیئے یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ ماضی پر مستقبل کو قیاس کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسی کوتاہی ہوگی اس سے بھی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ نیز اگر کام کرنے کے زمانے میں کوئی لغزش ہوجائے یا کسی نامناسب بات یا فعل کا صدور ہوجائے۔ اس کا بھی مراقبہ کرنے نہ بیٹھ جائے۔ بس دل سے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کہہ کر آگے چلے ورنہ پھر یہ مراقبہ بھی اپنا ہی مطالعہ ہوگا۔ اس طرف کا مشاہدہ تو پھر بھی نہ ہوا۔ ایک ضروری بات اور بھی ہے کہ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خواہ قلیل ہی کی توفیق ہو اور ہمیشہ کے لئے بھی توفیق کی امید نہ ہو۔ اس کو بھی غنیمت سمجھے مثلاً یہ خیال کرے کہ آج کی دو رکعت بھی کیوں چھوڑیں شاید یہی نجات کا سبب ہوجائیں سو اس طریق سے کام کرکے دیکھو پھر

دیکھو کیا سے کیا ہوتا ہے۔

اکثر خرابیاں تعلقات بڑھانے سے ہوتی ہیں

فرمایا کہ اکثر خرابیاں تعلقات کے بڑھانے کی ہیں ان کو کم کرنا چاہیئے میں نے تو صرف ایک تعلق کو مستثنیٰ کیا ہے یعنی تصنیف کے کام کو کہ اس سے خود کو بھی نفع ہے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچتا ہے اسی لئے علماء کا قول ہے طول امل باندھنا ہر چیز میں بُرا ہے اِلّا فی العلم یہ استثناء اس لئے ہے کہ یہ آلہ ہے دین کا اور طول امل کی ممانعت ہے آلات فی الغفلت میں نیز یہ علم معین ہے ذکر اللہ میں جو مقصود طریق ہے اور اپنے قویٰ کو دیکھ کر کچھ روز سے یہ بھی چاہ رہا ہوں کہ تصنیف بھی بند کر دوں مگر میں اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ کہیں ذکر کے لئے بھی قلب خالی نہ ہو اور تصنیف بھی نہ رہے اگر ایسا ہوا تو اور کچھ اعمال تو ہیں نہیں۔ شاید یہی عمل قبول ہو جائیں کہ تصنیف سے کوئی نیک بندہ منتفع ہو اور وہی ذریعۂ نجات ہو جائے اس لئے میں اس عارض کی وجہ سے اس کو ذکر سے افضل سمجھتا ہوں گو فی نفسہٖ افضل تو وہی ذکر ہے۔ اب رہا یہ کہ تصنیف اعمال لازمہ نہیں سو عقل تو اعمال متعدیہ ہی کو ترجیح دیتی ہے مگر طبیعت کا مذاق اعمال لازمہ کو ترجیح دیتا ہے۔

ایک قابلِ عمل نسخہ

ارشاد۔ ایک صاحب نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ آپ حکیم الامت ہیں کوئی اکسیری نسخہ عطا فرما دیں حضرتؒ نے فرمایا نسخہ دینا میرا کام ہے اور عمل کرنا آپ کا کام ہے نسخہ یہ ہے کہ:

"ہر کام میں اور ہر وقت یہ مراقبہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں اور ہر پریشانی کو دل سے دور کرنے کا اہتمام کرے"

حضرت مولانا گنگوہیؒ پختہ حنفی تھے

فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ ایسا لکھوں کہ عوام جس میں مبتلا ہیں اگر وہ چاروں میں سے کسی مذہب میں بھی جائز ہوں تو ان کی اجازت دے دوں تاکہ مسلمان کا فعل کسی طرح تو جائز ہو سکے۔ مولانا گنگوہی رح سے دریافت کیا تھا تو انھوں نے اجازت دے دی۔ مولانا حنفی بہت پختہ تھے مگر عوام پر شفقت بھی بہت تھی اگرچہ میں نے ایسا رسالہ تو نہیں لکھا مگر بعض بعض مسائل حوادث الفتاوی میں ایسے آ گئے ہیں .... الخ

ہر وقت نفس کی نگہداشت ضروری ہے

فرمایا یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نفس کو کبھی ایسا موقع نہ دے اور ایسے اسباب پیدا نہ ہونے دے جس سے اس کو شرارت کا موقع ملے، یہ نہایت کام کی بات ہے جو میں اس وقت بیان کر رہا ہوں

یہ نفس بھی وہ بلا ہے جس نے بڑے بڑوں کے زہد و تقویٰ اور تقدس کو ذرا سی دیر میں خاک میں ملا دیا اس کو کبھی مردہ مت سمجھو بعض وقت یہ اسباب نہ ہونے کی وجہ سے دبا رہتا ہے مگر ایسا دموقع کا منتظر رہتا ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے آمین ؛

ادب کی حقیقت

ادب اور چیز ہے اور تکلف اور چیز ہے۔ اصل ادب نام ہے راحت رسانی کا ادب کہتے ہیں حفظ حدود کو اور یہ بڑوں کے لئے ہی نہیں بلکہ چھوٹوں کے لئے بھی ہے حقوق و حدود ہیں بڑوں کے ذمہ چھوٹوں کے لئے اور چھوٹوں کے ذمہ بڑوں کے لئے ان حقوق کے ادا کرنے ہی کا نام ادب ہے یہاں مراد ادب سے مراد حقوق کا ادا کرنا ہے اور راحت رسانی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ یہ ہے صحیح تفسیر ادب کی یعنی حفظ حدود جس کا خلاصہ ہے دوسرے کو راحت پہنچانا (اشرف السوانح)

باب ۱۸

آخری ایامِ زندگی

مجھ کو بھی ان آخری ایام میں حضرت رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اس زمانے کی حضرتؒ کی چند باتیں یاد آرہی ہیں۔ حضرتؒ زیادہ تر آنکھ بند کیے ہوئے لیٹے رہتے تھے، کچھ استغراق کی سی حالت رہتی تھی۔ حکیم محمد خلیل صاحب نے حضرتؒ کے مزاج شناس ہونے کی وجہ سے دواؤں میں قلت اور غذا میں وسعت شروع کردی جس سے حضرتؒ کو انبساط پیدا ہوگیا اور کچھ افاقہ محسوس ہونے لگا، اگرچہ پھر بھی آنکھیں بند کیے خاموش لیٹے رہتے تھے، لیکن حال یہ تھا کہ ذرا سا افاقہ ہوا اور ملفوظات کا افادہ شروع ہوگیا کسی سے اس کی کوتاہی پر باز پرس ہورہی ہے کسی سے کوئی نصیحت کی بات فرما رہے ہیں، کبھی کوئی علمی و عملی دینی بات فرمارہے ہیں، اپنے روزمرہ کے حسابات برابر اپنے قلم سے بعد مغرب لکھ لیا کرتے تھے، حضرتؒ کی بینائی اس عمر میں بھی اچھی رہی کبھی طبیعت درست ہوئی تو خطوط کے جواب لکھوانا شروع کردیتے تھے، ڈاک میں روز کچھ نہ کچھ خطوط ضرور آتے رہتے تھے۔

خدام اگر عرض کرتے کہ حضرتؒ نے تو ہمیشہ ہم لوگوں کو مفید باتیں اور نصائح ہی فرمائے۔ اب اس وقت جبکہ ضعف زیادہ ہے کیوں زحمت فرماتے ہیں، بات کرنے میں تعب ہوتا ہوگا تو فرماتے کہ جی ہاں اگر میں سوچتا ہوں کہ یہ لمحاتِ زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت اور نفع رسانی میں صرف نہ ہوں، اللہ اللہ! یہ تھا حضرتؒ کا احساس منصبِ تبلیغ۔

حضرتؒ کے مزاج میں انتظام راسخ ہوکر عادتِ ثانیہ بن گیا تھا، اس بیماری اور ضعف کے عالم میں بھی کسی کی کوئی بے ڈھنگی اور بدنظمی کی بات یا حرکت کا تحمل نہ تھا، فوراً متنبہ فرماتے رہتے کسی سے کوئی بات کہی یا کام کرنے کو کہا اگر ذرا بھی غیر معمولی تاخیر ہوتی تو فرماتے مجھے کیوں انتظار کی زحمت دیتے ہو فوراً جواب کیوں نہیں دیتے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ جو چیز جس جگہ رکھی جاتی تھی اس میں اگر کچھ فرق ہوتا تھا تو ناگواری کے ساتھ فرماتے تھے کہ اس چیز کو اپنی جگہ رکھو تاکہ وقتِ ضرورت وہ چیز آسانی سے مل جائے اپنے لیے زیادہ تکلف یا زیادہ اہتمام اپنے سامانِ راحت کے لیے بھی پسند نہ تھا۔

ایک دفعہ کسی نے عرض کیا کہ حضرت کو اسہال کی وجہ سے بار بار رفع حاجت اور طہارت کی بڑی اذیت ہے۔ فرمایا کہ ایک اذیت کو لے کر کیا کروں، آنکھ کھول کر دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے راحت ہی راحت کے سامان گرد و پیش میں جمع فرما دیئے ہیں۔ محبت کرنے والے اور تیمارداری کرنے والے ہر وقت سامنے ہیں۔ دواؤں اور غذاؤں کا باقاعدہ انتظام ہے، بستر اور دیگر راحت کے سب سامان موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کے انعامات ہی انعامات ہیں احسانات ہی احسانات ہیں، الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

حضرتؒ کے وصال سے شاید ایک ہفتہ یا عشرہ قبل کتاب بوادر النوادر طبع ہو کر آئی۔ جن صاحب نے طبع کرائی تھی انھوں نے اس کتاب کے بیس نسخے حضرت کی خدمت میں ہدیۃً ارسال کیے تھے، کتابیں جس وقت پیش کی گئیں حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے اور بڑی مسرت کے اظہار کے ساتھ ایک ایک کتاب پر ہاتھ رکھ کر فرما رہے تھے کہ میری جان انکے انتظار میں اٹکی ہوئی تھی۔ پھر ان کتابوں کو چند مخصوص احباب میں تقسیم فرمایا۔ ایک جلد مجھ کو بھی حضرتؒ کے وصال کے بعد مولوی جمیل احمد صاحب قبلہ نے یہ کہہ کر دی کہ تمھارے لیے حضرتؒ نے علیحدہ رکھوا دی تھی۔۔ حضرتؒ کا اس ناکارہ کے ساتھ یہ خصوصی تعلق معلوم ہو کر دل جذبات محبت و تشکر سے بے قابو ہو گیا، فرماتے تھے کہ ان کتابوں کے دینے میں کسی خاص بات پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ جس کو کچھ مناسبت قوی دیکھتا ہوں اس کو دے رہا ہوں۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ مجھے ہمیشہ اس معاملہ میں خلش رہتی تھی کہ چند احباب کے ساتھ جو خصوصیت کا معاملہ ہو جاتا ہے وہ دوسروں کے ساتھ نہیں بن پاتا، ممکن ہے دوسروں کی دل شکنی کا باعث ہوتا ہو۔ یا میری طرف سے بے انصافی ہوتی ہو مگر جب سے اس حدیث شریف پر نظر ہوئی کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چند اصحاب کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ فرماتے تھے تو تسکین ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے پر ان کو دیکھ کر تبسم فرماتے لیکن یہ معاملہ دوسرے اصحاب کے ساتھ نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس طرح کا امتیازی سلوک غیر مستحسن نہیں ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص کا خط پڑھ کر حضرت کو سنایا گیا اس وقت حضرت آنکھ بند کیے ہوئے لیٹے تھے۔ خط میں دریافت کیا گیا تھا کہ نماز میں دل نہیں لگتا، کیا کیا جائے۔ فرمایا لکھ دو، کہ

دل لگنا فرض نہیں ہے دل لگانا فرض ہے اور دل لگانے کا ارادہ اور نیت کر لینے ہی سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی صاحب کا بڑا لمبا طویل خط آیا، اس میں انھوں نے کچھ تو حضرتؒ کے ساتھ اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا تھا اور کچھ اپنی نادانی سے حضرتؒ کے ضابطۂ زندگی پر مہمل اعتراضات بھی کیے تھے جو حدودِ ادب سے متجاوز تھے اور باعثِ اذیت تھے۔ خط سنکر فرمایا، خوب جی بھر کے برا بھلا کہا ہے مگر میں تو ایسے لوگوں کو معاف کر دیتا ہوں۔ کیوں بچارے میری وجہ سے مواخذۂ آخرت میں مبتلا ہوں اگر جواب کے لیے ٹکٹ رکھے ہوتے تو یہ مصرع جوابًا لکھ بھیجتا ع

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی

ایک بار حضرت کی خدمت میں کچھ ذی علم لوگ حاضر تھے تفسیر بیان القرآن کا ذکر آ گیا، فرمایا کہ اس تفسیر کی قدر ان لوگوں کو ہوگی جن کی نظر سے کم از کم بیس تفاسیر گذری ہوں وہ دیکھیں گے کہ مشکل سے مشکل مقامات ترجمہ میں توسین کے اندر چند الفاظ لکھ دینے سے کس قدر واضح اور آسان ہو گئے ہیں، فرمایا کہ میرا گمان غالب یہ ہے کہ جو کچھ بھی میں نے لکھا ہے وہ منجانب اللہ مجھ کو الفاظ و معانی کے ساتھ القاء ہوا ہے میں نے خود سے کچھ نہیں لکھا حضرتؒ کا یہ ارشاد سنتے وقت ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ حضرتؒ نے اپنی تفسیر کا نام جو بیان القرآن رکھا ہے، وہ درحقیقت اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ کا مصداق ہے۔

وفات سے صرف ایک روز پہلے بھی قریب عصر باوجود انتہائی نقاہت کے ملفوظات کا سلسلہ شروع فرما دیا، گو آواز بھی مشکل سے نکلتی تھی اور تقریر نہایت آہستہ آہستہ رفتار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زبان فیض ترجمان سے صادر ہو رہی تھی۔ صرف ایک مضمون یاد رہ گیا۔ بعض اعزہ کا ذکر فرمایا کہ میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ میرے اعزہ مجھ سے لاکھوں درجے بڑھ جائیں مگر افسوس ہے کہ اب تک کوئی بڑھا نہیں پھر اسی طرح رک رک کر فرمایا کہ میں نے تو ہمیشہ اپنے کو مویشی سے بھی بدتر اور کمتر سمجھا لیکن حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیوں کی برکت سے مجھے اول یوم ہی وہ بات نصیب ہو گئی کہ حضرت نے ایک ایسی بشارت دی جس کو میں نے اس لیے بھی ظاہر نہیں کیا کہ انگشت نمائی ہو گی، بڑے بڑے اکابر کا نام لے کر فرمایا جن کی

جوتیوں کی خاک کے برابر بھی میں اپنے آپ کو نہیں سمجھتا کہ یہ اب ان سے بھی بڑھ چلے ہیں، میں نے ہمیشہ اس کو آئندہ کے لیے بشارت و فالِ نیک سمجھا، کیونکہ اب تو اس قابل میری حالت کبھی ہوئی نہیں

ویسے تو مختصر مختصر ارشاداتِ نافعہ موقع بہ موقع فرماتے رہے لیکن منقولہ بالا ملفوظ مسلسل ملفوظ کی صورت میں اور ملفوظ کی شان کا بالکل آخری ملفوظ تھا جس میں جوش و اثر وغیرہ تو سب کچھ بالکل صحت ہی کی حالت کا سا تھا، تاں روانی بوجہ غایتِ ضعف نہ تھی، فقرہ فقرہ رک کر فرما رہے تھے۔ مگر الفاظ تھے کہ جوش سے پُر، اور مضامین تھے کہ اثر سے لبریز تھے اور دل میں گھر کرتے چلے جا رہے تھے۔ ایک بار حضرت نے فرمایا کہ گو اپنی مثال دینا بُرا ہے لیکن کیا کروں، بضرورت کہتا ہوں کہ مجھ کو نہیں دیکھنے کہ میری کسی حالت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مجھے درویشی سے کچھ بھی تعلق ہے حالانکہ جو اتنے لوگ میری طرف رجوع کرتے ہیں تو آخر وہ کچھ تو مجھے سمجھتے ہوں گے، بس زیادہ سے زیادہ دیکھنے والوں کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ایک پڑھا لکھا، ایک عاقل اور ایک مدبر، ایک منتظم ایک فلسفی شخص ہے درویشی سے اس کو تو دور کا بھی تعلق نہیں معلوم ہوتا، بس اسی طرح کیوں نہ رہا جائے (ملاحظہ ہو خاتمۃ السوانح)

حضرت کے متعلق دوسرے مفصل حالات کتاب خاتمۃ السوانح پڑھنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔
حضرت کی صحت رفتہ رفتہ اس قدر گرتی جا رہی تھی کہ زیادہ تر خاموش اور آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹے رہتے تھے، ایک بار فرمایا اب تو اس قدر بھی طاقت نہیں کہ زبان سے اللہ اللہ کرتا رہوں عرض کیا کہ حضرت دل سے تو کرتے رہتے ہیں، فرمایا جی ہاں الحمد للہ، دل ہر وقت مشغول الی اللہ ہے اور قلب سے ذکر اللہ جاری ہے۔

اشرف الملفوظات فی مرض الوفات

مرض الوفات کی حالت میں بھی حضرتؒ کے افادات کا سلسلہ پیہم جاری رہا اس زمانہ میں جو ملفوظات ارشاد فرماتے انھیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دو ممتاز خلفاء حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے جمع فرمایا ہے، ان ملفوظات سے بعض ملفوظ منتخب کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ رقم کردہ حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ حق بات کہنے میں حضرت اقدسؒ کبھی تامل نہ فرماتے تھے لیکن ضروری رعایتوں کا پورا لحاظ رکھتے تھے اور اکثر ایسے موقعوں پر یہ مصرعہ پڑھ دیا کرتے تھے ؎

نرم گو لیکن مگو غیر صواب

ایک مولانا صاحب نے علامہ مودودی کی تحریک اسلامی میں شرکت اور اس کے موافق شریعت ہونے کے متعلق گفتگو کے لیے بریلی سے آنا چاہا اور اجازت چاہی تو صاف فرما دیا کہ اگرچہ کوئی اعتراض شرعی لحاظ سے بظاہر نہ وارد کیا جاسکے لیکن میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا یہی زبانی بھی عرض کردوں گا، لہٰذا اس ضرورت سے سفر کی زحمت نہ فرمائی جاوے۔ اھ۔ چنانچہ بالآخر قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید اور اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ ہی کا ظہور ہوا۔ مولانا موصوف کچھ اس تحریک میں شریک رہ کر اور اس میں خلاف شرع امور کا خود مشاہدہ کرکے ذاتی تجربہ کے بعد سنا ہے کہ اس سے الگ ہوگئے۔

اسی طرح مختلف قسم کی تحریکات میں جو بظاہر خوشنما تھیں لیکن محذورات شرعیہ سے خالی نہ تھیں شرکت کے لیے لوگوں نے ہر قسم کے بڑے بڑے زور لگا دیئے لیکن حضرت اقدسؒ ذرا ٹس سے مس نہ ہوئے اور برابر کوہِ استقلال بنے ہوئے مرکزِ حق پر نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رہے حضرت اقدسؒ میں یہ قوتِ حق بعون اللہ تعالیٰ باوجود شدید مخالفتوں کے شد و مد کے ساتھ برقرار رہی اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ حق میں وہ قوت ہوتی ہے کہ اگر ساری دنیا میں صرف ایک اہلِ حق ہو اور باقی سب اس کے مخالف ہوں تو وہ اکیلا اپنے آپ کو ساری دنیا پر بھاری محسوس کرتا ہے۔

حضرت اقدسؒ کی مجموعی زندگی کو ایک واقفِ حالات شخص اپنے ذہن میں مستحضر کرنے کے بعد اس ارشاد کو خود حضرت اقدسؒ پر پورا پورا منطبق پائے گا۔ مذکورہ بالا مختلف حالات اس ضمن میں لکھے گئے تھے دورانِ علالت میں جو اس قدر شدید و مدید تھی باوجود آثارِ ضعف و انحطاط روز افزوں کے حضرت اقدسؒ کی کسی خصوصی شان میں معتد بہ فرق ظاہر نہ ہوا اس لیے آخر وقت تک افاقہ ہی کا دھوکا ہوتا رہا۔

۲ - اب اس سے بڑھ کر کیا شانِ افادہ وتبلیغ اور شوق خدمتِ دین ہوگی کہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند جو حضرت اقدسؒ کا علمی گہوارہ اور بزرگوں کی خاص جگہ تھی اُس کی محبت جس قدر حضرت کو ہو سکتی ہے کوئی دوسرا آدمی اُس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا ۔ وفات سے چند سال پہلے وہاں کے ارباب حل وعقد سے مذاق ورائے کا کچھ اختلاف پیش آیا ۔ حضرت اقدسؒ کی رائے تھی کہ موجودہ سیاسیات کا اشتغال خواہ فی نفسہٖ حق ہو یا باطل مگر دارالعلوم کے طلباء وعلماء کی اس میں شرکت بہرحال مدرسہ کے مقاصد اصلیہ کو متزلزل کردینے والی ہے جس کا مشاہدہ وتجربہ بھی عرصہ سے اکثر حضرات کو ہو چکا ہے لیکن حضرت اقدس کی عادت ہمیشہ سے یہ تھی کہ اختلاف کے مواقع پر جو بات حق سمجھی اُس کا اظہار صاف صاف کر دیا پھر قبول کر لیا گیا تو بہتر ورنہ اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کر لیا ۔ خلاف وجدال میں پڑنے سے طبعاً نفرت تھی ۔ اکثر ایسے مواقع پر یہ شعر پڑھا اور لکھا کرتے تھے ؎

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد   کیں دلم از صلحہا ہم مے رمد

اسی عادتِ قدیمہ کی بنا پر عرصہ ہوا دارالعلوم کی سرپرستی سے استعفا دے دیا تھا لیکن دارالعلوم کی ہمدردی وبہی خواہی اور اُس کی عظمت ومحبت رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھی اور جس طرح کی کوئی امداد ہو سکتی تھی برابر کرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ تو ہماری ماں ہے شکایت واختلاف اگر کچھ ہے تو بھائیوں سے ہے ماں سے نہیں ۔ اسی لئے باوجود ضابطہ کی علیحدگی کے مفید مشورہ سے کسی حال میں دریغ نہ فرماتے تھے ۔

مرضِ وفات میں اتفاقاً کانگریس کی تخریبی کارروائیوں کا فتنہ اُٹھا اُس میں مدرسہ کے طلباء بعض متعلقین کی کسی درجہ میں شرکت اور اس کی روک تھام پر منتظمین دارالعلوم میں باہمی اختلاف کی خبر حضرت اقدسؒ کے کانوں تک پہنچی تو رنج ہوا کہ اس کو مدرسہ کے حق میں مضر جانتے تھے ۔ انھیں ایام میں اتفاقاً مہتمم صاحب دارالعلوم حاضرِ خدمت ہوئے تو باوجود طول مرض اور ضعفِ شدید کے اہتمام کے ساتھ اُن کے سامنے ایک مفصل تقریر فرمائی جس میں کاتب الحروف بھی حاضر تھا ۔ یہ تقریر چھوٹے گھر سے باہر چھپتہ کے اندر چارپائی پر بیٹھے ہوئے ارشاد فرمائی تھی جو سراسر تعلیم وتربیت کے زرّیں اصول اور اصلاحی آئین سے متعلق تھی افسوس کہ اُس وقت اُس کو ضبط نہ کیا گیا اور اب اس کی تفصیل یاد نہیں ۔

خلاصہ اس کا یہ تھا کہ میں نے قرآن وسنت اور عمر بھر کے تجربہ، نیز جن بزرگوں کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اُن سب کے طرزِ عمل سے مدرسہ کے بارہ میں جو کچھ اصلح سمجھا وہ یہ ہے کہ مدارس اور اُن کے متعلقین کو سیاسیات حاضرہ سے بالکل مجتنب رہنا چاہیے اور صرف سیاسیات ہی سے نہیں بلکہ ہر اُس کام سے جو تعلیمی مشاغل میں خلل انداز ہو اگرچہ وہ کام فی نفسہٖ کیسا ہی محمود اور مفید کیوں نہ ہو۔ ہمارے بزرگوں نے طلبار کو بیعت کرنے اور سلوک میں مشغول ہونے سے بھی باوجود اس کو اہم سمجھنے کے طالب علمی کے زمانہ میں ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کبھی کسی طالب علم کو فراغت سے پہلے بیعت نہ فرماتے تھے پھر کسی سیاسی اور ملکی تحریک میں شرکت کیسے گوارا کی جاسکتی ہے۔

تقریباً ایک گھنٹہ سے زائد اس تقریر کا سلسلہ رہا۔ حضرت مہتمم صاحب نے تقریر سُن کر اُس کو حرف بہ حرف تسلیم کیا اور عرض کیا کہ میں اس کی پوری کوشش کروں گا حضرت اقدسؒ نے مسرور ہو کر دعائیں دیں اور یہ مجلس ختم ہوئی۔ اس کے بعد برابر حضرت اقدس کو یہ انتظار رہا کہ اس بارہ میں کوئی اصلاحی صورت مدرسہ میں ظاہر ہو اور آنے جانے والوں سے خلافِ معمول کچھ حالات بھی دریافت فرماتے رہے لیکن کوئی نئی چیز معلوم نہ ہوئی بلکہ ایک تحریر اسی عرصہ میں منجانب مدرسہ شائع ہوئی جس میں حضرت نے صورت مناقشہ محسوس فرما کر ناپسند کیا۔

اسی میں ایک عرصہ گذر گیا اور اب مرض کا اشتداد اور ضعف کی انتہا ہو گئی اور اکثر اوقات غنودگی کا عالم طاری رہنے لگا۔ اس وقت ۲۹ رجمادی الثانیہ ۶۲ھ کو حضرت مہتمم صاحب دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے تو باوجود انتہائی ضعف کے پھر ایک آخری نصیحت فرمانے کا اس اہتمام کے ساتھ قصد فرمایا کہ حاضرین خدمت میں سے چند اصحاب مولانا شبیر علی صاحب مولانا جمیل احمد صاحب۔ ڈپٹی علی سجاد صاحب اور احقر کاتب الحروف کو بھی اس مجلس میں طلب فرمایا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ مدرسہ دیوبند کے بارہ میں اپنی آخری اور مختتم رائے آپ سب حضرات کے سامنے ذکر کردوں تاکہ بعد میں غلط انتساب کا احتمال نہ رہے۔

یہ سب حضرات اور مہتمم صاحب مقررہ وقت پر جمع ہو گئے تو تقریباً سوا گھنٹہ مسلسل تقریر فرمائی گو غایت ضعف سے آواز بہت پست تھی اور مخاطبین کو بہت قریب بلا لیا تھا

تاکہ تقریر سنائی دے سکے بلکہ تقریر شروع کرکے احتیاطاً پوچھ بھی لیا تھا کہ سب صاحب سن رہے ہیں۔ ضعف اس درجہ تھا کہ رخسارِ مبارک کو بار بار تکیہ پر رکھ لیتے تھے۔ حیرت کی انتہا نہ تھی کہ اس درجہ ضعف میں بھی بستر مرگ پر پڑے پڑے اتنے مؤثر انداز سے ایسی مفصّل، مکمل، مدلّل اور مسلسل تقریر فرما رہے ہیں مع تمہید اور جمیع علمی جذباتی مصلحانہ اور مشفقانہ رعایتوں کے جیسے کوئی رسالہ تصنیف کیا ہوا سنا رہے ہوں۔

منجملہ دیگر ضروری باتوں کے تمہید میں یہ مضمون بھی تھا کہ میں عرصہ سے بیمار ہوں حیات کا اعتبار نہیں اس وقت پھر مدرسہ دیوبند کے متعلق اپنا خیال صاف صاف ظاہر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مدرسہ دیوبند ایسی چیز نہیں جس کے متعلق میں اپنی مختتم رائے ظاہر کئے بغیر چلا جاؤں تاکہ بعد میں ہر فریق کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ وہ ہمارے موافق تھا۔ وہ مختتم رائے یہ ظاہر فرمائی کہ مدرسہ دیوبند کو سیاسیات سے بالکل الگ رہنا چاہیئے اور یہی ہمارے اکابرؒ کا طریق تھا کہ تعلیم کے زمانہ میں کسی دوسری طرف توجہ کو سخت مضر خیال فرماتے تھے اور ظاہر ہے کہ معلّمین کے طرزِ عمل کا طلبہ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے لہٰذا مدرسہ کے مدرسین کو بالخصوص طلبہ کی مصلحت سے سیاسیات سے علیحدہ رکھنا ضروری ہے اور مدرسین کے دوسری طرف متوجہ ہونے سے تعلیم کا حرج بھی مشاہد ہے۔ ایک ایسی جماعت کی بھی سخت ضرورت ہے جو محض علمِ دین کی خدمت کرے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے الذین ان مکّنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین کی حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اس سے واضح ہے کہ دیانات مقصود بالذات ہیں اور سیاسیات و جہاد مقصود اصلی نہیں بلکہ اقامت دین کا وسیلہ ہے یہی وجہ ہے کہ دیانت اور احکام دیانت تو انبیاء علیہم السلام کو مشترک طور پر سب کو دیئے گئے اور سیاسیات و جہاد کا حکم سب کو نہیں دیا گیا بلکہ جہاں ضرورت و مصلحت سمجھی گئی وہاں دیا گیا ورنہ نہیں۔ وسائل کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ بقدر ضرورت ہی دیئے جاتے ہیں۔

شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ دوسری آیت میں تو اس کے خلاف مضمون موجود ہے جس سے دیانت کا وسیلہ ہونا اور تمکین فی الارض اور سیاست کا مقصود ہونا سمجھ میں آرہا ہے اور وہ یہ ہے کہ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا۔

یہاں ایمان وعمل صالح کو شرط قرار دیا جا رہا ہے تمکین فی الارض کی جس سے تمکین وسیاست کا مقصود اصلی ہونا لازم آتا ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں ایمان اور عمل صالح پر تمکین وشوکت کا وعدہ کیا گیا ہے اور بطورِ خاصیت کے شوکت کا دین پر مترتب ہونا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پس دین پر سیاست وقوت موعود ہوئی لیکن ہر موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں ورنہ آیت کریمہ ولو انہم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیہم من ربہم لاکلوا من فوقہم ومن تحت ارجلہم اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی (یعنی قرآن) اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔

بس جس میں اقامت توراۃ وانجیل وقرآن یعنی عمل بالقرآن پر وسعتِ رزق کا وعدہ کیا گیا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دین سے یہ مقصود ہے بلکہ دین پر موعود ہے کہ دیندار بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا پس موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں۔ یہاں بھی ایمان وعمل صالح پر شوکت وقوت اور سیاست وغیرہ موعود ہیں جو بطورِ خاصیت اُس پر مرتب ہوں گے نہ کہ مقصود جو اُس کی غایت کہلائے۔

بہرحال واضح ہوا کہ سیاست ودیانت میں سیاست وسیلہ ہے دیانت مقصود اصلی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں بلکہ اس کا درجہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصود اصلی نہیں اور دیانت خود مقصود اصلی ہے اسی بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ

ایک جماعت ایسی بھی رہنی چاہیئے جو خالص حفاظت دیانت اور تعلیم دین میں مشغول ہو اور وہ جماعت اہلِ مدارس ہی کی ہوسکتی ہے۔ اسی لئے میری پختہ رائے یہ ہے کہ طلبہ کو سیاسیات میں مبتلا نہ کیا جائے طلبہ اگر ان قصوں میں پڑ گئے تو وہ تعلیم سے بھی جاتے رہیں گے اور تربیت بھی ان کی نہ ہوگی۔ چنانچہ جب سے طلبہ کو اس سلسلہ میں ڈال دیا گیا ہے اُن میں آزادی پیدا ہوگئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ ہی لوگ ہر وقت ان کی طرف سے متفکر اور خائف رہتے ہیں۔ میں نے اس سے پہلے بھی کئی بار یہ کہا اور اب پھر کہہ رہا ہوں لیکن میں اس کے قبول کے آثار نہیں دیکھتا۔ چنانچہ اب جو مضمون آپ کی طرف سے شائع ہوا ہے (یعنی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے بیان کا جواب) اُس میں بھی بحق مدرسہ سیاسیات کو کوئی تبری نہیں کی گئی بلکہ اثبات معلوم ہوتا ہے نیز اس مضمون میں مناظرانہ صورت پیدا ہوگئی ہے جس سے ذات اہین پر بُرا اثر پڑتا ہے یہ بھی فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے آپ کو مجبور کرنے کے لئے نہیں بلکہ خود مجبور ہو کر کہا ہے تاکہ میرا طریق اور میری رائے تلبیس میں نہ پڑ جائے کہ میں نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے بزرگ اور مشفق استاد حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی اپنی رائے کے اخفار کو خیانت سمجھ کر ظاہر کر دیا اور ظاہر ہے کہ اگر میں اس تلبیس کو گوارا کرتا تو اس وقت حضرت کے لئے کرتا، اب اس کی کوئی وجہ نہیں۔

افسوس ہے کہ یہ تقریر دلپذیر پوری ضبط نہ ہوسکی اس لئے جس قدر چیزیں یاد ہیں وہ ذکر کی گئی ہیں۔ جناب مولانا مہتمم صاحب دارالعلوم نے یہ تقریر سن کر حضرت کے ارشاد کے مطابق عمل پر آمادگی ظاہر فرمائی تو حضرت نے خاص مسرت و شفقت کا اظہار فرمایا اور یہ مشورہ دیا کہ اگر آپ کو اس طرزِ عمل کی تنفیذ پر دارالعلوم میں قدرت نہیں ہے تو کم از کم اپنی رائے کا اعلان صاف طور پر کر دینا چاہیئے، مہتمم صاحب نے اس کا وعدہ فرمایا اور مجلس ختم ہوگئی۔

اصلی ضعف کے ساتھ اس تقریر کے تعب نے اور بھی شکستہ کر دیا تھا لیکن تھوڑی دیر سکون لینے کے بعد خود ہی قلم لے کر اس اعلان کا مسودہ بھی تحریر فرمایا جس میں حق کے اظہار کے ساتھ مہتمم صاحب کی شان اور جملہ قابلِ رعایت اُمور کا پورا لحاظ محفوظ تھا اور فرمایا کہ میں نے خیال کیا کہ مولوی طیب کو اس اعلان کے مضمون میں تعب ہوگا اس لئے خود ہی

لکھ دیا اور بحمد اللہ ایسا ہوگیا کہ اب اس کی اشاعت انھیں دشوار نہ ہوگی۔ ہنس کر یہ بھی فرمایا کہ مہتمم صاحب سارے دن محنت کرتے تو شاید ایسا نہ لکھ پاتے۔ یہ اعلان کا سودہ مہتمم صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ یہ اعلان بھی ہنوز شائع نہیں ہو سکا۔

۳۔ جب صوبہ بہار میں نہایت دردناک حوادث رونما ہوئے تو اُن کے حالات سُن سُن کر حضرت اقدسؒ جو ایک نہایت حساس اور رقیق وشفیق قلب پہلو میں رکھتے تھے (یہاں تک کہ ایک زمانہ میں عرصہ تک جانوروں تک کے لئے دعا مانگتے رہے پھر کہیں نصوص میں تصریح نہ ہونے کی بنا پر چھوڑ دی) بہت ہی کڑھتے مگر ساتھ ہی فرماتے کہ زیادہ کڑھتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں رضا بالقضا میں کچھ فرق نہ آجائے، اگر دل نہ کُڑھے تو مخلوق کے حقوق کے خلاف ہے اگر زیادہ کڑھے تو خالق کے خلاف ہے غرض بڑے کشاکش کا موقع ہوتا ہے کہ نہ مخلوق کی حق تلفی ہونے پائے، نہ خالق کی۔ واقعی صراطِ مستقیم پر جو طریقِ اعتدال ہے اور پل صراط کو اسی کی صورتِ مثالی کہا ہے، اپنے کو قائم رکھنا اور چلانا بہت ہی دشوار ہے لیکن جب بندہ اس کا اپنی طرف سے اہتمام کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی ہر موقع پر اعانت فرماتے ہیں اور بڑی بڑی مشکلات بالکل آسان ہو جاتی ہیں۔

۴۔ اسی کے مشابہ وفات سے صرف دو چار روز قبل ہی بہ سلسلۂ دیگر ملفوظات اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا۔ فرمایا کہ یہاں تھانہ بھون میں ایک شاہ ولایت صاحب کا مزار ہے یہ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے ہیں اور اہلِ وجدان سے معلوم ہوا کہ بہت بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں ان کے مزار پر عرس بھی ہوتا ہے، عرس کے موقعہ پر والد صاحب مرحوم بڑے اہتمام سے التزاماً کھانا پکوا کر وہاں بھجوایا کرتے تھے، پرانے لوگوں کو کھلانے پلانے کا بہت ہی شوق تھا وہاں کے مجاور کہا کرتے تھے کہ بس یہ منشی جی ہی کے دم تک ہے ان کے بعد ان کا لڑکا بند کر دیگا۔ چنانچہ ان کی پیشین گوئی صحیح نکلی والد صاحب کے انتقال کے بعد جب میرا عمل دخل ہوا تو میں نے کھانا بھیجنا موقوف کر دیا کہ یہ کیا واہیات ہے۔

اسی رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک مقام ہے جہاں بہت سی کچی ہی کچی قبریں بنی ہوئی ہیں گویا کہ وہ جگہ ایک پوری بدعت گاہ ہے اتنے میں غیب سے ایک آواز آئی میں متوجہ ہوا تو

سُنا کہ یہ شعر پڑھا جا رہا ہے ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

لیکن کوئی پڑھنے والا نظر نہیں آتا تھا۔ غیبی آواز تھی، بس یہ خواب دیکھ کر میری آنکھ کھل گئی اب یہ بہت ہی مشکل موقع تھا اور بڑے امتحان کا وقت تھا اور کوئی ہوتا تو پھسل جاتا اور پھر عرس میں کھانا بھجوانا شروع کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسے سخت اشکال کے وقت بھی میری دستگیری فرمائی اور دل میں اس کی تعبیر اور حقیقت یہ ڈالی کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس فعل کے قبح تشریعی سے قطع نظر کر لی جائے بلکہ مقصود اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ قبح تشریعی کے ساتھ ساتھ اس کے حسنِ تکوینی پر بھی نظر چاہیئے اس کو بالکل نظر انداز نہ کر دیا جائے قبح تشریعی کی بنا پر کسی منکر فعل سے احتراز کرتے وقت اس کے حسنِ تکوینی کو بھی ذہن میں مستحضر رکھا جائے۔ نہ یہ کہ اس کے حسنِ تکوینی کی بنا پر اس کے قبح تشریعی سے قطع نظر کر لے اور اس کا ارتکاب شروع کر دے۔ اھ

پھر فرمایا کہ مولانا رومیؒ نے اس کے متعلق ایک سخت اشکال کا جواب نہایت سہل عنوان سے ایک شعر میں دے دیا ہے، حالانکہ شعر تنگ ہوا کرتا ہے، وہ اشکال یہ ہے کہ رضا بالقضا واجب ہے اور رضا بالکفر کفر۔ حالانکہ کفر بھی قضا ہے۔ اس کا جواب اس شعر میں دیا ہے ؎

کفر ہم نسبت بخالق حکمت است
ور بما نسبت کنی کفر آفت است

مطلب یہ ہے کہ کفر میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو خلق کی اور ایک فعل کی یعنی ارتکاب کی خلق کی حیثیت سے تو وہ حکمت ہے اور حسن ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور ارتکاب کی حیثیت سے وہ آفت ہے اور قبیح ہے کیونکہ اس کا تعلق عبد سے ہے اور اس کو ارتکاب سے منع کیا گیا ہے تو کفر کا ارتکاب درحقیقت قضا نہیں ہے بلکہ مقتضی ہے، ہاں خلق قضا ہے اور رضا بالقضا واجب ہے۔ رضا بالمقتضی واجب نہیں، گویا کفر کے دو رُخ ہوئے

ایک رُخ تو خالق کی طرف ہے یعنی خلق و قضا کا مرتبہ اس پر تو رضا اور ایمان واجب ہے اور ایک رُخ مخلوق کی طرف ہے یعنی بندہ اپنے اختیار اور کسب سے کفر کا ارتکاب کرتا ہے اس پر رضا کفر، عجیب و غریب تحقیق ہے اور واقعہ یہ ہے کہ حضرات محققین صوفیۂ کرام کی نظر جہاں تک پہنچی ہے وہاں تک نہ حکماء و فلاسفہ کی نظر پہنچی، نہ علماء کی۔ اھ

پھر فرمایا کہ اگر میں لکڑی، غلّہ کی تجارت کرتا تو کیا یہ باتیں میرے ذہن میں آتیں، لکڑی غلّہ ہی دماغ میں بسا رہتا، ایسے مضامین کی آمد کے لئے تو اسی کی ضرورت ہے کہ قلب و دماغ کو دنیا کے سب قصّوں سے فارغ رکھا جائے ؎

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند
از ہمہ کارِ جہاں بیکار ماند

اس ملفوظ کے ساتھ اور بھی بہت سے مضامین علمیہ بیان فرمائے تھے اور یہی وہ ملفوظ ہیں جن کے بعد حضرت اقدسؒ نے احقر سے فرمایا تھا کہ خواجہ صاحب پھر یہ باتیں سننے میں نہیں آئیں گی الخ

جیسا کہ بالتفصیل اوپر کسی موقع پر عرض کیا جا چکا ہے اور یہی وہ آخری ملفوظات ہیں جن کو باقاعدہ مجلس کے سامنے ارشاد فرمایا گیا تھا اور جن کو مفتی محمد شفیعؒ صاحب دیوبندی نے قلمبند کر لیا تھا۔ جو آخر کتاب میں بنام "اشرف الملفوظات فی مرض الوفات" ملحق کر دیئے گئے ہیں اور وہ ملفوظات اخیرہ جو وفات سے صرف ایک دن قبل فرمائے گئے تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے وہ بطور خطاب خاص کے تھے مجلس عام میں نہیں فرمائے گئے تھے، نہ قلمبند کئے گئے تھے۔

۵۔ ایک بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا مراقبہ دل میں ڈال دیا ہے کہ ظاہری یا باطنی کیسی ہی پریشانی لاحق ہو مجھے ایسی پریشانی نہیں ہوتی کہ جس سے از جا رفتہ اور بےچین ہو جاؤں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں حکیم بھی، حاکم ہونے کی حیثیت سے تو انھیں ہمارے ظاہر و باطن میں ہر طرح کے تصرف کرنے کا پورا حق حاصل ہے، مجال دم زدن نہیں اور حکیم ہونے کی حیثیت سے اطمینان ہے کہ وہ تصرف حاکم جابر کا سا نہ ہوگا بلکہ حکمت پر مبنی ہوگا چاہے وہ حکمت ہماری سمجھ میں آوے یا نہ آوے۔ اھ

سبحان اللہ یہ بھی رضا بالقضا کی کتنی مکمل فرد ہے اور کتنے اعلیٰ درجہ کا مستمر اور نافع عمل باطنی ہے۔ دنیا سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ بہ کئی بار فرمایا کہ میں اپنے کو تمام عالم میں تنہا پاتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں کہ بس دنیا میں اللہ میاں ہیں اور میں ہوں اور کوئی نہیں ہے۔ اھ۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے محبت تو اپنے سب احباب و متعلقین سے ہے لیکن ایسا تعلق کسی سے نہیں کہ دل اٹکا رہے، یہ تعلق تو بس اللہ تعالیٰ ہی سے رکھا جائے اگر توفیق ہو۔ اھ

آخر میں نسیان زیادہ ہونے لگا تھا ایک بار کوئی چیز رکھ کر بھول گئے تو بہت پریشان ہوئے ایک صاحب کے بتلانے پر وہ چیز مل گئی تو فرمایا جزاک اللہ میں اب بہت بھولنے لگا ہوں، پھر بڑے جوش سے فرمایا خیر جی اللہ کرے سب بھول جائے بس ایک کو نہ بھولے[۱] اھ

۶- ایک بار فرمایا کہ بعض اوقات تو تعلقات سے اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ یہ جی چاہنے لگتا ہے کہ یہ جو تعلق دونوں گھر والوں کا ہے کہاں کا جھگڑا ہے یہ بھی ختم ہو اس وقت میں تکلف ان دونوں کی درازئ عمر کی دعا مانگنے لگتا ہوں کہ کہیں میرے خیال کا خدانخواستہ ان بیچاریوں پر اثر نہ ہو جائے۔

جب رمضان کے بعد ہجوم طالبین کم ہو جاتا تو بہت سکون محسوس فرماتے اور فرماتے کہ ہجوم سے طبیعت پر بہت بوجھ ہوتا ہے ہاں! یہ تو مجھے مرض ہے کہ دو چار اپنے ہم خیال احباب پاس رہیں بالکل تنہائی کو بھی جی نہیں چاہتا اور یہ تو بارہا فرمایا کرتے تھے کہ بس کام کے سامنے آتے ہی اس کی فکر سوار ہو جاتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس سے جلد فراغت ہو جائے کیونکہ میں اپنے قلب کو فارغ رکھنا چاہتا ہوں کہ اگر توفیق ہو تو قلب خدا کی یاد کے لئے آمادہ تو رہے اور آسانی سے متوجہ تو ہو سکے اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی الجھن ہوئی یا کوئی فضول بات کرتا ہے تو مجھے سخت جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔

حضرت اقدس کسی کام سے فارغ ہوتے ہی فوراً تسبیح سنبھالتے تھے اور بعض اوقات مزاحاً فرماتے کہ میں نے اس کا نام جال رکھا ہے کیونکہ اسی سے لوگ پھنستے ہیں، غرض کسی وقت فارغ بیٹھنا تو حضرت اقدسؒ کو گوارا ہی نہ تھا بلکہ اوروں کے لئے بھی یہی پسند فرماتے تھے

---

[۱] یعنی اللہ تعالیٰ کو ۱۲ مؤلف

کہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں چاہے وہ دنیا ہی کے کام ہوں مگر فضول وقت ضائع نہ کریں۔

۷۔ ایک صاحب علم اور صاحبِ ذوق کا تو یہ وجدان ہے کہ حضرت پر چونکہ ہیبت کا بہت غلبہ تھا اور طبیعت بے حد حساس تھی اس لئے اپنے کو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھکر اس کیفیت ہیبت کو معتدل بنائے رکھتے تھے اور یہ مستبعد بھی نہیں کیونکہ حضرت اقدسؒ پر جو شباب میں ایک خاص کیفیت ہیبت کی طاری ہوئی تھی جس سے خودکشی تک کے خیالات پیدا ہونے لگے تھے اُس سے نیز دیگر حالات سے جو تجربہ حاصل ہوا اس کی بنا پر فرمایا کرتے تھے کہ سالک کو تارک محض نہ ہونا چاہیئے کچھ اشتغال مباحہ بھی رکھنے چاہئیں ورنہ قلب کے بالکل خالی کر دینے کی صورت میں شیطان کو تصرف کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے جس سے بعض اوقات سخت اندیشناک حالت ہو جاتی ہے۔

ہیبت کے متعلق انھیں صاحب ذوق اہلِ علم سے حضرت کا یہ ملفوظ بھی سُنا کہ نہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دیں گے، نہ یہ خیال ہوتا ہے کہ نجات ہو جائے گی۔ ایک عجیب حیرانی کی سی کیفیت ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا اھ۔ اس پر خود حضرت کا ایک شعر یاد آگیا ؎ اندریں رہ انچہ می آید بدست

حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

ایک اور ملفوظ بھی یاد آیا، فرمایا کہ قطع نظر صفتِ قہر کے ایک ہیبت عظمت ذاتِ حق کی ہوتی ہے جیسے بلا تشبیہ کوئی شیر کٹہرے میں بند ہو پھر بھی اس کی ذات میں جو ہیبت ہے اس سے خوف معلوم ہوتا ہے گو اس کا پورا اطمینان ہوتا ہے کہ وہ ایسی حالت میں حملہ آور نہیں ہو سکتا، نہ کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے، اسی طرح کی ہیبت اللہ تعالیٰ کی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے کیونکہ وہ عذاب سے تو بالکل مامون ہوتے ہی ہیں۔ اھ

۸۔ فرمایا جب کوئی متقی مرتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ نہ معلوم کس بات میں گرفت ہو جائے اور جب کوئی غیر متقی مرتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ نہ جانے کس بات پر مغفرت ہو جائے۔

۹۔ ایک صاحب نے تنہائی کی شکایت لکھی تو فرمایا کہ انا جلیس مَن ذکرنی کے ہوتے ہوئے "تنہائی کہاں"۔

۱۰۔ ایک مرتبہ احقر نے بوقتِ رخصت ہراس ظاہر کیا تو فرمایا پریشانی کی کیا بات ہے بفضلہ تعالیٰ سرمایۂ تسلّی ہر وقت پاس موجود ہے۔

۱۱۔ ایک بار فرمایا کہ مبتدی کی توجہ نماز میں الفاظ کی جانب ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیئے اور متوسط کی معانی کی طرف لیکن منتہی کی توجہ نہ الفاظ کی طرف ہوتی ہے، نہ معانی کی طرف محض ذاتِ حق کی طرف ہوتی ہے۔ اھ

احقر نے عرض کیا کہ معانی کی طرف توجہ تو بہر حال مقصود معلوم ہوتی ہے فرمایا کہ ذاتِ حق کے مقابلہ میں نہیں جیسے دربار شاہی میں حاضری کے وقت خاص خاص القاب و آداب مقرر ہوتے ہیں لیکن بادشاہ کے مواجہ میں اس کی عظمتِ شان کی طرف ہمہ تن توجہ ہوتی ہے نہ کہ ان الفاظ اور اُن کے معانی کی طرف، خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا منہ سے نکل رہا ہے اور اگر منتہی الفاظ یا معانی کی طرف متوجہ ہو تو اس کو تو سخت الجھن ہونے لگے۔ اھ

۱۲۔ بارہا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ ایسا ہے جیسے ہر موقع پر یہ فرماتے جاتے ہوں کہ دیکھ ہم نے تیرے ساتھ یہ احسان کیا، دیکھ ہم نے تیرے اوپر یہ رحمت کی، دیکھ ہم نے تجھ کو یہ نعمت دی، بس آواز تو آتی نہیں باقی ہوتے سب معاملات ایسے ہی ہیں جیسے ساتھ کے ساتھ جتاتے بھی جا رہے ہوں۔ اھ

سبحان اللہ! کیا راز دنیا ہیں، احقر نے اسی کو یوں نظم کیا ہے ؎

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے   ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

ان واقعاتِ عجیبہ اور حالاتِ رفیعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اقدس ہر وقت اپنے قلب کی اور اپنے جذبات کی کس قدر نگرانی فرماتے رہتے تھے اور اُن کو کس اہتمام سے جادۂ اعتدال پر رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ ارشاد نقل کیا جا چکا ہے کہ الحمد للہ میں کبھی اپنی طبیعت کو عقل پر اور عقل کو شریعت پر غالب نہیں آنے دیتا۔

بالکل آخر میں جب سر کے بھی سکت نہ رہی تو لیٹے لیٹے تیمم سے اور اشاروں سے نماز ادا فرمانے لگے۔ غرض کیسی ہی معذوری کی حالت اور کتنی ہی تکلیف اور زحمت بوجہ بار بار کے دستوں کے اور نجاست کے بار بار دور کرانے کے ہوئی لیکن نماز بعون اللہ تعالیٰ آخر دم تک کوئی قضا نہ ہونے دی۔

۲۔ رقم کردہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رح

۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ (بعد ظہر)

۱۔ احقر تھانہ بھون میں احکام القرآن کی تصنیف کا کام حضرت والا کے ارشاد کے موافق کر رہا تھا، جمعہ کے روز صبح کی مجلس میں دیر سے حاضر ہوا تو دریافت فرمایا کیا آج بھی کام کیا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت آج بھی کیا ہے ناغہ کرنے کو دل نہیں چاہتا، فرمایا کام اسی طرح ہوتا ہے کہ لگ لپٹ کر کیا جاوے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کام تو ایسا تھا کہ مجھے اس کی جرأت بھی نہ کرنی چاہیئے تھی مگر حضرت والا کی خدمت میں ہوتے ہوئے یہ تصور بھی نہ آیا کہ یہ کوئی بڑا بوجھ اٹھا رہا ہوں، فرمایا کہ پہلے لوگوں نے بھی سب نے یہی لکھا ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں مگر حق تعالیٰ نے ان سے کام لے لیا۔ یہی حال کلیدِ کامیابی ہے کہ ہم میں اہلیت نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں ؎

در رہِ عشق است منشیں از کشائش ناامیدی ایں جا
کہ شل دانہ از ہر قفل می روید کلید ایں جا

پھر فرمایا ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ رحمت کے دروازے کھول دے، مولانا نے خوب فرمایا ہے ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید ‏ ‏ ‏ ‏ خیرہ یوسف وار می باید دوید

تفسیر کی روایت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا سے بچ کر بھاگے تو ہر دروازہ پر قفل پڑا ہوا تھا مگر قفل اور دروازہ بند دیکھ کر انھوں نے اپنی سعی میں کمی نہیں کی بلکہ دروازہ۔

تک دوڑے تو حق تعالیٰ نے امداد کی جس دروازہ پر پہنچتے تھے قفل ترمڑ سے ٹوٹ کر گر جاتا اور دروازہ کھل جاتا تھا، اسی کو مولانا نے فرمایا ؎

خیرہ یوسف وار می باید دوید

علم مناظر کا قاعدہ ہے کہ دور پہنچ کر بصری شعاعیں مل جاتی ہیں اس لیے طویل سڑک سامنے سے ایسی نظر آتی ہے کہ گویا دونوں طرف کے درخت ملے ہوئے ہیں راستہ نہیں اگر کوئی موٹر چلانے والا ناواقف ہو دور سے یہ منظر دیکھ کر یہ سمجھے کہ آگے چلوں گا تو موٹر ٹکرا جائے گی اور وہیں ٹھہر جاوے تو کبھی مسافت طے نہ ہو گی اور اگر چلتا رہے گا تو جوں جوں آگے بڑھے گا راستہ کھلتا نظر آوے گا۔

۲۔ اسی طرح اواخر جمادی الثانیہ میں احقر سورۂ نمل کے ختم پر پہنچا جس کے آخر میں مسئلہ علم غیب پر تفصیلی کلام کرنا پڑا اس میں دیر لگی تو ایک روز دریافت فرمایا کہ نمل ختم ہو گئی احقر نے عرض کیا کہ مسئلہ علم غیب پر مفصل تحریر لکھنے کی وجہ سے دیر لگ رہی ہے پھر ۲ دو روز کے بعد دریافت فرمایا اس وقت بھی اُس بحث سے فراغت نہ ہوئی تھی، مجھے ندامت ہوئی کہ حضرت کو اس کے ختم کا انتظار ہے اور میں ابھی تک ختم نہیں کر سکا۔ خدام کی آسائی اور بے فکری کی رعایت حضرت والا کو انتہا درجہ کی تھی۔ اسی لئے اس کے بعد کئی روز تک دریافت نہیں فرمایا اور حضرت کے انتہائی ضعف کی وجہ سے از خود کوئی علمی بحث ذکر کرنے کی جرأت نہ ہوئی تھی پھر کئی روز بعد خود ہی دریافت فرمایا کہ ابھی تو مسئلہ علم غیب پورا نہیں ہوا ہو گا۔ میں نے عرض کیا کہ بحمد اللہ پورا ہو چکا ہے اور سورۂ نمل بھی مکمل ہو چکی ہے اور سورۂ قصص کی چند آیات بھی لکھ چکا ہوں۔ اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

سورۂ قصص کی آیت جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبطی کو قتل کر دیتے اور پھر جناب باری میں اس پر استغفار کرتے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مغفرت فرمانے کا تذکرہ ہے اس کے متعلق فرمایا کہ اس میں ایک سوال ہے وہ یہ کہ قبطی کافر تھا اور کافر بھی حربی جس کا خون حسب قواعدِ شرعیہ مباح ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے

استغفار کیوں کیا اور حق تعالیٰ کی طرف سے بھی مغفرت کا ذکر فرما کر اس کی تقریر کر دی گئی کہ یہ قتل مناسب نہ تھا تو سوال یہ ہے کہ حربی کافر کے قتل کو ناجائز یا نامناسب قرار دینے کا سبب کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ مدت سے میرا ایک خیال ہے وہ یہ کہ کفار سے جیسے باقاعدہ زبانی یا تحریری عہد ہو جاتا ہے تو اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہو جاتی ہے اسی طرح بعض اوقات عملی عہد ہو جاتا ہے کہ باہمی طرزِ معاشرت اور تعامل سے فریقین ایک دوسرے سے مامون و بے خطر ہوں باہمی معاملات اور لین دین وغیرہ جاری ہو یہ بھی ایک نوع عہد عملی کی ہے اس کی بھی رعایت کرنا ضروری ہے کہ اگر کسی وقت ایسے لوگوں پر حملہ کرنا ہے تو پہلے ان کو نبذ عہد کے طور پر متنبہ کر دیا جائے کہ اب ہم سے مامون نہ رہیں، پھر طرفین کو اپنے فعل کا اختیار رہے اور بغیر اس نبذ عہد کے ایک قسم کا غدر رہے جو کہ شریعتِ اسلامیہ میں کسی حال کسی کافر سے جائز نہیں۔

قبطی کا واقعہ بھی اسی قبیل سے تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مع اپنے متعلقین بنی اسرائیل کے اور قبطی کفار دونوں فرعونی سلطنت کے باشندے تھے اور ایک دوسرے سے باہم مامون تھے۔ اسی حالت میں قبطی کا اچانک قتل کر دینا عہدِ عملی کے خلاف تھا اس لئے اس پر عتاب ہوا اور استغفار و مغفرت کی نوبت آئی، رہا یہ سوال کہ جب یہ قتل بحکم غدر اور معصیت تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم رسول اور معصوم ہیں اُن سے کیسے صادر ہوا۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قصداً قتل نہیں کیا معمولی ضرب اس کو ہٹانے کے لیے لگائی تھی اتفاقاً مر گیا اس لیے معصیت کا صدور اُن سے نہیں ہوا تاہم صورت معصیت کی تھی اس لیے پیغمبرِ خدا نے اس کو بھی اپنے حق میں معصیت کے برابر سمجھ کر استغفار کیا۔

پھر ارشاد فرمایا کہ یہ میرا خیال ہے اگر اس کا ثبوت کتاب و سنت میں یا علماء اہلِ حق کے کلام میں مل جائے تو اس کے حوالے سے لکھا جائے ورنہ جس سے آپ نے سنا ہے اس کے حوالے سے لکھ سکتے ہیں کیونکہ بظاہر قواعد اور اصولِ مسلمہ کے اس میں کوئی بات خلاف

نہیں معلوم ہوتی۔

احقر نے اس کو تلاش کر کے پیش کرنے کے لئے عرض کیا: یہ ارشاد یکم رجب ۱۳۶۲ھ کی مجلس میں فرمایا تھا جس کے پندرہ روز بعد دنیا سے سفر ہونے والا تھا۔ میں نے اسی وقت تحقیق کی تو بحمد اللہ صحیح بخاری کی ایک حدیث بروایت مغیرہ بن شعبہ میں اس کا ثبوت اور قسطلانی شرح بخاری میں اس کی تصریح نکل آئی۔ ارادہ کیا کہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں لیکن ان دنوں اکثر وقت حضرت اقدس پر ایک قسم کی غنودگی یا ربودگی کی کیفیت رہتی تھی، عرض کرنے کا موقع نہ پایا۔

۳۔ حدیث میں ہے لا تنظروا الی ذنوب العباد کانکم ارباب یعنی ایسی طرح لوگوں کے گناہوں پر نظر نہ کرو جیسے تم خود خدا ہو اور وہ تمہارا کوئی حق فوت کر رہا ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بے نمازی کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے کہا تمہارے ذمہ واجب ہے کیونکہ میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ اس کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے کو بری سمجھنے کا ناز رکھتا ہے گناہگاروں پر رحم کرنا چاہئیے جیسے بیمار پر۔ البتہ چونکہ اس نے باختیار خود گناہ کیا ہے اس لئے بغض عقلی کافی ہے یہ نہیں کہ ہر وقت ان پر غرایا ہی کرے ؎

گناہ آئینۂ عفو و رحمت است اے شیخ
مبیں بچشم حقارت گناہ گاراں را

۴۔ الرحمۃ المہداۃ میں ہے کہ ایک نبی علیہ السلام ایک مقبرہ پر گذرے جس میں نئی نئی قبریں بنی ہوئی تھیں اور پاس گئے تو معلوم ہوا کہ اکثر معذب ہیں دعا کی، اور گذر گئے، کچھ عرصہ کے بعد پھر وہاں گذر ہوا جبکہ قبریں سب شکستہ ہو گئی تھیں وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ سب کے سب مغفور اور روح وریحان میں ہیں، حیرت ہوئی اور جناب باری میں عرض کیا کہ مرنے کے بعد ان کا کوئی عمل تو ہوا نہیں پھر مغفرت کا سبب کیا ہوا، فرمایا جب ان کی قبریں شکستہ ہو گئیں اور کوئی ان کا پوچھنے والا نہ رہا تو مجھے رحم آیا اور مغفرت کر دی، حضرت نے فرمایا دیکھو کچی قبر رکھنے میں ایک یہ بھی مصلحت ہے۔ ۲۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ

۵۔ حضرت کے ہاتھ میں ایک پھانس لگ گئی تھی اس کو نکالا پھر فرمایا کہ یہ ایک عبرت کی چیز ہے۔ دیکھیے بدن کے اندر خارج کی ذراسی اجنبی چیز داخل ہونے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی تو قلب کے اندر کسی زائد چیز کو کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔ مگر بے حسی ہے جو قلب میں لایعنی خیالات سے تکلیف نہیں ہوتی۔ مگر اللہ والے پھانس لگنے سے زیادہ تکلیف اس کی محسوس کرتے ہیں۔ حدیث کے کیسے پاکیزہ الفاظ ہیں جو اسی مضمون کی تعبیر ہیں الاثم ما حاك فی صدرك ؎

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است　　　گر شکر خوار لیست آں جاں کندن است

۶۔ ایک صاحب نے جو بعض دنیوی مصائب میں مبتلا تھے خط لکھا کہ اس سے مجھے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ سوء خاتمہ سے اس کا دُور کا بھی کوئی علاقہ نہیں، بلکہ مصائب و آلام حسن خاتمہ میں قوی معین ہوتے ہیں، ان سے تو مقبولیت بڑھتی ہے بلکہ پہلے سے مقبولیت نہ ہو تو اس سے حاصل ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ و نعمہ فیقول ربی اکرمن و اما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن کلا۔ الایۃ۔ اس میں اسی غلطی کو رفع کیا گیا ہے کہ نہ مصائب مردود ہونے کی علامت ہیں اور نہ آرام و عیش مقبولیت کی علامت ہے۔

۷۔ حدیث میں ہے کہ امت کے تہتر فرقے ہوں گے بہتّر ناری ایک جنتی۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ اگر ناری ہونے سے خلود نار مراد ہے تو ان سب فرقوں کی تکفیر لازم آتی ہے جو اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہیں اور اگر خلود فی النار مراد نہیں تو فرقہ ناجیہ اور ان بہتر فرقوں میں کوئی فرق نہیں رہتا کیونکہ فرقہ ناجیہ کے بدعمل لوگ بھی "تا چندے جہنم میں رہیں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بہتر فرقوں کا معذب فی النار ہونا غلطی عقائد کی وجہ سے ہوگا اور تہترویں فرقے کے لوگوں کو اگر عذاب ہوگا تو عقائد کی بنا پر نہیں بلکہ اعمال کی بنا پر اور خلود فی النار سے یہ سب فرق اسلامیہ محفوظ ہیں جن کی تکفیر اہل سنت نے نہیں کی۔

۸ - احقر نے سوال کیا کہ قرآن مجید میں وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ میں متبعین کی غوایت کو متبوعین کی غوایت کا کنایہ بنایا گیا ہے تو کیا اس سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس شخص کے اتباع کو گمراہ پایا جاوے اس کو بھی گمراہ سمجھا جاوے۔ فرمایا ہاں بشرطیکہ اس کے اتباع کو دخل ہو گمراہی میں۔ نہ یہ کہ اتباع کسی اور چیز میں ہو اور گمراہی کے دوسرے اسباب ہوں۔

۹ - فرمایا میرے ذوق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوی میں سب سے بڑی دلیل بیساختگی ہے یہ بغیر صدقِ کامل کے ممکن نہیں ہوتی کہ کسی چیز میں تکلف نہیں ہر چیز بے کم وکاست ظاہر کر دی جاتی ہے۔

۱۰ - فرمایا کہ حق جل علا شانہٗ کی رحمت کا ہم کیا اندازہ کر سکتے ہیں اور کس کس نعمت کا شکر ادا کر سکتے ہیں قرآن مجید کے اسلوب بیان کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سارا کلام انسانی جذبات اور انسان کے عقل وادراک کے دائرہ میں ہے۔ وہ ہی محاورات استعمال فرمائے ہیں جو انسان استعمال کرتا ہے حالانکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات اور اس کا کلام کہاں اور ہماری عقل وفہم کہاں! لیکن یہ رحمتِ عظیمہ ہے کہ انسان کے مدرک پر تنزل فرما کر کلام کیا ہے۔

بلا تشبیہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بچوں سے بات کرتے وقت بڑے آدمی بچوں کی طرح تتلا کر کلام کرتے ہیں تاکہ بچہ اس سے مانوس ہو اور سمجھے۔ قرآن مجید کے متعدد مواضع میں لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں جن میں مفسرین کو کلام ہے کہ یہ لفظ لَعَلَّ کا کیا موضع ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں شاید جو شک کا کلمہ ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جل وعلا کو ہر چیز کا قطعی علم ہے اس کے کلام میں شک کے کوئی معنی نہیں اس لئے مختلف توجیہات ان حضرات نے لکھی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ لَعَلَّ اس جگہ تحقیق کے لئے ہے شک کے معنی میں نہیں۔ لیکن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ یہ سب تکلف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی مدارک پر تنزل فرمانے کے باعث یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس موقع پر انسان کو ظن ہونا چاہیئے اس لئے بصیغۂ ظن تعبیر کیا گیا ہے۔

فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو یہ علوم کچھ زیادہ مطالعہ سے حاصل نہیں ہوئے بلکہ حق تعالےٰ نے قلب میں ایک نور پیدا فرما دیا جس سے یہ چیزیں منکشف ہوئیں۔ کنوئیں میں پانی کوئی باہر

سے نہیں ڈالتا۔ اندر سے اُبلتا ہے۔ اسی طرح اہلِ اللہ کے سب علوم خارج سے مکتسب نہیں ہوتے بلکہ محض موہوب ہوتے ہیں، اس لئے بعض اکابر کا مقولہ ہے کہ بزرگوں کے ملفوظات جمع کرنے کی فکر میں زیادہ نہ رہو بلکہ بڑی فکر اس بات کی کرو کہ صاحبِ ملفوظ جیسے بنو تاکہ تمہاری زبان سے بھی وہی علوم نکلنے لگیں۔

۱۱- فرمایا کہ حق تعالیٰ کو علم تھا کہ اُمت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مغلوب النوم کسلمند ہوں گے اور ان کی نمازیں قضا ہوں گی، اُن کی رعایت سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نماز قضا کرادی تاکہ اس میں بھی ان کو اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو سکے فسبحان من رءوف رحیم۔

۱۲- فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مُدرکہ کے لئے ایک حد مقرر فرمائی ہے آنکھ ایک حد تک دیکھتی ہے اس سے آگے نہیں دیکھتی، کان ایک حد تک سُنتے ہیں، اس سے آگے نہیں سُنتے اسی طرح عقل کا ادراک اور رسائی بھی ایک حد تک محدود ہے اس سے آگے وہ عاجز ہے معلوم نہیں کہ لوگوں نے اس کے ادراک کو غیر محدود کیوں سمجھ رکھا ہے کہ جو چیز اپنی عقل میں نہ آوے اس کے انکار کے درپے ہو جاتے ہیں۔

۱۳- ارشاد فرمایا کہ ہر کام میں آسان اور مختصر راستہ اختیار کرنا چاہیئے بے وجہ تطویل و مشقت میں پڑنا عقل کے بھی خلاف ہے اور سُنّت کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے وہ قوت وہمت عطا فرمائی تھی کہ آپ اپنی ذات پر جس قدر چاہتے، مشقت برداشت فرما سکتے تھے اور بالکل عزیمت پر عمل فرما سکتے تھے۔ مگر اس کے باوجود عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب آپ کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا ہمیشہ وہ کام اختیار فرمایا جو سہل و آسان ہو اس کی حکمت یہ تھی کہ اُمّت متبع سُنت ہو سکے اور ضعفاءِ اُمت اتباعِ سنت سے محروم نہ رہیں اور ان کو یہ غم نہ ہو کہ ہم محروم رہ گئے ظاہر ہے کہ توکل وزہد و قناعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کس کو حاصل ہو سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود بیبیوں کیلئے سال بھر کا غلہ جمع فرما دیتے تھے تاکہ اُمت کو تنگی نہ ہو۔

حافظ شیرازی جو تارک الدنیا اور رند و مست مشہور ہیں ان کی تعلیم بھی یہ ہے ؎

گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئے طبع
سخت می گردد جہاں بر مرد مان سخت کوش

یہ ارشاد فرمانے کے بعد خواجہ صاحب کو خطاب کر کے فرمایا کہ خواجہ صاحب یہ باتیں ہیں لکھنے کی جو شاید میرے بعد کہیں نہ ملیں گی یہ کہ ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی کہا کرتے تھے ع رانڈ ہو جائیں گے قانون و شفا میرے بعد

اور مولوی عبدالسمیع صاحب میرٹھی ایک مرتبہ کانپور آئے تو میں نے اُن سے وعظ کہلوایا وہ اگرچہ بدعات مروجہ میں ہمارے اکابر کے خلاف تھے مگر وعظ میں گڑبڑ نہ کرتے تھے اس لئے ان کے وعظ میں مضائقہ نہ سمجھا اس وعظ میں مولوی صاحب نے اپنی ایک نظم بھی پڑھی تھی جس کا ایک شعر یاد رہا ؎

بیدل خستہ کو پاؤ گے کہاں
کرلو اس کی مہمانی چند روز

احقر جامع کہتا ہے کہ حضرت والا کی زبانِ مبارک سے یہ جملے سُنکر مجلس کا رنگ بدل گیا، میرے ایک دوست نے مجلس سے اُٹھتے ہی رو کر کہا کہ مولوی صاحب معلوم ہوتا ہے کہ اب حضرت کی صحبت بہت کم باقی ہے مگر افسوس کہ اس وقت بھی کسی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک ماہ بعد ہی یہ دربار اُٹھ جائیگا ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گُل سیر ندیدم و بہار آخر شد

اور حیف تو یہ ہے کہ مجلس کی صورت سے افادات و ارشادات تو غالباً اسی دن ختم ہو چکے تھے یوں تو آخر وقت تک افادات کا سلسلہ رہا معمول اور مجلس کی صورت سے پھر ملفوظات کی نوبت نہیں آئی۔

نوٹ:۔ جناب خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے حضرت قدس سرہ العزیز کے تمام حالاتِ زندگی نہایت تفصیل و وضاحت کے ساتھ اشرف السوانح کی ہر سہ جلدوں میں قلم بند فرما دیئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام زندگی کے مفصل حالات اور بعد وصال کے خاص خاص حالات بھی کتاب خاتمۃ السوانح میں تحریر فرمائے ہیں یہ کتابیں ملاحظہ کی جائیں انشاء اللہ تعالیٰ ہر قسم کی معلومات حاصل ہوں گی اور دین و دنیا کے منافع کی بہت کارآمد باتیں معلوم ہوں گی

سانحۂ ارتحال

وصال سے تین چار سال قبل ہی سے حضرت رحمۃ اللہ کی صحت خراب ہونے لگی تھی ضعف معدہ کی شکایت تھی جس سے اسہال کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی مختلف علاج ہوتے رہے اس سلسلہ میں حضرت دہلی بھی تشریف لے گئے دو بار لکھنؤ تشریف لے گئے کچھ دنوں کے لئے افاقہ ہو جاتا تھا پھر مرض عود کر آتا تھا۔ آخر میں چہرے اور پاؤں پر ورم بھی آگیا تھا ورم جگر تجویز کیا گیا تھا۔ دن بدن نقاہت اور ضعف بڑھتا رہا۔ کئی ماہ قبل سے خانقاہ تشریف لے جانا ترک ہو گیا تھا اور دونوں گھروں میں باری باری ہر دوسرے روز رہنا بھی ترک ہو گیا تھا اور مستقل قیام آخر میں چھوٹی پیرانی صاحبہ محترمہ کے مکان ہی پر ہو گیا تھا گرمی کا زمانہ تھا (جون ۱۹۴۳ء) اس لئے مکان کے اندر سامنے والے دالان ہی میں حضرت کا پلنگ اور نماز کے لئے تخت بچھا ہوا تھا۔

ملاقات کے لئے بھی صرف حضرت کے خدام اور خاص احباب ہی کو اجازت تھی اور وہ بھی ظہر اور عصر کے وقت کے درمیان تھوڑی دیر کے لئے آکر بیٹھ جانے کی۔

علاج یونانی حکیم محمد سعید صاحب گنگوہی کا ہو رہا تھا۔ مگر کوئی افاقہ نہیں ہو رہا تھا اسہال جاری تھے اور بدن گھلتا جا رہا تھا نقاہت اس قدر شدید ہو گئی تھی کہ بیٹھ کر نماز ادا فرماتے تھے۔

جب یونانی علاج سے نفع کی امید نہ رہی تو پھر خاص متعلقین نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ انگریزی علاج کے لئے کسی معتبر ڈاکٹر کا مشورہ کر لیا جائے حضرتؒ نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ سہارنپور سے ایک مشہور ڈاکٹر بلوایا گیا حضرتؒ نے فرمایا کہ سب لوگ ہٹ جائیں ڈاکٹر کے آنے کے وقت صرف بھائی محمد مظہر صاحب شبیر علی صاحب اور عبد الحی موجود رہیں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ قلب بہت ضعیف ہو گیا ہے اور دوران خون کمزور ہونے کی وجہ سے جسم پر ورم آگیا ہے حضرت رحمۃ اللہ سے یہ تجویز ظاہر کی گئی اور عرض کیا گیا کہ جب اتنی مدت دراز تک یونانی علاج سے نفع نہیں

ہوا ہے تو پھر انگریزی علاج بھی کر کے دیکھ لیا جائے حضرت رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمام عمر انگریزی علاج نہیں کیا اب کیا کروں، اس پر مولوی شبیر علی صاحب نے عرض کیا کہ ایسی حالت میں جب شریعت نے اجازت دی ہے تو پھر کیا مضائقہ ہے اس پر حضرتؒ نے گردن جھکالی، اور چند لمحات کے بعد فرمایا بہت اچھا بسم اللہ کر کے شروع کیجئے "میں کہاں کا ایسا متقی ہوں" اللہ اللہ حضرت کا اس وقت کیا مقام نیاز و بندگی تھا۔ شریعت کی کس قدر عظمت و احترام تھا باوجود گنجائش عذر کے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اپنی ساری عمر کے تقویٰ کو شریعت کی معمولی رخصت پر قربان کر دیا۔

پھر تین دن تک انگریزی علاج رہا۔ مگر اس سے بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوا اس لئے بند کر دیا گیا پھر حضرت رحمۃ اللہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہومیو پیتھک علاج میں بھی کوئی معقول دوا ضرور ہو گی۔ میں نے عرض کیا جی ہاں، بہت مجرب دوائیں ہیں۔ فرمایا بسم اللہ کر کے علاج شروع کرو۔ چنانچہ یہ سعادت بھی بفضلہٖ تعالیٰ مجھے نصیب ہوئی اور میرا علاج بھی تین روز تک رہا۔

مجھ سے حضرت نے شروع ہی میں نہایت آہستہ لہجہ میں فرمایا تھا کہ تم اطمینان سے علاج کرو۔ انجام مجھے معلوم ہے۔ مجھے سب سے زیادہ دشواری حضرت کے لیے غذا تجویز کرنے میں تھی۔ طبیعت بہت نازک اور لطیف ہو چکی تھی، زیادہ پرہیز برداشت نہ کر سکتے تھے۔ جب مرض کے لحاظ سے پرہیزی غذائیں تجویز کیں تو ایک دن تنہائی میں نہایت نرم لہجہ میں فرمایا:۔

"ہم نے تو کسی سے کبھی کوئی پرہیز کرایا نہیں، صرف معمولی نوک پلک درست کرتے ہوئے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ یہ ساری پرہیز کی مشق میرے ہی لیے ہے؟"

حضرت کے یہ الفاظ دل و دماغ پر اس قدر اثر انداز ہوئے کہ کچھ بنائے نہ بنتا تھا، دل میں تھرتھری پیدا ہو گئی، جسم پر پسینہ آگیا، دماغ کچھ دیر کے لیے معطل سا ہو گیا۔ طبیعت کو سنبھال کر عرض کیا۔ حضرت! جو مرغوبات ہوں وہ بیان فرمادیں۔ ان شاء اللہ ان کی رعایت کی جائے گی حضرت کو انڈے بہت مرغوب تھے اور چا، اور چھاچھ۔ بس انھیں چیزوں کا استعمال زیادہ

فرماتے تھے۔

اسی دوران حضرت کے بہت مخصوص اور بے تکلف تعلق والے حکیم محمد خلیل صاحب سہارنپور سے تشریف لے آئے اور انھوں نے حضرتؒ سے نہایت بے تکلفانہ انداز میں خود علاج کرنے کی اجازت لے لی۔ چنانچہ ان کا علاج شروع ہوگیا۔ ایک پرچہ پر حضرتؒ نے اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر مجھ کو مطلع کیا کہ "آپ کچھ خیال نہ کریں۔ چونکہ حکیم صاحب میرے مزاج شناس ہیں، اس لیے وہ خود علاج کرنا چاہتے ہیں۔" اللہ اللہ! حضرتؒ کو اپنے خدام کی کس قدر دلنوازی منظور رہتی تھی۔ حکیم صاحب کا علاج ہوتا رہا مگر صحت و قوت میں برابر انحطاط ہوتا رہا۔

جس روز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ہے اس روز ظہر کے وقت ہر دو حضرت پیرانی صاحبات سے فرمایا تھا کہ آج مغرب کے بعد رخصت کا وقت ہے اور کچھ اسی طرح سفرِ آخرت کی تیاری کی باتیں کرتے رہے۔ مغرب کے قریب فرمایا کہ مجھے دو باتوں کا بہت خیال ہے، نماز کا اور حق العباد کا۔ پھر دریافت فرمایا کیا مغرب کا وقت ہوگیا، کسی نے کہا دس منٹ باقی ہیں۔ فرمایا صاف کہو کہ دس منٹ آنے میں یا وقت جانے میں۔ عرض کیا دس منٹ وقت آنے میں ہیں۔ پھر مغرب کے وقت نماز ادا کی اس کے بعد ایک صندوقچہ طلب کیا جس میں رقم امانت کی کچھ تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں، ان تھیلیوں کو کھولا اور رقم گننے لگے۔ عرض کیا گیا کہ امانتوں کے ساتھ تو تحریری یادداشتیں رکھی ہوئی ہیں اس وقت رہنے دیجئے صبح دیکھا جائیگا، فرمایا کہ نہیں، تم کو معلوم نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کر رہا ہوں دیر نہ کرنا چاہیئے۔ اسی حالت میں حضرت رحمہ اللہ پر نزع کا عالم طاری ہوگیا۔ اس وقت وہاں صرف گھر کی عورتیں موجود تھیں، مرد عشاء کی نماز کے لیے مسجد گئے ہوئے تھے بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت روح پرواز کر رہی تھی، حضرت رحمہ اللہ کے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور متصل انگلی میں قلم کی گرفت جیسی صورت تھی اور اس کے درمیان بجلی کی سی چمک رہ رہ کر ہو رہی تھی۔ روح پرواز ہو جانے کے بعد یہ چمک بھی غائب ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی ظفر احمد عثمانی (حضرتؒ کے بھانجے) نے غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھائی گئی ہزار لوگوں نے شرکت کی

اس دور کا مجدد اعظم قطب الارشاد حکیم الامت اور حجت اللہ فی الارض ز ۶۲ سال تک بحسن وخوبی اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے بعد شاداں وکامراں اپنے مالک حقیقی کی بارگاہِ رحمت و مغفرت میں ابدی عزت وشرف کے ساتھ باریاب ہوگیا اور یہ آفتاب رشد وہدایت دنیا میں دین متین کے ہر شعبہ کو منور ومجلی فرما کر بظاہر ہمیشہ کے لیے افق آخرت میں غروب ہوگیا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

حضرت اقدس قدس سرہ العزیز کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو بروز چہار شنبہ بوقت صبح صادق واقع ہوئی اور اس سرائے فانی اور قیام گاہ عارضی کو بیاسی سال تین ماہ گیارہ دن اپنے وجودِ مسعود سے مشرف فرمانے کے بعد بالآخر قصبہ تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر۔ یو۔پی) میں ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ شب سہ شنبہ یعنی ۱۹ ر۔ ۲۰ ر جولائی ۱۹۴۳ء بوقت نماز عشاء اپنی دائمی آرام گاہ جنت الفردوس کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اب یہ پیکر صدق وصفا ابدی وسرمدی راحتوں کے ساتھ اپنے ارض وطن کے آغوش ناز میں خوابیدہ وآرامیدہ ہے ۔

تاریخ ولادتِ کرم عظیم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲۸۰ھ ۔

تاریخِ وفات ۔ قطب زماں ۔ حکیم الامت مولوی اشرف علی ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۳۶۲ھ

مدفن ۔ قبرستان موسومہ بہ تکیہ ، جانب شمالی ، خانقاہ تھانہ بھون ۔

ایصالِ ثواب

حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا معمول بیان فرمایا کہ میں جو کچھ روزانہ پڑھتا ہوں ، اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام انبیاء وصلحاء وعام مسلمین کو جو مرچکے ہیں یا موجود ہیں یا آئندہ پیدا ہوں سب کو بخش دیتا ہوں ۔ زندوں کو بھی عبادت کا ثواب ملتا ہے ، فرمایا قبر پر فاتحہ پڑھنے میں چند سورتیں جن کی خاص فضیلت آئی ہے ان کو پڑھتا ہوں مثلاً قل ھو اللہ اکثر بارہ مرتبہ پڑھتا ہوں ۔ ایک روایت میں ہے کہ بارہ بار پڑھنے کی خاص فضیلت

ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔ اِذَا زُلْزِلَتِ۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ سورہ ملک۔ سورہ یٰس۔

فرمایا، قبلہ کی طرف پشت کر کے فاتحہ پڑھنا چاہیے تاکہ مردہ کا مواجہہ ہو۔ فاتحہ یا دعائے مغفرت کرتے وقت ہاتھ نہ اٹھانا چاہیے۔

مزار شریف

تھانہ بھون اسٹیشن سے باہر آنے پر سامنے زرعی کھیت ہیں ان کے داہنے ہاتھ کی طرف ایک باغ ہے جس میں کچھ آم کے اور کچھ مختلف اقسام کے درخت ہیں اس باغ کی چاروں طرف سے حد بندی کر دی گئی ہے۔ اس باغ کا نام تکیہ مشہور ہے۔ یہ تکیہ قبرستان کے لیے مخصوص ہے۔ اس تکیہ میں جب پھاٹک سے اندر داخل ہوتے ہیں تو دس پندرہ قدم کے بعد چار دیواری سے ملی ہوئی



مزار شریف حضرت والاؒ

داہنی طرف ایک پختہ چبوترا اور اس کے اوپر ایک پختہ دالان تعمیر ہے اس چبوترے کے سامنے نیچے کچھ فاصلہ کے بعد حضرت والا کا مزار ہے۔ یہ کچی قبر ہے۔ چاروں طرف زمین بھی کچی ہے اور اس کے علاوہ نشان کا کوئی پتھر وغیرہ نہیں۔

حضرتؒ کی پائنتی کی طرف حضرتؒ کے بھائی (جو دوسری والدہ سے ہیں) منشی محمد مظہر صاحب کی قبر ہے اور بڑی پیرانی صاحبہ کی قبر بھی وہیں متصل ہے اس تکیہ میں میرے دو بچے ایک سات سالہ اور ایک نوماہ کا مدفون ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں دونوں بچوں کا بعارضہ چیچک وہاں انتقال ہو گیا تھا۔

٭٭٭٭٭٭٭

وصایا مسنونہ

(الاعذار و النذر)

بعد الحمد و الصلوٰۃ ، باعث اس تحریر کا یہ ہے کہ راقم کی عمر اس وقت ساٹھ ستر برس کے تقریبی[۵] وسط میں ہے جو حدیث کی رُو سے اُمت محمدیہ کی عمر کا باعتبار اکثر کے گویا اختتام ہے اور ایسے وقت میں دوسرے اوقات سے بہت زیادہ تیاری آخرت کی ضرورت ہے اور یہ تیاری بعد ایمان کے اعمال کی درستی ہے اور ان اعمال میں سب سے زیادہ اہم حقوق العباد کے جمیع انواع کی صفائی ہے اور اس صفائی کی صرف دو صورتیں ہیں ایک ادا اور دوسرا طلب ابراء اور بحمد اللہ حقوق قابل ادا میں تو عمداً کبھی کوتاہی نہیں کی گئی البتہ حقوق قابل ابراء میں طلب ابراء یعنی اہل حقوق سے معافی چاہنے میں کوتاہی یقیناً رہی اور غالباً یہ ابتلا دقریب بہت عام ہے مگر اس میں عموم ابتلاء سے شرعاً رخصت نہیں ہو سکتی اس لیے واجب ہوا کہ اس فریضہ کو اہتمام کے ساتھ ادا کیا جاوے جس کے دو طریق ہیں ، ایک سب اہلِ حقوق سے فرداً فرداً خاص خطاب سے زبانی یا تحریری عرض معروض کرنا۔ دوسرے خطاب عام سے معذرت و معافی کی درخواست کرنا - اول بچند وجوہ دشواری سے خالی نہیں۔

اوّل[۱] سب اہل حقوق کا یاد نہ ہونا ۔

دوم[۲] اُن سب سے ملاقات نہ ہو سکنا ، یا اُن کا پتہ معلوم نہ ہونا

سوم[۳] ہر شخص کی ملاقات کے وقت اس کا استحضار نہ رہنا

چہارم[۴] بعض عوارض کے سبب سفر سے معذور ہو جانا ۔

پنجم[۵] ایسے اہتمام بلیغ سے ہمت کا قاصر ہونا ۔

---

[۵] تقریبی اس لیے کہا گیا کہ تحقیقی وسط میں پورے ساڑھے چھ مہینے کی کمی باقی ہے ، کیونکہ ولادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ ہے

۳۰ خامس ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ

اس لیے دوسرا طریق جو سہل تھا اختیار کر کے اس کے متعلق مضمون ذیل شائع کرتا ہوں جس کا حاصل اُن حضرات سے خطاب عام ہے جن کے حقوق مجھ سے عمداً یا خطاءً ضائع ہوئے ہیں اور اس خطاب میں ترتیب وار چند اجزاء ہوں گے اور چونکہ یہ خطاب میرے حق میں اور اس خطاب پر توجہ فرمانا مخاطبین کے حق میں شرعاً مامور بہ ہے اس لیے خطاب کے قبل چند احادیث کا ترجمہ جو اس باب سے متعلق ہیں نقل کرتا ہوں، اس کے بعد وہ خطاب مرتباً پیش کروں گا و باللہ التوفیق۔

احادیث کا ترجمہ

(اوّل) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے ذمہ کسی (مسلمان یا انسان) بھائی کا کچھ حق ہو اس کی آبرو کے متعلق یا اور کسی قسم کا وہ اس سے آج معاف کرا لے، ایسے وقت سے پہلے کہ نہ اس کے پاس دینار ہو گا نہ درہم ہو گا اگر اس کے پاس کچھ عمل صالح ہو گا تو بقدر اس کے حق کے اس سے لے کر صاحب حق کو دے دیا جاوے گا، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے فریق کے گناہ لے کر اس پر لاد دیے جاویں گے۔ روایت کیا اس کو بخاریؒ نے (مشکوٰۃ باب الظلم)

(دوم) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص تھا جو لوگوں کو ادھار چیز دے دیتا تھا اور اپنے ملازم سے کہہ دیتا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس جاؤ تو اس کو معاف کر دیا کرو شاید اللہ تعالیٰ ہم کو (اپنے حقوق) معاف فرما دے۔ جب وہ (مر کر) خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے (مشکوٰۃ باب الافلاس)

(سوم) حضرت جودان سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے معذرت کرے اور وہ اسے قبول نہ کرے اس پر ایسا گناہ ہو گا جیسا ظلم سے محصول لینے والے پر ہوتا ہے، روایت کیا اس کو ابوداؤد نے

مراسیل میں اور ابن ماجہ نے دو جید اسنادوں سے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص معذرت کرے اپنے بھائی سے اور وہ اس کو قبول نہ کرے، وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ آنے پاوے گا۔ (ترغیب ترہیب)۔

(چہارم) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منجملہ کفارہ غیبت کے یہ بھی ہے کہ تم نے جس کی غیبت کی ہے، اس کے لیے استغفار کیا کرو (یعنی) اس طرح کہے کہ اے اللہ ہماری اور اس شخص کی مغفرت فرما روایت کیا اس کو بیہقی نے دعوات کبیر میں اور کہا کہ اس کی اسناد میں کچھ ضعف ہے (جو ایسے ابواب میں مضر نہیں) (مشکوٰۃ المصابیح)۔

(پنجم) ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق کر دے۔ اس طرح سے کہ دونوں کا آمنا سامنا ہو جاوے اور یہ اس سے منہ پھیر لے اور وہ اس سے منہ پھیر لے اور ان دونوں میں وہ اچھا ہے جو پہلے سلام کرے، روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے (مشکوٰۃ باب ما ینہی عنہ من التہاجر)

اجزائے خطاب ترتیب وار۔

۱۔ حدیث اول کی بناء پر یہ احقر اذل ارذل کام کا اکتف نام کا اشرف تمام ان حضرات کی خدمت میں جن کا کوئی حق میرے ذمہ ہو خواہ وہ حق مالی ہو (جس کا احتمال ضعیف و قلیل ہے بجز ایک حق کے کہ بعض خطوط میں جواب کے لیے ٹکٹ آتے ہیں اور کاتب کا پورا پتہ نہیں ہوتا، انتظار کے بعد میں ان ٹکٹوں کو مصارف لقطہ میں صرف کر دیتا ہوں مگر نیت ہے کہ اگر ٹکٹ والے اس صرف کرنے کو جائز نہ رکھیں تو ٹکٹ مجھ سے لے لیں، حاضر کروں گا یا اس کے علاوہ کوئی اور حق ہو جو مجھ کو یاد نہ ہو اس کے ادا کرنے کے لیے بھی حاضر ہوں اور ہر حال میں یہ شرط ہے کہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جاوے) اور خواہ وہ حق غیر مالی

ہو جیسے کسی کو ناحق کچھ کہہ لیا ہو خواہ روبرو یا پس پشت اور خواہ ابتداءً ایسا ہوا یا انتقام میں حدِ مساوات سے تجاوز ہو گیا ہو یا کسی کو ناحق بدنی ایذا پہنچائی ہو (اور ایسے غیر مالی حقوق کا احتمال قوی اور کثیر ہے) ان سب اہل حقوق کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت وسماجت سے درخواست کرتا ہے کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے عوض لے لیں بشرطیکہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جاوے اور خواہ حسبۃً للہ معاف فرما دیں، میں دونوں حالتوں میں اُن کا شکر گزار ہوں گا کہ مجھ کو محاسبہ آخرت سے بری فرمایا اور معافی کی صورت میں دُعا بھی کرتا رہوں گا کہ میرے ساتھ مزید احسان فرمایا۔

۲ - اور حدیث دوم کی بناء پر بامید عفو خداوندی میں اپنے حقوق غیر مالیہ جو کسی کے ذمہ ہوں بلا استثناء سب کو معاف کرتا ہوں (اور اس قسم کا اعلان اس سے قبل بھی زمانہ تحریکات میں کر چکا ہوں) اور حقوق مالیہ میں غیر مستطیع کو اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے خاص طور پر گفتگو کرے، انشاء اللہ تعالیٰ کوئی سبیل سہل نکال دوں گا، خواہ معافی، خواہ تخفیف خواہ مہلت یا اور کچھ۔

۳ - اور حدیث سوم کی بناء پر جو حضرات باوجود میری لجاجت وسماجت کے عذر قبول نہ فرماویں اُن سے خیر خواہانہ عرض کرتا ہوں کہ معذرت کرتے پر معاف نہ کرنے کی وعید کو اپنے اوپر لینا نہایت سخت خطرناک ہے چنانچہ ظلم سے محصول لینے والے کا سا گناہ ہونا اور حوض کوثر سے محرومی کوئی معمولی بات نہیں، اللہ تعالیٰ سب کو اس وعید کا مورد بننے سے محفوظ رکھے، علاوہ اس کے آپ پر بھی تو بہت سے حقوق ہیں خلائق کے بھی خالق کے بھی اگر وہ معاف نہ کیے جاویں تو کیا حشر ہو اور خود اپنا حق معاف کر دینے سے آپ کے لیے بھی معافی کی امید ہے۔ جیسا حدیث دوم میں گزرا۔

۴ - اور حدیث چہارم کی بناء پر اس احتمال سے کہ شاید بعض حضرات نے اپنے حقوق مجھ کو معاف نہ کیے ہوں، گو وہ اس فعل سے محل وعید مذکور حدیث سوم ہو گئے ہوں، مگر میں اُن

کے لیے اپنے ساتھ استغفار ہی کرتا رہوں گا، کیوں کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں
اللہ تعالیٰ قبول فرماوے اور اس عمل کو میرے لیے کفارہ اور اہلِ حقوق کے لیے اس استغفار
کو قبول فرماوے۔

۵۔ اور حدیث پنجم کی بنا پر اپنے لیے بھی اور اپنے ظالموں کے لیے بھی اور اپنے مظلوموں کے لیے بھی مشترک مسئلہ کی تحقیق کرتا ہوں کہ کسی کی خطا معاف کر دینے پر اور عذر قبول کر لینے پر یہ لازم نہیں کہ اس سے دوستی و خصوصیت بھی رکھے بعض اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی اور بعض اوقات بعد تجربہ کے اس میں مصلحت نہیں ہوتی البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر اتفاق سے ملاقات ہو جاوے تو باہم سلام کر لیویں اور ایک کی طرف سے کوئی ضروری بات چیت ہو تو دوسرا اس کا مناسب جواب دے دے گو مختصر ہی ہو اور اگر ضرورت سے زیادہ بات چیت کا سلسلہ ہونے لگے جس سے بے تکلفی پیدا کرنے کا احتمال ہو تو نرمی سے عذر کر دے اس حدیث کے حاشیہ پر لمعات میں سیوطیؒ کے حاشیہ علی المؤطا سے ایسا ہی مضمون نقل کیا ہے بقولہ «من خاف من مکالمۃ احد وصلتہ ما یفسد علیہ دینہ ویدخل مضرۃ فی دنیاہ یجوز لہ مجانبتہ والبعد عنہ ورب هجر جمیل خیر من مخالطۃ موذیہ» - اور جس سے دین کے سبب قطع تعلق کیا ہو وہ اس حدیث سے مستثنیٰ ہے۔ حاشیہ مذکورہ میں اس کی بھی تصریح ہے۔ من قولہ المراد حرمۃ الهجران الی قولہ واما ما کان من جهۃ الدین والمذاهب فهجران اهل البدع والاهواء واجب الی وقت ظهور التوبۃ۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے واسطے اہلِ حقوق میری حیات تک تو خواہ اپنے گذشتہ[ف] اور آئندہ حقوق معاف فرما دیں خواہ شرعی طریق اور شرائط پر اس کا عوض بالمثل لے لیں اور حیات کے بعد معاف ہی فرما دیں، اسی مضمون کو مختصراً ایک رسالہ نے نظم میں عرض کرتا ہوں ؎

ف یعنی اس تحریر کے وقت سے قبل کے بھی اور بعد کے بھی اگر بعد میں صادر ہو جائیں ۱۲ منہ

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو ۔ بُری بات کہہ کر پکارا بھی ہو
وُہ آج آن کر مجھ سے لے انتقام ۔ نہ رکھے قیامت کے دن پر یہ کام
کہ خجلت بروز قیامت نہ ہو
خدا پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

وھذا کانہ ترجمۃ لخطابہ صلی اللہ علیہ وسلم العام قرب وفاتہ ونصہ قال علیہ السلام انہ قد دنا منی خفوق بین اظھرکم وانما انا بشر فانما رجل کنت اصبت من عرضہ شیئا فھذا عرضی فلیقتص وایما رجل کنت اصبت من بشرہ شیئا فھذا بشری فلیقتص وایما رجل کنت اصبت من مالہ شیئا فھذا مالی فلیاخذ واعلموا ان اولی ربکم بی رجل کان لہ من ذلک شیئ فلیاخذہ او حللنی فلقیت ربی وانا محلل لی ولا یقولن رجل انی اخاف العداوۃ والشحناء من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانھما لیستا من طبیعتی ولا من خلقی ومن غلبتہ نفس علی شیئ فلیستعن لی حتی ادعولہ۔

(ابن سعد طب عن الفضل بن عباس) کنز العمال جلد سابع الاکمال من کتاب القصاص من قسم الاقوال ص ۲۸۴۔

اب آخر میں ناظرین سے اس دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قبل سفر آخرت تمام حقوق و مظالم سے ادائً یا ابرائً سبکدوش فرمادے اور آخرت میں ہر قسم کے مواخذہ سے محفوظ فرمادے۔ و یرحم اللہ عبدا قال آمینا

کتبہ

اشرف علی بعشرین من رمضان ۱۳۴۴ھ مقام تھانہ بھون
ضلع مظفر نگر

گیارہ وصیتیں

۱ ۔ میں اپنے سب دوستوں سے استدعا کرتا ہوں کہ میرے معاصی صغیرہ و کبیرہ عمداً و خطاً کے لیے استغفار فرمائیں۔

۲ ۔ میرے بعض اخلاق سیئہ کے سبب بعض بندگانِ خدا تعالیٰ کو حاضراً و غائبانہ میری زبان و ہاتھ سے کچھ کلفتیں پہنچی ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں، خواہ اہلِ حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ میں نہایت عاجزی سے سب چھوٹے بڑوں سے استدعا کرتا ہوں کہ للہ دل سے ان کو معاف کر دیں، اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات سے درگذر فرمائینگے میں بھی ان کے لیے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں عفو و عافیت عطا فرمائیں۔ معذرت کرنے والے کی تقصیر سے درگذر کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ الخ

۳ ۔ اس جنس کی کوتاہیاں جو دوسروں سے میرے حق میں ہو گئی ہوں۔ بطیب خاطر گزشتہ اور آئندہ کے لیے محض خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کو اور اپنی خطاؤں کی معافی کی توقع پر وہ سب معاف کرتا ہوں۔

۴ ۔ میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علمِ دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے خواہ بذریعہ کتاب یا بذریعہ صحبت، بغیر اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتنِ دینیہ سے حفاظت ہو سکے۔ جن کی آج کل بے حد کثرت ہے اس میں ہرگز غفلت یا کوتاہی نہ کریں۔

۵ ۔ طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ نرے درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں۔ اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے۔ اہل اللہ کی خدمت و صحبت و نظر عنایت پر اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

۶۔ جو مدرسہ دینیہ فی الحال یہاں میرے تعلق سے جاری ہے وہ ایک خاص شان کا مدرسہ ہے۔ میرا دل یوں چاہتا ہے کہ میرے بعد بھی اس کے بقاء کی طرف توجہ رکھی جاوے اور خدا تعالیٰ اس مدرسہ کی خدمت کی جس کو توفیق دے تو وہ اس کے طرز کو جس کا ایک مہتم بالشان جزو تربیت اخلاق و اصلاح نفس ہے نہ بدلے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس میں بہت خیر و برکت کی امید ہے۔

۷۔ دینی و دنیوی مضرتوں پر نظر کر کے ان امور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں۔

۱۔ شہوت و غضب کے مقتضاء پر عمل نہ کریں۔ ۲۔ تعجیل نہایت بُری چیز ہے۔ ۳۔ بے مشورہ کوئی کام نہ کریں۔ ۴۔ غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔ ۵۔ کثرتِ کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو اور کثرت اختلاطِ خلق بلا ضرورت شدیدہ و بلا مصلحت مطلوبہ اور خصوصاً جب کہ دوستی کے درجہ تک پہنچ جاویں، پھر خصوصاً جب کہ ہر کس و ناکس کو راز دار بھی بنا لیا جاوے نہایت مضر ہے۔ ۶۔ بدون پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں۔ ۷۔ بدون سخت تقاضہ کے مقاربت نہ کریں۔ ۸۔ بدون سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔ ۹۔ فضول خرچی کے پاس نہ جائیں ۱۰۔ غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔ ۱۱۔ سخت مزاجی اور تند خوئی کی عادت نہ کریں، رفق اور ضبط اور تحمل کو اپنا شعار بنا دیں۔ ۱۲۔ زیادہ تکلف سے بہت بچیں، اقوال و احوال، طعام اور لباس میں بھی احتراز کریں۔ ۱۳۔ مقتداء کو چاہیئے کہ امراء سے نہ بدخلقی کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الامکان مقصود بناوے بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کے لئے۔ ۱۴۔ معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں۔ ۱۵۔ روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں اس میں بڑے بڑے اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔ ۱۶۔ بلا ضرورت بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت و تجویز طبیب حاذق شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں۔ ۱۷۔ زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت اور لایعنی سے احتیاط رکھیں۔ ۱۸۔ حق پرست رہیں اپنے قول پر جمود اور اصرار نہ کریں۔ ۱۹۔ تعلقات نہ

بڑھادیں۔ ۲۰۔ کسی کے دنیوی معاملہ میں دخل نہ دیں۔

۸۔ میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی تمام زندگی بھریاد کر کے ہر روز سورہ یٰسین شریف یا تین بار قل ھو اللہ شریف پڑھ کر مجھ کو بخش دیا کرے۔ مگر اور کوئی امر خلافِ سنت بدعات عوام و خواص میں سے نہ کریں۔

۹۔ حتے الامکان دنیا ومافیہا سے جی نہ لگادیں اور کسی وقت فکرِ آخرت سے غافل نہ ہوں۔ ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیامِ اجل آجائے تو کوئی فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو۔ " لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین " اور ہر وقت یہ سمجھے شاید ہمیں نفس، نفسِ واپسیں بود۔ اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہیں اور حتے الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں۔

۱۰۔ خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل واکمل اعتقاد رکھیں اور ہمیشہ خصوصاً پانچوں نماز کے بعد نہایت لجاجت و تضرع سے حسنِ خاتمہ کی دعا کیا کریں اور ایمانِ حاصل پر شکر کیا کریں کہ حسب وعدہ " لئن شکرتم لازیدنکم " اس نعمت میں اضافہ ہو۔

۱۱۔ میرے ایصالِ ثواب کے لئے بھی جمع نہ ہوں، نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام۔ اگر کسی دوسرے اتفاق سے بھی جمع ہو جاویں تو تلاوت وغیرہ کے وقت قصداً متفرق ہو جاویں اور ہر شخص منفرداً بطور خود جس کا دل چاہے دعا و صدقہ و عبادات نافلہ سے نفع پہنچائے نیز میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات کا سا معاملہ نہ کریں۔ البتہ اگر کوئی محبت سے شرعی طریق سے اس کا مالک بن کر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے مضائقہ نہیں۔ اس کا اعلان اور دوسروں کو دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جائے۔

بس یہ گیارہ وصایا ہیں جن کو احد عشر کوکباً سے بلحاظ عدد تشابہ ہے ہدایت اور عمل کے لئے انشاء اللہ تعالے کافی ووافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل بخشیں آمین ثم آمین

(اشرف السوانح)

ایک تعزیت نامہ

یہ تعزیت نامہ حضرتؒ نے اپنے ایک ہم وطن عزیز کی وفات پر ان کے صاحب زادہ ظفر احمد صاحب[1] انجینئر کو لکھا تھا جو اُس وقت لندن میں انجینئری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے چونکہ حد درجہ سبق آموز اور مفید ہے لہٰذا نفع عام کے لیے نقل کیا جا رہا ہے۔

از اشرف علی عفی عنہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم۔ کئی روز ہوئے میں مدرسہ کو آ رہا تھا، راستہ میں حافظ اعجاز کا چھوٹا بچہ مل گیا۔ میں نے چھیڑ کے طور پر اس سے کچھ کہہ دیا، وہ بولا، اللہ کرے بڑے ابا مر جاویں اس وقت میں نے غور کیا کہ اس کلمہ کا مجھ پر کیا اثر ہوا۔ سو الحمد للہ یہ محسوس ہوا کہ جیسے کوئی مسافر گھر کا آرام و آسائش چھوڑ کر کسی ضرورت سے سفر میں ہو، جہاں اس کو ہر طرح کی کلفت کا ہر وقت سامنا ہو اور کوئی شخص اس کو کہے خدا کرے تو اپنے گھر پہنچ جاوے۔

یہ کہنے والا خواہ کسی نیت سے کہے لیکن اس سننے والے پر اس کا کیا اثر ہوگا کہ اس نے مجھ کو بہت اچھی دعا دی اور اگر اس نے بد دعا کے قصد سے کہا ہوگا تو اس خوشی کے ساتھ اس کو تعجب بھی ہوگا کہ عجیب بے وقوف ہے کہ دعا کو بد دعا سمجھ رہا ہے۔ بس بحمد اللہ تعالیٰ وہی اثر اس وقت مجھ پر ہوا۔ اور میں ہنسا کہ اس نے تو اپنے نزدیک انتہا درجہ کی بد دعا تجویز کی ہوگی مگر وہ واقع میں دُعا ہے تو یہ اثر مجھ پر ہوا یہ نتیجہ کس چیز کا تھا۔ صرف بزرگوں کی صحبت سے جو عقل و دین عطا ہوا تھا ورنہ طبعًا تو ایسی دعا سب ہی کو ناگوار اور گراں گزرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دولت عقل و دین اسی لیے عطا فرمائی ہے کہ ایسے موقع پر ان دونوں کو طبیعت پر غالب رکھے۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آں عزیز کو اللہ تعالیٰ نے دین بھی دیا ہے اور عقل بھی دی ہے اور اہل اللہ کی صحبت بھی میسر آئی ہے جس سے ان دونوں حالتوں میں کافی قوت اور اضافہ ہو گیا تو اگر کوئی ایسا موقع ہو تو ضرور دین اور عقل کو طبیعت پر غالب رکھو گے، اب ایسے موقع کی اطلاع دیتا ہوں۔

---

[1] ظفر احمد تھانوی بحری انجینئر مجاز صحبت حضرت حکیم الامت رح

آں عزیز کے والد ماجد جو طویل مدت سے علیل تھے اور جن کی علالت کی اطلاع گھر سے آں عزیز کو ملتی رہی پس اس دار المشقت مسافر خانہ ملکہ پر خار دشت کو چھوڑ کر اپنے آرام گاہ وطن اصلی آخرت کو روانہ ہو گئے جس سے طبعاً آں عزیز متاثر ہوں گے اور یہ تاثیر نہ عقلاً مذموم ہے نہ شرعاً ملکہ علامت ہے محبت و ترحم کی جو کہ ہر مسلمان کے لیے ہر مسلمان پر حق ہے۔ خصوصاً جس سے زیادہ تعلقات ہوں خصوص سر پرست اور مربی کے لیے مگر ساتھ ہی یہ بھی مطلوب ہے کہ عقل و دین کو طبیعت پر غالب رکھ کر راضی برضا اور مفوض بقضا ہوں، نہ جزع فزع کریں، نہ حدود سے متجاوز ہوں، دل پر قابو حاصل کر کے مرحوم کے لیے ایصال ثواب سے مدد پہنچاویں خواہ عبادات بدنیہ، نوافل و تلاوت قرآن سے خواہ صدقہ مالیہ سے جس قدر اور جس طریق سے سہل ہو ممکن ہے کہ واقعہ قلب پر زیادہ اثر نہ کرے مگر ان کی فکر نجات طبیعت کو مشوش کرے سو اس کے متعلق یہ بھی واقعہ ہے کہ مرحوم اگرچہ اعمال میں آزاد تھے لیکن عقائد و جذبات و ملکات اور سب کو نفع رسانی خصوصاً اہل دین کی عظمت و احترام کی رعایت اور ترحم و ہمدردی وغیرہ وغیرہ یہ ایسے امور ان میں تھے جو حق تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے والے ہیں پھر بیماری کی تکالیف بھی بروئے حدیث گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں اور اس سب سے قطع نظر ثواب بخشنے سے وہی نفع ہو سکتا ہے جو اعمال سے ہوتا ہے سو یہ زندوں کے ہاتھ میں ہے۔

غرض صبر جمیل سے کام لیں اور صبر ہی کا تتمہ یہ بھی ہے کہ محض اس واقعہ سے متاثر ہو کر اپنا نظام عمل نہ بدلیں کہ اپنا نقصان کرنے سے ان کو یا کسی کو نفع نہیں پہنچ سکتا تو ایسے فعل عبث سے کیا فائدہ۔ بس اپنا کام پورا کر کے وہاں سے آویں جیسا پہلے سے تجویز کر رکھا ہے۔ اب دعا پر ختم کرتا ہوں۔

دعا گو

اشرف علی از تھانہ بھون

۶ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

در جواب خط [illegible]

عزیز من مہدی السلام علیکم - کئی روز ہوئے میں مدرسہ کو جا رہا تھا
راستہ میں منظور علی رہا ہو کر آیا تھا - میں نے جب اسکا حال
پوچھا اور اسکو کچھ کہا - سو بولا الحمد اللہ کہ تیری دعا سے رہا ہوں
اور جو وقت میں نے غور کیا کہ کس طرح کا مضمون کہا اثر ہوا سو
جو معنے یہ سمجھو کہ جب کوئی مسافر گھر کا [illegible] دیکھ کر
چھوڑ کر کسی دور دراز ملک سفر میں ہو جاوے اور اسکے ملنے کی
کیفیت کا ہر وقت منتظر ہو اور کوئی شخص اسکو کہے
خدا کرے تو اپنے گھر پہنچ جاوے - یہ کہنے والا خود کسی
منت سے کچھ لیکن اس شخص کے دل پر اسکا کیا اثر ہوگا -
ظاہر ہے کہ اوسکو خوشی ہوگی کہ اسنے مجکو سب اپنی دعا میں
شامل کیا اگر اوسنے جو دعا کا فقرہ کہا ہے تو اسکی خوشی کا باعث اسکو
تعجب نہیں ہوگا [illegible] محبت ہوتی ہے کہ دعا کو جو دعا [illegible]

پس بحمد اللہ کہ دعا کا اثر ہر وقت ظاہر ہوا اور میں سمجھا
کہ اسنے تو اپنی نزدیک رشتہ داری کی بنا پر دعا کو ترجیح دی ہوگی
مگر وہ واقعے میں دعا ہی تو ہے اثر ہو جیسا ہو یہ نتیجہ
کس چیز کا تھا صرف بزرگوں کی صحبت سے جو عقل
و دین کا فائدہ تھا صرف اسکا اثر تھا ورنہ طبعاً تو اس
دعا سے تھا ناگوار اور اگر اس میں بھی اللہ اللہ نے
دولت عقل و دین اسکی تھی وہ عنایت کی ہے کہ ایسے مرحلوں میں
ان دونوں کو طبیعت پر غالب رکھے - خدا جانے کہ انفس
کو آخر تک اسکا تھی بھی دیا عقل بھی دی اور اہل اللہ کی
صحبت بھی بخشی جس سے اور ان کا اون مردوں میں ملا فی وہ
اور لطافت ہو گیا تو اگر کوئی ایسا موقع ہو تو ضرور اپنی دین
و عقل کو طبیعت پر غالب رکھو اس سے تم کا [illegible]

کہ آنحضرت [illegible] سے [illegible] اور [illegible] کی
اطلاع [illegible] سے اثر [illegible] رہی اس [illegible]
بلکہ پیر [illegible] کو [illegible]
کو [illegible] ہو گئے جس سے [illegible] متاثر [illegible]
نہ عقلاً [illegible] تھا بلکہ [illegible]
[illegible] مسلمان [illegible] پر [illegible] خصوصیت سے زیادہ
[illegible] خصوصی [illegible]
مطلوب ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] عبادت [illegible] قدرت [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
لیکن [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] نظام [illegible]
[illegible]

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے سانحۂ ارتحال پر سید سلیمان ندویؒ نے اپنے
حسب ذیل تاثرات کا اظہار ۸ رشعبان ۱۳۶۲ھ کو فرمایا جو رسالہ معارف
نمبر ۲ جلد ۵۲ ۔ اگست ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئے

موت العالِم موت العالَم

محفل دوشین کا وہ چراغِ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا بالآخر ۸۲ سال ۳ ماہ ۱۰ روز جل کر ۱۵ ررجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کے لیے بجھ گیا ؂

داغ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی حکیم الامت مجدد الملت وطریقت شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرض ضعف و اسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹ ر اور ۲۰ ر جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب کو ۰ا بجے نماز عشاء کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا اور اپنے لاکھوں معتقدوں اور مریدوں اور مستفیدوں کو غمگین و مہجور چھوڑا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ ۔ مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ کی نسبتیں یکجا تھیں جس کا سینہ چشتی ذوق و عشق اور مجددی سکون و محبت کا مجمع البحرین تھا جس کی زبان شریعت و طریقت کی وحدت کی ترجمان تھی جس کے قلم نے فقہ و تصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا اور جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ہدایت سے ایک عالم کو مستفید کر رکھا تھا اور جس نے اپنی تحریر و تقریر سے حقائق ایمانی و دقائق فہمی ،

اسرار احسانی اور رموز حکمت ربّانی کو برملا فاش کیا تھا اور اسی لیے دنیا نے اس کو حکیم الامت کہہ کر پکارا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرف زمانہ کے لئے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔

تصانیف

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور رسائل کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے اور کُل کی تحقیقات علمیہ، حقائقِ دینیہ اور نکاتِ احسانیہ سے لبریز ہیں، ان میں تفسیر بیان القرآن، شرح مثنوی، فتاویٰ امدادیہ، التشرف الی التصوف اور بہشتی زیور وغیرہ کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ ملفوظات اور مواعظ و خطبات کی تعداد سیکڑوں کی حد تک ہے، ان تصانیف میں قرآن پاک کی مشکل آیات کریمہ کی تفسیر، احادیث شریف کی شرح، فقہ کے مشکل مسائل کا جواب، سلوک و طریقت کے نکتے، اخلاقی فضائل و رذائل کی حکیمانہ تحقیق اور ان کے حصول اور ازالہ کی تدابیر اور زمانہ حال کے شکوک و شبہات کے جوابات سب کچھ ہیں۔ تصانیف میں متفرق علوم و مسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سے کسی ایک موضوع کے مباحث کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو ایک ایک مستقل کتاب بن جائے۔ چنانچہ حضرتؒ کے تربیت یافتوں نے اس قسم کے بیسیوں مجموعے تیار کیے ہیں۔ سب سے اخیر میں اس قسم کا مجموعہ بوادر النوادر کے نام سے ایک ہزار صفحوں میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ خطوط کے جوابات کا جن کے متعلق وفات کے دن تک اہتمام یہ رہا کہ آج کے خط کا جواب کل کے لیے اٹھا نہ رکھا جائے، عظیم الشان دفتر الگ ہے۔ تصنیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہلِ نظر کو یہ معلوم ہوگا کہ گویا مصنف کے سارے مسائل و مواد یکجا ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اس کو اس میں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے۔ حضرت رح کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے کہ قلم ہر ایک احتیاط اور رعایت کر کے اور غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے۔ حضرتؒ کا ترجمہ قرآن پاک سہولت بیان اور وضوح مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے۔

بہشتی زیور کہنے کو تو عورتوں کی کتاب ہے مگر فقہ حنفی کی ضروریات کے لیے انتہائی احتیاط و کاوش کا نتیجہ ہے. تفسیر بیان القرآن کو یوں سمجھنا چاہیے کہ روح المعانی اور تفسیر ماسبق کی اُردو میں حد درجہ محتاطانہ ترجمان ہے. سلوک و طریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے حضرتؒ کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں عامیانہ تصوف کی حقیقت جوگ سے مل گئی تھی اس کو زوائد و حواشی سے صاف کر کے قدما اور سلف صالحین کے رنگ پر لے آئے.

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد و ورع، کمال اتباع شرع، کمال اتباع سنت کے ساتھ تھی، اس زمانے میں نمونے کے لیے پیدا کیا، وہ آئی اور ساٹھ برس کے مجاہدہ کا نمونہ دکھا کر واپس ہوگئی، رحمۃ اللہ تعالیٰ وادخلہ اعلیٰ علیین وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامیین و آلہ واصحابہ اجمعین و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ط

٭٭٭٭٭٭

ضمیمہ

تصنیفات و خطبات

(ماخوذ از سیرت اشرف مؤلفہ منشی عبدالرحمٰن خان صاحب چھلیک، ملتان)

امداد الٰہی

حضرت تھانوی رح کے تصنیفی کام پر بخوبی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اب ان کی تصنیفات و تالیفات اور خطبات و ملفوظات کی تفصیل پیش خدمت کی جاتی ہے۔ جو بظاہر ایک انسان کا نہیں بلکہ ایک بہت بڑے ادارہ یا اکاڈمی کا کام نظر آتا ہے اور جس کی طویل فہرست آپ کے لیے موجب حیرت ہو گی جیسا کہ خود صاحب سیرت کے لئے موجب حیرت ثابت ہوئی۔ ایک مرتبہ ایک خادم نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کا اتنی عمر میں اتنی کتابیں تصنیف کرنا تعجب معلوم ہوتا ہے، فرمایا:

"تالیف و تصنیف کے بعد اب میں بھی تعجب کرتا ہوں کہ مجھ سے اتنا کام کیسے ہو گیا اور تعجب کی ایک بات اور ہے کہ بعض اوقات بعض مضامین میرے لکھے ہوئے میری ہی سمجھ میں نہیں آتے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ ایک جنگ میں ایک کافر پہلوان نے آکر للکارا کہ کہاں ہیں ابو عبیدہ؟ میرے مقابلہ میں آئیں! آپ نے جانے کا قصد کیا، تو لوگوں نے کہا ہم حاضر ہیں۔ آپ اس دیو کے مقابلہ کو کیوں جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے مجھ کو غیرت آتی ہے، کیونکہ اس نے میرا ہی نام پکارا ہے۔ چنانچہ تشریف لے گئے، مقابلہ ہوا دونوں جانب سے وار ہوئے۔ دفعۃً دیکھا کہ اس کا سر کٹا ہوا علیحدہ

پڑا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ فرمانے لگے کہ حیرت ہے یہ کیسے ہوا، عقل کام نہیں کرتی۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کہ یہ تو سب اللہ تعالیٰ کی امداد ہے، بجز اس کی عنایت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور صاحب نے حضرت کی تالیفات کی کثرت پر مدح و تعریف کی تو فرمایا کہ:

"جو کچھ کام ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی امداد و توفیق سے ہوا ہے جس سے چاہا اپنا کام لے لیا اس میں بندے کی کیا تعریف ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی منشی نے ایک بچے کے ہاتھ میں قلم دے کر اور اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ لے کر خوشخط لکھ دیا۔ اب بچہ خوش ہو رہا ہے کہ میں نے لکھا ہے حالانکہ وہ منشی جی نے لکھا ہے۔" (تالیفات اشرفیہ ص ۶)

اسباب کثرت تالیفات

کثرت تالیفات کی دوسری وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ:

"میرے مزاج میں حرارت ہے اس حرارت ہی کی وجہ سے اتنی حدت بھی ہے، اگر دوسرے کا مزاج اتنا گرم ہو تو وہ اتنا ضبط نہ کر سکے میں بہت ضبط کرتا ہوں اور اسی حرارت مزاج کا یہ بھی اثر ہے کہ اتنے تھوڑے سے زمانہ میں بحمد اللہ اتنی تصانیف ہو گئیں، ٹھنڈے مزاج والے سے اتنی تصانیف تھوڑا ہی ہو سکتی ہیں۔"

مزید فرمایا:

"اس میں حضرت حاجی صاحبؒ کی دعا کا بھی اثر ہے۔ مکہ معظمہ میں حضرت مرشد علیہ الرحمۃ کے حکم سے "تنویر" کا ترجمہ لکھا کرتا تھا اور حضرت کو سنا بھی دیتا

تھا۔ ایک بار حسب معمول سنایا تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ کتنی دیر میں لکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اتنے وقت میں فرمایا اتنے سے وقت میں تو کوئی بھی اتنا مضمون نہیں لکھ سکتا اور بہت دعائیں دیں۔ میں نے ابھی (۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء تک کی) اپنی تصانیف کا شمار کیا تو پانسو انتیس ہوئی ہیں۔ ان کو اس طرح شمار نہیں کیا کہ مثلاً تفسیر کی بارہ جلدیں ہیں تو بارہ ہی شمار کر لی گئی ہوں بلکہ اس کو ایک ہی شمار کیا گیا ہے۔ ایک کتاب اور لکھ رہا ہوں، انشاء اللہ ۵۳۰ ہو جائیں گی"۔

جدولِ مضامین

۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء کے بعد کی تصنیفات و تالیفات اور خطبات (القول الجلیل) ملفوظات اور کتب الغنا کل کی تعداد نو سو سے زائد ہو جاتی ہے۔ اتنی کتب کے مضامین کا یاد رکھنا کہ کون سا مضمون کس کتاب میں ہے بڑا مشکل تھا اور فوری حوالہ دینے کی جب ضرورت ہوتی تو تلاش میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس مشکل کے حل کی آپ نے ایک عجیب ترکیب نکالی جس کی تفصیل آپ کے اس بیان میں ملتی ہے فرمایا کہ:

"میرا حافظہ ضعیف ہے اپنا بعض ضروری مضمون تلاش کرتا ہوں کہ کس جگہ اور کس کتاب میں ہے تو نہیں ملتا اس لیے میں نے سب کتابوں کو دیکھ کر بطور یادداشت کے ایک جدول بنائی ہے تاکہ اس کو دیکھ کر کتاب میں نکال لوں جو جدول جدید مضامین کی ہے اس کا نام "غرائب الرغائب" ہے یہ مطبوع بھی ہے اور دوسری جدول جو قدیم مضامین کی ہے اس کا نام "الکلم الالتہ علی الحکم الضالتہ" ہے گر انہیں مضامین کو ایک جگہ جمع کرتا تو محنت ہوتی اور خرچ بھی پڑتا۔ اب کوڑیوں میں کام نکل گیا، بلکہ

کوڑی بھی صرف نہیں ہوئی

اہمیت و افادیت

تصنیف و تالیف کوئی آسان کام نہیں ہے اور امور دین و اسلام کے متعلق کتب لکھنا تو اور بھی مشکل کام ہے کیونکہ اس سلسلہ میں خفیف سی لغزش کوتاہی اور تسامح کے نتائج بہت ہی مضرت رساں نکلتے ہیں۔

کسی کتاب کی تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں مصنف یا مؤلف کو جن جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس کا قارئین کرام کو قطعاً اندازہ نہیں ہو سکتا اتنی کثیر کتب کے مصنف کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ اس کا اندازہ صرف "حیات المسلمین" کی تفصیل سے لگایا جا سکتا ہے، حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ:

"یہ کتاب ان اعمال کی فہرست ہے کہ جن سے یقینی طور پر دنیا کی بھی فلاح حاصل ہوگی اور دین کی بھی میں نے اس کو بہت سوچ سوچ کر لکھا ہے، اس کے لکھنے میں مجھ کو تعب ہوا ہے میں اول اس کے مضامین لکھتا تھا پھر ان کو سہل کرتا تھا۔ اس کے بعد دیکھتا تھا، اگر کم سہل ہوئے تو پھر دوبارہ سہل کرتا تھا اور ہر ماہ میں اس کے دو دو ورق لکھتا تھا اور وہ دو دو ورق بھی بعض مرتبہ کئی کئی بار کے مسودے میں لکھے جاتے تھے لوگ اس کو اردو میں دیکھ کر بے وقعت سمجھتے ہیں۔ اس کی قدر ان علماء کو ہو سکتی ہے جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ کون سا اشکال کہاں پر کس ذرا سے لفظ سے حل ہو گیا ہے۔"

گو حضرت کی کتابیں بے شمار ہیں اور ہر موضوع پر ہیں مگر انسان خلوص کے ساتھ کسی ایک کتاب پر بھی عمل کر لے تو دینی اور دنیوی صلاح و فلاح یقینی ہے۔ چنانچہ حضرت فرماتے تھے کہ:

"اگر مناسبت ہوجائے تو انہیں کتابوں کو لے کر بیٹھ جا دے عمر بھر کے لئے رہبری کے واسطے کافی ہیں مثلاً "قصد السبیل" "تعلیم الدین" "تربیت السالک" وغیرہ"　(ملفوظ مورخہ ۲۸ رشوال ۱۳۴۴ھ)

اسی طرح "حیات المسلمین" کے متعلق فرمایا کہ:

"مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں ہے کہ یہ میرا سرمایۂ نجات ہے البتہ "حیات المسلمین" کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر ہے کہ اس سے میری نجات ہوجائے گی۔ اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں"　(تالیفاتِ اشرفیہ ص ۴)

مواعظ کے متعلق فرمایا کہ:

"لوگ مواعظ نہیں دیکھتے۔ حالانکہ ان میں سب کچھ ہے۔ گو وہ چھپے ہوئے ہیں مگر چھپے ہوئے ہیں۔ ان میں وہی باتیں ہیں جو علماء و صلحاء کی کتابوں میں ہیں کوئی جدید بات نہیں ہے صرف زمانہ کا لحاظ ہے جو شیخ الرئیس کے نسخے ہیں وہ بعینہٖ حکیم محمود خاں صاحب کے زمانہ میں کام نہیں آتے۔ وہاں قدح بھر دوائیں ہوتی تھیں یہاں مختصر سے کام لیا جانے لگا"　(ملفوظ مورخہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ)

تردید و تنقید

حضرت کی تحریروں میں دوسرے فرقوں کا براہ راست رد نہ ملے گا، جیسا کہ آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ:

"میں نے قصداً کسی کا رد نہیں لکھا نہ اہل تشیع، نہ قادیانی، نہ غیر مقلدین، نہ اہل بدعت کا۔ البتہ جس کسی نے کسی کے متعلق سوال کیا، اس کا جواب لکھ دیا اور مجھ کو یاد نہیں رہتا کہ کس کے متعلق کیا لکھا ہے"　(ملفوظ مورخہ ۲۲ صفر ۱۳۵۲ھ)

آپ نے اپنی کسی کتاب پر تقریظ نہیں لکھوائی کیونکہ آپ فرماتے تھے کہ:
"میں نے اپنی تالیف پر کسی سے تقریظ لکھوانے کی کوشش نہیں کی تحریر موجود ہے۔ دیکھ لو، تقریظ کی کیا ضرورت ہے"

موضوع تصنیف

حضرت تھانویؒ نے مختلف موضوعات پر حسب ذیل کتابیں لکھیں:

۱۔ علم القرآن

(۱) ترجمہ قرآن (۲) تفسیر بیان القرآن در ۱۲ جلد (۳) جمال القرآن (۴) تجوید القرآن (۵) آداب القرآن (۶) یادگار حق القرآن (۷) متشابہات القرآن (۸) ظہور القرآن (۹) اصلاح ترجمہ دہلویہ (۱۰) اصلاح ترجمہ حیرت (۱۱) التواجہ بما یتعلق بالتشابہ (۱۲) سبق الغایات فی نسق الآیات (۱۳) رفع الخلاف فی حکم الاوقاف (۱۴) تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبادات (۱۵) وجوہ المثانی (عربی) (۱۶) زیادات علی کتب الروایات (۱۷) ذنابات لما فی الزیادات (۱۸) تنشیط الطبع فی اجراء السبع (۱۹) تقریر بعض البنات (۲۰) دفع البناء فی نفع السماء (۲۱) احسن الاثاث فی النظر الثانی (۲۲) التقصیر فی التفسیر (۲۳) الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان (۲۴) تمہید الفرش فی تحدید العرش (۲۵) تبصیر الزجاج۔

۲۔ علم الحدیث

(۱) جامع الآثار (۲) تابع الآثار (۳) حفظ اربعین (۴) المسک الذکی (۵) الثواب الجلی (۶) اطفاء الفتن (۷) موخرۃ الظنون (۸) الادراک والتوصل الی حقیقۃ الاشراک والتوسل۔

۳۔ عقائد

(۱) اکسیر فی اثبات التقدیر (۲) فروع الایمان (۳) حفظ الایمان (۴) بسط البنان

(۵) تغییر العنون فی بعض عبارات حفظ الایمان (۶) احکام التجلی (۷) ظہور العدم بنور القدم (۸) طلوع البدر فی سطوح القدر (۹) شق الجیب عن حق الغیب (۱۰) نموذج لبعض معتقدات ابن العوج (۱۱) نافع الاشارہ الی منافع الاستخارہ (۱۲) جزاء الاعمال (۱۳) احکام الایقان

۴۔ عبادات

(۱) القول البدیع (۲) زکوٰۃ الفرض (۳) سراج الزیت (۴) الساعات للطاعات (۵) تعلیم الدین (۶) حیات المسلمین (۷) باب الریان (۸) بیت الدیان (۹) عیش الجیان (۱۰) الخطب الماثورہ (۱۱) خطبات الاحکام (۱۲) کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم۔

۵۔ تصوّف

(۱) دخول وخروج بر نزول وعروج (۲) قصد السبیل (۳) تعلیم المطالب، (۴) رفع الشکوک (۵) مسائل السلوک (۶) التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف چہار حصے (۷) تکمیل التصرف (۸) ملخص الانوار والتجلی (۹) مسائل مثنوی (۱۰) حقیقت الطریقت (۱۱) النکت الدقیقہ (۱۲) التکشف عن مہمات التصوف (۱۳) تائید الحقیقۃ (۱۴) انوار الوجود فی اطوار الشہود (عربی) (۱۵) التجلی العظیم فی احسن التقویم (۱۶) حق سماع (۱۷) کلید مثنوی ۸ جلد (۱۸) عرفان حافظ (۱۹) معارف العوارف دو حصے (۲۰) مغارف المعارف (۲۱) الابتلاء لاہل الاصطفاء (۲۲) تربیت السالک (۲۳) الجلاء والشوف فی الرضا والخوف (۲۴) ارضی الاقوال (۲۵) انوار النظر فی آثار الظفر (۲۶) الیم فی السقم (۲۷) الظلم فی السم (۲۸) رفع الضیق عن اہل الطریق (۲۹) البصائر فی الدوائر (۳۰) الرفیق فی سواء الطریق دو حصہ (۳۱) شمس الفضائل لطمس الرذائل (۳۲) لامع علامات الاولیاء (۳۳) التحریض علی صالح التعریض،

(۳۴) الارشاد الی مسئلۃ الاستعداد (۳۵) شجرۃ المراد (۳۶) المحصحصہ فی حکم الوسوسہ (۳۷) الاعتدال فی متابعۃ الرجال (۳۸) القول الفصل فی بعض آثار الوصل (۳۹) تمیز العشق من الفسق (۴۰) مثنوی زیروبم (۴۱) رونمائے مثنوی (۴۲) حسن العلاج لسوء المزاج (۴۳) اصلاح المزاج۔

۶۔ منطق

(۱) تلخیص المرقات (۲) تلخیص الشریفیہ (۳) تسہیل المعانی (۴) تلخیص المنار (۵) المدار (۶) درایۃ العصمۃ (۷) تلخیص ہدایۃ الحکمۃ (۸) تلخیص البدایہ (۹) تذییل شرح عقائد (۱۰) عشرہ طروس (یہ سب عربی میں ہیں) (۱۱) تیسیر المنطق

۷۔ علم الکلام

(۱) اقامۃ الطامہ علی زاعم (۲) الانتباہات المفیدہ (۳) تعلیم الدین مع تکمیل الیقین (۴) المصالح العقلیہ ۳ جلد (۵) الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح (۶) قائد قادیان (۷) القول الفاصل (۸) التادیب لمن لیس لہ (۹) التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی (۱۰) ارسال العبود الی ارسال الہنود (۱۱) تقطیف الثمرات فی تخفیف السطرات (۱۲) الفتوح فیما یتعلق الروح (۱۳) الحق (۱۴) تقدیس القدسی عن تدلیس اللہبی (۱۵) نہایت الادراک فی اقسام اشراک (۱۶) عمارۃ العالم بطہارۃ الآدم (۱۷) بلوغ الغایۃ فی تحقیق خاتم الولایۃ (۱۸) حفظ الحدود لحقوق الجدود (۱۹) التنعیم فی الجحیم (۲۰) رفع الرحمۃ من وسع الرحمۃ (۲۱) الکلمۃ التامہ فی النبوۃ العامہ (۲۲) تدویر الفلک فی تطہیر الملک (۲۳) القول الانفع فی تحقیق امکان الابدع (۲۴) نعم العون فی تحقیق توبۂ فرعون (۱۱ سے ۲۴ تک سب عربی میں ہیں) (۲۵) القطر المشید المعصر الجدید۔

۸۔ اصلاحیات

تصحیح العلم فی تقبیح القلم (۲) تحقیق تعلیم انگریزی (۳) التحقیق الفرید فی حکم آلۃ التقریب الصوت البعید (لاؤڈ سپیکر) (۴) تفصیل الکلام فی حکم تقبیل الاقدام (۵) اصلاح المعتوہ فی تعریف الحرام والمکروہ

(۶) اصلاح الرسوم (۷) اصلاح الخیال (۸) اصلاح انقلاب دو حصہ (۹) آداب المعاشرت (۱۰) آداب الاخبار (۱۱) اخبار بینی (۱۲) افکار دینی (۱۳) فیصلہ ہفت مسئلہ (۱۴) نصیحت نامہ بجواب وصیت نامہ (۱۵) علاج الخیال سجادہ نشینی (۱۶) شذرات الحکم (۱۷) المواہب (۱۸) اغلاط العوام (۹) تسہیل الطریق۔

۹۔ سیاسیات

(۱) الروضۃ المناظرہ (۲) حکایات الشکایات (۳) الصحف المنشورہ فی فضائل الماثر انگورہ (۴) معاملۃ المسلمین (۵) صیانۃ المسلمین (۶) ضم شاردۃ الابل فی ذم شاردۃ الابل (۷) المحفوظ الکبیر للحافظ الصغیر (۸) احقر کے مسلک کی شرح (۹) احکام ابتلاف (۱۰) فتنہ دیوبند (۱۱) تلبیس العزائمک فی تصبحیں لسٹرائمک (ہڑتال) (۱۲) الشکر والدعا النصر و بالنصر یوم اللقاء۔

۱۰۔ معاملات

(۱) صفائی معاملات (۲) الحق الصراح فی تحقیق اجرت النکاح (۳) التوریع عن فساد التوریح (چندہ) (۴) رافع الفتک عن منافع البنک (سود بنک) (۵) کشف الغشوۃ عن وجہ الرشوۃ (رشوت) (۶) تحذیر الاخوان عن الربوا (سود) (۷) جلائل الانبار (۸) آداب المعاشرت (۹) رد التواحد فی طلاق ذات التعدد (۱۰) الخطوب المذہبہ للقلوب المنیبہ (۱۱) تحقیق التشبہ باہل السفاح لمن لا یرید اداء المہر فی النکاح (۱۲) تعدیل اہل الدہر فی درجۃ تقابل المہر (۱۳) الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد

۱۱۔ تذکار

(۱) نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب (یہ اب حبیب خدا کے نام سے شائع ہوئی ہے (۲) شم الطیب (۳) یاد یاراں (ذکر محمود) (۴) خوان خلیل (۵) الترتیب اللطیف فی قصۃ الکلیم و الحنیف (۶) سیدنا یوسف ؑ (۷) تعلیم الطالب شجرہ طیبہ چشتیہ عالیہ (۸) السنۃ الجلیلہ

فی الچشتیہ العلیہ (۱۰) یادگار دربار پرانوار حضرت خواجہ اجمیریؒ (۱۱) حکایات موعظت (۱۲) انوار المحسنین (۱۳) حسن التطہیم لمقولہ سیدنا ابراہیمؑ (۱۴) تحسین دار العلوم تزئین انوار النجوم (۱۵) شریف الدرایات۔

۱۲۔ اذکار

(۱) خیر الدلالہ (۲) القول الصحیح فی تحقیق دوازدہ تسبیح (۳) اوراد رحمانی (۴) الاستبصار فی فضل الاستغفار (۵) قربات عند اللہ وصلوٰۃ الرسول (۶) تتمہ قربات عند اللہ (۷) طریقہ مولد شریف (۸) زاد السعید فی صلوات علی النبیؐ (۹) امواج طلب، (۱۰) مناجاۃ مقبول ترجمہ قربات۔

۱۳۔ فتاویٰ

(۱) امداد الفتاویٰ جلدین اولین (۲) امداد الفتاویٰ جلدین آخرین (۳) تتمہ اولیٰ و ثانیہ امداد الفتاویٰ (۴) تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ (۵) تتمہ اربعہ امداد الفتاویٰ (۶) امداد الفتاویٰ تتمہ (۷) حوادث الفتاویٰ تتمہ (۸) فتاویٰ اشرفیہ اول (۹) فتاویٰ اشرفیہ دوم (۱۰) فتاویٰ اشرفیہ سوم (۱۱) تتمہ خامسہ امداد الفتاویٰ (۱۲) اکمل الادیان فی اسہل اللسان (۱۳) الفصل المحرم فی فصل المحرم (۱۴) مسائل اہل الخطر (۱۵) القول الدلی (۱۶) اعداد الجنۃ۔

۱۴۔ اسلامیات

(۱) درجۃ الحسام من اشاعت الاسلام (۲) حقوق الاسلام (۳) حقوق العلم (۴) ارشاد الہائم فی حقوق البہائم (۵) شہادۃ الاقوام (۶) آداب المساجد (۷) تنویر السراج (۸) تعدیل حقوق الوالدین (۹) شوق وطن (۱۰) تنبیہات وصیت (۱۱) ظل صفہ (۱۲) العذر والنذر (۱۳) الاستحضار للاحتضار (۱۴) وصل السبب فی فصل النسب (۱۵) بیان الوفود فی اعوان ابن مسعود (۱۶) اخبار اہل المجد عن آثار اہل النجد (۱۷) بہشتی گوہر

(۱۸) بوادر النوادر (۱۹) الانسداد لفتنۃ الارتداد

۱۵۔ نسائیات

(۱) بہشتی زیور دس حصے (۲) بہشتی جوہر (۳) اصلاح النساء (۴) رفع الارتیاب عن مسئلہ ثبوت الانساب (۵) کسوۃ النسوۃ (۶) ثبات الستور (۷) القاء السکینہ، (۸) الحیلۃ الناجزہ (۹) القول الصواب فی مسئلۃ الحجاب (۱۰) کثرت الازواج۔

۱۶۔ عملیات

(۱) التقی فی احکام الرقی (۲) اعمال قرآنی (۳) خواص فرقانی (۴) آثار زبیانی

۱۷۔ متفرقات

(۱) اسکات المنکر لآفات المسکر (۲) تعدیل التقویم (۳) ترجیح الراجح (۴) کرامات امدادیہ (۵) امداد المشتاق (۶) سواد خوبی (۷) الطرائف والظرائف (۸) زوال السنہ فی اعمال السنہ (۹) نیل الشفا بنعل المصطفیٰ (۱۰) نصح الاخوان فی حروف الزمان، (۱۱) القول الاحکم (۱۲) الحکم الحقانی (۱۳) صدق الرویا (۱۴) الشراب لسراب (۱۵) بناء القبہ (۱۶) خاتمہ بالخیر (۱۷) تشنیف الاسماع (۱۸) لوح الالواح (۱۹) عبور البراری (۲۰) النخب من الخطب (۲۱) الکلم الدالہ (۲۲) موائد العوائد (۲۳) غرائب الرغائب (۲۴) الرق المنشور (۲۵) جمع الصکوک فی قمع الشکوک (۲۶) چار رجہ سے بہشت ۱، ۲، (۲۷) تحصین دار العلوم (۲۸) الکلم الطیب (۲۹) جزل الکلام فی عزل الامام (۳۰) سبعہ سیارہ (۳۱) تفسیری بشرح کلام نظیری (۳۲) ثقایات الصیب (۳۳) مائۃ دروس (۳۴) الطائف للطائف (۳۵) اماثل الاقوال لافاضل الرجال (۳۶) رفع الاغلاط (۳۷) تفصیل محمودیت (۳۸) الشوارق فی الخوارق۔

مکتوبات

(۱) خطاب الندوہ (۲) خطوط خوبی (۳) المعلومات الارشادیہ (۴) مکتوبات امدادیہ

(۵) ضیاء الافہام (۶) مکتوب محبوب القلوب (۷) مکتوبات خیرت

ملفوظات

(۱) کمالات امدادیہ (۲) المتن الامدادی (۳) حسن العزیز چہار حصہ (۴) مقالات حسنہ (۴) مقالات حکمت (۵) مجادلات معدلت (۶) مزید المجید (۷) مجالس الحکمت (۸) مقالات حسنہ (۹) الطاعون (۱۰) القول الجلیل (۱۱) السلسبیل لعابری السبیل (۱۲) القطائف من اللطائف (۱۳) ملفوظات خیرت (۱۴) ملحوظات (۱۵) مخطوطات (۱۶) جدید ملفوظات (۱۷) ریاض الفوائد (۱۸) حکم الحکیم (۱۹) ارشاد الرشید (۲۰) الافاضات الیومیہ (۲۱) ادب الاعتدال (۲۲) ادب الطریق (۲۳) ادب الترک (۲۴) ادب العشیر (۲۵) ادب الاسلام (۲۶) ادب الاعلام (۲۷) ملفوظات بقلم حافظ صغیر احمد (۲۸) خیر الحضور فی الکانپور (۲۹) خیر العبور فی سفر گورکھپور (۳۰) خیر الحدود (۳۱) سفرنامہ پانی پت (۳۲) ذم الخلائق (۳۳) الصناعات فی العبادات (۳۴) المفتاح المعنوی (۳۵) فیوض الخالق (۳۶) نیل المراد (۳۷) سفرنامہ دیوبند (۳۸) سفرنامہ کوٹہ (۳۹) فضل العزیز (۴۰) رحمۃ العزیز دو جلد (۴۱) بصر الناظر (۴۲) ناظر الباطہ (۴۳) انوار الحقائق (۴۴) وصیۃ الوصی (۴۵) حسن یوسف دو حصہ (۴۶) بزم جمشید (۴۷) فرائد الفوائد (۴۸) علو النازل (۴۹) نظر عنایت (۵۰) جبر الکسیر (۵۱) رحمت اعظم (۵۲) اسعاد الاسعد (۵۳) خیر الافتیال فی خیر الاختیار (۵۴) سفرنامہ گنگوہ (۵۵) کلمۃ الحق دو جلد (۵۶) سنۃ المعصوم (۵۷) اسعاد الطالبین (۵۸) تصحیح الخیال (۵۹) کلام الحسن (۶۰) ارمغان عید (۶۱) دنیا کی پستی اور دین کی مستی (۶۲) سرمایہ ہستی۔

تفصیل المواعظ

حضرت تھانویؒ کے جو مواعظ ضبط تحریر میں لائے گئے ان کی موضوع وار تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ **اتباع و انقیاد** (۱) حیات طیبہ (۲) طاعت الاحکام (۳) حق الاطاعۃ (۴) الغالب للطالب

(۵) سبیل السعید (۶) الرحیل الی الخلیل (۷) اتباع المنیب (۸) الشریعۃ (۹) سلوۃ الحزین (۱۰) سنت ابراہیم (۱۱) الاتباع (۱۲) اعانۃ للتقویٰ (۱۳) التقویٰ (۱۴) طریق القرب (۱۵) العزت (۱۶) شرائط الطاعت ۔

۲ ۔ اخلاص وایمان

(۱۷) الاخلاص حصہ اول (۱۸) الاخلاص حصہ دوم (۱۹) شرط الایمان (۲۰) شعب الایمان

۳ ۔ اتحاد واخوت

(۲۱) الاتفاق (۲۲) الاعتصام بحبل اللہ (۲۳) اصلاح ذات البین (۲۴) الاخوۃ

۴ ۔ استغفار

(۲۵) ضرورۃ التوبہ (۲۶) تفصیل التوبہ (۲۷) الاستغفار (۲۸) استمرار التوبہ ، (۲۹) الہدیٰ والمغفرۃ (۳۰) آثار الحوبہ فی اسرار التوبہ

۵ ۔ اسلام

(۳۱) تکمیل الاسلام (۳۲) احسان الاسلام (۳۳) درجات الاسلام (۳۴) السلام التحقیقی (۳۵) محاسن الاسلام (۳۶) الدوام علی الاسلام (۳۷) الاسلام الحقیقی (۳۸) الاتمام نعمۃ الاسلام تین حصے (۳۹) ازالۃ الفتنۃ

۶ ۔ اخلاق وآداب

(۴۰) سیرۃ الصوفی (۴۱) آداب المساجد (۴۲) اشرف المکالمہ (۴۳) السوال (۴۴) النور (۴۵) الدعوۃ الی اللہ (۴۶) الرفع والوضع (۴۷) آداب التبلیغ (۴۸) رجاء الغیوب (۴۹) اعانۃ النافع (۵۰) ابقاء العبد (۵۱) المحسنات (۵۲) النفقۃ (۵۳) الارادہ (۵۴) التوکل (۵۵) احسان التدبیر (۵۶) دستور سہارن پور (۵۷) اجابت الداعی (۵۸) الاستقامۃ ۔

۷ - اصلاح الاعمال

(۵۹) تسهیل الاصلاح (۶۰) تیسیر الاصلاح (۶۱) التصدی للغیر (۶۲) الظاہر (۶۳) الباطن (۶۴) المجاہدہ (۶۵) الارتیاب والاغتیاب (۶۶) قرب الحساب (۶۷) ذم المکروہات (۶۸) تغافل الاعمال (۶۹) طریق النجات (۷۰) الاقتصار (۷۱) الطباع

۸ - اصلاح النفس

(۱) اصلاح النفس (۲) نسیان النفس (۳) مراقبۃ الارض (۴) ذم النسیان (۵) زکوٰۃ النفس (۶) اسباب الغفلت (۷) ازالۃ الغین عن آلۃ العین (۸) وعظ بے تہاون (۹) ترک مالایعنی (۱۰) مظاہر الاقوال (۱۱) غض البصر (۱۲) تطہیر الاعضاء (۱۳) حفظ اللسان (۱۴) الارتعاظ بالغیر

۹ - ترغیب و ترہیب

(۱) جمال الجلیل (۲) التوجہ (۳) الوصل الفصل (۴) العزت (۵) رفع الموانع (۶) الوصل و الفصل -

۱۰ - تسلیم و رضا

(۱) قطع التمنی (۲) الخلط (۳) المعرق والرحیق (۴) الرضا والحق دو حصے (۵) التعرف بالتصرف (۶) فناء النفوس (۷) فناء المحبوب -

۱۱ - ذکر و شکر

(۱) تفصیل الذکر (۲) ذکر الرسول (۳) دواء الضیق (۴) المراقبہ (۵) اکبر الاعمال (۶) الذکر (۷) راحت القلوب (۸) القاف (۹) الاسعاد والابعاد (۱۰) رطوبت اللسان

۱۲ - دین و دنیا

(۱) ضرورۃ الاعتنا بالدین (۲) ضرورۃ العلم بالدین (۳) ضرورۃ العمل بالدین

(۴) الدین الخالص (۵) نفی الحرج (۶) ملت ابراہیم (۷) تفصیل الدین (۸) الحیوٰۃ (۹) تاسیس البنیان (۱۰) الرضا بالدنیا (۱۱) متاع الدنیا (۱۲) مظاہر المآل (۱۳) الفانی (۱۴) غریب الدنیا (۱۵) الاطمینان بالدنیا (۱۶) الدنیا (۱۷) الکمال فی الدین الرجال

۱۳۔ دار الآخرت

(۱) تذکیر الآخرت (۲) الدنیا و الآخرۃ (۳) ہم الآخرت (۴) المراد (۵) ترجیح الآخرت (۶) سبیل النجاح (۷) دار المسعود (۸) تجارت آخرت (۹) رجا ر اللقاء

۱۴۔ دعا و دوا

(۱) مہمات الدعا و حصے (۲) الاصابۃ فی معنی الاجابۃ (۳) نشر الرحمۃ (۴) الدعاء (۵) دوائے لعیوب (۶) علاج الحرص (۷) الافتضاح (۸) علاج الکبر (۹) حب العاجلہ (۱۰) الخضوع (۱۱) الغضب (۱۲) غوائل الغضب (۱۳) التعرض (۱۴) اوج قنوج

۱۵۔ رد بدعات

(۱) تقویم الزیغ (۲) عضل الجاہلیۃ (۳) نقد اللبیب فی عقد الحبیب (۴) الحضور الامور الصدور

۱۶۔ حدود و حقوق

(۱) خیر الارشاد فی حقوق العباد (۲) اصلاح الیتامیٰ (۳) رمضان فی رمضان، (۴) حرمات الحدود (۵) الحدود و القیود (۶) العبد الربانی (۷) حقوق البیت (۸) التبشیر (۹) الاسراف (۱۰) کف الاذیٰ (۱۱) حقوق السراء و الضراء (۱۲) حقوق المعاشرت (۱۳) حفظ الحدود (۱۴) حقوق القرآن (۱۵) الوقت (۱۶) الباب لاولی الالباب (۱۷) النفحات فی الاوقات (۱۸) النشرہ (۱۹) الرغبۃ المرغوبہ۔

(۱۷) خیر و شر

(۱) عمل الذرہ (۲) ایواء الیتامیٰ (۳) الانسداد للفساد (۴) الظلم

(۵) مفتاح الخیر (۶) التعاون علی الخیر

۱۸۔ خوف وخشیت

(۱) خواص الخشیت (۲) مواعظ اشرفیہ کانپور (۳) العلم والخشیۃ (۴) مواعظ اشرف امیرٹھ (۵) ثمرات الخوف

۱۹۔ حرص وہوس

(۱) ذم الہوٰی (۲) منازعۃ الہوٰی (۳) الہوی (۴) الہوٰی والہدیٰ۔

۲۰۔ حج وقربانی

(۱) ترغیب الاضحیہ (۲) تعظیم الشعائر (۳) روح الحج والثج (۴) السوال فی شوال (۵) العبرۃ بذبح البقرہ (۶) تکمیل الانعام فی صورۃ ذبح الانعام (۷) الحج المبرور (۸) الحج (۹) روح الارواح

۲۱۔ صبر وشکر

(۱) الصبر (۲) حقیقۃ الصبر (۳) ماعلیہ الصبر (۴) الاجرالنبیل فی صبر الجمیل (۵) الجبر بالصبر (۶) الصبر والصلوٰۃ (۷) السیر بالصبر (۸) الشکر (۹) تحقیق الشکر (۱۰) شکر المثنوی (۱۱) النعم المرغوبہ (۱۲) شکر النعمۃ (۱۳) عمل الشکر (۱۴) شکر العطاء

۲۲۔ صوم وصلوٰۃ

(۱) قطیر رمضان (۲) اکمل الصوم والعید (۳) احکام العشر الاخیر (۴) ندا رمضان (۵) الصیام (۶) شعبان فی الشعبان (۷) روح الجوائز (۸) روح الافطار (۹) عصم الصنوف عن ذم الانوف (۱۰) للنسوان فی رمضان (۱۱) اجر الصیام (۱۲) اجر الصیام بلا الصرام (۱۳) اکمال العدہ (۱۴) اصلات فی الصلوات (۱۵) تحصیل المرام (۱۶) الیسر مع العسر (۱۷) الصلوٰۃ (۱۸) مثلث رمضان (۱۹) التہذیب چھ حصے (۲۰) العتق من النیران فی رمضان۔

۲۳۔ صحبتِ بزرگاں

(۱) دعاۃ لامۃ بدالملۃ مع تتمۃ الحکمۃ (۲) اختیار التحلیل (۳) فوائد الصحبت (۴) انوار السراج (۵) البصیر بالبشیر۔

۲۴۔ سلوک و تصوّف

(۱) تقلیل الطعام (۲) تقلیل المنام (۳) تقلیل الکلام (۴) تقلیل الاختلاط (۵) التحصیل و التسہیل (۶) المرابط (۷) طریق القلندر

۲۵۔ عبادت

(۱) العبادہ (۲) آثار العبادہ (۳) اسرار العبادہ (۴) اصل العبادۃ (۵) ادار الفضلۃ (۶) علو العبادہ

۲۶۔ علم و عمل

(۱) طلب العلم (۲) تحلیم البیان (۳) نور الصدور (۴) تعلیم العلم مع تقسیم العلم (۵) تعمیم التعلیم (۶) کوثر العلوم (۷) القاظ القرآن (۸) وعظ شفاء العی السوال (۹) الفاء المجازفہ (۱۰) قطار الاحوال (۱۱) التواصی بالحق (۱۲) الفصل والانفصال (۱۳) الاکرمیۃ بالاعلمیۃ والاعمالیۃ (۱۴) الجناح (۱۵) شرط التذکیر (۱۶) تحدید الامثال بتعدد الاعمال (۱۷) تعدد الامثال (۱۸) تمکین الاعمال (۱۹) ادل الاعمال (۲۰) آخر الاعمال (۲۱) ضرورۃ العلماء (۲۲) العمل للعلماء

۲۷۔ عیدین

(۱) روح الصیام (۲) الفطر (۳) نمود العید (۴) عود العید (۵) العید والوعید

۲۸۔ میلاد النبی

(۱) الظہور (۲) السرور (۳) الحبور النور الصدور (۴) الشذور فی حقوق البدور (۵) نور النور (۶) المولد الفرسخی فی المولد البرزخی (۷) الرحمۃ علی الامۃ

۲۹۔ مال وجاہ

(۱) احکام المال (۲) مظاہر الاموال (۳) انفاق المحبوب (۴) المال والجاہ (۵) خیر المال للرجال (۶) خیر الاثاث للاناث (۷) احکام الجاہ۔

۳۰۔ مضار المعصیۃ

(۱) استخفاف المعاصی (۲) ترک المعاصی (۳) مضار المعصیۃ (۴) ترجیح المفسد (۵) الکاف

۳۱۔ مصیبت وراحت

(۱) تادیب المصیبۃ (۲) التنبیہ (۳) التیسیر المتیسیر (۴) التراحم فی التراحم (۵) الامتحان (۶) الجلاء للابتلاء (۷) الجلاء عن البلاء

۳۲۔ محبت ومودت

(۱) مواسات المصابین دو حصے (۲) آثار المحبت (۳) وحدت الحب (۴) اسباب الفتنہ (۵) المودۃ الرحمانیہ

۳۳۔ موت وحیات

(۱) ذکر الموت (۲) خیر الحیات والممات (۳) التثبیت بمراقبۃ المبیت (۴) تیقظۃ النائم

۳۴۔ فضائل

(۱) فضائل العلم والخشیۃ (۲) فضل العلم والعمل (۳) شعبان (۴) راس الاربعین (۵) التعمیم التعلیم القرآن الکریم (۶) اسباب الفضائل (۷) الجمعین بین النفعین (۸) العشر (۹) الفضل العظیم (۱۰) الضحایا (۱۱) اشرف العلوم (۱۲) شب مبارک (۱۳) روز مبارک (۱۴) ماہ مبارک

۳۵۔ نسوانیات (۱) اصلاح النسوان (۲) الباقی (۳) العفۃ (۴) الکمال فی

الدین للنساء (۵) الاستماع والاتباع (۶) غایۃ النجاح فی آیۃ النکاح (۷) رفع الالتباس (۸) برکت النکاح (۹) کساء النساء۔

۳۶۔ متفرقات

(۱) اصلاح ذات البین (۲) الخیانت (۳) شوق اللقاء (۴) الصلاح والاصلاح (۵) تحریم المحرم (۶) نیل البر (۷) اقسام الربا (۸) جمال یوسف (۹) الطاعون (۱۰) الاستعداد (۱۱) الولایت (۱۲) الاستعداد (۱۳) العاقلات الغافلات (۱۴) الدعوٰی (۱۵) العود الی المقاصد (۱۶) التمدن (۱۷) المیمونان (۱۸) السکن (۱۹) آثار المزاح (۲۰) سنت ابراہیم (۲۱) نظام الحدیث (۲۲) احدی الحسنیین۔

تفصیل اعتناء

بعض اہل علم نے حضرت تھانویؒ کی تالیفات کے ساتھ مختلف طریق سے اعتناء فرمایا کسی نے تسہیل عبارت سے کسی نے تلخیص انتخاب سے اور کسی نے دوسری زبان میں ترجمہ سے تاکہ حضرت کے علوم ومعارف سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی اعلیٰ وادنیٰ اور عام وخاص محروم نہ رہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

کتب معتنیٰ بہ

(۱) امثال عبرت ۲۔ علم غیر منقول (۳) تفسیر المواعظ (۴) علوم امدادیہ (۵) ابیات حکمت (۶) عروس المواعظ (۷) اصول الوصول (۸) رفع الضیق (۹) الشفاء (۱۰) ترجمۂ اردو زبر دیلم (۱۱) حواشی رسالہ انتباہات (۱۲) ابانۃ البیان (۱۳) تسہیل قصد السبیل (۱۴) الشراب الطہور (۱۵) حل الانتباہات (۱۶) مناجات مقبول (۱۷) معمولات اشرفی (۱۸) فرائد الفوائد (۱۹) معمولات سفر (۲۰) ترجمہ مائۃ دروس (۲۱) تسہیل شوق وطن (۲۲) صلوٰۃ السفر (۲۳) معمولات خانقاہ (۲۴) اشرف السوانح (۲۵) انفاس عیسیٰ (۲۶) النعمت فی اشعار حکمت (۲۷) بہشتی ثمر (۲۸) الحصون الحصینہ (۲۹) الوالۃ الوسن (۳۰) خلاصہ بیان القرآن (۳۱) کمالات اشرفیہ

(۳۲) الحیص بیان القرآن (۳۳) تصحیح الاغلاط (۳۴) اشرف المعمولات (۳۵) افادۃ العوام ترجمہ خطبات الاحکام (۳۶) تسہیل تمہید حیات المسلمین (۳۷) عنوان التصوف (۳۸) مراٰۃ المواعظ (۳۹) تالیفات اشرفیہ (۴۰) اشرف الجواب (۴۱) افادات اشرفیہ درمسائل سیاسیہ ۴۲ شریعت وطریقت - ان کے علاوہ تقریباً ۶۰ مواعظ کی بھی تسہیل وغیرہ کی گئی ہے۔

تالیفات مترجمہ

ان کے علاوہ حضرت کی تالیفات کے بکثرت دوسری زبانوں میں بعض ارباب علم نے ترجمے بھی کئے۔ ان کی تفصیل تالیفاتِ اشرفیہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ماہنامے

حضرت تھانویؒ کے فیوض وبرکات ظاہری وباطنی کی تبلیغ واشاعت کے لئے حسب ذیل ماہنامے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سے جاری ہوتے رہے۔

۱۔ النور

یہ ماہوار رسالہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون سے زیرادارت مولانا شبیر علی صاحب ہر قمری مہینہ کے آخری ہفتہ میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے مع ٹائٹل ۳۲ صفحے تھے جو ۱۳۳۵ھ سے جاری ہوا۔ اس کا سال ماہ جمادی الاولی سے شروع ہوتا تھا۔ اس میں حضرت کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

۲۔ المبلغ

اسے بھی مولانا شبیر علی صاحب تھانہ بھون سے شائع کیا کرتے تھے۔ ۴۰ صفحات کا یہ رسالہ ہر قمری مہینہ کو شائع ہوتا تھا۔ یہ ۱۳۴۹ھ سے جاری ہوا۔ اس کا سال شوال المکرم سے شروع ہوتا تھا۔ اس میں حضرت کے جدید مواعظ شائع ہوا کرتے تھے۔

۳۔ الابقاء

یہ رسالہ دریبہ کلاں دہلی سے جناب محمد عثمان خاں صاحب تاجر کتب نے ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ کو شائع کرنا شروع کیا۔ اس میں مع ٹائیٹل ۳۶ صفحے ہوتے تھے۔ یہ رسالہ ۱۳۴۸ھ میں شائع ہوا اس کا سال ماہ رمضان سے شروع ہوتا تھا۔ اس میں حضرت کے کمیاب مواعظ شائع ہوتے تھے۔ یہ اب تک کراچی سے شائع ہوتا ہے۔

۴۔ الہادی

یہ رسالہ بھی دریبہ کلاں دہلی سے زیر اہتمام خاں صاحب موصوف ہر قمری مہینہ میں شائع ہوتا تھا۔ ۴۸ صفحے کا یہ رسالہ ۱۳۴۳ھ میں جاری ہوا۔ اس کا سال جمادی الاولیٰ سے شروع ہوتا تھا۔ اس میں حضرت کے ہر قسم کے علوم عقلیہ و نقلیہ شائع کیے جاتے تھے۔

۵۔ الامداد

یہ رسالہ امداد المطابع تھانہ بھون سے رجب ۱۳۴۴ھ سے جاری ہوا ضخامت ۴۰ صفحات کی تھی۔ حضرت رح کے ہر قسم کے مضامین اس میں شائع ہوتے تھے۔

۶۔ اشرف العلوم

یہ رسالہ دفتر اشرف العلوم سہارنپور سے محرم الحرام ۱۳۵۴ھ سے جاری ہونا شروع ہوا، ہر قمری مہینہ میں شائع ہوتا تھا شروع میں یہ ۲۳۵ صفحات پر چھپتا رہا بعد میں اس کی ضخامت صرف ۴۰ صفحات کی رہ گئی

۷۔ الاشرف

یہ ماہوار رسالہ انوار بک ڈپو لکھنؤ سے زیر ادارت مولوی محمد حسن صاحب نکلا کرتا تھا۔ یہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ سے جاری ہوا۔ اس کے نصف میں جدید ملفوظات اور نصف میں کتاب "بوادر النوادر" شائع ہوتی تھی (ماخوذ از سیرت اشرف)

***

حضرت اقدس عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی دامت برکاتہم کی دیگر مقبول عام تالیفات

اُسوۂ رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ گذشتہ تین سال کے دوران اس کتاب کے دس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اس کے علاوہ یہ مبارک کتاب سندھی زبان میں بھی شائع ہو چکی ہے اور انگریزی و گجراتی میں بھی اس کا ترجمہ ہو رہا ہے اس کتاب کو نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی بے حد پسند فرمایا۔ چند علمائے دین کی آراء کے اقتباسات پیش خدمت ہیں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا:۔

"ہمارے محترم بزرگ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نے جو سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی کے خلیفہ خاص ہیں عام لوگوں کو اطاعت رسول اور اتباع سنت کا صحیح مفہوم سمجھانے کے لئے شمائل وخصائل کی مستند کتابوں سے ہر شعبہ زندگی کے متعلق ہدایات کو واضح اور نمایاں کر کے جمع فرما دیا ہے جو کتب شمائل کا اصل مقصد ہے جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان کا مستند اور معتبر ہونا خود اس مجموعہ کے مستند ہونے کی ضمانت ہے۔ الحمدللہ شمائل نبویہ کا یہ بہت اچھا مجموعہ عام فہم اور سلیس زبان میں جمع ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو جزائے خیر عطا فرما دیں اور کتاب کو مقبول اور مفید بنا دیں واللہ المستعان۔"

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب زاد اللہ فیوضہم نے قبلہ ڈاکٹر صاحب کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا:۔

"آپ کی مبارک کتاب بہت ہی برکات کی حامل ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ منتفع فرمائے اور جناب کو دارین کی ترقیات سے نوازے۔"

سائز ۱۸×۲۲/۸ آفسٹ کاغذ، دیدہ زیب کتابت و عکسی طباعت اور جاذب نظر پلاسٹک کور قیمت روپے

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک، کراچی

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہ العالی خلیفہ مجاز حکیم الامت
حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رح کی معرکۃ الآراء تالیف

بصائر حکیم الامت

حقیقت تصوف و سلوک اور ازالہ اوہام و شکوک کیلئے ایک نادر اور بیش بہا کتاب

جسمیں حکیم الامت مجدد ملت محی السنت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح کی تصنیفات و تالیفات میں سے ایسے مجددانہ و مصلحانہ مضامین جنکا تعلق خصوصیت کیساتھ تصوف و سلوک سے ہے اور جنکی تشریح و وضاحت کتاب و سنت کے قوی دلائل کے ساتھ کی گئی ہے اور جن میں تجدیدی و اصلاحی انفرادیت کی شان نمایاں ہے منتخب و جمع کر کے خاص ربط و عنوانات کے تحت مرتب و مدون کیا گیا ہے۔

اس نادر کتاب کا مطالعہ نہ صرف ان لوگوں کے لئے کہ جو تصوف سے دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ نہایت مفید ثابت ہوگا۔
اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسکے دو ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکے ہیں اور عوام کی زبردست مانگ کے پیش نظر اب اس کتاب کا تیسرا نظر ثانی شدہ اڈیشن پیش خدمت ہے۔

آفسٹ کاغذ، عمدہ طباعت مجلد مع پلاسٹک کور

ناشر:- ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فون :- ۲۱۲۸۲۱